مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۲۴ بخشی بازار
الہ آباد

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامت حضرت

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ہذا۔ رمضان ۱۴۲۰ھ مطابق جنوری ۲۰۰۰ء۔ جلد: ۲۳

قیمت فی پرچہ نو روپے سالانہ زر تعاون ۹۰ نوے روپیہ ششماہی ۵۰ پچاس

سالانہ بدل اشتراک: پاکستان ۱۰۰ سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ
مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار
الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۵۶۱۸۳

پرنٹر - پبلشر - مولوی احمد مکین ۱۰ اسرار کریمی پریس جانسن گنج - الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

جنوری سنہ ۲۰۰۰ء سے رسالہ وصیۃ العرفان کا زر تعاون حسب ذیل ہوگا

سالانہ ——— نوّے (۹۰) روپیہ
ششماہی ——— پچاس (۵۰) "
فی پرچہ ——— نو (۹) "

مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ

مجلس نہم

(انبیاء علیہم السلام کی بعثت)

(۲)

ہر محبت معتبر نہیں

غرض طریق دونوں ہی چیزوں سے مرکب ہے یعنی اتباع سنت سے اور محبت سے، چنانچہ محبت کا معیار منصوص ہے اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ (اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو) اور اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کی علامت اتباع سنت کو اسلئے قرار دیا ہے تاکہ مدعی اور کاذب لوگ اس میں داخل نہ ہونے پائیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء و مشائخ سب نے ہر زمانہ میں طریق سے اہل دعوی کو خارج کیا ہے۔ لیکن یہ چیز ہے دشوار کیونکہ اگر ایسے عالم کی شان میں جو شریعت کا ترجمان نہ ہو یا ایسے صوفی کے بارے میں جو بطور خود راستہ طے کر رہا ہو اگر کچھ کہدیا جاوے یعنی ان پر انکار و اعتراض کیا جاوے تو اس میں تو کچھ حرج نہیں ہے ایسا کرنا جائز ہے جیسا کہ سیدنا رفاعیؒ کی کتاب سے میں نے کل سنایا تھا لیکن اگر خدانخواستہ ایسی کچھ بے احتیاطی ہو گئی اور کسی محقق عالم یا مقبول صوفی کی شان میں کوئی بات کہدی گئی تو یہ خطرناک بھی ہے۔

اولیاء کرام کے بارے میں شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی نصیحت جیسا کہ ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ

"ہمارے نزدیک اتنا ضرور ہے کہ ہر صاحب عقل پر یہ بات حرام ہے کہ اولیاء اللہ میں سے کسی کے ساتھ بدگمانی رکھے اور اس پر واجب ہے کہ انکے اقوال و افعال کی تاویل کرتا رہے جب تک انکے درجہ تک نہ پہونچے چنانچہ ابوعبد اللہ قرشیؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مقبول حق کی تنقیص کرتا ہے اسکے قلب میں ایک زہر آلود تیر قہر کا لگتا ہے اور وہ مرتا نہیں یہاں تک کہ اسکے عقائد فاسد ہو جاتے ہیں اور اسکی سوء خاتمہ کا اندیشہ ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اکابر کی تنقیص اور ان پر طعن کرنا خطرناک ہے"

ابوتراب نخشبیؒ فرماتے ہیں کہ جب قلب اعراض عن اللہ (خدا سے روگردانی) کا خوگر ہو جاتا ہے تو اولیاء اللہ کی غیبت اسکے لازم حال ہو جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ مقبولان حق پر طعن وتشنیع علامت ہے اعرض عن الحق کی، اور اس میں شک نہیں کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں چل رہے ہیں اور جنھوں نے کہ اپنی جانیں خدا کی راہ میں کھپا دی ہیں انپر اعتراض کرنے والا خطرہ ہی میں ہے یہ ڈرنے کا مقام ہے چنانچہ خود حضرت مجددؒ صاحب ایک طرف ابن عربیؒ پر اعتراض بھی کرتے ہیں مگر انکے متعلق یہ بھی فرماتے ہیں کہ:۔

"عجب معاملہ است شیخ بایں گفتگو و بایں شطح خلاف جواز از مقبولان بنظر می آید و در اعداد اولیاء مشاہد می گردد ع

باکریماں کارہا دشوار نیست

(عجب معاملہ ہے کہ شیخ ابن عربیؒ ایسی گفتگو اور ظاہرًا ایسی خلاف شریعت باتیں کہنے کے باوجود مقبولان الٰہی میں نظر آرہے ہیں اور اولیاء کرام کی جماعت میں دکھائی دے رہے ہیں سچ ہے

سخی اور کریم کے لئے کوئی کام مشکل نہیں)

مقبولیت عند اللہ کا مدار محبت الٰہی اور اتباع شریعت پر ہے

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ :-

"عجائب کاروبار است شیخ محی الدینؒ از مقبولان درنظر درمی آید"

نظر سے مراد یہاں نظر کشفی ہے اور یہ جو فرمایا کہ "از مقبولان بہ نظر درمی آید" (مقبولان الٰہی میں سے نظر آرہے ہیں) تو یہ سمجھئے کہ عند اللہ کسی کی مقبولیت محبت اور اتباع شریعت ہی سے ہوتی ہے اگر کسی میں ایک جزو کی کمی رہی تو وہ مقبول نہ کہلائے گا۔ چنانچہ جتنے بھی اولیاء اللہ ہوئے ہیں سب اعتقاد میں بھی پختہ ہوئے ہیں اور احکامِ الٰہیہ کے بھی پورے پابند ہوئے ہیں۔ اور سنیئے :-

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کا ارشاد گرامی

جس طرح سے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تفہیمات میں انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی غایت امور ثلاثہ عقائد۔ احکام اور احسان کی تکمیل کو فرمایا ہے اسی طرح سے قاضی ثناء اللہ صاحبؒ پانی پتی نے بھی اپنی کتاب "مالا بد منہ" میں انھیں تین امور کے مسائل بیان فرمائے ہیں۔ شروع میں کتاب الایمان کے اندر عقائد کا ذکر کیا ہے، پھر طہارت وصلوٰۃ وغیرہ فقہی مسائل پر بحث کی ہے اور اور آخر میں کتاب الاحسان کا عنوان قائم کر کے اخلاص واحسان پر مختصر کلام فرمایا ہے جس میں ولی اور ولایت کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور اس باب میں چونکہ لوگوں کو بہت غلط فہمیاں ہو رہی ہیں اور جہل کے سبب لوگ گمراہی کا شکار ہو رہے ہیں اسلئے اس پر کچھ مفصل کلام کرتا ہوں :-

قاضی صاحبؒ نے اپنی کتاب میں کتاب الاحسان کے عنوان سے ایک باب ہی قائم فرمایا ہے اور اسکی ابتدا ہی ان کلمات سے فرمائی ہے۔

بداں اسعدک اللہ تعالیٰ ایں ہمہ کہ گفتہ شد صورت ایمان و اسلام و شریعت است و مغز وحقیقت او در خدمت درویشاں باید جست وخیال نباید کرد کہ حقیقت خلاف شریعت است کہ ایں سخن جہل وکفر است۔

جانو! (اللہ تعالیٰ تم کو نیک بخت بنائے) کہ یہ جو کچھ بیان کیا گیا اسلام وایمان اور شریعت کی صورت تھی باقی اسکی حقیقت اور مغز کو درویشوں کی خدمت و صحبت میں تلاش کرنا چاہیئے اور یہ ہرگز نہ خیال کرنا چاہیئے کہ حقیقت اور ہے اور شریعت اور ہے یعنی بزرگی شریعت سے الگ اور مختلف کوئی چیز ہے کیونکہ یہ بات جہالت کی اور کفر کی ہے۔

قرآن کریم کی نگاہ میں خدا کا ولی

پھر کچھ دور چل کر شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"ولی در قرآن متقی را فرمودہ و در حدیث علامت اولیاء اللہ فرمودہ کہ در صحبت او خدا یاد آید یعنی محبت دنیا در صحبت او کم شود و محبت حق زیادہ گردد واللہ اعلم وکسے کہ متقی نباشد او ولی نباشد"

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہ ہر دستے نہ شاید داد دست"

سبحان اللہ! نہایت ہی مختصر کلام کیا ہے لیکن بہت ہی جامع، فرماتے ہیں کہ قرآن میں "ولی متقی کو فرمایا گیا ہے" اسمیں اشارہ ہے اس آیت کی طرف

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں، وہ وہ لوگ ہیں جو

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ○ ایمان لائے اور پرہیز رکھتے ہیں۔

اور حدیث شریف میں اولیاء اللہ کی علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ "اسکی صحبت میں خدا یاد آئے، اور خدا کے یاد آنے کا مطلب یہ ہے کہ اسکی صحبت کی برکت سے دنیا کی محبت کم ہو جائے اور حق تعالے کی محبت زیادہ ہو جائے" چنانچہ اس تعریف کی رو سے معلوم ہوا کہ جو شخص متقی نہیں ہے وہ ہرگز ولی نہیں ہو سکتا کیونکہ بہت سے ابلیس انسان کی شکل میں ہوتے ہیں لہٰذا ہر شخص کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیئے اسلئے کہ ممکن ہے وہ صورتاً ہی انسان ہو اور حقیقتاً شیطان ہو"۔

ولی کی تعریف چونکہ یہ عقائد کا مسئلہ ہے اسلئے عقائد کی کتابوں میں اس پر بحث کی گئی ہے چنانچہ شرح عقائد میں ہے کہ کَرَامَاتُ الْاَوْلِیَاءِ حَقٌّ (اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں) اسکے تحت ولی کی تعریف فرماتے ہیں کہ الولی ھو العارف باللہ تعالی وصفاتہ حسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانہماک فی اللذات والشہوات یعنی ولی اس شخص کو کہتے ہیں جو بقدر امکان اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا عارف ہو اور طاعات پر مداومت کرنے والا ہو، معاصی سے اجتناب کرتا ہو اور لذات و شہوات میں انہماک نہ رکھتا ہو۔

دیکھا آپ نے علماء عقائد نے تو ولی کے لئے اتنی شرائط رکھی ہیں لیکن اب یہ حال ہو گیا ہے کہ کسی میں ان شرائط کی تلاش تو بجائے خود رہی کوئی شخص انکی اضداد کے ساتھ بھی اگر متصف ہو تب بھی اسے ولایت کا درجہ دے دیا جاتا ہے

ولایت کی شرط اول یہ حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ ولی وہ ہے

جو عارف باللہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کا عارف ہو، انکی صفات کا عارف ہو، انکی عظمت و جلال کا عارف ہو، اور اب اس زمانے میں ولی کیلئے عارف ہونا ہی ضروری نہیں۔

میں نے مکہ مکرمہ میں ایک خطیب کو خطبہ پڑھتے ہوئے سنا جس میں اس نے اللہ کی عظمت و جلال کا ایسا ایسا بیان کیا تھا جس سے قلوب ہل جائیں میں نے سنکر کہا کہ ہاں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا بیان یہ ہے۔ یہاں ہندوستان میں میں نے کسی کو ایسا خطبہ دیتے ہوئے سنا نہیں۔ پھر جب آپ کے خطباء اور علماء ہی نہ بیان کرینگے تو آپ کے قلوب میں اسکی عظمت کیسے پیدا ہو سکتی ہے؟

ولایت کی دوسری شرط

اسی طرح ایک شرط یہ بیان فرمائی کہ طاعات پر مواظبت (اور پابندی) رکھے۔ لیکن آج لوگوں کا معیار یہ ہو گیا ہے کہ کوئی شخص اگر فرائض و واجبات کا کبھی پابند نہ ہو تب بھی وہ ولی ہو سکتا ہے۔ شرع کی مخالفت انکے نزدیک قادح (اور مخل) نہیں ننگ دھڑنگ پر بھی مقبولیت کا گمان کرتے ہیں۔ آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ صریح گمراہی نہیں تو اور کیا ہے؟ شیخ سعدی یہ فرماتے ہیں کہ ؎

میندار سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز بر پئے مصطفٰی

(سعدی تم یہ ہرگز مت سمجھنا کہ باطن کے تصفیہ اور خدا کے قرب و رضا کا راستہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کی پیروی کے بغیر طے کیا جا سکتا ہے)۔

اور اس زمانے کے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ولایت کیلئے نہ اتباع سنت ضروری نہ اتباع فرض ضروری، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کی مذمت بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ :۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ یعنی انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے ۔ دلیل اسکی یہ ہے کہ جب اسے کوئی شر اور تکلیف پہنچتی ہے تو خوب جزع فزع کرتا ہے (اور یہ سمجھتا ہے کہ اب اس سے نہ نکل سکوں گا) اسی طرح جب اسے کوئی خیر (اور فارغ البالی) پہنچتی ہے تو اسے دوسروں سے روکنے والا بنجاتا ہے (اس ڈر سے کہ کہیں ختم نہو جائے) آگے اس سے مصلین کو مستثنیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ کہ مومن ہیں نماز پڑھتے ہیں انکے یہ اوصاف نہیں ہیں بلکہ نماز کی برکت سے ان میں صبر، توکل اور انفاق فی سبیل اللہ (راہ خدا میں خرچ کرنا) وغیرہ جیسی صفات پیدا ہو جاتی ہیں ۔

میں آپ کو دکھلانا چاہتا ہوں کہ جن لوگوں کا استثنار کیا گیا ہے انکی جملہ صفات میں سب سے پہلے نماز کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں تو نماز کا اتنا بڑا درجہ ہے اور آپنے اسکو بھی ولایت سے خارج کر رکھا ہے ۔ چنانچہ میں نے دیکھا ہے کہ جو لوگ نماز وغیرہ پڑھتے ہیں انھیں تو کوئی بزرگ نہیں سمجھتا اور بھنگڑ سنگڑ کو لوگ ولی سمجھتے ہیں ۔

ولایت کی تیسری شرط ایک وصف ولی کے لئے یہ فرمایا کہ وہ لذات و شہوات میں انہماک سے پرہیز کرتا ہو، علمار فرماتے ہیں کہ لذائذ میں انہماک و استغراق منافی ولایت ہے ۔ باقی لذائذ سے بالکلیہ اجتناب یہ بھی طریقہ محمدیہ نہیں ہے بلکہ نصاریٰ اور ہنود کے رہبان (تارک الدنیا لوگوں) کا طریقہ ہے ۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ

در عمل کوش و ہر چہ خواہی پوش
تاج برسر نہ و علم بر دوش

(اعمال صالحہ میں مجاہدہ اور کوشش کرتے رہو پھر جو چاہو پہنو، خواہ تاج سر پر رکھو یا جھنڈا کندھوں پر)

اور اس رہبانیت (اور اس ترک دنیا) کی حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک جماعت ازواج مطہراتؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں سوال کیا جب اسکو سنا تو اپنی دانست میں اسکو بہت کم سمجھا (یعنی اپنے گمان سے کم پایا) پھر آپس میں یہ کہا کہ بھائی ہمارا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا مقابلہ؟ آپ تو معصوم ہیں اور آپکے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کئے جا چکے ہیں (اور ہم لوگ گنہگار ہیں لہٰذا ہمیں زیادہ عمل کرنا چاہیئے) چنانچہ ایک نے تو یہ کہا کہ میں نے رات بھر نماز پڑھنا طے کر لیا ہے، دوسرے نے کہا کہ میں ساری عمر روزہ رکھوں گا، تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے علٰحدگی اختیار کروں گا اور نکاح ہی نہ کرونگا یہ حضرات یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے آپنے انکی باتیں سن لیں اور فرمایا تمھیں وہ لوگ ہو جو اس اس قسم کی باتیں کر رہے تھے؟ تو سن لو! کہ خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا کا خوف کرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ گناہوں سے بچنے والا ہوں۔ پھر بھی میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، شب میں اٹھکر نمازیں بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، یہ سب میرا طریقہ ہے تو جو شخص میرے طریقہ سے اعراض کرے گا وہ میری جماعت سے نہیں ہے۔

پس اب لذات کے ترک کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ اسمیں

غلو اور انہماک نہونا چاہیئے کہ ہمیشہ اسی کی اُدھیڑ بُن میں رہے، باقی قدرے قلیل لذات کا استعمال منافی ولایت نہیں اور یہ بھی مبتدیوں کے لئے ہے اسلئے کہ ؎

نازپروردہ تنعم نبرد راہ بدوست
عاشقی شیوہ رندان بلاکش باشد

(نازونعمت میں جو پرورش پائے ہوئے ہے وہ محبوب تک نہیں پہونچ سکتا اسلئے کہ عاشقی اسکا کام نہیں ہے بلکہ) یہ بلاکو برداشت کرنیوالے رندوں کا شیوہ وطریقہ ہے ہوسناکوں کا نہیں)
اور کاملین کے متعلق تو مولانا روم فرماتے ہیں کہ ؎

لقمہ ونکتہ است کامل راحلال تو نہ کامل مخور می باش لال

(لذیذ کھانے اور نکات بیان کرنا کامل کیلئے حلال ہے اور تم تو کامل ہو نہیں اسلئے عمدہ عمدہ کھانے بھی نہ کھاؤ اور گونگے بنے رہو)

غرض ایمان اور عمل صالح ولی کا وظیفہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ تعالےٰ کیلئے عمل صالح کرتا ہے اور اپنی لذات وشہوات کو انھیں کیلئے ترک کرتا ہے تو اسکا اجر آخرت میں جو اسکو ملیگا وہ تو ملے گا ہی دنیا میں بھی اللہ تعالےٰ اسکا صلہ عطا فرماتے ہیں یعنی چونکہ اس نے اپنی عادت اور خواہش کو چھوڑا ہے اسلئے اللہ تعالیٰ اسکے ہاتھوں پر عادت کو خرق فرما دیتے ہیں (یعنی بطور کرامت خلاف عادت چیزیں ظاہر فرمادیتے ہیں)

کرامت کی تعریف

چنانچہ علماء عقائد نے کرامت کی یہی تعریف کی ہے کہ هُوَ ظُهُوْرُ اَمْرٍ خَارِقٍ لِلْعَادَةِ مِنْ جَانِبِهٖ غَيْرِ مُقَارِنٍ لِدَعْوَى النُّبُوَّةِ یعنی کرامت کسی کے ہاتھ پر امور خارق للعادۃ (خلاف عادت) کے ظاہر ہونے کا نام ہے بشرطیکہ یہ شخص مدعیٔ نبوت نہو۔ یہ آخری قید اسلئے لگائی کہ بہت سے لوگ کرامات ہی کا انکار کرتے ہیں اور اسکی دلیل یہ بیان کرتے ہیں

کہ اسکی وجہ سے نبی اور ولی میں اشتباہ ہو جائے گا یعنی ایک ولی اپنی کرامات کو معجزہ قرار دے کر نبوت کا دعویٰ کر سکتا ہے اور اس کا فتنہ ہونا ظاہر ہے اسکا جواب اسی قید سے دیا کہ کرامت کیلئے یہ ضروری ہے کہ صاحب کرامت مدعیٔ نبوت نہو اور اگر کسی کے ہاتھ پر کوئی چیز خلاف عادت صادر ہوئی اور اس نے نبوت کا دعویٰ بھی کر دیا تو پھر اس کے ہاتھ سے خارق کا ہونا بند ہو جائے گا، یہ خدائی حفاظت اسی لئے ہے تاکہ غیر نبی اور نبی میں اشتباہ نہو سکے۔

استدراج اور اسکے متعلق ضروری تنبیہات

لیکن کبھی ایک ایسے شخص سے بھی جو ایمان اور عمل صالح سے عاری اور خالی ہوتا ہے کچھ باتیں خلاف عادت صادر ہو جاتی ہیں خواہ وہ کافر ہو یا مومن فاسق ہو۔ اسکو یہ حضرات استدراج کہتے ہیں اسے کرامت نہیں کہا جاتا اور استدراج اسلئے کہتے ہیں کہ اسکی وجہ سے وہ شخص درجہ بدرجہ دوزخ سے قریب ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس مقام پر صاحب نبراس نے ایک بہت ہی عمدہ اور ضروری تنبیہ فرمائی ہے جسکا پیش نظر رکھنا ضروری ہے، فرماتے ہیں کہ:۔

ومما یجب ان یعلم ان من واظب علی الریاضات الشاقۃ ظھرت عنہ الخوارق ولو کان کافرًا وھذا امتحان شدید لضعفاء المسلمین وسبب اضلالھم وسوء اعتقادھم بالشرائع فلیحفظ المومن ایمانہ عن

اس بات کا جاننا بھی واجب ہے کہ جو شخص سخت ریاضتوں پر مداومت کریگا اس سے خلاف عادت باتیں بھی ظاہر ہونے لگیں گی خواہ وہ کافر ہی کیوں نہو اور اسکا یہ استدراج ضعیف مسلمانوں کیلئے سخت امتحان وآزمائش کا مقام ہے بلکہ انکے گمراہ ہونے اور احکام شرعیہ سے بدعقیدہ ہو جانے کا سبب ہو سکتا ہے۔ لہذا مومن کو اس آفت سے اپنے ایمان کے بچانے کی فکر رکھنی چاہیئے۔ اور

هٰذه الافة وسمّى استدراجًا لانه سببٌ وصوله الى النار بالتدريج۔	اسکا نام استدراج اس لئے ہے کہ یہ اس شخص کے بتدریج جہنم کی طرف جانے کا سبب بنتا ہے۔

(نبراس شرح شرح العقائد)

حاصل یہ کہ فاسق اور کافر کا اشتباہ ولی کے ساتھ ہو سکتا ہے کیونکہ انکے ہاتھوں پر بھی خوارق (یعنی استدراج) ہو سکتے ہیں جبکہ اشتباہ کرامت سے ممکن ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس دار دنیا میں حق تعالیٰ کی جانب سے یہ ایک امتحان شدید ہے جس سے ضعفاء مسلمین کا بچنا اور انکے اعتقاد کا سالم رہنا اور شریعت پر قائم رہنا ایک مشکل مسئلہ ہے اور بلاشبہ مومن کے ایمان کے حق میں یہ ایک بہت بڑی آفت ہے جس سے بچنا اسکے لئے ضروری ہے اس سے حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق طلب کرنا چاہیے اس سے نجات کی صورت یہی ہے کہ آدمی کو صحیح علم حاصل ہو، اور علماء و مشائخ کے ذریعہ لوگوں نے اپنے عقائد کی تصحیح کر لی ہو اور اس بات کو جانتے ہوں کہ خوارق کو کرامت اسی وقت کہتے ہیں اور خوارق علامت مقبولیت جب ہی قرار پا سکتے ہیں کہ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ مقرون ہوں اور ظاہر ہے کہ یہ بات ایمان کا مفہوم اور عمل صالح کی تفصیل جاننے ہی پر موقوف ہے اسی لئے علم شریعت اور علم سنت جاننا ضروری ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو مانیں اور آپ ہی کی لائی ہوئی شریعت کو نہ جانیں۔ ہاں اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی جاننا ہوگا کہ ولی کسی درجہ کا کیوں نہ ہو جائے احکام شرعیہ کبھی اس سے ساقط نہیں ہوتے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھے اگر ہزار برس کی عمر ملے جب کبھی اپنا ایک وظیفہ کبھی نہ چھوڑوں۔ حضرت جنیدؒ سے ایسی قوم کے متعلق سوال کیا گیا جو احکام شرعیہ کے اسقاط (یعنی معاف کردیئے جانے) کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ تکالیف شرعیہ وصول (خدا کے قرب وقبول) کے وسائل تھے اور ہم تو واصل ہوگئے لہٰذا اب ہمیں اسکی کیا ضرورت ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ ہاں واصل ہونے کے دعوے میں تو وہ سچے ہیں مگر جہنم واصل ہیں، چور اور زانی ایسے شخص سے اچھے ہیں جسکا یہ اعتقاد ہو (اسلئے کہ وہ ایک عملی نقص ہے اور یہ اعتقادی نقص ہے اور اعتقادی نقص عملی نقص سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔

سنت رسولؐ سے بے تعلقی ہر خرابی کی جڑ ہے میں نے شروع میں جو کہا تھا کہ طریق دو چیزوں سے مرکب ہے محبت حق اور اتباع سنت سے چنانچہ آپکو اس بیان سے جو میں نے عرض کیا یہ تو معلوم ہی ہوگیا ہوگا کہ آج ہماری اعتقادی اور عملی ہر طرح کی خرابیوں اور خامیوں کی جڑ سنت سے بے تعلقی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں ہمیں یاد ہی نہیں رہ گئی ہیں حالانکہ وہی طریق ہیں اس لئے کہ ہر ہر موقع پر آپ نے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور فکر آخرت پیدا کرنیکا مکمل سامان فرمایا ہے۔ اب آپکے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند سنتیں بیان کرتا ہوں

چند سنتیں اور دعائیں سنیئے! مثلاً ایک سنت آپکی یہ ہے کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے تھے اور اس سے فراغت کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (سب تعریفیں اس خدا کیلئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مسلمان بنایا) چنانچہ یہی طریقہ اور ترتیب جنت میں کبھی رہیگی کہ وہاں جب

کسی سے ملاقات کرینگے تو پہلے سلام کریں گے وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ اور آخر میں کہیں گے وآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یعنی ہماری آخری بات یہ ہے کہ جملہ تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے)

تعلیمات نبوی کا ایک اہم اور نادر پہلو

اب دوسری بات سنئے پاخانہ جانے سے پہلے یہ دعا پڑھنا سنت ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ (اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبیث جنوں سے مرد ہوں یا عورت) اور فارغ ہونے کے بعد مسنون ہے کہ یہ دعا پڑھے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنِّي الْاَذٰى وَعَافَانِيْ (شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھ سے ایذاء دینے والی چیز دور کردی اور مجھے چین دیا) بعض روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر یہ دعا پڑھی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنِّيْ مَا يُؤْذِيْنِيْ وَاَبْقٰى مَا يَنْفَعُنِيْ یعنی شکر اس خدا کا جس نے مجھ سے ایذا کی چیزوں کو زائل فرمادیا اور اس چیز کو باقی رکھا جو میرے لئے نفع بخش ہے۔

دیکھئے یہ تعلیمات سوائے نبی کے اور کون دے سکتا ہے۔ پیشاب اور پاخانہ اور کھانے پینے کا دنیا ہونا ظاہر ہے آپ نے ان دعاؤں کے ذریعہ ان خالص دنیوی امور کو بھی دین بنا دیا اور انکے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ تک پہونچا دیا اور انسان کو اسکی عاجزی اور احتیاج کی معرفت کراکے اللہ تعالیٰ کی معرفت کرادی اسی طرح سے آپ سے سوتے وقت کی دعا بھی منقول ہے، جب بستر پر تشریف لیجاتے تو یہ دعا فرماتے

بِاسْمِكَ رَبِّيْ وَضَعْتُ جَنْبِيْ وَبِكَ اَرْفَعُهٗ اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلَهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ

یعنی اے اللہ آپکے ہی نام سے میں نے اپنے پہلو کو رکھا اور آپ ہی کے سہارے سے اٹھاؤں گا۔ اگر روک لیں آپ میری جان کو تو بخشدیجیگا اسکو اور اگر پھر بھیجیں آپ اسکو تو حفاظت فرمائیگا اسکی۔ ایسی حفاظت

اَللّٰھُمَّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ جبتک اپنے نیک بندوں کی فرمائیں اے اللہ بچا لیجیکا مجھے اپنے عذاب سے اسدن جیس آپ اپنے بندوں کو اٹھا دیں

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ جب آپ سو کر اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے تھے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کیلئے تمام تعریفیں ہیں جس نے مجھکو موت کے بعد زندہ فرمایا اور ہمکو اسی کی طرف اٹھکر جانا ہے۔

دیکھئے کھانے پینے کے بعد غفلت کے اندر سونے ہی کا نمبر ہے کہ اتنا زمانہ انسان کا بیکار گذر جاتا اور خدا کی یاد سے خالی رہ سکتا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول و آخر خدا کی یاد کرا کے پورے وقت ہی کو وقتِ ذکر بنا دیا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تمام سنتیں کتابوں میں درج ہیں اور ہمارا ان پر عمل نہیں ہے مومن کا کوئی وقت ذکر و فکر سے خالی نہیں ہونا چاہیے اور اس درجہ کے حصول کا طریقہ صرف اتباعِ سنت ہے۔ بزرگوں سے کبھی جو تعلق پیدا کیا جاتا ہے تو اسی لئے کہ اللہ تک پہونچنا آسان ہو جائے یہ حضرات صرف معرفت حق کا ذریعہ ہیں متبع سنت ہیں خود مستقل نہیں ہیں، انھیں کی صحبت سے انسان کے اندر محبت پیدا ہوتی ہے جو عمل کی روح ہے ہم برسبیل تنزل یہ تسلیم کرتے ہیں اور یہ مانے لیتے ہیں کہ جتنی عقل آپ کو ہے ہم کو نہیں ہے تو پھر اب آپ بھی یہ تسلیم کر لیجئے کہ آپ کے اندر محبت نہیں ہے اگر محبت ہو تو آپ میں کا ایک ایک شخص بہت کچھ کام کر سکتا ہے اور دوسروں میں بھی محبت پیدا کر سکتا ہے۔ محبت میں تعدیہ ہوتا ہے جس طرح سے کہ نسل میں تعدیہ ہوتا ہے۔ آج آپ تنہا ہوتے ہیں کل کو آپکے بہت سی اولادیں ہو جاتی ہیں دیکھئے ایک سے کتنے ہو گئے بس یہی حال محبت کا بھی ہے کہ آج اس سے متصف ایک شخص ہے تو کل کو دس ہو سکتے ہیں۔

غرض ہماری آپکی صلح اگر اس امر پر ہو جائے تو کیا حرج ہے کہ ہم یہ تسلیم کر لیں کہ ہم میں عقل کی کمی ہے اور آپ یہ تسلیم کر لیں کہ آپ میں محبت نہیں ہے۔

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

تفصیل الدین

(۸)

پل صراط کی حقیقت

اول پل صراط کی حقیقت سمجھئے مگر یہ کہے دیتا ہوں کہ یہ مضمون ظنی ہے۔ اس طور پر پل صراط کو سمجھنا واجب نہیں۔ اصل تو یہی ہے کہ آدمی عملاً پختہ عقیدہ رکھے، باقی بعض طبائع ضعیف ہوتی ہیں انکے لئے میں یہ مضمون بیان کرتا ہوں اگر وہ اس طرح بھی پل صراط کو سمجھ لیں تو کچھ حرج نہیں مگر لازم بھی نہیں لازم تو وہی اجمالاً مان لینا ہے۔

اس تنبیہ کے بعد کہتا ہوں کہ اول اسکی حقیقت کو سمجھو جس کے لئے اول یہ مقدمہ سنو کہ اس عالم کے سوا ایک عالم اور بھی ہے (مسلمان تو اسکا انکار نہیں کر سکتے اور اگر انکار کریں تو ہمارے پاس انکے جواب کے لئے وہی دلیل مطرد ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ دوسرے عالم کا ہونا ممکن ہے۔ کسی کو امکان پر کلام ہو تو دلیل امتناع قائم کرے اور جس ممکن کی خبر مخبر صادق نے دی ہو وہ ثابت ہے۔ پس دوسرا عالم ثابت ہے اور مخبر کے صادق ہونے کو ہم دلائل سے ثابت کر سکتے ہیں)

دوسرا مقدمہ یہ سنئے کہ عالم کے اختلاف سے بعض احکام اور حالات بدل جاتے ہیں (اسکی بھی دلیل تو وہی ہے جو مذکور ہوئی اور تقریب فہم کے لئے ایک نظیر بھی بتلاتا ہوں) جیسے اقالیم

کے بدلنے سے دنیا ہی میں حالات بدل جاتے ہیں (مثلاً یہاں اس وقت رات ہے اور ایک اقلیم میں اسوقت دن ہے۔ یہاں آجکل گرمی ہے اور کسی اقلیم میں اسوقت سردی ہے وعلیٰ ھذا) یہاں چوبیس گھنٹے کا دن ہے اور بعض اقالیم میں چھ مہینے کا دن ہے اور چھ مہینے کی رات ہے اور یہیں سے معلوم ہوا ہوگا کہ قرآن میں جو آیا ہے کہ عالم آخرت کا ایک دن ہزار برس کے برابر ہے اور اس پر بعض لوگ ہنستے ہیں تو یہ انکی حماقت ہے، اس میں استبعاد کیا ہے؟ جب عالم دنیا ہی میں اقلیم کے بدلنے سے یہ بات مشاہد ہے کہ بعض جگہ چھ ماہ کا دن ہوتا ہے تو اختلاف عالم کے بعد آخرت میں اگر ہزار برس کے برابر ایک دن ہو تو کیا تعجب ہے۔

تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ اختلاف کی کوئی حد نہیں ہے نہ یہ منضبط ہو سکتا ہے (یہ مقدمہ بدیہی ہے محتاج دلیل نہیں اور جو شخص کسی حد پر انتہائے اختلاف کا دعویٰ کرے اور اس سے آگے اختلاف ہونے کو ممتنع کہے وہ اس پر دلیل قائم کرے)

چوتھا مقدمہ یہ ہے کہ ممکن ہے جو چیز یہاں عرض ہو اس عالم میں جاکر جوہر ہو جائے (اسکا ممکن ہونا بالکل ظاہر ہے۔ یہ تو مسلّم ہے کہ ایک آن اور ایک محل میں شئے واحد عرض و جوہر نہیں ہو سکتی مگر یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شئے یہاں عرض ہو اور دوسری جگہ جوہر ہو جائے اسکے امتناع پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی اگر کسی کے پاس دلیل ہو پیش کرے) اور استیناس کے طور پر اسکو یوں سمجھئے کہ اس زمانہ میں بعض آلات کے ذریعہ سے حرارت و برودت وغیرہ کا وزن ہوتا ہے حالانکہ پہلے حکماء ان کو مقولہ کیف سے سمجھتے تھے۔ جس کے لئے وزن و مقدار نہیں ہو سکتی مگر اس زمانہ میں انکے لئے وزن

ہونا بھی ثابت ہوگیا۔

اسی لئے میں تو کہا کرتا ہوں کہ جتنی یہ نئی ایجادات ہیں سب معادیات کے سمجھنے کے لئے معین و ممد ہیں چنانچہ گراموفون ہاتھ پیر کے بولنے پر بڑی دلیل ہے کیونکہ گراموفون میں تو روح بھی نہیں اور کلام کرتا ہے تو اعضائے انسانی کے بولنے میں کیا تعجب ہے جن میں حیات کا تلبس ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے جو نسائی میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ کسوف کے موقع پر فرمایا کہ میں نے مسجد کی دیوار کے قریب جنت و دوزخ کو دیکھا بعض لوگ اس پر ہنستے ہیں کہ جنت و دوزخ تو آسمان وزمین سے بھی بڑی بتلائی جاتی ہیں حضورؐ نے انکو دیوار پر کیونکر دیکھ لیا اور اصلی حالت پر کیسے دیکھ لیا مگر خدا تعالیٰ نے فوٹو اور خوردبین (اور اب تو ٹیلیوژن) کو ایجاد کرا کے اس استبعاد کو دور کر دیا فوٹو میں بڑی سی بڑی شے کو چھوٹا کر کے دکھایا جا سکتا ہے اور خوردبین سے چھوٹی سی چھوٹی چیز پہاڑ بنا کر دکھائی جا سکتی ہے۔ تو کیا خدا تعالیٰ کو یہ قدرت نہیں کہ اس نے جنت و دوزخ کا فوٹو مسجد کی دیوار پر اتار دیا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں خوردبین کی قوت رکھدی ہو جس سے فوٹو کی چھوٹی چیزیں آپؐ کو اصلی حالت پر نظر آگئی ہوں اور حدیث میں یہی لفظ وارد ہے مُثِّلَتْ لِیَ الْجَنَّۃُ وَالنَّارُ یہ نہیں فرمایا کہ جنت و دوزخ زمین پر آ دی تھیں بلکہ آپؐ نے فرمایا کہ وہ میرے لئے ممثل ہوگئی تھیں۔

اسی لئے جب کوئی نئی ایجاد ہوتی ہے تو میں خوش ہوتا ہوں کیونکہ ان سے شرعیات کا استبعاد دور ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک عجیب بات اس زمانہ میں یہ ہے کہ آج کل حرارت و برودت کا بھی

وزن ہونے لگا ہے کہ اس مکان میں کس وزن کی حرارت ہے اور کس درجہ کی برودت ہے (اور بخار میں تھرمامیٹر سے مریض کی حرارت کا وزن کیا جاتا ہے) اب اگر کسی گنوار سے کہئے کہ گرمی بھی تلتی ہے تو اسکو کتنا تعجب ہوگا۔ تو جب دنیا ہی میں بعض اعراض کا وزن ہونے لگا جسکی حقیقت ہے مابہ الوزن کے انخفاض وارتفاع سے مقدار کا معلوم ہو جانا جو کہ سرسری نظر میں خواص جوہر سے ہے تو اگر دوسرے عالم میں جاکر وہ جوہر ہی بنجاوے تو کیا تعجب ہے؟

اور لیجئے! اگر ایک برتن میں ٹھنڈا پانی بھر کر وزن کرو تو اور وزن ہوگا اور اسی میں گرم پانی بھر کر وزن کرو تو اور وزن ہوگا۔ آخر کمی بیشی کیوں ہے؟ پانی کی مقدار تو دونوں حالتوں میں یکساں تھی معلوم ہوا کہ برودت وحرارت کا کچھ وزن ہے۔ اب خواہ اسکو یوں تعبیر کیجئے کہ وزن پانی ہی کا ہے مگر بشرط برودت وحرارت کے مگر آخر ان کو وزن میں دخل تو ہوا تو اس عالم میں بھی اگر یہی دخل درجۂ موزونیت میں اس طرح ہو جاوے کہ یہ عرض جوہر بن جائے تو کیا تعجب ہے؟

اور سنیئے! اطباء کہتے کہ جس شخص میں صفراء کا غلبہ زیادہ ہو وہ خواب میں آگ بہت دیکھتا ہے۔ دیکھئے جو چیز یہاں عرض تھی یعنی حرارت صفراوی وہ عالم خیال میں آگ بن گئی جو کہ جوہر ہے پس اس عالم میں عرض کا جوہر بن جانا کچھ بعید نہیں۔

اب پل صراط کی حقیقت سمجھئے گو اس کے بیان کی ضرورت نہیں کیونکہ مسلمان کا مذاق تو یہ ہونا چاہیئے ؎

حدیث مطرب ومے گو وراز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معما را

(بات صرف یہ اور مختصر یعنی شریعت اور صاحب شریعت کی کرو اور زمانہ کے اسرار و رموز نہ تلاش کرو اسلئے کہ کوئی بھی آج تک اپنی عقل سے اس پیچیدہ مسئلہ کو نہ حل کرسکا ہے اور نہ حل کرسکے گا)

اور میں کہہ چکا ہوں کہ میرے ذمہ اسکا بیان کرنا لازم نہیں میرے ذمے تو وہی تھا جو میں بیان کر چکا ہوں مگر اس میں حظ نہ آیا تھا اسلئے تبرعًا بیان کرتا ہوں کہ خیر جس طرح بھی کام چلے اچھا ہے تو سنیئے پل صراط کی حقیقت شریعت ہے ۔ کَمَا قَالَ صَاحِبُ الْکَشْفِ مِنَ الْعُرَفَاءِ (یعنی صاحب کشف عرفا نے ایسا ہی بیان کیا ہے) پس دنیا میں پل صراط کی نظیر شریعت میں موجود ہے اتنا فرق ہے کہ یہاں یہ عرض ہے وہاں جاکر جوہر بن جائیگی باقی اور تمام صفاتیں یہ اسکی نظیر ہے۔ جیسے وہ بال سے باریک ہے اور تلوار سے تیز ہے جس پر چلنا دشوار ہے

طریق شریعت

اسی طرح طریق شریعت نہایت باریک اور نازک ہے جس پر استقامت سے چل لینا ہر ایک کا کام نہیں کیونکہ شریعت مقدسہ مرکب ہے علم و عمل سے تو اس پر چلنے کے لئے دو قوتوں کی ضرورت ہے ایک قوت علمیہ کی دوسرے قوتِ عملیہ کی ۔ قوتِ علمیہ کا تعلق عقل سے ہے اور قوت عملیہ کا تعلق ارادہ سے پھر عمل بھی بعض مفید ہیں اور بعض مضر تو اسمیں کہیں تو جلب منفعت کی ضرورت ہے اور کہیں دفع مضرت کی اور جو ارادہ جلبِ منفعت سے متعلق ہو اسکو قوت شہویہ کہتے ہیں اور جو دفع مضرت سے متعلق ہو اسکو قوت غضبیہ کہتے ہیں تو شریعت پر چلنے کے لئے تین قوتوں کی ضرورت ہوئی

۱۔ قوت عقلیہ ۲۔ قوت شہویہ ۳۔ قوت غضبیہ

یہی اصول اخلاق کہلاتے ہیں، پھر ان میں سے ہر ایک کے تین درجے

ہیں، افراط۔ تفریط۔ توسط۔ اور شریعت نام ہے توسط کا شریعت میں افراط عقل سے بھی کام نہیں چلتا نہ تفریط سے کام چلتا ہے بلکہ توسط کی ضرورت ہے جس کا نام حکمت ہے۔ اور قوت عقلیہ کے افراط کا نام جَرْبَزَہ ہے یہ نہایت مضر چیز ہے جب عقل بہت بڑھ جاتی ہے تو ہر چیز میں احتمالات عقلیہ پیدا ہونے لگتے ہیں جس سے آدمی وہمی ہوجاتا ہے۔

جیسے اہل فلسفہ میں ایک فرقہ لَا اَدْرِیَہ مشہور ہے وہ کسی حقیقت کا وجود تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہم ایک چیز کو دور سے دیکھکر آدمی سمجھتے ہیں اور وہ گدھا نکلتا ہے۔ بہت لوگ ایک شخص کو حسین سمجھتے ہیں اور بہت سے اسکو بدصورت سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ ایک چیز کو میٹھا بتلاتے ہیں اور بخار والا اسے کڑوی بتلاتا ہے۔ اسی طرح مسائل عقلیہ میں کوئی ایک دلیل کو صحیح کہتا ہے کوئی غلط تو جب ہمارے حواس ظاہرہ اور باطنہ میں اتنا اختلاف ہے اور کبھی ان سے غلطی بھی ہوجاتی ہے تو یہ کیا اطمینان ہے کہ جس کو ہم نے آدمی سمجھا ہے وہ آدمی ہی ہے گدھا نہیں اور جس کو ہم زمین کہتے ہیں وہ زمین ہی ہے آسمان نہیں، ممکن ہے ہماری نظر نے غلطی کی ہو اور جس بات کو ہم حق سمجھتے ہیں ممکن ہے وہاں ہماری فہم نے غلطی کی ہو۔ بس اب انکا یہ حال ہوگیا ہے کہ ہر بات میں انکو شک ہے اور شک میں بھی شک ہے۔

عقل کی حد

تو حضرت یہ عقل جب بڑھتی ہے تو اتنا پریشان کرتی ہے کہ زندگی تباہ کردیتی ہے اور یہی وجہ ہے بہت سے عقلاء کے تباہ ہونے کی کہ انھوں نے عقل سے وہ کام لیا جو اسکی حد سے آگے تھا اور ہر چیز کا اپنی حد سے آگے نکل جانا مضر ہے۔

میں تو عقل کے متعلق ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ یہ ایسی ہے جیسے گھوڑا پہاڑ پر چڑھنے والے لئے۔ اب تین قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ جو گھوڑے پر سوار ہوکر پہاڑ تک پہونچے اور پھر پہاڑ پر بھی اسی پر سوار ہوکر چڑھنے لگے یہ غلطی پر ہیں، ضرور کسی سیدھی چڑھائی پر سوار اور گھوڑا دونوں گریں گے۔ اور ایک وہ ہیں جو یہ سمجھکر کہ گھوڑا پہاڑ پر تو کام دیتا ہی نہیں تو اس سے صاف سڑک پر بھی کام لینے کی کیا ضرورت ہے وہ گھر ہی سے پیدل چل پڑے نتیجہ یہ ہوا کہ پہاڑ پر پہونچکر تھک گئے یہ بھی نہ چڑھ سکے۔ تو ان دونوں کی رائے غلط تھی۔ پہلی جماعت نے گھوڑے کو ایسا با کار سمجھا کہ آخر تک اسی سے راستہ طے کرنا چاہا اور دوسرے نے ایسا بیکار سمجھا کہ پہاڑ تک بھی اس سے کام نہ لیا۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ گھوڑا پہاڑ تک تو کارآمد ہے اور پہاڑ پر چڑھنے کے لئے بے کار، اسکے لئے کسی اور سواری کی ضرورت ہے۔

یہی حال عقل کا ہے کہ عقل سے بالکل کام نہ لینا بھی حماقت ہے اور اخیر تک کام لینا بھی غلطی ہے۔ بس عقل سے اتنا کام کہ توحید و رسالت کو سمجھو اور کلام اللہ کا کلام اللہ ہونا معلوم کرلو اس سے آگے فروع میں عقل سے کام نہ لینا چاہیئے بلکہ اب خدا اور رسول کے آگے گردن جھکا دینی چاہیئے چاہے انکی حکمت عقل میں آوے یا نہ آوے۔

دیکھئے قانون سلطنت کے منوانے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ پہلے یہ سمجھا دیا جائے کہ جارج پنجم بادشاہ ہیں اسکے بعد تمام احکام کے متعلق یہ کہدیا جائے کہ بادشاہ کے احکام ہیں اسلئے ماننا پڑینگے تو یہ صورت آسان ہے اور تمام عقلا ایسا ہی کرتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص جارج پنجم کو بادشاہ مان کر پھر بھی ہر قانون میں الجھنے لگے کہ میں اس دفعہ کو نہیں مانتا تو بتلائیے اس شخص کا کیا حال ہوگا؟

ظاہر ہے کہ ہر جگہ ذلیل ہوگا اور عقلاء کہیں گے کہ جب بادشاہ کا بادشاہ ہونا مسلم اور اس کا قانون سلطنت ہونا معلوم تو پھر انکار کی کیا وجہ؟ ضرور ماننا پڑے گا چاہے سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

معلوم ہوا کہ صاحب سلطنت کے پہچاننے کے لئے تو عقل سے کام لینے کی اجازت ہے اسکے بعد عقل سے کام لینے کی اجازت نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ دین کے معاملہ میں اخیر تک عقل سے کام لینا چاہتے ہیں یہ سخت غلطی ہے جس سے بجز ذلت کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ جب خدا کا ہونا مسلم اور رسول کا رسول ہونا مسلم، کلام اللہ کا کلام اللہ ہونا معلوم، پھر ہر حکم میں آپکو الجھنے کا کیا حق ہے؟ اس صورت میں تو ہر شخص آپ کو بیوقوف بنائے گا اور تمام عقلاء کی نظر میں آپ ذلیل ہونگے۔ سچ یہ ہے ؎

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت
بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

(جس صاحب عزت نے بھی اسکی بارگاہِ عزت، وعظمت سے منہ موڑا وہ جہاں کہیں بھی گیا اور جس دروازہ پر گیا کچھ بھی عزت نہ پا سکا)

(جاری)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

اتباعِ سنت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین وعلیٰ من تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین

معزز حضرات!

میں اس وقت کوئی مقالہ پڑھنا نہیں چاہتا کیونکہ علمی مقالات بہت ہو چکے، نہ میں کوئی تقریر کرنا چاہتا ہوں اسلئے کہ بحمد اللہ گرانقدر تقریریں بھی کافی ہو چکیں اور ہم انشاء اللہ ان مقالات و تقریروں سے بہت سے علمی فوائد حاصل کر سکیں گے۔

اسکے بجائے میں صرف ایک اہم نکتہ کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں جو ظاہر بلکہ بدیہی ہونے کے باوجود اکثر ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی نادر علمی تحقیق نہیں ہے جو ممتاز علماء کے سامنے پیش کیجارہی ہو کیونکہ میں اسکا اہل ہی نہیں بلکہ دراصل یہ ایک ایسی حقیقت کی یاددہانی ہے جسے ہم اس جیسی کانفرنسوں کے موقع پر بعض اوقات فراموش کر دیتے ہیں۔

وہ حقیقت یہ ہے کہ بحمد اللہ ہم سب کا اس بات پر ایمان ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں جو پرامن اسلامی انقلاب برپا کیا وہ صرف اس طرح رونما ہو سکا کہ لوگوں نے عبادات و اخلاق سے لیکر معاملات و معاشرت تک ہر شعبۂ زندگی میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سنت کی پیروی کا اہتمام کیا اسی طرح اس پر بھی ہم سب کا اتفاق ہے کہ ہمارے تابناک ماضی میں ہمیں جو عزت وکرامت اور ترقی و خوشحالی نصیب ہوئی اسے دوبارہ واپس لانے کا واحد طریقہ بھی یہی ہے کہ ہم ایک بار پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی طرف رجوع کر کے اسکا حقیقی اتباع کریں

یہ وہ بات ہے جس پر ہم سب ایمان واعتقاد رکھتے ہیں لیکن یہاں اہم ترین سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں اس ایمان و اعتقاد کا کوئی پھل کیوں نہیں مل رہا؟ حالانکہ صحابۂ کرام اسی ایمان و اعتقاد کی بدولت عزت وکرامت کے بام عروج تک پہونچ گئے تھے ۔ جب ہم اس موضوع کا مطالعہ صحابۂ کرام کی زندگیوں میں کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ دراصل اس حقیقت پر انکا یہ ایمان محض عقلی یا نظریاتی ایمان نہیں تھا بلکہ وہ ایک ایسا طبعی ایمان تھا جنکی جڑیں انکے دلوں میں مستحکم تھیں اور اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انکی گہری محبت وعقیدت اس ایمان کی آبیاری کرتی رہتی تھی ۔ چنانچہ معیشت و معاشرت سیرت و اخلاق ، عبادت و معاملات ، یہاں تک کہ شکل و صورت اور لباس و وضع تک زندگی کے ہر شعبے میں انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طور و طریق کے سوا کوئی اور طریقہ بھاتا ہی نہیں تھا انکے اتباع سنت کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ انھوں نے اس معاملے میں کبھی کسی کی ملامت کی پروا کی نہ کسی کی تردید و تنقید کو خاطر میں لائے اور نہ کبھی غیروں کے تمسخر و استہزار کا کوئی اثر قبول کیا ، انھوں نے کبھی غیرمسلموں

کو خوش کرنے یا انکے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی چھوٹی سی چھوٹی سنت کو بھی چھوڑنا گوارا نہیں کیا۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضرت عثمانؓ بن عفان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی بنکر اہل مکہ کے پاس تشریف لے گئے تو انھوں نے آپ کے ساتھ استہزاء اور بدکلامی کا معاملہ کیا بعد میں حضرت عثمانؓ کے چچا زاد بھائی ابان بن سعید نے انھیں پناہ دی اور اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھا کر لے گئے حضرت عثمانؓ کا زیر جامہ (سنت کے مطابق) آدھی پنڈلی تک تھا (جسے سرداران قریش بہت معیوب سمجھتے تھے) چنانچہ ان کے چچا زاد بھائی نے کہا کہ بھائی! آپ اتنے متواضع کیوں نظر آرہے ہیں؟ آپ اپنے زیر جامہ کو ذرا نیچا کر لیجئے (تاکہ سرداران قریش آپ کو حقیر نہ سمجھیں) بظاہر یہ مشورہ خیر خواہی اور مصلحت پر مبنی تھا لیکن حضرت عثمانؓ اس پر راضی نہ ہوئے بلکہ جواب میں فرمایا ——

—— "ہمارے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زیر جامہ ایسا ہی ہے (لہذا میں اس طریقہ کو چھوڑ نہیں سکتا)۔ (کنز العمال ۸ : ۵۶)

اسی طرح حافظ ابونعیمؒ اور حافظ ابن مندہؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت جُثامہ بن مساحق کنانی رضی اللہ عنہ کو حضرت عمرؓ نے ہرقل شاہ روم کے پاس ایلچی بنا کر بھیجا تھا وہ ہرقل کے دربار کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "میں بے خیالی میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور مجھے پتہ نہ چل سکا کہ میرے نیچے کیا چیز ہے اچانک میں نے دیکھا کہ میں سونے کی کرسی پر بیٹھا ہوں، جب میری نظر اس پر پڑی تو میں اتر گیا، ہرقل یہ دیکھکر ہنسا اور کہنے لگا کہ "ہم نے تو اس کرسی پر

بٹھا کر تمھارا اعزاز کیا تھا تم اتر کیوں گئے؟ میں نے جواب میں کہا کہ "میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے کہ آپ اس جیسی کرسی کے استعمال سے منع فرماتے تھے"۔

(کنز العمال ۷: ۱۵۱- اور اصابہ ۱: ۲۲۷)

اس قسم کے واقعات بیشمار ہیں اور ہماری تاریخ اتباع سنت کی ایسی پاکیزہ مثالوں سے لبریز ہے لیکن ان جیسے واقعات سے جو حقیقت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی مکمل پیروی کرکے دکھائی جسمیں نہ خواہشات کا کوئی دخل تھا نہ تحریف وتاویل کا نہ غیروں سے ڈرنے کی فکر تھی نہ کفار ومشرکین کے تمسخر واستہزار کا کوئی خیال۔

اسکے برعکس ہمارا حال یہ ہے کہ اگرچہ زبانی طور پر ہمارا ایمان یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ روئے زمین پر سب سے بہتر سیرت ہے لیکن عملاً ہم نے آپ کی سنتوں میں یہ فرق شروع کردیا ہے کہ جو سنت طبیعت کے موافق ہوا سے تو اختیار کرلیتے ہیں لیکن جن سنتوں پر عمل کرنے کے لئے طبیعت آمادہ نہ ہو انھیں کبھی یہ کہکر چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ تو آپ کی سنت عادیہ ہے جس کا اتباع ہم پر واجب نہیں گویا معاذ اللہ ہمیں آپکی عادت سے بہتر کوئی عادت مل گئی ہے جسے ہم نے اختیار کرلیا ہے اور کبھی ترک سنت کے لئے یہ بہانہ بنا دیتے ہیں کہ فلاں سنت ہمارے موجودہ حالات کے لحاظ سے مصلحت کے مطابق نہیں ہے اور کبھی یہ تاویل کرلیتے ہیں کہ یہ سنت آپ کے عہد مبارک میں تو مشروع تھی لیکن ہمارے زمانے میں مشروع نہیں ہے۔

ہماری یہ تاویلات جنکا ارتکاب ہم صبح وشام کرتے رہتے

ہیں اس بات کی علامت ہیں کہ ہمارے ایمان میں دراصل محبت کی کمی ہے اور یہی وہ عظیم اور واضح فرق ہے جو ہمارے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایمان کے درمیان پایا جاتا ہے۔

لہٰذا اگر ہم واقعۃً یہ چاہتے ہیں کہ اس عزت وکرامت اور اس عروج وترقی کے مستحق بنیں جو قرون اولیٰ میں حضرات صحابہ کرام کو اتباع سنت کی برکت سے حاصل ہوا تو پھر یہ ناگزیر ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اسی طرح کریں جس طرح صحابہ کرام نے کرکے دکھائی تھی اس اتباع میں نہ کسی تحریف وتاویل کا کوئی شائبہ ہو نہ خواہشات نفس کو راضی کرنے کا اور غیروں کے استہزار سے خوف کا۔ اسلئے کہ خدا کی قسم ہمارے لئے نہ یہ سربفلک عمارتیں سرمایۂ عزت ہوسکتی ہیں نہ عالیشان محلات اور زرق برق لباس سامان افتخار بن سکتا ہے۔ ہمارے لئے عزت ہے تو اس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹھیک ٹھیک پیروی میں ہے جو ایک دن کھاتا اور ایک دن بھوکا رہتا تھا، جو چٹائی پر سویا کرتا تھا جو اپنے پیٹ پر پتھر باندھکر خندق کھودتا تھا، جو تعمیر مسجد کیلئے اپنے مبارک ہاتھوں سے اینٹیں ڈھونے کی خدمت انجام دیتا تھا۔ جب تک ہم اس نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں اپنے آپکو پوری طرح رنگنے کی کوشش نہیں کریں گے اس وقت تک ہمیں کوئی عزت کوئی سرفرازی حاصل نہیں ہوسکتی

یہ عظیم اور مبارک کانفرنس جس میں سیرت وسنت کے نام پر مشرق ومغرب کے ممتاز اہل علم ودانش جمع ہیں ہم سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ ہم اس طریقے پر اپنے آپ کا محاسبہ کریں اور پھر وہ طریقے سوچیں جن سے مسلمانوں کے دل میں اتباع سنت کی ایسی محبت پیدا کی جائے جسکی موجودگی میں وہ اپنی خواہشات نفس یا غیر اسلامی نظریات کے دھوکے میں نہ آسکیں۔

لہٰذا میری تجویز یہ ہے کہ کانفرنس پورے خلوص اور عزم کے ساتھ مندرجہ ذیل قراردادیں منظور کرے۔

(۱) یہ کانفرنس تمام مسلمانوں سے عموماً اور اہل علم و دانش اور مبلغین اسلام سے خصوصاً یہ اپیل کرتی ہے کہ وہ اپنی زندگی، اپنے طرز معیشت اور طرز معاشرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اتباع کریں خود اہتمام کریں تاکہ انکی زندگیاں بذات خود سنت نبوی کا حسین عملی نمونہ ہوں۔

(۲) یہ کانفرنس ہر زمانے اور ہر خطے کے مسلمانوں سے یہ سفارش کرتی ہے کہ وہ اپنے چوبیس گھنٹوں میں سے کچھ تھوڑا سا وقت خواہ وہ نصف گھنٹہ ہی کیوں نہو سیرت طیبہ کے مطالعے کے لئے وقف کریں اور اس وقت میں وہ خود بھی سیرت کا مطالعہ کریں اور اپنے گھروالوں کو بھی سنائیں اور روزانہ اس بات کا محاسبہ کریں کہ انھوں نے سیرت کے احکام پر کتنا عمل کیا۔

(۳) یہ کانفرنس تمام اسلامی ممالک کی حکومتوں سے اپیل کرتی ہے کہ سیرت نبوی کو اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم کے ہر مرحلے میں لازمی مضمون کی حیثیت سے داخل نصاب کریں اور نشریاتی اداروں پر روزانہ سیرت و سنت کی تعلیم کیلئے موزوں وقت مقرر کریں۔

(۴) یہ کانفرنس تمام اہل دانش سے اپیل کرتی ہے کہ وہ تحریر و تقریر کے ذریعہ عوام میں آسان اور عام فہم انداز سے سیرت و سنت کی نشر و اشاعت کریں اور قرآن و سنت میں تحریف کرکے انھیں جدید غیر اسلامی نظریات پر منطبق کرنے کی کوشش کی بجائے سیرت و سنت کو اپنی صحیح اور اصلی صورت میں مسلمانوں کے مسائل حیات کے حل کے لئے مشعل راہ بنائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبد الحی عارفی قدس سرہٗ

آداب انسانیت

اسوۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

تعلیماتِ نبوت کی تجدید فرمانے والے اور ایک مجددِ ملت کا منصب رکھنے والے کی یہی شان ہونا چاہیے کہ اسکی زندگی کا ہر انداز لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ کا پورا مصداق ہو، کیونکہ جب وہ مسلمانوں کو احیاء سنت کی تعلیم و تبلیغ کر رہا ہو تو خود بھی اس کی ساری زندگی اسی تعلیم کا عملی نمونہ ہونا چاہیے، اسکے تمام عادات و معاملات اور اخلاقیات و معاشرت قدم بقدم اتباع سنت ہی کی صراط مستقیم پر ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الامۃ مجدد ملت شاہ محمد اشرف علی صاحب کی فطرت سلیمہ ہی میں محبت سنت کی دولت ودیعت فرمائی تھی حضرت والا کا تمام ضابطہ حیات و انداز زندگانی اسی سے مرتب نظر آتا ہے اور یہ چیز آپ کے تمام کارناموں، اشاعت و تبلیغ دین اور انداز تعلیم و تربیت باطن میں ہر طرح ظاہر و نمایاں نظر آتی ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تمام ظاہری و باطنی اعمال کو اسوۂ حسنۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں اس طرح ڈھال لیا تھا کہ ایک شان محبوبیت پیدا ہوگئی تھی ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

اہتمامِ اتباعِ سنت

ایک دفعہ فرماتے تھے کہ مجھے ایک دن خیال آیا کہ ہم لوگ اتباع سنت کا بہت ذکر کرتے ہیں مگر اسکا کچھ حصہ ہمارے اعمال میں ہے کبھی کہ نہیں چنانچہ میں نے تین دن تک صبح سے رات تک اپنے تمام اعمال کا بغور جائزہ لیا دیکھنا یہ تھا کہ کتنی اتباع سنت ہم لوگ عادتاً کرتے ہیں اور کتنی اتباع کی توفیق علم حاصل ہونے کے بعد ہوئی اور کتنی باتوں میں اب تک محرومی ہے چنانچہ تین دن تک تمام امورِ زندگی کا جائزہ لینے کے بعد لائحہ عمل صاف ہوگیا الحمدللہ علیٰ ذلک ۔

اس ہی جائزہ کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وعظ فرمایا جس کا نام "الغالب للطالب" ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اعمال اور ارشادات کا ذکر ہے جنکی اتباع کے لئے ہمکو حکم دیا گیا ہے یا جنکا تعلق ادائے حق محبت سے ہے ۔ اس میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "حیات المسلمین" کی روح ہشتم کی طرف توجہ دلائی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا ذکر ہے ۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اسکو مطالعہ میں رکھنے کی بہت تاکید کی ہے اور فرمایا ہے کہ مجھے یقین ہے کہ اسکے مطالعہ سے ضرور نفع ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ ضرور نفع ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ اتباع سنت ہی میں ہمارے لئے حیات طیبہ ہے اور دین و دنیا کی فلاح ہے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے کلام پاک میں اسکا اعلان فرمایا ہے کہ جو کوئی میرے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اپنے امورِ زندگی میں کریگا اللہ تعالیٰ خود اس سے محبت فرمائیں گے ایک بندۂ عاجز کیلئے اس سے بڑا احسان وانعام الٰہی اور کیا ہوسکتا ہے ۔ ۵

جب انکو اعترافِ محبت ہے عارفی　　کیا اس سے بڑھکے اور تمنا کرے کوئی

مولانا محمد اسحٰق صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ

کتاب الجمعہ
(تادیب وتہذیب)
(۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے روز (خطبہ کے وقت) اگر تم نے کلام کیا تو تم نے اپنے اجر کو ضائع کر دیا اور (اس کوشش کو) بیکار کر دیا۔ اسکو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھکر خطبہ فرمانے لگے (اثناء خطبہ میں) آپ نے ایک آیت تلاوت کی میرے پہلو میں حضرت ابی بن کعبؓ بیٹھے ہوئے تھے میں نے ان سے دریافت کیا کہ یہ آیت کب نازل ہوئی تو وہ نہ بولے میں نے پھر دریافت کیا مگر وہ پھر بھی نہ بولے حتی کہ آپؐ خطبہ پڑھ چکے تو حضرت ابی بن کعبؓ کہنے لگے کہ آج تمھیں اپنے جمعہ سے سوائے ان بے فائدہ باتوں کے اور کچھ نہیں ملا۔ پھر جب حضورؐ بھی نماز سے فارغ ہوکر واپس تشریف لے آئے تو میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ کو یہ واقعہ بتلایا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے خطبہ میں ایک آیت تلاوت کی میرے پاس حضرت ابی بن کعب بیٹھے ہوئے تھے میں نے ان سے پوچھا کہ یہ آیت کب نازل ہوئی تو وہ بالکل نہیں بولے بلکہ آپ کے خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد کہنے

لگے کہ تمھیں آج جمعہ کے ثواب میں سے بجز ان بیکار باتوں کے اور کچھ نہیں ملا۔ آپؐ نے فرمایا ابی سچ کہتے ہیں جب تم امام کو خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھو تو خاموش رہا کرو حتیٰ کہ وہ فارغ ہو جائے۔

اسکو امام احمد نے بروایت حرب بن قیس عن ابی الدرداء روایت کیا۔ لیکن حرب کو ابو درداء سے سماع نہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعودؓ مسجد میں آئے اور حضور خطبہ پڑھ رہے تھے پس یہ ابی بن کعبؓ کے پاس بیٹھ گئے انھوں نے (اثنائے خطبہ میں) ابی بن کعب سے کچھ دریافت کیا یا باتیں کیں مگر انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عبداللہ بن مسعود سمجھے کہ یہ کوئی ناراضگی ہے (جسکی وجہ سے نہیں بولتے) پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو انھوں نے حضرت اُبی سے (شکایتاً) کہا میں نے آپ سے اسوقت ایک بات دریافت کی تھی آپ نے جواب کیوں نہیں دیا؟ کہنے لگے کہ آج تم نے ہمارے ساتھ جمعہ ہی نہیں پڑھا۔ انھوں نے کہا کیوں؟ کہنے لگے کہ حضورؐ تو خطبہ پڑھ رہے تھے اور تم باتیں کر رہے تھے (یہ سنکر) عبداللہ بن مسعودؓ کھڑے ہو گئے اور اسی وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس قصہ کا آپ سے ذکر کیا آپؐ نے فرمایا اُبی سچ کہتے ہیں انکا کہنا مانو۔

اسکو ابو یعلی نے بسند جید اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ کیا تھوڑی بیہودہ اور بیکار حرکت ہے کہ تم امام کے خطبہ پڑھتے

ہوئے اپنے پاس بیٹھنے والے کو کہو " خاموش " اسکو طبرانی نے بسند صحیح موقوفاً روایت کیا۔

حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے جمعہ کے روز غسل کیا اگر گھر میں خوشبو ہوئی تو وہ بھی لگائی اور جو اچھے کپڑے میسر تھے وہ پہنے (اور مسجد میں جمعہ کی نماز کے لئے گیا) اور نمازیوں کی گردنیں نہ پھلانگیں اور خطبہ کے وقت بے فائدہ باتیں نہ کیں تو یہ اسکے لئے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائیگا۔ اور جس نے فضول باتیں بھی کیں اور لوگوں کی گردنیں بھی پھلانگیں تو اسکا یہ جمعہ (جمعہ نہ رہے گا بلکہ) ظہر ہو جائے گا (اور جمعہ کے ثواب سے محروم رہے گا)

اسکو ابوداؤد نے اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن عبداللہ بن عمرو روایت کیا نیز خزیمہ نے اپنی صحیح میں بروایت ابو ہریرہؓ اسی کی طرح روایت کیا اور یہ پہلے گذر بھی چکی ہے۔

نیز حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جمعہ کی نماز میں تین قسم کے آدمی آتے ہیں ایک تو وہ شخص کہ جو آتا ہے اور (خطبہ کے وقت) بیہودہ گوئی کرتا رہتا ہے تو اسکے حصہ میں تو بس یہ باتیں ہی آتی ہیں (اور جمعہ کا ثواب وغیرہ کچھ نہیں ملتا۔ دوسرا وہ شخص ہے کہ جس نے آکر (اچھی طرح نماز ادا کی (اور پھر) دعا مانگی تو اس نے (اپنا فرض ادا کرکے) اللہ سے دعا کی ہے اگر چاہیں قبول کرلیں اور دیدیں اور اگر چاہیں نامنظور کردیں اور نہ دیں۔ اور تیسرا وہ شخص ہے کہ جو

خاموشی کے ساتھ آیا اور کسی مسلمان بھائی کو کوئی تکلیف نہ دی اور گردنیں نہ پھلانگیں تو یہ جمعہ اس جمعہ سے آئندہ جمعہ تک اور تین دن اور زائد تک کے گناہوں کے لئے کفارہ ہوجائے گا کیونکہ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جو ایک نیکی کرتا ہے اسکو دس گنا ثواب ملتا ہے۔

اسکو ابوداؤد نے ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔

اس سے پہلے حضرت علیؓ کی روایت میں آچکا ہے کہ جو شخص امام سے قریب ہوکر بیٹھا اور خاموشی کے ساتھ خطبہ سنتا رہا اور کوئی بیکار کام نہ کیا تو اسکو دو حصے اجر کے ملیں گے۔ الحدیث۔

بغیر عذر نماز جمعہ چھوڑنے پر ترہیب

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ بلا عذر نماز جمعہ چھوڑنے والوں کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں ایک شخص کو کہوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں خود جاکر ان لوگوں کے گھروں میں آگ لگادوں جو بلا عذر نماز جمعہ چھوڑتے ہیں۔

اسکو مسلم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے علیٰ شرط الشیخین روایت کیا۔

حضرت ابوسعیدؓ کی حدیث باب الحمام میں پہلے گذر چکی ہے اسکے اندر آیا ہے کہ جو شخص اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہے اسکو جمعہ کے لئے سعی کرنی چاہیئے اور جو شخص کھیل کود یا کاروبار میں لگ کر جمعہ سے غافل و بے خبر ہوگیا تو اللہ پاک اس سے بیخبر اور مستغنی ہوجائیں گے اور اللہ پاک تو (تمام عالم سے) بے نیاز اور قابل ستائش ہیں۔

اسکو طبرانی نے روایت کیا۔

حضرت ابو ہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ اپنے اس منبر پر کھڑے ہو کر فرما رہے تھے کہ لوگوں کو چاہیئے کہ وہ جمعہ چھوڑنے سے باز آجائیں ورنہ تو اللہ پاک انکے دلوں پر مہر لگا دیں گے اور پھر وہ غافلین میں سے ہو جائیں گے (اور برکات جمعہ سے محروم ہو کر مستحق عذاب ہوں گے)

اسکو ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا نیز ابن خزیمہ نے بلفظ تَرْکِھِمْ بروایت ابو ہریرہؓ اور ابو سعید خدریؓ روایت کیا۔

حضرت ابو جَعْدِ ضُمَرِی رضی اللہ عنہ صحابہ میں سے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے سستی سے تین جمعے چھوڑ دیئے اللہ پاک اسکے دل پر مہر لگا دے گا۔

اسکو امام احمد ابو داؤد و نسائی نے اور ترمذی نے تحسین کے ساتھ اور ابن ماجہ نے ابن حبان و ابن خزیمہ نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا اور حاکم نے روایت کرکے علیٰ شرط المسلم تصحیح کی اور ابن حبان اور ابن خزیمہ کی ایک روایت میں ہے کہ جو شخص بغیر عذر کے تین جمعے چھوڑ دے وہ منافق ہے۔ اور ایک روایت کو رزین نے ذکر کیا ہے اس میں ہے کہ ایسا شخص اللہ کی امان سے نکل گیا۔ مگر یہ روایت اصول میں نہیں ہے

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تین مرتبہ بلا ضرورت جمعہ چھوڑ دے گا اللہ پاک اسکے دل پر مہر لگا دیں گے۔

اسکو امام احمد نے باسناد حسن روایت کیا نیز حاکم نے

روایت کیا اور صحیح الاسناد کہا۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے بغیر عذر کے تین جمعے چھوڑ دیئے وہ منافقین میں لکھا جائے گا۔

اسکو طبرانی نے کبیر میں بروایت جابر جعفی نقل کیا اسکے اور شواہد بھی ہیں۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ باز آجائیں جو جمعہ کی اذان سنتے ہیں اور پھر نماز کو نہیں آتے ورنہ تو اللہ پاک انکے دلوں پر مہر لگادیں گے اور پھر وہ غافلین میں سے ہوجائینگے۔

اسکو طبرانی نے کبیر میں باسناد حسن روایت کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خبردار! کہیں ایسا نہو کہ کوئی شخص تم میں سے ایک دو میل پر بکریوں کا ریوڑ جمع کرے اور چارہ کی تنگی کی وجہ سے خود بھی وہیں جنگل میں چلاجائے اور پھر جمعہ آئے اور وہ شریک نہو۔ اور پھر جمعہ آئے اور وہ شریک نہو۔ حتیٰ کہ اللہ پاک اسکے دل پر مہر لگادے (اور وہ غافل ہوجاوے)۔

اسکو ابن ماجہ نے باسناد حسن روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا کبھی ایسا نہو کہ کوئی شخص (کسی کاروبار کی ضرورت سے) مدینہ سے ایک میل کی مسافت پر ہو اور جمعہ میں

نہ آئے۔ پھر دوبارہ فرمایا دیکھو کبھی ایسا نہو کہ کوئی شخص مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر ہو اور جمعہ میں نہ آئے۔ پھر سہ بارہ فرمایا خبردار کبھی ایسا نہو کہ کوئی شخص مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہو اور جمعہ میں نہ آئے حتی کہ اسکے قلب پر اللہ پاک مہر لگادیں۔

اسکو ابویعلی نے باسنادِ لین روایت کیا۔ نیز ابن ماجہ نے انھیں جابر سے باسناد جید مرفوعًا روایت کیا ہے کہ جس نے بغیر عذر شرعی کے تین دن جمعہ چھوڑا اللہ پاک اسکے قلب پر مہر لگادیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس نے تین جمعے پے درپے چھوڑ دیئے اس نے اسلام کو پس پشت ڈال دیا۔

اسکو ابویعلی نے موقوفًا باسناد صحیح روایت کیا۔

حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (کبھی ایسا نہو) کہ تم میں سے کوئی شخص جنگل چرنے والے جانور لے اور (پہلے تو) نماز کی جماعت میں شریک ہوتا رہے مگر پھر وہ (چارہ کی قلت کی وجہ سے) ان جانوروں سے تنگ آجائے اور خیال کرے کہیں کسی اس سے زیادہ گھاس والے جنگل میں چلا جاتا تو اچھا ہوتا چنانچہ وہ ایسا ہی کرے اور مدینہ سے منتقل ہوجائے اور (دور کے باعث) صرف (آٹھویں روز) جمعہ کے لئے آئے (اور جماعت میں آنا چھوڑ دے) پھر اس پر کبھی وہ جانور اسپر بھاری رہیں اور اس خیال کو لیکر کسی دوسرے اس سے زیادہ گھاس والے جنگل میں منتقل ہوجائے اور پھر نہ جمعہ میں شریک ہو اور نہ جماعت میں اور اللہ پاک اسکے قلب پر مہر لگادیں۔

اسکو امام احمد نے عمر بن عبداللہ کے آزاد کردہ غلام غفرہ

کی روایت سے نقل کیا ہے۔ امام احمد کے نزدیک یہ ثقہ ہیں اسی کے ہم معنی حدیث ابن خزیمہ اور ابن ماجہ کے ہاں بروایت ابو ہریرہؓ گذر چکی ہے۔

حضرت محمد بن عبدالرحمن بن زرارہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا اور ان جیسا آدمی تو میں نے صحابہ میں کوئی دیکھا ہی نہیں، فرماتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جس شخص نے ایک مرتبہ جمعہ کے روز اذان جمعہ سنی اور نماز کو نہیں آیا پھر دوسری مرتبہ اذان جمعہ سنی اور نماز کو نہ آیا، پھر تیسری اذان جمعہ سنی اور نماز کو نہ آیا (یعنی تین جمعے برابر بغیر عذر چھوڑ دیئے اور نماز نہیں پڑھی) تو اللہ پاک اسکے دل پر مہر لگا دیں گے اور اسکا دل (اسکی اس سرکشی اور بدکرداری کی وجہ سے منافقوں کا سا بنا دیں گے۔

اسکو بیہقی نے روایت کیا اور ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ ان سے ایک ایسے شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جو دن کو روزے رکھتا ہے اور رات کو نماز تہجد پڑھتا ہے مگر جمعہ اور جماعت میں شریک نہیں ہوتا، آپ نے فرمایا ایسا شخص دوزخ میں جائے گا۔

ف: قرون اولیٰ میں جمعہ اور جماعت کو ترک کرنا منافقوں کا شعار اور انکی امتیازی خصائص میں سے تھا اور اسکی پابندی اسلام اور مسلمانوں کا شعار اور امتیازی خصوصیت تھی، لہٰذا صحابہؓ عموماً بغیر عذر تارک جمعہ اور جماعت کو منافق اور شدید ترین گنہگار خیال کرتے تھے اور اسکے دوسرے اچھے کاموں کا کلی اعتماد نہ ہوتا تھا کیونکہ جو شخص جمعہ اور جماعت کا پابند نہیں ہوسکتا وہ دیگر ضروریاتِ دین

کی کیا پابندی کر سکتا ہے یہ اسلامی شعائر ہیں انکا بقا اسلام اور اسلامیت کی بقا ہے۔

جُمعہ کی شب میں اور جُمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے کی ترغیب

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے جمعہ کے روز سورہ کہف تلاوت کی اسکے لئے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک (ہفتہ بھر) نورالہی کی ایک روشنی رہے گی۔

اسکو نسائی اور بیہقی نے مرفوعًا روایت کیا اور حاکم نے مرفوعًا اور موقوفًا دونوں طرح روایت کیا اور صحیح الاسناد کہا۔

اور دارمی نے اپنی مسند میں حضرت ابو سعیدؓ سے موقوفًا روایت کیا ہے اسکے الفاظ یہ ہیں کہ جس شخص نے شب جمعہ میں سورۂ کہف تلاوت کی اسکے لئے یہاں سے لیکر بیت العتیق تک سب نور سے منور ہو جائیگا اور سوائے حاکم کے تمام مذکورین کی اسنادوں میں ابو ہاشم یحییٰ بن دینار رُمانی ہیں جنکی اکثروں نے توثیق کی ہے اور باقی اسناد کے سب راوی ثقہ ہیں۔ اور حاکم کی تصحیح کردہ روایت میں نعیم بن حماد ہے انکے اور ابو ہاشم کے متعلق گفتگو آئندہ آویگی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے سورۂ کہف جمعہ کے روز تلاوت کی اسکے لئے قدموں سے لیکر آسمان تک نور ہی نور ہو جائیگا اور قیامت کے روز اسکے واسطے یہ روشنی (مشعل راہ) ہوگی اور ہر دو جمعوں کے درمیان جو کچھ خطا قصور ہوا ہوگا سب معاف ہو جائے گا۔ اسکو ابوبکر بن مردویہ نے اپنی تفسیر میں روایت کیا انکی اسناد میں کچھ مضائقہ نہیں۔ ختم شد۔

مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ قدس سرہ

مکتوبات اصلاحی

(مکتوب نمبر ۸۷۴)

حال : بحمد اللہ تعالیٰ وَعَوْنہٖ اعمالِ ظاہری کی پابندی کے ساتھ امراض باطنی کے سدھار کی بھی توفیق ہو رہی ہے۔ اگرچہ حسب منشاءِ حضرت والا کامیابی نہیں ہو رہی ہے مگر فکر میں لگا ہوا ہوں اور بسا اوقات ان امراض کی برائیوں پر نظر پڑتے رہنے کی وجہ سے ان سے دل میں نفرت ہو رہی ہے۔ **تحقیق** : الحمدللہ۔

حال : اللہ تعالیٰ حضرت والا کی دعار کی برکت سے پوری کامیابی عطا فرمائیں۔ آمین۔ **تحقیق** : آمین۔

حال : اب حضرت والا سے اپنے مزید اطمینان اور عمل کے لئے مشعل راہ بنانے کے لئے درخواست ہے کہ معاصی اور امراض کا قدرے فرق بھی ظاہر فرمادیں تو بہت سے شکوک کا ازالہ ہو جائے فی الجملہ فرق تو سمجھتا ہوں مگر بعض صورتوں میں معصیت اور مرض ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ معصیت تو وہ ہے جو مامور بہ کے خلاف ہو اور منھی عنہ ہو اور امراض وہ ہیں جو قلب کے عیوب ہیں، جو فطری اور جبلی ہیں مثلاً بخل وغضب مرض ہے۔

تحقیق : ہاں! فِیْ قُلُوْبِہِمْ مَرَضٌ (انکے دلوں میں بڑا مرض ہے) میں یہ سب داخل ہیں، اس میں شک ونفاق بھی داخل ہے اور

یہ بھی منہی عنہ ہے۔
حال: مگر جب اس پر نظر پڑتی ہے کہ انسان کی گھٹی میں معصیت ہے اور مرض بھی جبلی فطری گھٹی ہی میں داخل ہے تو دونوں ایک معلوم ہوتے ہیں۔
تحقیق: تو پھر آپ کا کیا نقصان ہے جو مرض ہے اس پر عمل نہ فرمائیے پھر وہ مرض بھی جاتا رہے گا یا ضعیف ہو جائے گا۔
حال: محض اپنی تسکین اور اطمینان کے لئے عرض ہے تاکہ عمل کے لئے معین مددگار ہو۔ حضرت والا کی تحریر مبارک بنام فلاں صاحب کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا، احقر ناکارہ بھی اپنے کو اسکا مخاطب سمجھتا ہے، بناءً علیہ گذارش خدمت اقدس ہے کہ حضرت والا کی موجودگی ہی تک اگر حاضری کو منحصر سمجھا تو یہ عین ریاکاری اور غایت درجہ کی خودغرضی اور مطلب پرستی ہے، عقیدت ومحبت کا تقاضا تو یہ ہونا چاہیئے کہ شیخ مدظلہ العالی کی ہر چیز دولتکدہ، درودیوار، مسجد، خانقاہ، حتیٰ کہ اس گاؤں کی تمام چیزوں سے لگاؤ ہو اور جس ذوق وشوق سے شیخ کی موجودگی میں حاضر ہو کر فیوض وبرکات کا مشاہدہ کرتا تھا اب بھی عدم موجودگی میں تصور کرکے اپنے قلب میں ان فیوض وبرکات کو جذب کرے بلکہ یہ سمجھے کہ اسی طرح مستفید ہو رہا ہوں۔ تحقیق: بیشک
حال: اور قلب کی تسلی کے لئے اس سے زیادہ آمد ورفت رکھے اور اسی طرح ہونا بھی چاہیئے کیونکہ ہماری دینی ودنیاوی اصلاح کی بنیاد تو وہیں کی سرزمین سے پڑی ہے اور سالہا سال تک وہاں کی حاضری سے بہرہ ور ہوتے رہے۔ افسوس اور صد افسوس ہوگا کہ اسباب اور ابتدائی چیزوں سے آنکھیں بند کرلی جائیں نعوذ باللہ منہ ھٰذہ التصورات انشاء اللہ خود بھی اور اپنے جو لوگ اودری کے ہیں حسب معمول حاضری کی سعا

کو ضروری سمجھیں گے۔ چنانچہ اسی بنا پر کل رات جمیعت کو فتحپور سے واپس آکر لوگوں کو جمع کیا اور سب نے مستعدی ظاہر کی بس اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو بہ برکت دعاء حضرت والا عمل کی توفیق عطا فرماویں۔ تحقیق : آمین

حال : فلاں سلمہٗ کو روزانہ بعد نماز مغرب اپنی مسجد پر تھوڑی دیر تک بہشتی زیور سنانے اور مسائل سمجھانے پر متعین کر دیا ہے ۔ تحقیق : الحمدللہ۔

حال : دعاء فرمائیے ۔ تحقیق : دعاء کرتا ہوں۔

حال : کہ اللہ تعالیٰ اس کام پر استقامت بخشیں اور لوگوں کو سننے کی طرف توجہ ہو۔

تحقیق : آمین۔

حال : انشاء اللہ دوسری مسجدوں پر بھی بندوبست کرونگا۔ دعاء کا خواستگار ہوں۔ تحقیق : دعاء کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۸۷۵)

حال : الحمدللہ حضرت والا کی برکت سے یہاں تمام خاص و عام مستقل میں فتحپور کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی قائم ہے رات کو بھی لوگ ہر راستے یہاں مسجدوں پر تعلیم وغیرہ کا نظم ونسق اچھی طرح چل رہا ہے اور روز بروز کچھ کچھ ترقی ہوتی جا رہی ہے ۔ تحقیق : الحمدللہ۔

حال : الحمدللہ حضرت والا کی دعاء و توجہ کی برکت سے ہم سب لوگ کام میں لگے ہوئے ہیں اور مستعدی سے لگے ہوئے ہیں۔ تحقیق : الحمدللہ

حال : حضرت والا کی برکت سے بہت سے لوگوں کو تحصیل علم دین کی ضرورت کا احساس ہو رہا ہے ۔ چنانچہ بعض مسجدوں پر چالیس آدمی پڑھنے والے اور سننے والے ہو گئے ہیں ۔ تحقیق : الحمدللہ۔

حال : ہر جگہ طریقہ کار حضرت والا کی ہدایت کے مطابق ہے ۔

تحقیق : الحمدللہ۔

حال: حضرت والا دعاء فرمائیں ۔ تحقیق: دعاء کرتا ہوں ۔
حال: کہ اللہ ہملوگوں کو مخلصین میں سے بنالیں ۔ تحقیق: آمین
حال: اور اپنی اصلاح کی پوری فکر عطا فرمائیں ۔ تحقیق: آمین
حال: اور حضرت والا سے صحیح تعلق عطا فرمائیں ۔ تحقیق: آمین
حال: اور ہمیں فلاح دارین نصیب فرمائیں ۔ تحقیق: آمین

(مکتوب نمبر ۸۷۶)

حال: اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کو بایں افادہ و افاضہ کامل صحت و تندرستی کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ خوش وخرم اور باخیر و عافیت رکھیں۔ جس سے خوب خوب تمام مخلوق کو نفع پہونچے ۔ آمین ۔ تحقیق: آمین ۔

حال: تمام لوگ سدھریں، راہ پر لگیں، اپنے خالق کو پہچانیں اور ان سے صحیح رشتہ و تعلق قائم کریں اور حضرت والا مدظلہ سے اصلی دین سیکھیں ۔ آمین ثم آمین ۔ تحقیق: آمین ۔

حال: حضرت والا کے اس دن اچانک تشریف لیجانے سے لوگ مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپ گئے، حزن و ملال بہت ہوا تو اسکا نفع بھی بہت ہوا تمام قصبہ میں روحانی زندگی کی ایک لہرسی دوڑ گئی ۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: سمجھدار طبقہ تو سمجھدار ہی ہے وہ طبقہ بھی بہت متاثر نظر آرہا ہے جو علماء و مشائخ سے یک گونہ بے نیاز و بدگمان ہورہا تھا بلکہ بدگمانی رکھتا تھا ۔ مثلاً امراء کا بعض طبقہ اور وہ لوگ جو دنیوی اعتبار سے کچھ وجاہت و سطوت یا پیش روی رکھتے تھے وہ لوگ بھی بہت مائل معلوم ہوتے ہیں ۔ تحقیق: الحمدللہ ۔

حال: حضرت والا کے تشریف لیجانے کے بعد گویا ہر جگہ اسی کا چرچا ہے ۔ بعض کو تو احقر نے خود یہ کہتے ہوئے سنا کہ عالم ربانی اسے

کہتے ہیں شیخ برحق انکا نام ہے۔ تحقیق: الحمد للہ
حال: یہ ہیں دین اسلام کے سچے رہبر۔ تحقیق: الحمد للہ
حال: لوگ انکی بات ماننے لگیں تو اسلام پھر چمک جائے۔ تحقیق: الحمد للہ
حال: ایک شخص جو غالی بدعتی، جاہل، بدعقیدہ تھا وہ احقر سے خود کہتا تھا کہ حضرت والا جب الہ آباد سے فتحپور تشریف لیجا رہے تھے مجھے زیارت کا موقع ملا، میں جاہل گنوار کیا سمجھوں مگر اسی ایک بات سے میں انکا گرویدہ ہوگیا کہ کوئی بات اپنے لئے نہیں کہتے بس جو دین ہے یہ ہے کہ شریعت کا اتباع کرو، اللہ و رسول کو مانو، بس میں تو گرویدہ ہوگیا۔ تحقیق: الحمد للہ۔
حال: پھر کبھی بار فتحپور گیا اور جی یہی چاہتا ہے کہ ہر وقت حاضری دوں غرض اسی قسم کے تذکرے اور جملے بہتیرے احقر نے خود بھی سنے اور دوسرے لوگوں نے بھی نقل کئے۔ تحقیق: الحمد للہ۔
حال: بعض لوگ حاضر خدمت ہونے کا خیال ظاہر کر رہے ہیں۔
تحقیق: آئیے۔
حال: حضروالا دعاء فرمادیں، تحقیق: دعاء کرتا ہوں
حال: کہ انکو اور ہمکو، سب کو شیخ برحق کی صحیح معرفت اور دین کی سچی اور کامل طلب حاصل ہوجائے اور کام بنجائے تحقیق: آمین
حال: حضرت والا ادنیٰ تامل سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ اس طبقہ کے بُعد (دوری) اور دین سے بدگمانی کا بڑا سبب ہماری بے راہ روی اور بدحالی ہے۔ تحقیق: اور کیا۔
حال: اگر ہماری روش صحیح اور حالات درست ہوجائیں تو انکا بُعد بہت جلد ختم ہوجائے۔ تحقیق: بیشک۔
حال: اور انکی تقریب سہل ہوجائے۔ تحقیق: بیشک

حال : انکی بدحالی کے زیادہ تر ذمہ دار ہم ہی ہیں، اللہ تعالی ہمیں اپنی ذمہ داری کا صحیح احساس عطا فرمائیں۔ تحقیق : آمین۔

حال : حضرت والا اکثر غور کرتا رہتا ہوں تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت حق سبحانہ نے جو دولت باطنی حضرت والا مدظلہٗ کو عنایت فرمائی ہے حضرت والا اسکو ہم تک پہونچانے کیلئے بیتاب وبیقرار رہتے ہیں، تحقیق : اورکیا۔

حال : اور ہمارے ظرف میں اسکی اہلیت واستعداد نہ پاکر بیحد اندوہگین وغمناک ہو جاتے ہیں اور طرح طرح سے سمجھاتے اور کوشش فرماتے ہیں، تحقیق : اورکیا۔

حال : کہ کس طرح انکو پلا دوں اور ان سبھوں کو کام کا بنا دوں۔ تحقیق : اورکیا۔

حال : جس سے اس دولت کی سہار ان سبھوں کو آ جائے۔ تحقیق : اورکیا۔

حال : مگر ہم اپنی دنیاداری، دنیا سازی اور کوڑہ مغزی میں ایسے غرق ہیں، تحقیق : سچ ہے۔

حال : کہ ذرا نہیں چونکتے اور ذرا آنکھ نہیں کھلتی کہ ذرا سوچیں اور دیکھیں کہ ہم کہاں ڈوبے ہوئے ہیں اور کہاں بہے جا رہے ہیں۔ تحقیق : بلشک۔

حال : حضرت اسوقت ایسی کیفیت ہوئی ہے کہ زمین پھٹ جاتی اور ہم اسمیں دھنس جاتے دنیا میں منھ دکھانے کے قابل نہیں نظر آتے تحقیق : الحمدللہ۔

خبریں

● ناروے جو ایک ترقی یافتہ ملک ہے اسکے شہر اوسلو میں فلسطین اور اسرائیل کے درمیان امریکی صدر کی کوششوں سے امن معاہدہ ہوا تھا اسکے بارے میں ایک سیاح کے تاثرات ایک اخبار نے شائع کیئے ہیں جو اس ترقی یافتہ دور کی انتہائی کربناک اور لائق افسوس تصویر پیش کرتا ہے۔ اخبار لکھتا ہے کہ معاشی ترقی اور معاشرتی آزادی کے باعث ناروے میں فیملی سسٹم ٹوٹ چکا ہے ۷۰ فی صد جوڑے شادی کے بغیر ایک دوسرے کے ساتھ رہ رہے ہیں عورت کو اس معاشرے میں غیر ضروری اہمیت حاصل ہے، وہ جس کے ساتھ رہنا چاہے رہے اسے کوئی نہیں روک سکتا' اس بے راہ روی کے نتیجہ میں جب کوئی خاتون خاوند بدلتی ہے تو وہ اپنے مختلف رنگ ونسل کے بچے بھی ساتھ لیجاتی ہے اس طرح نئے گھر میں تین قسم کے بچے پائے جاتے ہیں' میرے بچے، تمھارے بچے اور ہمارے بچے۔ الکوحل اس معاشرے کا سب سے بڑا فساد ہے بچوں سے لیکر بوڑھوں تک اتنی شراب پی جاتی ہے کہ لوگ پانی کا ذائقہ بھولتے جارہے ہیں۔ ناروے میں بوڑھے مرد وزن سب سے زیادہ مظلوم ہیں یہ طویل عمری کی سزا اولڈ ہومز اور اسپتالوں میں گذارتے ہیں۔ اولڈ ہومز میں رہنے والے اکثر بوڑھے شہر میں ذاتی رہائش گاہوں کے مالک ہیں لیکن وہ اپنے گھروں کے برعکس یہاں رہنا پسند کرتے ہیں کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ اگر وہ اپنے کمرے میں مرگئے تو انکے انتقال کی خبر ساتھ والے گھر تک پہنچتے پہنچتے ایک دو ہفتے لگ جائیں گے

دنیا میں انسانی رشتوں سے زیادہ قیمتی اور انسانی محبت سے بڑھکر عظیم کوئی جذبہ نہیں لیکن افسوس یہاں یہ دونوں چیزیں ناپید ہیں۔

(تعمیر حیات لکھنؤ)

حامل مضامین تصوف و عرفان ○ افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہٗ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر:- احمد مکین

شمارہ: ۲ شوال ۱۴۲۰ھ مطابق فروری ۲۰۰۰ء جلد: ۲۳

قیمت فی پرچہ نو روپئے سالانہ زر تعاون نوے روپیہ ششماہی پچاس روپئے

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان تین سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین۔ ۲۵/۲۳ بخشی بازار

الہ آباد ۔ ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۵۶۱۸۳

S.T.D code No 0532

پرنٹر۔ پبلشر۔ مولوی احمد متین : اسرار کریمی پریس حسین گنج الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

جنوری ۲۰۰۰ء سے رسالہ وصیۃ العرفان کا زرتعاون حسب ذیل ہوگا

سالانہ ——— ۹۰ نوے روپیہ

ششماہی ——— ۵۰ پچاس "

فی پرچہ ——— ۹ نو "

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس کاخِ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جُھک جاتے ہیں

جس سانحۂ عظیم کے پیش آجانے کا خوف گزشتہ چند ماہ سے بڑھتا جارہا تھا، دل اسکے وقوع سے انکار کرتا اور بہلانے کے مختلف بہانے تلاش کرتا رہا بالآخر ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء کو اس صدی کے خاتمہ پر صرف ماہ وسال کی صدی کا خاتمہ نہیں ہوا بلکہ علم وفضل میں ممتاز زہد و تقویٰ میں بے مثال، قناعت و استغناء کے پیکر، تواضع وانکسار کے تمثال اور مروت وشرافت سے مزین ایک عظیم ترین ہستی اعلیٰ قدروں کے ایک عہد کا خاتمہ کرکے ہم سے رخصت ہوگئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ کی دینی علمی اور روحانی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ان کی ذات بابرکات ہمہ جہت اورعالمگیر تھی۔ شہرت ومقبولیت کے اسباب مختلف تھے، امت اسلامیہ کے ہر طبقہ اور ہر جماعت میں وہ مقبول اور غیر متنازعہ تھے جب تک انکے اوصاف کے مختلف گوشوں پر الگ الگ روشنی نہیں ڈالی جائیگی انکی شخصیت کا حق کما حقہٗ ادا نہیں ہوسکے گا۔

حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی شہرت ایک داعی، مفکر، قائد و مصلح، باہوش و باخبر عالم، ادیب ومصنف ہونے کے علاوہ ایک صوفی، درویش، روحانی پیشوا اور مردمومن و مرد مجاہد ہونے کی حیثیت سے بھی تھی۔ مال وزر سے بے اعتنائی، تواضع وانکسار مولانا کا وصف خاص تھا۔ عرب وعجم کی شہرت، یورپ وامریکہ کی مقبولیت، علماء و مشائخ کی محبت اور محبین ومخلصین کی کثرت نیز زعمائے سلطنت سے

روابط، یہ تمام چیزیں حضرت مولانا کے اندر عُجب وتکبر اور خود بینی و خود رائی کے جذبات پیدا نہیں کر سکے بلکہ شہرت و مقبولیت کی بلندی انکے اندر تواضع اور انکسار کا مزید باعث بنتی گئی، رہن سہن نشست و برخاست میں وہی سادگی و بے تکلفی قائم و باقی رہی۔ بود و باش اور لہجہ و گفتار سے اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ بین الاقوامی شہرت کی حامل شخصیت سے شرف نیاز حاصل ہو رہا ہے۔

حضرت مولاناؒ کے علم فضل کے آگے اگرچہ ایک دنیا سپر انداز ہوئی لیکن یہ انکا خصوصی امتیاز تھا کہ وہ ہمیشہ علمائے عصر اور مشائخ وقت سے رابطہ و تعلق رکھتے، اپنے بزرگوں کے یہاں نہ صرف نیازمندانہ آمدورفت رکھتے بلکہ استفادہ اور استفاضہ کیلئے خود کو طالب کیطرح پیش کرتے۔ بلاشبہہ یہ وصف نہایت عالی ہے کہ عالمگیر شہرت و مقبولیت کے بعد کبھی نفس بے قابو نہو، عظمت و بڑائی اور کاملیت کا احساس پیدا نہو۔ یہ انکی بزرگی اور کرامت کی روشن دلیل ہے۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاءُ۔

اس رسالہ کے تعلق سے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب نوراللہ مرقدہٗ اور مصلح الامت عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ کے درمیان جو روابط تھے اور باہم جو مکاتبت ہوئی ہے اس پر قدرے اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی جائے اور بزرگوں کے تواضع وانکسار، بےنفسی اور فروتنی سے سبق حاصل کیا جائے۔ اس موقع پر اگر شیخ سعدیؒ کا یہ شعر پڑھا جائے تو شاید بے محل نہو ؎

تواضع زگردن فرازاں نکوست
گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

مگر حال یہ ہے کہ آج کے دور میں گداگروں سے کلبی رسم تو اضع اٹھتی جا رہی ہے۔

اوائل جنوری ۱۹۵۴ء میں مولانا علی میاں علیہ الرحمہ کا ایک تبلیغی سفر مئو کا ہوا وہیں سے بغرض ملاقات حضرت مصلح الامتؒ کے پاس فتحپور تال نرجا تشریف لے گئے غالباً یہی پہلی ملاقات ہے۔ حضرت والا علیہ الرحمہ سے مل کر اور مجلس میں شرکت فرما کر بہت مسرور ہوئے۔ اس ملاقات کے بعد حضرت مصلح الامت قدس سرہٗ کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں اس خط کے کچھ اقتباسات پیش خدمت ہیں:۔

"اپنی حقیر و ناکارہ ذات کے ساتھ جناب والا کی شفقتیں، رعایتیں دیکھیں اور اپنے اندر حضرت والا کی ذات گرامی کے ساتھ جو عقیدت و محبت اور جناب کے علوم و افادات کے ساتھ جو مناسبت محسوس کرتا ہوں اسکے بنا پر یہ عریضہ محض طلب دعا کیلئے پیش کر رہا ہوں"

اسی خط میں حضرت مصلح الامتؒ سے دعا کی درخواست کرتے ہیں دعا کے الفاظ دیکھئے اس میں کس قدر جامعیت ہے، تقرب خداوندی، رضائے الٰہی کی کتنی تڑپ ہے، لکھتے ہیں:۔

"جناب والا سے دردمندانہ و مخلصانہ التجا ہے کہ اس ماہِ مبارک اور اسکی ساعت میں اسکی دعا فرما دیں کہ اللہ تعالےٰ راضی ہوجائے اور اپنا بنالے اور اپنی ذات عالی کے ساتھ سچا اور مخلصانہ تعلق پیدا فرما دے اور اپنی محبت سے دل کو لبریز کردے اور نفاق سے محفوظ کرکے ایمان حقیقی نصیب فرمادے۔ امید ہے کہ

اس دعار کے ذریعہ امت محمدیہ کے ایک حقیر ترین فرد اور
ایک ناکارہ اور آوارہ انسان پر مدۃ العمر احسان فرمائیں گے
فأوف لنا الکیل و تصدق علینا ان اللہ یجزی المتصدقین“

حضرت مصلح الامت قدس سرہٗ نے جواب میں تحریر فرمایا :-
” محبی و مخلصی زاد اللہ حبکم و اخلاقکم
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ
محبت نامہ ملا آپ نے خیریت دریافت فرمائی ہے، الحمد للہ
آپکی دعار سے بخیریت ہوں ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عافیت ظاہری
و باطنی کے ساتھ رکھے ۔ آپ نے دعار کی درخواست فرمائی
ہے لہٰذا امتثالاً للامر دعار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی طلب
صادق عطا فرمائے اور آپکو مخلصین میں شامل فرمائے۔ آپسے
بھی اسی دعار کی درخواست ہے ۔“

اسی سلسلے میں ایک اور مکاتبت ملاحظہ فرمائیں، حضرت مولانا علی میاں
صاحب قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں :-
” اللہ تعالیٰ آں مخدوم کی ذات والا صفات کو تا دیر
سلامت باکرامت رکھے اور طالبین اور عامۃ المسلمین کو
منتفع ہونے کی بیش از بیش توفیق اور وجود گرامی کی قدر و
معرفت عطا فرمائے ۔ اللّٰھم آمین ۔

اس سفر میں حضرت والا نے جس شفقت و ذرہ نوازی
کا برتاؤ فرمایا اسکا مزہ آج تک دل میں ہے اور ؎
کلاہِ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید
کہاں یہ عامی کہاں شیخ وقت کے الطاف ، عصر و مغرب کے
درمیان کی مجلس میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا تھا کہ بیماری

ہر چیز سے یہاں تک کہ گفتگو کرنے سے بھی طبیعت برداشتہ ہو جاتی ہے ایسی حالت میں جی چاہتا ہے کہ کوئی اور گفتگو کرے اور ہم سنیں۔ چونکہ مرض کی ایک کیفیت ہے اسلئے دعاء تو یہی ہے کہ یہ کیفیت زائل ہو چکی ہو اور حضرت والا کی طبیعت گفتگو اور نطق کی طرف متوجہ ہو، خدام و مخلصین ارشادات عالیہ و تحقیقات طیّبہ سے مستفید ہو رہے ہوں لیکن اگر اسکا کچھ بھی اثر ہو تو اسکا ایک بدل تجویز کیا ہے کہ ایک حقیر تالیف (تاریخ دعوت و عزیمت) پیش خدمت کروں اور وہ کبھی کبھی حضرت کی مجلس میں پڑھکر سنا دی جائے اسکی جرأت اسلئے بھی ہوئی کہ اس کتاب کے بعض مضامین (جو اکابر کے کلام و تالیفات سے ماخوذ ہیں) حضرت کے اذواق و ارشادات کی تائید ہوتی ہے۔ نہ اسکا تقاضا ہے کہ یہ کتاب ضرور ہی سنائی جائے اور نہ اسکا انتظار رہے گا، صرف یہ کتاب وہاں موجود رہے اور اگر وہ کچھ بھی تفریح طبع کا ذریعہ ہو سکے تو اپنی سعادت سمجھوں گا۔ والسلام

ناچیز ابوالحسن علی ندوی

اس گرامی نامہ کا جواب بھی ملاحظہ فرمالیں اور دیکھیں کہ بڑوں نے ایک دوسرے کے مرتبوں کا کسقدر لحاظ کیا ہے۔

مکرمی مولانا دام مجدکم

دعاء فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ پوری طرح قوت عطا فرمائے تاکہ کچھ کام کر سکوں۔ آپ نے چند کلمات میں جس محبت کا اظہار فرمایا ہے اس پر دل سے ممنون ہوں، اللہ تعالیٰ دین و دنیا میں آپ کے مراتب بلند فرمائے اور بیش از بیش

اپنے تعلق اور اپنی رضا کی تحصیل کی توفیق عطا فرمائے
باقی آپ نے جو لکھا ہے کہ ع

کلاہ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید

تو اسکا صحیح مصداق تو یہ تھا کہ میں اسے پڑھتا، آپکی مثال شاہوں کی سی ہے کہ کبھی یہاں اور کبھی وہاں نزول فرماتے رہتے ہیں چنانچہ ایک دہقاں کے یہاں کلھی نزول فرماکر اسکو شرف بخشا اسلئے اگر میں یہ کہوں تو حق بجانب ہوں کہ ع۔ کلاہ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید ۔ بلکہ پورے قطعہ ہی کو دہراتا ہوں کہ ع۔

ز قدر و شوکت سلطاں نگشت چیزے کم
ز التفات بمہماں سرائے دہقانے
کلاہ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید
کہ سایہ برسرش انداخت چوں تو سلطانے

(ایک دیہاتی کے مہمان خانہ کی طرف نظر کرم فرمانے اور اسکو اپنے قیام کا شرف بخشنے سے بادشاہ سلامت کی عزت وعظمت وشوکت ودبدبہ میں کچھ کمی نہیں آئی البتہ آپ جیسے باعظمت بادشاہ کے اسکے سر پر سایہ ڈال دینے کی وجہ سے اس دیہاتی کی ٹوپی کا گوشہ آفتاب کی بلندی کو پہونچ گیا)

اور آپ نے اپنی بعض تصانیف کے متعلق یہ جو تحریر فرمایا ہے کہ مجلس میں اسکو پڑھکر سنایا جائے تاکہ تفریح طبع کا ذریعہ ہوسکے، اسکے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ چونکہ اس کے مضامین ارشادی ہیں تو میں ارشادی مضامین کو تفریح کا سبب نہیں بناؤں گا کیونکہ یہ اسکی ناقدری ہوگی بلکہ میں یہ کروں گا کہ

اس کا از خود مطالعہ کروں گا اور جس طرح سے بزرگوں کے
اقوال سے اثنائے گفتگو استدلال کرتا ہوں اسی طرح سے
اسکے مضامین کو مجلسی لوگوں کے سامنے پیش کروں گا۔

حضرت مصلح الامت قدس سرہٗ اپنے ایک گرامی نامہ میں مولانا کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :۔

" جو حضرات اہل علم میرے پاس آمد ورفت فرماتے ہیں ان میں غالباً سب سے زیادہ قلب کا رجحان جناب کی طرف ہوتا ہے "

حضرت مولانا نے جواب میں تحریر فرمایا :۔

جناب والا کے اس ارشاد گرامی کو بار بار بڑے فخر و سرور سے پڑھا کہ " جو حضرات اہل علم میرے پاس آمد ورفت فرماتے ہیں ان میں غالباً سب سے زیادہ قلب کا رجحان جناب کی طرف ہوتا ہے " ـــــ یہ جملہ میرے لئے بشارت عظیم اور سرمایۂ تسکین ہے اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں

ان بزرگوں کے مکاتیب کے چند نمونے نقل کر دیئے تاکہ انکے اخلاص اور اخلاق کریمانہ، بے نفسی اور تواضع و انکساری کے مظاہر سامنے آسکیں اور ہمارے لئے مشعل راہ ہوں۔

اس مضمون کا اختتام مولانا علیہ الرحمہ کے اس پیغام پر مناسب ہوگا جو مئو کے ایک جلسہ میں فتحپور سے واپسی کے بعد فرمایا تھا، ارشاد فرمایا ـــــ " زمانہ بدلتا رہتا ہے لیکن کچھ قدریں دائمی ہوتی ہیں جن پر زمانہ کے تغیر و تبدل کا کچھ اثر نہیں ہوتا جو حضرات ان قدروں کے حامل ہوتے ہیں تغیرات زمانہ سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ وہ اہل زمانہ پر اپنا اثر ڈالتے ہیں " ـــــ اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا ـــــ " آپ حضرات !

اپنے اندر روحانیت پیدا کیجئے" روحانیت کی تشریح میں فرمایا
" روحانیت سے میرا مطلب یہ ہے کہ آپ اخلاص و تقویٰ، زہد و
استغناء، اور تعلق مع اللہ پیدا کیجئے "

شاہی مسجد مفتاح العلوم میں ارشاد فرمایا :-

" تم لوگ علم دین پڑھ رہے ہو اور نائب رسول بننا چاہتے ہو
اور اسی لئے آئے ہو یہ سب ٹھیک ہے اور مبارک ہو مگر یاد رکھو
جب تک اپنے اندر روحانیت نہیں پیدا کرو گے اور اپنے ظاہری
و باطنی اخلاق درست نہیں کرو گے اس وقت تک تم دین و قوم کا
کوئی کام نہیں کر سکتے اور تم سے دین و قوم کو کوئی نفع نہیں پہونچ سکتا،
آدمی خواہ کتنا ہی علم حاصل کرلے اور کتنی ہی لمبی لمبی تقریریں
اور تحریریں کرنے لگے اور کتنے ہی بڑے بڑے وزنی لفظ بولنے لگے
مگر جب تک اپنے اندر روحانی کمالات نہیں پیدا کرلے گا اسکو نیابت رسول
نہیں مل سکتی اور نہ وہ نائب رسول کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے اور
نہ اس سے دین و قوم کو فائدہ پہونچ سکتا ہے۔ ہر زمانہ میں ایسا ہی
ہوتا آیا ہے ہر زمانہ کے علماء و صلحاء کو دیکھ لو کہ وہ روحانیت ہی کے
کمال کے بعد کچھ کر سکے ہیں، روحانیت کے کمال کے بعد باتوں میں اثر
ہوتا ہے "

بزرگان دین کی باتوں میں کتنا اثر تھا، اسی اطراف کے ایک
بزرگ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب مدظلہ العالی ہیں جو الہ آباد میں
رونق افروز ہیں آپ لوگ بھی انھیں جانتے ہونگے، جاکر دیکھو انکی
باتوں میں کتنا اثر ہے ہر طبقہ کے بڑے بڑے چوٹی کے لوگ پروانہ وار گرتے ہیں
اور ان سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور انکی باتوں سے نفع و اثر لیتے ہیں
آخر کیا بات ہے؟ حالانکہ ظاہر میں وہاں بعض باتیں ایسی بھی ہیں

کہ ایک احمق اور ظاہر بیں کچھ متوحش بھی ہو سکتا ہے مگر انکے علمی اور باطنی کمالات اور انکے باطن کی گہرائی ایسی ہے کہ اسکے سامنے سب کو جھکنا پڑتا ہے۔ بڑے بڑے چوٹی کے علماء و امراء سب ہی جھکے ہوے ہیں اور ان سب کو جھکنا ضروری ہے ورنہ نقصان اٹھائینگے یہ سب کیوں؟ محض اسلئے کہ انکو باطنی و روحانی کمالات کماحقہ حاصل ہیں جو دین و شریعت کی اساس ہیں۔ زمانہ کا تغیر ہر چیز کو متاثر کرتا ہے مگر سچی روحانیت اور نمایاں قابلیت پر انقلاب زمانہ کا اثر نہیں پڑتا انکے سامنے اہل زمانہ کو جھکنا پڑتا ہے اور انکی مخالفت مضر ہوتی ہے۔

متعدد اکابر اصحاب روحانیت کا نام لینے کے بعد آخر میں فرمایا ـــــ اور جیسے مولانا وصی اللہ صاحب مدظلہٗ جنکی مجلس میں ناآشنا آدمی کچھ ایسی بات بھی دیکھتا ہے جسکو نہیں سمجھ پاتا اسکے پاس تمام اکابر جانے کے لئے مجبور ہیں۔"

حضرت مولانا علی میاں علیہ الرحمہ کے یہ ارشادات صرف سرسری وعظ و تقریر نہیں تھے بلکہ حضرت مولاناؒ علم و فضل کے علاوہ باطنی و روحانی کمالات کے بلند مراتب طے کر چکے تھے اور ارشاد و ہدایت کے منصب پر فائز تھے انکی شہرت و مقبولیت اور ہردلعزیزی، علماء و صلحاء کا رجوع امراء و سربراہان مملکت کا نیازمندانہ تعلق رکھنا یہ سب انکے مقبول عند اللہ ہونے کی کھلی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا علیہ الرحمہ پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے اور مراتب عالیہ سے نوازے اور ہم سب کو مولانا علیہ الرحمہ کے ارشادات عالیہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، نیز اصلاح باطن کیطرف متوجہ فرمائے۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

مدیر

مصلح الامت محی السنت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ قدس سرہٗ

مجالسِ علیگڈھ

مجلس دہم

(بعثتِ انبیاء ورسل کے مقاصد ومصالح)

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تفہیمات میں انبیاء کی بعثت کے اغراض میں سے ایک غرض اور مقصد عقائد کی تصحیح کو بھی فرمایا تھا اسلئے اسوقت آپ کے سامنے عقائد ہی پر کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ یہ شرح عقائد موجود ہے جو میں نے آپ ہی کے کتب خانے سے منگوائی ہے اس میں صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ ایمان کے لئے تصدیق اور اقرار ضروری ہے۔ جب کسی عبد سے تصدیق و اقرار پالیا جا دے تو اسکا ایمان محقق ہو جاتا ہے چنانچہ اب وہ آنَا مُؤمِنٌ حَقًّا (میں یقیناً مومن ہوں) کہہ سکتا ہے اسلئے کہ اسکا ایمان ثابت ہے اور اسکے لئے آنَا مُؤمِنٌ اِنْ شَاءَ اللّٰہ (یعنی خدا چاہے تو مومن ہوں) کہنا مناسب نہیں (اسلئے کہ ایمان میں جزم اور یقین ہونا ضروری ہے شک ہوا تو کفر ہو جائے گا ہاں اگر انشاء اللہ محض تبرک کے طور پر یا اپنے نفس سے تزکیہ اور عُجب سے تبرّی "یعنی اظہار برات" کرنے کے لئے کہا ہے تو البتہ جائز ہو سکتا ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ ترک کر دے کیونکہ موہم شک ہے)

اور جس طرح توحید کا عقیدہ ضروری ہے اسی طرح رسالت کا عقیدہ بھی ضروری ہے بلکہ رسالت پہلے منوائی جاتی ہے پھر توحید، توحید مقصد ضرور ہے مگر اس تک پہنچنے کا ذریعہ رسالت ہی ہے رسول کو دونوں طرف سے نسبت ہوتی ہے۔

رسول رسالت سے ماخوذ ہے جس کے معنی سفارت کے آتے ہیں رسول مخلوق اور خالق کے درمیان سفیر ہوتا ہے اور وہ اسلئے مبعوث کیا جاتا ہے کہ دنیا اور آخرت کے ان امور میں جنمیں لوگوں کی عقلیں قاصر رہ جائیں انکی عقدہ کشائی اور انکی طرف رہنمائی کرے چنانچہ ارسال رسل میں اور بھی بہت سی حکمتیں ہیں سب سے بڑی حکمت تو یہ ہے کہ یہ حضرات منازل طریق کو بیان فرماتے ہیں، اہل ایمان اور اہل طاعت کو جنت کی بشارت دیتے ہیں اور اہل کفر اور اہل عصیان کو دوزخ سے ڈراتے ہیں۔ یہ حضرات بھی بشر ہوتے ہیں کیونکہ بشر کی جانب مبعوث کئے جاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جنس کا اپنی جنس کی طرف میلان زیادہ ہوتا ہے اور ہمجنس سے اخذ (سیکھنا) آسان ہوتا ہے۔ نیز انھیں مصالح میں سے جنکی وجہ سے رسول مبعوث کیا جاتا ہے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی نے جنت اور دوزخ، ثواب اور عقاب کو پیدا فرمایا اسی طرح سے بہت سی چیزیں نافع اور بہت سی مضر پیدا فرمائیں جنکی معرفت کے لئے عقل و حواس کافی نہیں بلکہ انکو بذریعہ وحی لسان نبوت ہی سے بیان کیا جا سکتا ہے پس اللہ تعالے نے محض اپنے فضل و رحمت سے ان امور کی تبیین کے لئے ارسال رسل کا سلسلہ قائم فرمایا حتی کہ سب سے آخر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالم کے حق میں رحمت بنا کر بھیجا کما قال اللہ تعالی وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور یہ جو کہا کہ عقل کو ثواب اور عقاب تک پہونچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ عام عقول کے لئے رسائی ناممکن ہے یوں ہو سکتا ہے کہ کسی کی عقل کو رسائی ہو جائے لیکن اسکے لئے بڑے اَنظار دقیقہ (باریک بیں نگاہوں) کی حاجت ہوگی جو سب کے لئے آسان نہیں۔ یہ عقل جس کو آپ بہت بڑی چیز سمجھتے ہیں بہت سے علوم ایسے ہیں کہ انکے اعتبار سے بالکل اندھی ہوتی ہے ہاں اگر وحی کے تابع ہو جائے اور اطاعت رسول کے ساتھ ساتھ ہو تو کچھ مفید ہو سکتی ہے اور اسمیں نور آجاتا ہے اسی لئے مومن کی سب سے پہلی تعریف یہ ہے کہ وہ غیب پر ایمان لاتا ہے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ (یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں، راہ بتلانے والی خدا سے ڈرنے والوں کو، وہ خدا سے ڈرنے والے لوگ ایسے ہیں کہ یقین لاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر) جو چیزیں کہ عقل و نظر سے ماوراء ہیں مومن انکو بھی اللہ و رسول کے کہنے سے مانتا ہے اور تصدیق کرتا ہے۔ چنانچہ ایک دوسری صفت مومن کی یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ (اور جو قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں)

دین و دنیا کی فلاح اتباع سنت میں ہے

انبیا علیہم السلام دین و دنیا کی مہمات کو بیان کرتے ہیں، اب لوگ میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں بیماری سے بہت علاج کیا فائدہ نہیں ہو رہا ہے اس پر کہتا ہوں کہ سنئے:۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَللّٰھُمَّ عَافِنَا فِی الدُّنْیَا اے اللہ ہمکو دنیا میں عافیت عطا فرما۔ تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے عافیت کی دعا رکی ہے تو اب عافیت کیلئے بھی اللہ تعالےٰ سے دعا کرنا مسنون اور مطلوب شرعی ہوگیا مگر اب اس زمانے میں وظیفے تو بہت ہیں مگر حضور کی سنت کی اتباع کرنے والے بہت کم ہیں۔

سنت کا اتباع کیجئے اور دین و دنیا دونوں کی فلاح حاصل کیجئے۔ آپ کہتے ہیں ہمکو تو کچھ ملا نہیں اسکے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ نے نہ پایا ہو مگر ہم نے تو پایا ہے اور ہمارے شیخ نے بھی پایا ہے اور ہمارے شیخ کے شیخ حضرت حاجی امداد اللہؒ نے بھی پایا ہے۔ ہمچنیں سلسل۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ ایک کثیر جماعت آپکے خلاف کہتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وہ شرائط پورے نہیں کئے جنکی وجہ سے لوگوں نے پایا ہے تو پھر ظاہر ہے کہ اسمیں قصور آپ ہی کا ہوا نہ کہ دین کا۔

ایک بے نمازی شخص سے ایک مولوی صاحب نے کہا کہ تم چالیس دن نماز پڑھ لو تو تم کو ایک بھینس دیں گے چالیس دن پورے کرنے کے بعد وہ مولوی صاحب کے پاس آیا اور ان سے بھینس مانگی مولوی صاحب نے اس سے کہا کہ تم نے بھی خوب سمجھا میں نے تو بھینس کا وعدہ تمکو نماز کا پابند کرنے کے لئے کیا تھا اور یہ سمجھا تھا کہ چالیس دن نماز پڑھنے کے بعد تمھیں نماز سے تعلق ہوجائے گا اور تم بھینس کو بھول جاؤ گے۔ اس شخص نے جب یہ مایوسی کا جواب سنا تو کہا اچھا تو مولوی صاحب جاؤ میں نے بھی بے وضو ہی ٹرخائی ہے۔ دیکھتے ہیں آپ؟ اس نے بے وضو ہی نماز پڑھی تھی ایسی نماز ہوتی کہاں ہے؟ اور بھینس لینے کو تیار۔ مولوی صاحب کا وعدہ تو صحیح نماز پر تھا اور اس نے اس شرط کو پورا ہی نہیں کیا۔

پھر مشروط کا انتظار کیسا؟

اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا کیوں نہیں ہوتا؟

آپ اسکو سن کر ہنس رہے ہیں لیکن آج ہمارا حال بھی یہی ہے کہ دین کو اسکی جملہ شرائط کے ساتھ اختیار نہیں کرتے اور اس کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے متعلق جو وعدے فرمائے ہیں وہ ہمارے لئے بھی پورے کیوں نہیں ہوتے۔ بات یہ ہے کہ کسی کو جو کچھ ملتا ہے تو وہ اعتقاد صحیح اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ملتا ہے اور جن کو نہیں ملتا وہ انکی بد اعتقادی کی نحوست ہے۔ یہ بد اعتقادی جہاں تک نہ پہونچا دے کم ہے اور چیزوں کو تو جانے دیجئے نماز جیسے اہم فریضہ کے ساتھ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والوں کا آج یہ معاملہ ہے۔

نماز خود مقصود اصلی ہے

ایک صاحب کی بیوی نماز کی پابند تھیں وہ اس غریب سے پوچھتے تھے کہ تم نے نماز میں کیا پایا ہے؟ حضرت مولاناؒ فرماتے تھے کہ اگر میں ہوتا تو کہہ دیتا کہ نماز پائی ہے کیونکہ بعض چیزیں خود مقصود بالذات ہوتی ہیں یعنی خود وہی مقصود ہوتی ہیں اور بعض چیزیں مقصود بالعرض ہوتی ہیں یعنی اصلی مقصود تو کوئی دوسری چیز ہوتی ہے اور یہ اسکی تحصیل کا ذریعہ ہوتا ہے اسلئے مقصود تو وہ بھی ہوتا ہے مگر بالعرض۔ پس کسی عمل کے متعلق یہ کہنا کہ اس میں کیا پایا تو وہاں صحیح ہو سکتا ہے جو مقصود بالعرض ہو کہ آیا اس سے مقصود حقیقی حاصل ہوا بھی یا نہیں؟ باقی جو عمل کہ خود مقصود بالذات ہے اسکے متعلق کہنا یہ کہ اسمیں کیا پایا ہے غلط ہے کیونکہ وہ تو خود مقصود ہے تو اب اسکے متعلق یہ سوال ہی غلط ہے کہ اس میں تم نے کیا پایا ہے؟

دیکھئے چلنا مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ وصول مطلوب (یعنی مقصود تک پہونچنے) کا ذریعہ ہے اسلئے کوئی کہیں چل کر جائے تو آپ اس سے یہ تو پوچھ سکتے ہیں کہ اس چلنے سے تم کو کیا ملا؟ وہ جواب دیگا کہ ہم اپنے گھر پہونچ گئے لیکن اپنا مکان خود مقصود ہے اسکے لئے یہ سوال حماقت کا سوال ہوگا کہ مکان جانے سے تمکو کیا ملا؟ یہ اس پر کہہ رہا ہوں کہ اس نے جو یہ پوچھا کہ نماز میں تم نے کیا پایا؟ تو اسکا صحیح جواب یہ ہے کہ نماز پڑھنے سے نماز پائی اسلئے کہ نماز مقصود ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے بندہ کو اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ قرب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو معراج المومنین فرمایا ہے۔ پس ایک نماز ہی کیا شریعت کی ہر بات سے ہمارا نفع متعلق ہے اور تمام حوائج کا علاج سنت میں موجود ہے۔

نعمت عافیت

دیکھا آپ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ سے عافیت طلب فرمائی اور سب امور سے زیادہ آپؐ عافیت ہی کا سوال فرماتے تھے۔ حضرت سیدنا رفاعیؒ فرماتے ہیں کہ نعمتِ عافیت کی بڑی قدر کرو جسکی حقیقت یہ ہے کہ سانس بدون تکلیف کے آتا رہے، رزق بدون تکلیف کے ملتا رہے اور عمل صالح بدون ریا کے ہوتا رہے یہ عافیت ہے اصلی، تو آپ کیوں نہیں اس کی دعا مانگتے۔ اسی طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا بھی بہت پسند تھی کہ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ (اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی بہتری عنایت کیجئے، اور آخرت میں بھی بہتری دیجئے

اور ہم کو عذاب جہنم سے بچائیے) اس میں آپ نے دارین کی فلاح طلب فرمائی ہے اسکو آپ کیوں نہیں مانگتے۔

اور آپ جو یہ فرماتے ہیں کہ نماز میں کیا پایا؟

تعلق مع اللہ کے ثمرات تو اسکے متعلق کہتا ہوں کہ اللہ والوں نے اللہ تعالے کے تعلق میں بہت کچھ پایا ہے۔ اللہ تعالے نے حضرت زکریا اور مریم علیہما السلام کا واقعہ خود قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (جبکہ عمران کی بی بی نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میں نے نذر مانی ہے آپ کیلئے اس بچہ کی جو میرے شکم میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جاویگا، سو آپ مجھ سے قبول کر لیجئے، بیشک آپ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں) اسکے آگے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نے جو دعا کی تھی اسے اللہ تعالے نے باحسن وجوہ قبول فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا (یعنی پھر قبول کیا اس کو اسکے رب نے اچھی طرح کا قبول کرنا اور بڑھایا اسکو اچھی طرح بڑھانا اور کفیل بنایا ان پر حضرت زکریا علیہ السلام کو كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ نگراں ہونے کے سبب حضرت زکریا علیہ السلام جس وقت انکے پاس محراب میں آتے تھے تو مریم علیہا السلام کے پاس کھانے کی چیزیں پاتے تھے تو یوں فرماتے کہ اے مریم یہ چیزیں تمھارے واسطے کہاں سے آئیں وہ کہتیں کہ اللہ تعالے کے پاس سے آئیں۔ بیشک اللہ تعالی جسکو چاہتے ہیں

بے استحقاق رزق عطا فرماتے ہیں مفسرین فرماتے ہیں کہ بغیر حساب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بلا اسباب رزق عطا فرماتے ہیں۔ اب آپ سے کہتا ہوں کہ کیا یہ پانا نہیں ہے؟ اور سنئے آگے ارشاد فرماتے ہیں :۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ جب زکریا علیہ السلام نے مریم کے پاس بے فصل کے میوے آتے ہوئے دیکھے تو آپ نے اپنے رب سے اس موقع پر دعا کی اور عرض کیا کہ اے میرے رب عنایت کیجئے مجھکو بھی خاص اپنے پاس سے اچھی اولاد بیشک آپ بہت سننے والے ہیں دعا کے۔ چنانچہ ایک دن جبکہ آپ محراب میں نماز پڑھ رہے تھے فرشتوں نے یحییٰ علیہ السلام کے تولد ہونے کی آپ کو بشارت دی۔ آپ سے پوچھتا ہوں کیا یہ پانا نہیں ہے؟ دنیا میں دو ہی چیزیں انسان کو زیادہ مطلوب ہوتی ہیں ایک مال ایک اولاد تو اللہ تعالےٰ اپنے نیک بندوں کو کس کس طرح سے اولاد اور رزق سے نوازتے ہیں

عقل کی حیثیت

اس قسم کے واقعات خود قرآن کریم ہی میں بہت ہیں لیکن کس کو کتاب و سنت کا علم حاصل کرنے کی فرصت ہے علماء نے اس آیت سے کرامت کے جواز پر استدلال کیا ہے اسلئے کہ مریم علیہا السلام نبی نہ تھیں بلکہ ولیہ تھیں، لیکن آپ اگر چاہیں کہ جنت اور دوزخ کی تفصیل اور جنت تک پہونچنے یا دوزخ سے بچنے کا راستہ اپنی عقل سے معلوم کرلیں تو یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جنھیں عقل سے نہیں معلوم کیا جا سکتا۔ یہ میں بے ربط کلام نہیں کر رہا ہوں ذرا آپ اپنی عقل کو چھوڑ کر دیکھئے کہ ادھر سے

کیا ملتا ہے اور یہ عقل جس کو آپ بہت بڑی چیز سمجھتے ہیں اس کی حیثیت ہی کیا ہے اسکی پرواز اور اسکے ادراک کی کبھی ایک حد ہے جس کے اوپر یہ بیکار محض ہوکر رہ جاتی ہے اسی واسطے بزرگان دین نے خدا کی طلب میں عقل کو کافی نہ سمجھکر چھوڑ دیا ہے اور عشق و محبت کی راہ اختیار کی چنانچہ یہ حضرات فرماتے ہیں ؎

آزمودم عقل دوراندیش را

بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

(میں نے دورتک سوچنے والی عقل کو آزما کر دیکھ لیا (جب اس سے کچھ کام نہ چلا) تو پھر اپنے آپ کو عاشق و دیوانہ بنا لیا (جس سے سارے کام آسان ہو گئے)

بہرحال نبی سے معجزات کا صدور اس لئے ہوتا ہے کہ صادق اور کاذب میں تمیز ہو جائے کیونکہ وقتِ صدورِ معجزہ یہ جزم ہو جاتا ہے کہ یہ سچے ہیں اور جس طرح نبی کو معجزہ دیا جاتا ہے اسی طرح ولی کو کرامت دی جاتی ہے۔

چنانچہ کسی ولی کی کرامت اسکے نبی کا معجزہ ہوتا ہے اس لئے کہ اس کی وجہ سے وہ مکرم عند اللہ سمجھا جاتا ہے باقی کوئی شخص ولی جبھی ہو سکتا ہے کہ محق اور دیانتدار ہو اور دیانت اسکی یہی ہے کہ وہ ایمانیات کا زبان سے اقرار کرتا ہو اور دل سے اسکا مصدق ہو اور اوامر و نواہی میں حق تعالے کا مطیع ہو اور جہاں ایمان اور عمل صالح نہو وہاں کرامت تلاش کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی بنیا اپنی تھالی گھڑے میں تلاش کرتا تھا اور کہتا تھا کہ جسکی کوئی چیز گم ہوتی ہے وہ ہر جگہ تلاش کرتا ہے۔ یہ بہت ہی اہم بات ہے جو آپ سے کہنا چاہتا تھا اگر اسی کو نہ کہتا تو سمجھتا

نہ کچھ کہا ہی نہیں ۔

آپ سے کہتا ہوں کہ علماء عقائد میں کرامت کا بھی بیان کرتے ہیں اور اسکو حق تعالیٰ کی جانب سے انعام اور عطیہ سمجھتے ہیں تو کیا یہ پانا نہیں ہے؟

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا واقعہ

آپ نے سنا ہوگا کہ حضرت عمرؓ ایک بار منبر پر جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے اور اچانک اثنا خطبہ میں یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ (اے ساریہ! پہاڑ کی طرف جاؤ) تین بار ارشاد فرمایا، کچھ دنوں کے بعد جب آپ کا فرستادہ لشکر نہاوند سے واپس آیا ان لوگوں نے مدینہ میں بیان کیا کہ فلاں دن فلاں وقت امیر المومنین کی آواز ہمارے کانوں میں پہونچی اسی کے مطابق فوج کی ترتیب دے لی گئی اور فتح حاصل ہوگئی اس پر یہاں کے لوگوں نے تصدیق کی کہ ہاں حضرت عمرؓ نے اثنا خطبہ میں یہ کلمات فرمائے تھے جنھیں سنکر ہمیں بھی تعجب ہوا تھا کہ ساریہ یہاں کہاں ہیں اور کیسا پہاڑ؟ تو اب آپ سے پوچھتا ہوں یہ کیا چیز تھی؟ حضرت عمرؓ نے بھی کچھ پایا تھا یا نہیں کہ سیکڑوں میل کی دوری سے ساریہ کو اور نقشہ جنگ کو دیکھ لیا تھا ۔

ہاتھی کا گوشت نہ کھانا

ایک اور واقعہ سنیئے! ایک بزرگ کے پاس کچھ لوگ آئے جو حج کو جانے والے تھے ان لوگوں نے ملاقات کی اور عرض کیا کہ حضرت کوئی نصیحت فرمایئے ان بزرگ نے فرمایا کہ جاؤ مگر دیکھو ہاتھی کا گوشت نہ کھانا ۔ لوگوں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ان بزرگ نے کیا فرمایا؟ اور ان سے عرض کیا کہ حضرت اس منع کرنے کا سبب سمجھ میں نہیں آیا ۔ انھوں نے کہا کہ اس وقت دل میں ایسا ہی آتا ہے چنانچہ وہ لوگ روانہ ہو گئے راستہ میں جہاز طوفان میں گھرا اور ڈوبنے لگا یہ لوگ ایک تختے پر

پڑ گئے اور بہتے بہتے ایک جزیرہ کے کنارے جا پہونچے خشکی پر اترے بھوک بڑی زور کی لگی ہوئی تھی کوئی چیز کھانے کی پاس نہ تھی نہ وہاں مل سکی بالآخر ایک ہاتھی کا بچہ نظر آیا لوگوں نے خیال کیا کہ جان جارہی ہے لاؤ اسی کو کھالو چنانچہ اسے پکڑا اور ذبح کیا اور دو آدمیوں نے کھایا تیسرے کو شیخ کی نصیحت یاد آئی اس نے نہیں کھایا تھکے تو تھے ہی جب پیٹ بھرا تو نیند آگئی اتنے میں ہاتھی اپنا بچہ تلاش کرتا ہوا آیا اور ان سب کے منہ کو اپنے سونڈ سے سونگھا جن دونوں نے گوشت کھایا تھا انکو پھاڑ ڈالا اور جس شخص نے نہیں کھایا تھا اسکو سونڈ سے اٹھا کر اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا اور پھل دار درختوں کے نیچے لے گیا اسکا مطلب یہ تھا کہ اس سے کھالے پھر اسکو بہت دور لے گیا اور ایک شاہ راہ پر چھوڑ دیا جس کے قریب ہی ایک بستی تھی وہاں لوگوں سے اپنا واقعہ بیان کیا لوگوں نے تعجب کیا اور کہا کہ تم نے پانچسو میل کا راستہ رات بھر میں طے کیا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ کیا تھا ان بزرگ نے اس واقعہ کو پہلے ہی کہاں سے دیکھ لیا تھا پھر آپ کیسے کہتے ہیں کہ کیا پایا؟

ظلمت ہوگئی

اور سنئے:۔ ایک بزرگ کی خدمت میں چند آدمی آئے جو کچھ ہدیہ بھی لیکر آئے تھے انکے داخل ہوتے ہی ان بزرگ نے فرمایا کہ "ظلمت ہوگئی" انلوگوں نے سوچا کہ کیا بات ہے کہ ہمارے داخل ہوتے ہی حضرت نے اس طرح سے فرمایا، یاد آیا کہ جہاں سے ہدیہ کیلئے چیزیں خریدی تھیں دوکاندار کو قیمت دینا بھول گئے ہیں واپس آئے اور اس سے کہا کہ اے اللہ کے بندے ہم لوگ بھول گئے تھے تم نے بھی

یاد نہیں دلایا اس نے کہا جی ہاں غلطی ہوئی میں بھی بھول گیا تھا غرض اسکو قیمت ادا کر کے پھر ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے اب کی بار انھوں نے فرمایا اب ظلمت نہیں رہی اب اسکو کیا کہئے گا یہ خوارق کی بحث ہے اللہ تعالےٰ اپنے نیک بندوں کو اس دولت سے نوازتے ہیں اور اگر خوارق کی نسبت نبی کی طرف کی جائے تو یہ اس نبی کا معجزہ کہلائے گا۔ باقی ولی کے اعتبار سے اسکو کرامت کہا جائے گا اور ولی کیلئے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ یہ سمجھتا ہو کہ میں ولی ہوں۔

فارس کے ایک حکیم نے امام محمدؒ کی کتاب مبسوط دیکھی تو اس نے کہا کہ جب تمھارے محمد اصغر کی کتاب ایسی ہے تو تمھارے محمد اکبرؐ کی کتاب (یعنی قرآن شریف) کیسی ہوگی۔ یہ کہکر مسلمان ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ علماء امت کو جزا خیر دے کہ ان حضرات نے عقائد کی بحث کی ہے، خوارق کی بحث کی ہے، کرامت کی بحث کی ہے اور خوب خوب دین سکھلایا ہے۔

چنانچہ کتاب سے اسی لئے بیان کرتا ہوں تاکہ غلطی نہ ہو اور ان حضرات کو بھی اسکا ثواب ملے۔ انتہیٰ۔

حفاظت کا خاص عمل

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ۔ تین مرتبہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم تین مرتبہ اَعُوۡذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّآمَّاتِ مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ تین مرتبہ قُلۡ ھُوَاللّٰہ الخ ۔ قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ الخ قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ الخ تین تین مرتبہ فَاللّٰہُ خَیۡرٌ حَافِظًا وَّھُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ تین مرتبہ اِنَّ اللّٰہَ قَدۡ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیۡئٍ عِلۡمًا تین مرتبہ ۔ کوئی مختصر درود شریف تین مرتبہ ۔ نماز فجر اور نماز مغرب کے بعد ان سب سورتوں، آیتوں اور دعاؤں کو تین تین مرتبہ پڑھکر دونوں ہتھیلیوں پر پھونک مارکر اپنے تمام جسم پر ہاتھ پھیر لیا کریں ۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ یقین کرو یہ مجموعۂ عمل واسطے حفاظت جسم و جان اور صحت ابدان ، حفظ و امان از شرِّ حاسدان و دشمنان عجیب موثر و بے مثل ہے ۔ اس سے پہلے خاص دوستوں اور مخلصوں کے سوا کسی کو تلقین نہیں کرتا تھا اب بہ سبب قریب سمجھنے اپنی موت کے واسطے خیر خواہیٔ مسلمین اور فائدۂ عام کے تحریر کردیا ہے ۔

بچوں کی حفاظت کے لئے پڑھکر دم کرنے اور بیماروں پر پھونک ڈالنے کے واسطے بھی کارآمد اور مفید ہے ۔

(از نصیحۃ المخلصین)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

تفصیل الدین

(۹)

غرض عقل سے اسوقت تک کام لو جب تک وہ کام دے سکے اور جہاں اسکا کام نہیں وہاں اسکو چھوڑ دو اور حکم کا اتباع کرو تو عقل کی بھی ایک حد ہوئی اور کیوں نہو وہ بھی تو ایک قوت ہے جیسے آنکھ کی ایک قوت ہے اور اسکی ایک حد ہے اس سے آگے دوربین لگانے کی ضرورت ہے ایسے ہی شریعت کے معاملہ میں اصول تک تو عقل کام دیتی ہے اور فروع میں یہ تنہا بیکار ہے دوربین وحی سے کام لینا ضروری ہے۔ ایسے ہی کان کی ایک قوت ہے جسکے لئے ایک حد ہے کہ اس سے آگے ٹیلیفون سے مدد لینے کی ضرورت ہے پیروں کی ایک قوت ہے جس سے آگے سواری سے مدد لینے کی ضرورت ہے تو جب ہر قوت محدود ہے تو عقل کیسے محدود نہوگی؟ ضرور ہوگی اس سے آگے وحی سے کام لو ورنہ یاد رکھو کہ عمر بھر رستہ نہ ملے گا۔ کیونکہ سمعیات میں عقل کا کام نہیں وہاں تو اتباع رسول کی ضرورت ہے۔ اور سہ

خلاف پیمبرؐ کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(جو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دوسرا راستہ اختیار کریگا

وہ کبھی منزل مقصود " یعنی قرب ، و رضائے الٰہی " کا منھ کبھی نہ دیکھ سکے گا)

تقلید کی ضرورت

صاحبو! دنیا میں کبھی تو آپ بہت جگہ عقل کو چھوڑ کر کسی نہ کسی کا اتباع کرتے ہیں، جب آپ بیمار ہوتے ہیں تو عقل سے اتنا کام تو لیتے ہیں کہ اطبار موجودین میں سے کون زیادہ حاذق و تجربہ کار ہے جب ایک طبیب کا حاذق ہونا معلوم ہو گیا تو پھر آپ اسکے پاس جاتے ہیں اور وہ نبض دیکھکر نسخہ تجویز کرتا ہے پھر آپ اس سے یہ نہیں پوچھتے کہ اس نسخہ میں فلاں دوا کیوں لکھی اور فلاں کیوں نہیں لکھی اور اس دوا کا وزن چار ماشہ کیوں لکھا چھ ماشہ کیوں نہیں لکھا ہم نے کسی کو طبیب سے ان باتوں میں الجھتا ہوا نہیں دیکھا اور اگر کوئی اس سے الجھنے لگے تو سب عقلار اسکو بیوقوف بتاتے ہیں اور طبیب بھی صاف کہدیتا ہے کہ اگر تم میرے پاس مجھکو طبیب سمجھکر آئے ہو تو جو نسخہ میں تجویز کردوں اس میں تم کو چوں وچرا کا کوئی حق نہیں اور اگر چوں وچرا کرتے ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم مجھکو طبیب نہیں سمجھتے، پھر میرے پاس کیوں آئے تھے اور اس کے اس جواب کو تمام عقلار صحیح کہتے ہیں۔

پھر حیرت ہے کہ رسول کو رسول تسلیم کرنے اور کلام اللہ کو کلام اللہ مان لینے کے بعد عقل کو ان کے تابع نہ کیا جاوے اور بات بات میں الجھا جائے کہ یہ تو خلاف عقل ہے ہم اسے کیونکر مان لیں ۔ صاحب اگر تم نے رسول کو رسول مان لیا ہے تو پھر ہر بات کو بلا چوں وچرا ماننا پڑیگا اور یہ کہنے کا حق نہیں ہوگا کہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی ورنہ اسکے معنی یہ ہیں کہ تم نے اب تک رسول کو رسول ہی نہیں سمجھا اور کلام اللہ کو کلام اللہ ہی نہیں مانا ۔ افسوس دنیا کے کاموں میں تو عقل کی ایک حد ہو اور طبیب کو طبیب مان لینے کے بعد اسکی تجویز میں عقل کو دخل نہ دیا جائے

اور امور آخرت ہیں اسکی کوئی حد نہو۔

صاحبو! جب دنیا کے کام بدون اسکے نہیں چل سکتے کہ عقل کو ایک حد پر چھوڑ دیا جائے اور بلا چوں وچرا دوسرے کا اتباع کیا جائے تو آخرت کا کام بدون اسکے کیونکر چلے گا کیونکہ دنیا کی چیزیں تو دیکھی ہوئی بھی ہیں ان میں کسی قدر عقل چل سکتی ہے پھر بھی اسکو چھوڑ کر کاملین اور ماہرین کی تقلید کیجاتی ہے اور آخرت سے تو ہم سب اندھے ہیں وہاں بدون تقلید وحی کے کیسے کام چلے گا؟ اور اگر اس عقل سے کام لیا گیا تو وہی مثال ہوگی جیسے ایک اندھے نے کہا تھا کہ یہ تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہے، شان ورود اسکا یہ ہے کہ ایک لڑکا اپنے اندھے حافظ جی کے لئے گھر سے کھیر کی دعوت کرنے آیا حافظ جی نے پوچھا کھیر کیسی ہوتی ہے؟ کہا سفید ہوتی ہے، حافظ جی نے سفید سیاہ میں کیوں فرق کیا تھا انکے نزدیک نہ کوئی چیز سفید تھی نہ سیاہ کیونکہ آنکھیں ہی نہ تھیں تو آپ پوچھتے ہیں کہ سفید کیسا ہوتا ہے اس نے کہا جیسے بگلا حافظ جی نے پوچھا کہ بگلا کیسا ہوتا ہے؟ لڑکے نے ہاتھ کو اس طرح (S) موڑ کر کہا ایسا ہوتا ہے حافظ جی نے جو اپنا ہاتھ پھیر کر اس شکل سے تصور کیا تو کہنے لگے بھائی یہ تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہے میرے گلے سے کیونکر اترے گی۔

تو دیکھئے جو چیز آنکھ سے دیکھی نہو اس میں عقل سے کام لینے کا یہ نتیجہ ہوا کہ معمولی سی کھیر کا کیا سے کیا بن گیا جس میں چبانے اور نگلنے کی بھی مشقت نہ تھی اب وہ گلے میں پھنسنے لگی تو واقعی اندھے کو کوئی کیونکر سمجھائے کہ سفید رنگ کیسا ہوتا ہے۔ اگر حافظ جی ساری عمر اسی سبق میں رہیں تب بھی نہیں سمجھ سکتے۔ بس اسکا طریقہ تو یہ ہے کہ کسی خیر خواہ سُوانکھے کی تقلید کیجائے۔

اسی طرح تم کسی ولایتی کو جس نے آم نہ کھایا ہو آم کا مزہ

سمجھانا چاہو تو کیا وہ سمجھ جائیگا؟ ہرگز نہیں تم کہو گے کہ آم میٹھا ہوتا ہے وہ کہے گا ہم تو روز گڑ کھاتے ہیں بس آم ایسا ہی ہوگا صاحب اسکو سمجھانے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک آم لاکر اسے کھلادو اور اگر یہ نہیں تو پھر اسے تقلیداً مان لینا چاہیئے اور اپنی عقل سے اسکی نظیریں نہ نکالنا چاہیئے۔

اسی طرح امور آخرت کو اگر پوری طرح سمجھنے کا شوق ہے تو اسکی صورت یہ ہے کہ موت کے منتظر رہو، مرنے کے بعد صراط اور وزن اعمال وغیرہ سب کی حقیقت سامنے آجائیگی اور اگر دنیا ہی میں سمجھنا چاہتے ہو تو اسکے سوا چارہ نہیں کہ قرآن و رسولؐ نے جو کہدیا ہے اسکی تقلید کرو اور انکی نظیریں دریافت کرنے کے درپے نہو مثالوں سے تم آخرت کی حقیقت ایسی ہی سمجھو گے جیسے حافظ جی نے کھیر کو ٹیڑھا بتلایا تھا۔ پس خوب سمجھ لو کہ عقل کی ایک حد ہے جس سے بڑھ جانا مضر ہے

نتیجۂ افراط و تفریط اطبار نے بھی تو اسکو مضر لکھا ہے اور امراض میں سے شمار کیا ہے کیونکہ افراط عقل کا نتیجہ اوہام و شکوک میں ابتلار ہے جس سے قلب و دماغ دونوں ضعیف ہوجاتے ہیں۔

فارابی کی حکایت ہے کہ ایک شخص حلوا بیچتا پھرتا تھا اس سے پوچھا کَیْفَ تَبِیْعُ الْحَلْوٰی تو حلوا کس طرح بیچتا ہے؟ اس نے جواب دیا کَذَا بِدَانِقٍ کہ "ایک دانگ میں اتنا دیتا ہوں" تو آپ کہتے ہیں اَسْئَلُکَ عَنِ الْکَیْفِیَّۃِ وَتُجِیْبُنِیْ عَنِ الْکَمِّیَّۃِ "میں تو کیفیت سے سوال کرتا ہوں اور تو کمیت سے جواب دیتا ہے" آپ حلوائی سے الجھ گئے۔

اسکو عقل کا ہیضہ کہتے ہیں کہ ہر وقت اسی کے چکر میں رہے چنانچہ افراط عقل کا یہ نتیجہ تھا کہ فلاسفہ نے انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ کیا اور جب عاجز آگئے تو انکی نبوت کا تو اقرار کیا مگر کہنے لگے کہ یہ جاہلوں کے واسطے نبی ہیں ہمکو نبی کی ضرورت نہیں نَحْنُ قَوْمٌ هَذَّبْنَا اَنْفُسَنَا بِالْحِكْمَةِ "ہم نے تو اپنے کو حکمت سے مہذب بنالیا ہے" حق تعالےٰ ایسے ہی لوگوں کے حق میں فرماتے ہیں فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ "یہ لوگ اپنے علم پر نازاں ہو گئے" اور یہ نہ سمجھے کہ علوم نبوت عقل سے باہر ہیں۔ چنانچہ الٰہیات میں فلاسفہ نے جو تحقیقات بیان کی ہیں ان میں اتنی ٹھوکریں کھائی ہیں کہ آج اسلام کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی ان پر ہنستا ہے۔

یہ تو افراط فی العقل ہے اور ایک ہے تفریط کا درجہ یعنی عقل کی کمی اسکو حماقت کہتے ہیں شریعت میں یہ دونوں درجے بیکار اور مذموم ہیں۔

روح شریعت

بلکہ مطلوب توسط ہے جس کو حکمت کہتے ہیں دوسری قوت شہویہ ہے اسمیں بھی تین درجے ہیں ایک افراط ہے جسکا نام فجور ہے شریعت میں یہ بھی مطلوب نہیں کیونکہ اسکا انجام فسق ہے اور ایک تفریط ہے کہ آدمی نامردین جائے کہ ضروری انتفاعات سے بھی محروم ہو یہ بھی مطلوب نہیں (کیونکہ اس سے ہمت اور حوصلہ پست ہو جاتا ہے اور اولوالعزمی اور اخلاق عالیہ مفقود ہو جاتے ہیں جو بڑا نقص ہے) اور ایک ہے توسط جسکا نام عفت ہے یہ مطلوب ہے۔

تیسری چیز قوت غضبیہ ہے اس میں بھی تین درجے ہیں، ایک افراط جسکو تہور کہتے ہیں کہ موقع بے موقع کچھ نہ دیکھے اندھا دھند جوش

دکھانے لگے جیسا کہ آجکل ہو رہا ہے کہ جس طرف چلتے ہیں جوش میں اندھے بنکر چلتے ہیں یہ بھی نہیں دیکھتے کہ اس جوش سے نفع ہوگا یا نقصان یہ بھی شریعت میں مطلوب نہیں اور ایک ہے تفریط جسکو جبن اور بزدلی کہتے ہیں کہ موقع اور ضرورت کے وقت ہمت سے کام نہ لیا جائے جیسے بعض لوگ ایسے ڈرپوک ہوتے ہیں کہ حکام کے سامنے ادب اور تہذیب سے بھی اپنی حاجات ظاہر نہیں کر سکتے یہ بھی مطلوب نہیں اور ایک درجہ توسط کا ہے جس کا نام شجاعت ہے یہ مطلوب ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ ضرورت اور موقع پر جوش ظاہر کیا جائے جہاں نفع کا ظن غالب ہو اور بے موقع جوش سے کام نہ لیا جائے جہاں نفع کی کچھ امید نہیں محض نقصان ہی نقصان ہے

غرض اخلاق پسندیدہ کے اصول تین ہیں (۱) حکمت (۲) عفت (۳) شجاعت اور ان کے مجموعہ کا نام عدل ہے۔ اور یہی شریعت کا حاصل ہے۔ اور قرآن میں جو فرمایا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا اس سے بھی عدل مراد ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمکو (ایک ایسی شریعت دے کر جو کہ سرتا پا عدل ہے) امتِ وسط یعنی امت عادلہ بنایا۔

ایک مقدمہ اور لیجئے کہ وسط دو قسم کا ہوتا ہے ایک وسطِ حقیقی ایک وسط عرفی۔ وسط حقیقی وہ خط ہے جو بالکل بیچوں بیچ ہو وہ قابل تقسیم نہیں ہوتا اور ایک وسط عرفی ہے جیسے کہا کرتے ہیں کہ یہ ستون مکان کا وسط ہے تو وہ وسط حقیقی نہیں کیونکہ وہ تو منقسم ہے اسکے اندر بھی ایک جزو دائیں اور ایک بائیں اور ایک بیچ میں نکل سکتا ہے پھر وہ وسط حقیقی کہاں سے ہوا؟ حقیقی وسط تو وہ ہے جس میں دایاں بایاں کچھ نہ نکل سکے سو ایسا وسط ہمیشہ غیر منقسم ہوگا۔

پس سمجھ لو کہ شریعت اس وسط کا نام ہے جس میں افراط و تفریط کا ذرا بھی نام نہو بلکہ عین توسط" اور اعتدال ہو یہی وسط حقیقی، روح شریعت ہے اور یہی کمال ہے اور اوپر معلوم ہو چکا کہ وسط حقیقی ہمیشہ غیر منقسم ہوتا ہے تو شریعت کی روح بھی غیر منقسم ہے۔ چنانچہ جن اصول اخلاق کو میں نے بیان کیا ہے ان میں افراط و تفریط کو چھوڑ کر جو ایک وسط نکلے گا جسکو نہ افراط کی طرف میلان ہوگا نہ تفریط کی طرف وہ ہمیشہ غیر منقسم ہوگا اور ایسے وسط پر رہنا ضرور دشوار ہے۔

پس شریعت ان دونوں جانبوں پر نظر کرکے اپنی دشواری کی وجہ سے تلوار سے تیز اور بوجہ غیر منقسم ہونے کے بال سے زیادہ باریک ہوگی کیونکہ بال بھی منقسم ہے اور وسط حقیقی غیر منقسم ہے۔ پس قیامت میں یہی روح شریعت۔ یعنی وسط حقیقی جو ہر بنکر پلصراط کی شکل میں ظاہر ہوگا جس پر سے مسلمانوں کو چلایا جائے گا پس جو شخص دنیا میں شریعت پر تیزی و سہولت کے ساتھ چلا ہوگا وہ وہاں بھی تیزی اور سہولت کے ساتھ چلے گا کیونکہ وہ یہی شریعت تو ہوگی جس پر دنیا میں چل چکا ہے اور جو یہاں نہیں چلا یا کم چلا ہے وہ پل صراط پر بھی نہ چل سکے گا یا سستی کے ساتھ چلے گا۔

لیجئے میں نے آپکو پل صراط کی نظیر بھی دکھلادی اب تو کوئی اشکال نہیں رہا۔ اسی طرح ہمارے پاس تمام شرعیات کے لئے عقلی نظائر موجود ہیں یہ نہ سمجھئے کہ یہ پل صراط ہی کی خصوصیت ہے لیکن ہم ان تحقیقات کو مقصود نہیں سمجھتے ہمارا اصلی مذہب تو یہ ہے ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم

از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

ہم نے سکندر و دارا کا قصہ پڑھا ہی نہیں اسلئے ہم سے محبت اور

وفاداری کی شکایتوں کے سوا کچھ نہ پوچھو)

انکشاف اسرار و حقائق

باقی میں نے نمونہ کے طور پر تحقیق اسلئے بیان کردی تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے پاس ہر مسئلہ میں ایسی ہی تحقیقات موجود ہیں اور سمجھ میں آجائے کہ کہ علوم شرعیہ کے سامنے علوم فلسفہ کی کچھ بھی وقعت نہیں جس میں سے نمونہ کے طور پر اس وقت میں نے کچھ بیان کردیا ہے تاکہ آپ علماء اسلام کو تحقیقات سے خالی نہ سمجھیں بحمد اللہ ہمارے پاس ان تحقیقات کا ذخیرہ بھی بہت زیادہ ہے لیکن ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

(راز فاش کردینا قرین مصلحت نہیں ہے ورنہ رندوں کی مجلس میں کونسی ایسی خبر ہے جو نہو)

مصلحت اس واسطے نہیں کہ ہر شخص اس قسم کی تحقیقات بتلانے کے قابل نہیں جو قابل ہوں انکو بھی ہم نہیں بتلاتے کیونکہ انکا بتلانا ہمارے ذمہ نہیں (کیونکہ طبیب کے ذمہ صرف نسخہ بتلانا ہے اس کی رعایت اور ترکیب کے اسرار اور وزن کی علت بتلانا اسکے ذمہ نہیں) ہاں بعض قابلوں کو بتلا بھی دیتے ہیں جو ہمارے پاس آکر رہیں اور ہمارے کہنے کے موافق عمل کریں، اطاعت میں پختگی ظاہر کریں ایسے شخص کو کبھی نشاط میں آکر خود ہی بتلا دیتے ہیں اور پوچھنے پر اسے بھی نہیں بتلاتے کیونکہ یہ اسرار ہیں جنکو نشاط کے وقت خود ہی بیان کردیا جاتا ہے اور انکا از خود کسی کا پوچھنا ناگوار گزرتا ہے (جیسے طبیب بعض دفعہ خود خوشی میں آکر مریض سے خود اپنے نسخہ کی تعریف اور حقیقت بیان کردیتا ہے اور اگر مریض پوچھے تو اسے ناگوار ہوتا ہے۔ (جاری)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

آنکھوں کی حفاظت کیجئے

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان سیدنا و سندنا و نبینا و مولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ الہ و اصحابہ و بارک و سلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

اما بعد:

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ (آپ مسلمان مردوں سے کہدیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ انکے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں) (النور: ۳۰)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم و نحن علیٰ ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العالمین۔

ایک مہلک بیماری

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہماری ایک بیماری کا بیان فرمایا ہے وہ ہے "بدنگاہی" یہ بدنگاہی ایسی بیماری ہے جس میں بے حد ابتلاء ہے۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ، علماء، اہل اللہ کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے والے متدین، نماز روزہ کے پابند بھی اس بیماری کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں اور آجکل تو حالت یہ ہے کہ اگر آدمی گھر سے باہر نکلے تو آنکھوں کو بچانا مشکل نظر آتا ہے۔ ہر طرف ایسے مناظر ہیں کہ ان سے آنکھوں کو پناہ ملنی مشکل ہے۔

بدنگاہی کی حقیقت

"بدنگاہی" کا حاصل یہ ہے کہ کسی غیر محرم پر نگاہ ڈالنا بالخصوص جبکہ شہوت کے ساتھ نگاہ ڈالی جائے یا لذت حاصل کرنے کے لئے نگاہ ڈالی جائے، چاہے وہ غیر محرم حقیقی طور پر زندہ ہو اور چاہے غیر محرم کی تصویر ہو اس پر بھی نگاہ ڈالنا حرام ہے اور یہ بدنگاہی کے اندر داخل ہے

یہ بدنگاہی کا عمل اپنے نفس کی اصلاح کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اور یہ عمل انسان کے باطن کے لئے اتنا تباہ کن ہے کہ دوسرے گناہوں سے یہ بہت آگے بڑھا ہوا ہے اور انسان کے باطن کو خراب کرنے میں اسکا بہت دخل ہے جب تک اس عمل کی اصلاح نہ ہو اور نگاہ قابو میں نہ آئے اسوقت تک باطن کی اصلاح کا تصور تقریباً محال ہے۔ حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اَلنَّظَرُ سَهْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيْس

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۳)

یعنی یہ نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے۔ یہ تیر جو ابلیس

کے کمان سے نکل رہا ہے اگر کسی نے اسکو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرلیا اور اس کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ باطن کی اصلاح میں اب بڑی رکاوٹ کھڑی ہوگئی اسلئے کہ انسان کے باطن کو خراب کرنے میں جتنا دخل اس آنکھ کے غلط استعمال کا ہے شاید کسی اور عمل کا نہو۔

یہ کڑوا گھونٹ پینا پڑے گا

میں نے اپنے شیخ ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہٗ سے سنا فرماتے تھے کہ نگاہ کا غلط استعمال باطن کے لئے سم قاتل ہے اگر باطن کی اصلاح منظور ہے تو سب سے پہلے اس نگاہ کی حفاظت کرنی ہوگی۔ یہ کام بڑا مشکل نظر آتا ہے ڈھونڈھنے سے کبھی آنکھوں کو پناہ نہیں ملتی ہر طرف بے پردگی بے حجابی، عریانی اور فحاشی کا بازار گرم ہے ایسے میں اپنے کو بچانا مشکل نظر آتا ہے لیکن اگر ایمان کی حلاوت حاصل کرنا منظور ہے اور اللہ جل جلالہ کے ساتھ تعلق اور محبت منظور ہے اور اپنے باطن کی صفائی، تزکیہ اور طہارت منظور ہے تو پھر یہ کڑوا گھونٹ تو پینا ہی ہوگا اور یہ کڑوا گھونٹ پیئے بغیر بات آگے نہیں بڑھ سکتی لیکن یہ کڑوا گھونٹ ایسا ہے کہ شروع میں تو بہت کڑوا ہوتا ہے مگر جب ذرا اسکی عادت ڈال لو تو پھر یہ گھونٹ ایسا میٹھا ہوجاتا ہے کہ پھر اسکے بغیر چین کبھی نہیں آتا۔

عربوں کا قہوہ

عرب کے لوگ قہوہ پیا کرتے ہیں، آپ حضرات نے کبھی دیکھا ہوگا کہ وہ چھوٹے چھوٹے فنجانوں میں قہوہ پیا کرتے ہیں، مجھے یاد ہے کہ جب میں چھوٹا بچہ ہی تھا اسوقت قطر کے ایک شیخ کراچی آئے ہوئے تھے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ میں بھی ان سے ملنے چلا گیا اس ملاقات کے دوران وہاں مجلس میں پہلی بار

وہ قہوہ دیکھا وہ قہوہ سب کو پینے کے لئے پیش کیا گیا، جب قہوہ کا لفظ سنا تو ذہن میں یہی خیال آیا کہ میٹھا ہوگا لیکن جب اسکو زبان سے لگایا تو اتنا کڑوا تھا کہ اس کو حلق سے اتارنا مشکل ہوگیا حالانکہ ذرا سا قہوہ تھا اور اسکا ذائقہ بھی تلخ تھا اور اب وہاں مجلس میں بیٹھکر کلی تو کر نہیں سکتے تھے اسلئے چار و ناچار اسکو کسی طرح حلق سے اتارا لیکن جب حلق سے اتارا تو اب ذرا اسکا سرور محسوس ہوا۔ اسکے بعد پھر ایک اور مجلس میں پینے کا اتفاق ہوا آہستہ آہستہ اب یہ حالت ہوگئی کہ اب اتنا پیارا اور اتنا مزیدار لگتا ہے جسکی کوئی انتہا نہیں اسلئے کہ اب اسکے پینے کی عادت ہوگئی ہے۔

پھر حلاوت اور لذت حاصل ہوگی

اسی طرح یہ بھی ایک ایسا کڑوا گھونٹ ہے کہ شروع میں اسکو پینا بڑا دشوار معلوم ہوتا ہے لیکن پینے کے بعد جب اسکا سرور طاری ہوجائیگا تو پھر دیکھو گے کہ اسکے پینے میں کیا لطف ہے اللہ تعالیٰ اسکی حلاوت ہم سب کو عطا فرمادے۔ آمین۔

بہرحال یہ ایسی کڑوی چیز ہے کہ ایک مرتبہ اسکی کڑواہٹ کو برداشت کرلو اور ایک مرتبہ دل پر پتھر رکھکر اسکی کڑواہٹ کو نگل جاؤ تو پھر انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ ایسی حلاوت، ایسا سرور، ایسی لذت عطا فرمائیں گے کہ اسکے آگے اس بدنگاہی کی لذت ہیچ در ہیچ ہے۔ اس کے آگے اسکی کوئی حقیقت نہیں۔

آنکھیں بڑی نعمت ہیں

یہ آنکھ ایک مشین ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمت ہے کہ انسان اسکا تصور نہیں کرسکتا اور بے مانگے مل گئی ہے اور مفت میں مل گئی ہے اسکے لئے کوئی محنت کوئی پیسہ نہیں خرچ کرنا پڑا اسلئے اس نعمت

کی قدر نہیں، ان لوگوں سے جاکر پوچھو جو اس نعمت سے محروم ہیں، نابینا ہیں یا تو بینائی چلی گئی ہے یا جنکے پاس یہ نعمت شروع ہی سے نہیں ہے ان سے پوچھو کہ یہ آنکھ کیا چیز ہے، اور خدا نہ کرے اگر بینائی میں کوئی خلل آنے لگے اور بینائی جاتی ہوئی معلوم ہونے لگے تو اسوقت معلوم ہوگا کہ ساری کائنات اندھیر ہوئی ہے اور اسوقت انسان اپنی ساری دولت خرچ کرکے کھلی یہ چاہے گا کہ مجھے یہ دولت دوبارہ حاصل ہوجائے اور یہ ایسی مشین ہے کہ آج تک ایسی مشین کوئی ایجاد نہیں کرسکا۔

سات میل کا سفر ایک لمحہ میں

میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی آنکھ میں جو یہ پتلی رکھی ہے یہ اندھیرے میں پھیلتی ہے اور روشنی میں سکڑ جاتی ہے جب آدمی اندھیرے سے روشنی میں آتا ہے یا روشنی سے اندھیرے میں آتا ہے تو اسوقت یہ سکڑنے اور پھیلنے کا عمل ہوتا ہے اور اس سکڑنے اور پھیلنے میں آنکھ کے اعضا سات میل کا فاصلہ طے کرتے ہیں لیکن انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ کیا بات ہوئی۔ ایسی نعمت اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے

آنکھ کا صحیح استعمال

اب اگر اس نعمت کا صحیح استعمال کروگے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تم کو اس پر ثواب بھی دونگا مثلاً اس آنکھ کے ذریعہ محبت کی نگاہ اپنے والدین پر ڈالو تو حدیث شریف میں ہے کہ ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب ملیگا۔ اللہ اکبر۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ شوہر گھر میں داخل ہوا اور اس نے اپنی بیوی کو محبت کی نگاہ سے دیکھا اور بیوی نے شوہر کو محبت کی نگاہ سے دیکھا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جب اس آنکھ کو صحیح جگہ پر استعمال

کیا جارہا ہے تو صرف یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر لذت اور لطف عطا فرمارہے بلکہ اس پر اجر و ثواب بھی عطا فرمارہے ہیں۔ لیکن اگر اسکا غلط استعمال کروگے اور غلط جگہ پر نگاہ ڈالوگے اور غلط چیزیں دیکھوگے تو پھر اسکا وبال بھی بڑا سخت ہے اور یہ عمل انسان کے باطن کو خراب کرنے والا ہے۔

بدنگاہی سے بچنے کا علاج

اب اس بدنگاہی سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ ہمت سے کام لیکر یہ طے کرلو کہ یہ نگاہ غلط جگہ پر نہیں اٹھے گی اسکے بعد چاہے دل پر آرے ہی کیوں نہ چل جائیں لیکن اس نگاہ کو مت ڈالو ؎

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں برباد ہوں
اب تو اس دل کو بنانا ہے ترے قابل مجھے

بس ہمت اور ارادہ کرکے اس نگاہ کو بچائیں، پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسی مدد اور نصرت آتی ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آنکھ کو بدنگاہی سے بچانے کی کچھ تدبیریں بیان فرمائی ہیں وہ یاد رکھنے کی ہیں فرماتے ہیں کہ

> اگر کوئی عورت نظر آئے اور نفس یہ کہے کہ ایک دفعہ دیکھ لے کیا حرج ہے؟ کیونکہ تو بدفعلی تو کرے گا نہیں، تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ نفس کا کید ہے اور طریقہ نجات کا یہی ہے کہ عمل نہ کیا جائے

(انفاس عیسیٰ حصہ اول ص ۱۴۲)

اسلئے کہ یہ شیطان کا دھوکا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دیکھنے میں کیا حرج؟ دیکھنا تو اسلئے منع ہے کہ انسان کسی بدفعلی کے اندر مبتلا نہو اور یہاں

بدفعلی کا امکان ہی نہیں، اسلئے دیکھ لو کوئی حرج نہیں — حضرت والا فرماتے ہیں کہ یہ نفس کا مکر ہے اور اسکا علاج یہ ہے کہ اس پر عمل نہ کیا جائے اور چاہے جتنا بھی تقاضا ہورہا ہو نگاہ کو وہاں سے ہٹالے۔

شہوانی خیالات کا علاج

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ یہ جو گناہ کے داعیے اور تقاضے پیدا ہوتے ہیں انکا علاج اس طرح کرو کہ جب دل میں یہ سخت تقاضا پیدا ہو کہ اس نگاہ کو غلط جگہ پر استعمال کرکے لذت حاصل کروں تو اس وقت ذرا سا یہ تصور کرو کہ اگر میرے والد مجھے اس حالت میں دیکھ لیں تو کیا پھر بھی یہ حرکت جاری رکھوں گا؟ یا اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میرے شیخ مجھے اس حالت میں دیکھ رہے ہیں کیا پھر بھی یہ کام جاری رکھوں گا؟ یا مجھے پتہ ہو کہ میری اولاد میری اس حرکت کو دیکھ رہی ہے تو کیا پھر بھی یہ کام جاری رکھوں گا؟ ظاہر ہے کہ اگر ان میں سے کوئی بھی میری اس حرکت کو دیکھ رہا ہوگا تو میں اپنی نظر نیچی کرلوں گا اور یہ کام نہیں کروں گا چاہے دل میں کتنا شدید تقاضا پیدا کیوں نہ ہو۔

پھر یہ تصور کرو کہ ان لوگوں کے دیکھنے نہ دیکھنے سے میری دنیا اور آخرت میں کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن میری اس حالت کو احکم الحاکمین دیکھ رہا ہے اسکی پرواہ مجھے کیوں نہ ہوا سلئے کہ وہ مجھے اس پر سزا بھی دے سکتا ہے اس خیال اور تصور کی برکت سے امید ہے کہ انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ اس گناہ سے محفوظ رکھیں گے۔

تمہاری زندگی کی فلم چلادی جائے تو؟

حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ کی ایک بات اور یاد آگئی فرماتے تھے کہ ذرا اس بات کا تصور کرو کہ اگر اللہ تعالےٰ

تم سے آخرت میں یوں فرمائیں کہ اچھا اگر تمھیں جہنم سے ڈر لگ رہا ہے تو چلو ہم تمھیں جہنم سے اور آگ سے بچا لیں گے لیکن اسکے لئے ایک شرط ہے وہ یہ کہ ہم ایک یہ کام کریں گے کہ تمھاری پوری زندگی جو بچپن سے جوانی اور بڑھاپے تک اور مرنے تک تم نے گذاری ہے اسکی ہم فلم چلائیں گے اور اس فلم کے دیکھنے والوں میں تمھارا باپ ہوگا، تمھاری ماں ہوگی، تمھارے بہن بھائی ہونگے تمھاری اولاد ہوگی، تمھارے شاگرد ہونگے، تمھارے استاد ہونگے، تمھارے دوست احباب ہونگے اور اس فلم کے اندر تمھاری پوری زندگی کا نقشہ سامنے کردیا جائے گا اگر تمھیں یہ بات منظور ہو تو پھر تمھیں جہنم سے بچا لیا جائے گا۔

اسکے بعد حضرت فرماتے تھے کہ ایسے موقع پر آدمی شاید آگ کے عذاب کو گوارا کرلے گا مگر اس بات کو گوارا نہیں کرے گا کہ ان تمام لوگوں کے سامنے میری زندگی کا نقشہ آجائے۔

لہٰذا جب اپنے ماں باپ، دوست احباب، عزیز و اقارب اور مخلوق کے سامنے اپنی زندگی کے احوال کا آنا گوارا نہیں تو پھر ان احوال کا اللہ تعالیٰ کے سامنے آنا کیسے گوارا کرلو گے؟ اسکو ذرا سوچ لیا کرو۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ
انتخاب جناب مولانا محمد اسماعیل صاحب ندوی

سبق آموز واقعات

مدارس کے ذمہ داروں اور کارکنوں کیلئے

اوقات کی پابندی اور رخصتوں میں احتیاط

مدرسہ کے معاملات میں ایک چیز بڑے تجربہ میں آئی ہے اب تو اہیں کمی ہے جبکی وجہ ہیں اکابر مدرسہ اور کام کرنیوالوں میں اخلاص کی کمی سمجھ رہا ہوں لیکن میری ابتدائی دریسی اگر انتہائی طالب علمی کے زمانے میں ایک چیز کا خوب تجربہ ہوا اور اسکی حد نہیں - مدرسہ کا قانون یہ ہے کہ بیماری کی چھٹی اسوقت لی جاتی ہے جب مدرسہ کے کام کرنے کی وسعت اور طاقت نہ رہے اور مدرسہ کے کام میں وقت زیادہ ہونے لگے میں نے دیکھا کہ جب کسی بھی ملازم نے معمولی سی بیماری میں چھٹی لی مثلاً سر میں معمولی سا درد یا طبیعت میں کچھ اضمحلال ہوا تو وہ شخص اچھی طرح سے بیمار ہوئے بغیر نہیں رہا ۔ میں ہمیشہ سوچتا رہا ہوں کہ یہ مدرسہ کی حق تلفی کی سزا ہے لَا تَتَمَارَضُوا فَتَمْرَضُوا کا مظہر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہ تکلف بیمار نہ بنو ورنہ حقیقتاً بیمار بنجاؤ گے (الحدیث)

اس قسم کے واقعات بہت مشاہدے میں آئے ہیں نام تو لکھواتا نہیں لیکن میں نے اپنے بے تکلف دوستوں کو ہمیشہ معمولی بیماری میں چھٹی لینے پر بجلی ڈانٹا اور بعض مرتبہ پیشین گوئی بھی

کر دی کہ " بچہ اس کا بیمار رہو گا تیار رہو " ۔

اسی طرح مدرسہ کے سلسلے میں ایک تجربہ اور مواجس کے واقعات تو اس پا سٹھ سالہ قیام مدرسہ میں کہ میں رجب ۱۳۶۰ھ میں آیا اور اب شوال ۱۴۱۹ھ ہجرہ ہے بہت اثرت سے دیکھے ہیں کہ جن لوگوں نے مدرسہ کے مال میں کوئی خیانت کی یا کوئی مدرسہ کے حقوق میں زیادہ کوتاہی کی وہ یا تو بیماری میں مبتلا ہوا یا کسی مقدمے میں پھنسا یا چوری اسکے یہاں پوری ہوئی ۔ میرے ایک بہت ہی مخلص اور بزرگ ایک جگہ ملازم تھے اور ڈیڑھ سو روپے تنخواہ تھی وہ پانچ سو یا سات سو روپے تنخواہ پر دور دراز تشریف لے گئے انکی تشریف بری کے تقریباً سال بھر بعد انکے مکان پر چوری ہوئی اور زبردست نقصان ہوا ۔ اللہ مجھے معاف فرمائے میں گستاخ ہوں میں نے انکی خدمت میں ایک خط لکھا کہ حادثہ پر بجائے تعزیت کے مبارک باد دوں گا کہ یہ ضرورت سے زیادہ تحصیل مال کے لئے اتنی دور کا سفر آپ کی شان کے مناسب نہ تھا آپ دینی حیثیت سے بہت اونچی جگہ تھے جسکی موجودہ جگہ ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتی ۔ ان کا میرے پاس بڑے عتاب کا خط آیا کہ اس حادثہ فاجعہ پر ہر ایک نے رنج وغم، تعزیت، اظہار ہمدردی اور غم میں شرکت لکھی مگر آپ نے مبارکباد لکھی ۔ میں نے پھر لکھا کہ میں نے تو خط کے شروع ہی میں لکھ دیا تھا کہ رنج فطری چیز ہے ہونا ہی چاہیئے مگر آپ کی شان کے مناسب نہ تھا کہ اہم دینی خدمت کو آپ نے چھوڑا اور بڑی تنخواہ پر دوسری جگہ تشریف لے گئے ۔

فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اپنے عزیزوں کو، اپنے دوستوں کو اپنے سے تعلق رکھنے والوں کو اسکی نصیحت اور وصیت کرتا ہوں کہ مدرسہ کے مال میں بہت ہی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے ، مدرسہ کے

اوقات کا بڑا ہی اہتمام کریں یہ نہ سمجھیں کہ مجھے کون ٹوک سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مال ہے اور اسکا مطالبہ کرنے والا اور اس پر ٹوکنے والا بڑا سخت ہے جس کے یہاں نہ کوئی سفارش چلے گی اور نہ کوئی وکالت

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس سیہ کار نے محض اللہ تعالے کے فضل سے اوقات اسباق کی وہ پابندی کی جس پر سرپرستوں نے بھی تحریراً استعجاب کیا۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی کے ذمہ انکی سرپرستی کے زمانے میں مدرسین کے اسباق اور خواندگی کے نقشوں کی نگرانی تھی، ماہانہ دستخط نگرانی کے تو صدر مدرس کے ہوتے تھے لیکن سال کے درمیان میں اور سال کے ختم پر ایک دو مرتبہ وہ بھی نقشوں کو ملاحظہ فرماتے تھے اور ہر مرتبہ اس سیہ کار کے نقشہ پر نصاب کی ماہانہ پابندی پر پسندیدگی اور مبارکباد لکھدیا کرتے تھے اگر وہ نقشے اب بھی دفتر مدرسہ میں ہوں گے تو ان پر تحریر ضرور ملے گی۔

ماہانہ تعلیم کی پابندی بھی اہم ہے مظاہر علوم

ماہانہ تعلیم کی پابندی کا خصوصی امتیاز حضرت قدس سرہ کے زمانے میں اور حضرت کے وصال کے چند سال بعد تک یہ رہا کہ تعلیم میں استواری و اعتدال خوب ہوتا تھا۔ حضرت قدس سرہٗ اسکے شدید مخالف تھے کہ شروع سال لمبی لمبی تقریروں میں وقت ضائع کیا جائے اور اخیر سال میں رمضانی حافظ کیطرح کتابوں کو فرفر ختم کرادیا جائے۔ اس پر متعدد بار میرے حضرت نے اکابر مدرسین کو مجمع میں ڈانٹا کہ مجھے یہ ہرگز پسند نہیں کہ کتاب کے شروع میں طول دیا جائے اور آخر میں دورہ چلایا جائے۔ حضرت قدس سرہٗ کے زمانے میں کوئی کتاب خارج میں یا رات کو نہیں ہوتی تھی اسکے حضرت بہت مخالف تھے فرمایا کرتے تھے کہ طلبہ کو مطالعہ کا وقت کیا ملے گا؟ مگر اب تو چشم بد دور

مدرسہ کے گھنٹوں میں سبق کم ہوتے ہیں اور خارج میں زیادہ اگر کسی کتاب سے متعلق اہتمام سے غور وخوض کیا جائے گا تو ایک تہائی مدرسہ کے گھنٹوں میں ملے گی اور دو تہائی خارج اوقات میں پڑھا کر پوری کی گئی ہوگی۔ قال اللہ المشتکی۔

وصیت بہرحال میں اپنے دوستوں کو اسکی تاکید کرتا ہوں کہ مدرسہ کا کوئی مالی، تعلیمی حق تم پر باقی نہ رہے اور تمہارے جتنے بھی حقوق مدرسہ پر رہ جائیں انکو غنیمت سمجھو کیونکہ مدرسہ کے جتنے حقوق تم پر رہ جائیں گے انکی ادائیگی بڑی مہنگی ہوگی اور تمہارے حقوق جتنے مدرسہ پر رہ جائیں گے اسکا معاوضہ تم کو بڑا قیمتی ملے گا

اسی طرح سے حضرت الحاج استاذ المکرم حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب نور اللہ مرقدہٗ ناظم مدرسہ جنکا ذکر نمبر میرے اساتذہ میں بھی گزر چکا ہے مجھے ان سے ابتدائی محبت کا تعلق تو اپنے ابتدائی شاگردی کے زمانے میں ہوگیا تھا مگر ۴۵ھ کے بعد جب یہ ناکارہ مشیر ناظم بنا اسوقت سے حضرت ناظم کے انتقال تک بڑھتا ہی رہا حتیٰ کہ انتقال کے قریب جب حضرت ناظم صاحب رحمہ نے قاری سعید مرحوم سے خانگی امور میں ایک وصیت نامہ لکھوایا تو قاری صاحب کے ہاتھ میرے پاس بھیجا کہ اسکو میری زندگی میں ظاہر نہ کریں میرے بعد اس وصیت پر عمل کرنا اور کرانا آپ کے ذمہ ہے۔ خانگی امور میں بہت کثرت سے مشورہ فرمایا کرتے تھے اور اہلیہ محترمہ کو بھی بعض اوقات اس سیہ کار کے واسطے سے تنبیہ فرمایا کرتے تھے اور اہلیہ محترمہ بھی بعض اوقات اس سیہ کار کے واسطے سے بعض امور ناظم صاحب سے منوایا کرتی تھیں۔ چنانچہ عبد الروف کے نکاح کے موقع پر کئی امور اس قسم کے پیش آئے جو اہلیہ محترمہ کو بھی خوب یاد ہونگے۔ اور اس ناکارہ کے تعلق کا اضافہ مدرسہ ہی کے تعلق کی وجہ سے ہوا تھا کہ

ناظم صاحب کو کبھی بھی یہ خیال نہ ہوا کہ میں ناظم مدرسہ ہوں یا محصل چندہ ہوں یا دربان ہوں، نہ اسکا کبھی خیال ہوا کہ یہ مدرسہ کا وقت ہے یا نہیں طالب علم دوپہر میں، عصر کے اور عشاء کے بعد جب کبھی درخواست لیجاتا فوراً اسکو ملاحظہ فرماتے۔ اور میں اس زمانے میں میٹھا اچار بالکل نہیں کھاتا تھا اور پانی کا ترش اچار کھاتا تھا انکی خوشنودی کی وجہ سے میں کبھی عرض کرتا کہ پانچ سات دھڑی شلجم کا مصالحہ لکھوا دیجئے اور مولوی نصیر صاحب کو پرچہ دید یا کرتا حضرت ناظم صاحب بہت ہی شوق سے بنوایا کرتے اور میں ایک چوتھائی انکی خدمت میں پیش کرتا اور کچھ گھر بھیجتا تھا اور باقی میرے دوست کبھی کچھ کم نہ تھے، اس جگہ تو لکھانا تھا کہ کبھی کبھی سردی کے موسم میں ایک دو دفعہ بلکہ زائد کبھی دوستوں سے تحریک کرکے کئی کئی من شلجم منگوا کر کئی کئی مٹکوں میں اچار ڈالتے اور جب دس بارہ دن میں تیار ہو جاتا تو سارا دار الطلبہ مہک جاتا اور اسکی تیاری پر مطبخ سے کھچڑی پکواتے اور سب طلبہ کو کھچڑی کے ساتھ دو دو تین تین قتلے اچار کے دیتے۔

مرحوم کو بھنگی کی نگرانی کرنے میں کبھی عار نہ آیا بھنگی کے ساتھ جاکر پاخانہ کمواتے ہروقت ڈانٹ پلاتے کہ یہاں پانی نہیں ڈالا یہاں فینائل نہیں ڈالا، کبھی یہ خیال نہیں فرمایا کہ یہ کام دربان کا ہے، بھنگی کی نگرانی دربان کے ذمہ ہے میرا کام نہیں۔ لوٹے جو مدرسہ میں آتے انکو اپنے سامنے گنواتے کبھی یہ نہ سوچتے کہ لوٹے گنوانا میرا کام نہیں۔ ناظم صاحب کو اسکا واہمہ تک کبھی نہیں گذرا کہ مدرسہ کا وقت کب شروع ہوتا ہے اور کب ختم، صبح کی نماز کے بعد سے رات دس گیارہ بجے تک وہ گویا ہر وقت، مدرسہ کے ملازم تھے۔ جہاں تعمیر ہوتی روزانہ وہاں تشریف لے جاتے کبھی بھی یہ واہمہ نہیں گذرا کہ یہ کام ناظم

مالیات کا ہے۔ جب کبھی اپنی ذاتی ضرورت کی وجہ سے کہیں کا سفر فرماتے بڑے اہتمام سے اپنے ساتھ رسید مدرسہ کے اشتہارات معائنہ جات ساتھ لیکر جاتے کبھی یہ واہمہ بھی نہوا کہ میں محصل بنکر نہیں ہوں اور نہ اسکا خیال آیا کہ میں تو رخصت پر جا رہا ہوں۔ جب کبھی کسی تقریب میں جانے تو مجھے حکم تحریر فرماتے ہیں اپنی بدخلقی سے بسا اوقات طالب علم سے لڑ پڑتا کہ درخواست کا کوئی وقت بھی ہوتا ہے؟ مگر وہ کبھی بھی کچھ نہیں فرماتے تھے۔ نہایت اہتمام سے مطبخ میں بہت کثرت سے تشریف لیجاتے اور اکثر ایک خوراک معائنہ کے لئے خرید فرماتے اور وہیں آدھی چوتھائی روٹی کھا کر سالن کا معائنہ فرمانے کے بعد بقیہ وہیں کسی منشی یا طباخ کو دیدیتے کبھی یہ نہ سوچا کہ یہ کام ناظم مطبخ کا ہے، روٹی سالن بغیر قیمت کے کبھی نہ چکھتے حالانکہ وہ چکھنا بضرورت تھا کبھی نان، پرکلونجی اور گڑ کی چاشنی بھی اپنے پاس سے اور کبھی کسی کو ترغیب دے کر ڈلواتے تھے۔

ڈپٹی عبدالرحیم صاحب ڈپٹی نہرجمن شرقی بڑے ہی مخلص اور بڑے ہی نیک بزرگ تھے حضرت مرشدی کی تعمیل حکم میں وہ ہمارے مطبخ کے آنریری نگراں بھی رہے دونوں وقت مدرسہ میں جاکر کھانا کی جانچ کیا کرتے تھے، ہرماہ کے شروع میں جنس اپنے سامنے تلواتے تھے ذراسی کمی زیادتی پر سخت مطالبہ فرماتے تھے مجال نہ تھی کہ گوشوارہ میں دو دن کی تاخیر ہو جائے۔ مطبخ کا حساب، انکی نگرانی کے زمانے میں اتنا صاف تھا اور قابل رشک کہ ان سے پہلے کبھی ہوا اور نہ انکے بعد اور نہ آئندہ کی امید۔ اس مکان میں کرائے پر رہتے تھے جو میرے مکان سے متصل ہے اور اب گاڑہ بورڈنگ کے نام سے مشہور ہے مجھ پر بھی بہت شفیق اور مہربان تھے اور بہت محبت فرمایا کرتے تھے

حضرت ناظم صاحبؒ ان سے فرمائش کر کے من دو من مچھلیاں منگوایا کرتے تھے اور اس دن مطبخ میں مچھلی اور چاول پکتے تھے۔ حضرت ناظم صاحبؒ کی عادت شریفہ یہ بھی تھی کہ سردی کے موسم میں شلجم کا میٹھا اچار ڈالتے تھے بار بار خود ڈالتے تھے اور سب مدرسین کے یہاں تقسیم کرواتے تھے اور کبھی کبھی اس سیہ کار کو بھی حکم فرماتے تھے کہ تمہارے لئے میٹھا اچار ڈالنا ہے۔ حضرت جی مرشدیؒ کے اتباع میں ان کو متوجہ فرماتے کہ بھائی اپنی تقریب میں ہمارے مدرسہ کو ضرور یاد رکھنا۔

حضرت ناظم صاحبؒ کی ان ہی اداؤں نے مجھے زمانہ طالبعلمی سے اپنا گرویدہ بنا رکھا تھا کہ وہ اپنے باضابطہ ناظم ہونے سے پہلے ہی مدرسہ کی خبرخواہی میں منہمک تھے۔

اسی سال کی عبادت کا ثواب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے اسی مرتبہ یہ درود شریف پڑھے
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا تو اسکے اسی سال کے گناہ معاف ہونگے اور اسی سال کی عبادت کا ثواب اسکے لئے لکھا جائیگا (فضائل درود)

اور دارقطنی کی ایک روایت میں یہ درود (النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ) تک ہے اور اس روایت کو حافظ عراقی نے حسن بتایا ہے اور جامع الصغیر میں حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث پر حسن کی علامت لگائی ہے۔ (ماخوذ فضائل درود شریف)۔

یعنی اگر کوئی شخص جمعہ کے دن بعد نماز عصر صرف اتنا درود اسی مرتبہ پڑھ لے جو ذیل میں لکھا گیا ہے تو اسکو بھی مذکورہ فضیلت حاصل ہو جائیگی
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ ۔

خبریں مکہ (آئی۔آئی۔این۔اے)

مظلومین چیچنیا کی امداد

(سعودی ٹی۔وی پر "چیچنیا" کے مظلوموں کے لئے امداد و تعاون کی اپیل کا پرجوش خیرمقدم۔م)

سعودی ٹیلیویژن نے "چیچنیا" کے مظلوم مسلمانوں کے لئے امداد و تعاون کی اپیل کی ہے چنانچہ اس اپیل کو بڑی زبردست پذیرائی حاصل ہوئی۔ خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز (حفظہ اللہ) نے پچاس لاکھ ڈالر کی خطیر رقم کے عطیہ کا اعلان کیا۔ وزیر داخلہ نائف بن عبدالعزیز نے دس لاکھ ڈالر کی رقم، اور ریاض کے گورنر شہزادہ سلطان نے ایک ملین (دس لاکھ) سعودی ریال دیئے، اتنی ہی رقم (ایک ملین سعودی ریال) شہزادہ ولید بن تلال نے دی، جبکہ ایک غیر معلوم سعودی اہل خیر نے دس کروڑ سعودی ریال کا عطیہ پیش کیا۔

سعودی چینل پر امداد و تعاون کا یہ پروگرام رات بھر چلتا رہا، سعودی عرب کے باشندوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بہت سی عورتوں نے (راہ خدا) میں اپنے زیورات نچھاور کر دیئے، جانوروں کے ایک تاجر نے دس اونٹ دیئے جبکہ ایک دوسرے صاحب خیر نے دس جیپ گاڑیاں پیش کیں۔

سعودی عرب کے محققین و علماء نے عوام سے پرزور اپیل کی ہے کہ وہ ان مظلوم بھائیوں کی نجات دہندگی کیلئے عطایا و رقوم کی فراہمی میں دل کھول کر حصہ لیں کیونکہ وہ اس وقت جس دور سے گذر رہے ہیں وہ انکی زندگی کا سب سے اذیت ناک دور ہے۔ چندہ کی اپیل کرنے والے علماء و دانشور حضرات میں سعودی عرب کے مفتئ اعظم شیخ عبدالعزیز آل شیخ بھی شامل ہیں۔

(بشکریہ اسلامی دانش جنوری ۲۰۰۰ء)

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر:- احمد مکین

شمارہ نمبر ۳ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق مارچ ۲۰۰۰ء جلد: ۲۳

قیمت فی پرچہ نو روپے سالانہ زر تعاون نوے روپیہ ششماہی پچاس روپے

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۵۶۱۸۳

S.T.D Code No 0532

پرنٹر۔ پبلشر۔ مولوی احمد مکین سنی آفسیٹ پریس بخشی بازار۔ الہ آباد۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

جنوری ۲۰۰۰ء سے رسالہ وصیۃ العرفان کا زر تعاون حسب ذیل ہوگا

سالانہ ——— نوے ۹۰ روپیہ

ششماہی ——— پچاس ۵۰ "

فی پرچہ ——— نو ۹ "

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ:-

حضرت مصلح الامت قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں، "مسلمانوں کا دعا سے بہت کام ہوا ہے مگر اب تو نہ خود ہی سمجھتے ہیں اور اگر کوئی کہنے والا ہوتا ہے تو اسکی بھی نہیں سنتے، قوم تباہ ہو رہی ہے بعض بعض جگہ مسلمان بری طرح مارے جا رہے ہیں پیٹے جا رہے ہیں مگر انکی نظر اسباب پر ہے اور خدا کیطرف متوجہ نہیں ہوتے مسلمانو! اب کب سمجھو گے بہت بھگت چکے دشمن تمکو ختم کر دینا چاہتا ہے تم تعداد میں کم نہیں ہو مگر خواب غفلت میں مبتلا ہو اگر سارے مسلمان اپنا معاملہ خدا سے سچا کر لیں اور پھر کوئی بات خدا سے کہیں تو کیا خدا نہیں سنیگا؟ فرشتے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے سوال کیا تھا، اللہ تعالیٰ دور ہیں کہ ہم زور سے پکاریں یا قریب ہیں کہ ہماری سرگوشیاں سن لیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں تو کہدیجئے کہ میں قریب ہوں اور پکارنے والا جب مجھکو پکارتا ہے تو اسکی پکار سنتا ہوں) میں کہتا ہوں کہ آخر مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے وہ اپنے سمیع و بصیر خدا کو کیوں نہیں پکارتے؟ مصیبت کے وقت اللہ کو کیوں نہیں پکارتے؟ کیا اب اللہ تعالیٰ نے سننا بند کر دیا ہے؟

دیکھئے! اہل عرب جب اہل عجم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو دیکھکر گھبرانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے انکو یہ دعا سکھلائی اَللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (یعنی اے اللہ! سارے ملکوں کے مالک آپ حکومت جسکو چاہیں دیدیں اور جس سے چاہیں حکومت چھین لیں اور جس کو چاہیں عزت دیں اور جسکو چاہیں ذلت دیں آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی بلا شبہہ آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ دعا سکھلا کر بتا دیا کہ جو ذات ایسی محیر العقول چیزوں پر قادر ہے اسکے لئے کیا مشکل ہے کہ عجم سے ملک لیکر اہل عرب کو دیدے، تمھارے دشمن کو ذلیل کر دے اور تم کو عزت دیدے۔

قلوب خدا کے ہاتھ میں ہیں: بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے

ہیں کہ میں خدا ہوں بادشاہوں کے قلوب اور پیشانیاں میرے قبضۂ قدرت میں ہیں اگر بندے میری فرمانبرداری کرتے ہیں تو حکمرانوں کے قلوب ان پر نرم کر دیتا ہوں اور اگر بندے میری نافرمانی کرنے لگ جاتے ہیں تو بادشاہوں کے قلوب کو ان پر سخت کر دیتا ہوں (لہٰذا حکمرانوں کی سختیوں اور ظلم پر) حکمرانوں کو برا کہنے میں مشغول مت ہو بلکہ ہماری طرف رجوع ہو اور توبہ کرو۔

یہی بات میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ اصل چیز یہی ہے کہ خدا کی طرف توجہ کرو اور اسکی نافرمانی سے بچو۔ اس دور میں ایک چیز تو یہ قابل توجہ اور اصل الاصول ہے اور دوسری چیز جو مسلمانوں کیلئے اسوقت خصوصاً بہت ضروری ہے وہ یہ کہ خدا نے عقل دی ہے بیدار مغزی سے کام کریں اور ہر موقع کے مناسب تدابیر اختیار کریں

(ارشاداتِ مصلح الامۃؒ)

حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے (ایک مرتبہ کانپور میں بعض پریشان کن حالات کے موقع پر جب حکومت کے ایک ظالمانہ قانون سے مشتعل ہو کر لوگ جلسہ جلوس اور مختلف تدابیر کر رہے تھے اور حضرت حکیم الامتؒ کو بھی اسمیں شریک کرنا چاہتے تھے) ارشاد فرمایا میری رائے یہ ہے کہ آپ لوگ اس قصہ میں نہ پڑیں بلکہ اس مصیبت کی دوسری تدبیر کریں (چنانچہ ان لوگوں سے ارشاد فرمایا) توبہ واستغفار کرو اور ہر روز کم ازکم پانچ سو مرتبہ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ کا وظیفہ مقرر کرلو، انشاء اللہ ایک ہفتہ میں سب مصیبت دور ہو جائیگی ان لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا اور عمل شروع کیا واقعی ایک ہفتہ گذرنے نہ پایا تھا کہ وہ حکم منسوخ ہو گیا اور امن وچین ہو گیا (ماخوذ از مفاسد گناہ)

(مدیر)

ؔ حالات کو بدلنے کی اور ہر قسم کی قوت صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے جو بہت بلند شان اور عظمتوں کا مالک ہے

مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ

مجالس علیگڈھ

(مجلس یازدہم)

(کلام اللہ، عقائد کی روشنی میں)

فرمایا کہ کئی وقت سے عقائد پر گفتگو چل رہی ہے اسی بحث کو ذرا مفصل بیان کرنا چاہتا ہوں۔ یہ "شرح عقائد" ہے عقائد کی نہایت معتبر کتاب ہے اسمیں مصنفؒ فرماتے ہیں

وللہ تعالیٰ کتب انزلھا علی انبیائہ وبیّن فیھا امرہٗ ونھیہ ووعدہٗ ووعیدہٗ وکلّھا کلام اللہ تعالیٰ وھو واحدٌ وانما التعدّد والتفاوت فی النظم المقرو المسموع وبھذا الاعتبار کان الافضل ھو القرآن ثم التوراۃُ والانجیلُ والزبورُ کما ان القرآن کلام واحدٌ لایتصور فیہ تفضیل ثم باعتبار القراءۃ والکتابۃ یجوز ان یکون بعض السورِ افضل کما ورد فی الحدیث۔ وحقیقۃ التفضیل ان قراتہ افضل لما انہ انفع اوذکر اللہ تعالیٰ فیہ اکثرُ ثم الکتب قد نسخت بالقرآن تلاوتھا وکتابتھا وبعض احکامھا۔

اسکا حاصل یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی اصلاح کے لئے بہت سی کتابیں اپنے رسولوں پر نازل فرمائی ہیں جس میں اپنے اوامر، نواہی، وعدے اور وعید کا ذکر فرمایا ہے اور وہ

سب کی سب کلام اللہ ہیں اور اللہ کا سب کلام ایک ہی طرح کا ہوتا ہے لیکن یہ تعدد و اختلافات الفاظ کے پڑھنے میں اور انکے سننے میں ہوگیا ہے چنانچہ اسی اعتبار سے یہ عقیدہ ہونا چاہیئے کہ کلام اللہ میں سب سے افضل قرآن شریف ہے پھر اسکے بعد توریت انجیل اور زبور کا درجہ ہے اور ان کتب کے کلام اللہ ہونے میں اشتراک ہے اور پھر قرآن کی تفضیل ان کتب پر ایسی ہے کہ جیسے کہ سارا قرآن اللہ تعالےٰ کا ایک درجہ کا کلام ہے اس اعتبار سے باہم اسکے اجزار میں تفضیل کے کوئی معنی ہی نہیں لیکن باعتبار قرأت اور کتابت کے ہو سکتا ہے کہ بعض سورتیں بعض سے افضل ہوں۔

پس حقیقت اس تفضیل کی یہ ہوئی کہ اس آیت یا سورت کا پڑھنا افضل ہے یعنی اس میں زیادتی ثواب ہے یا برائیوں سے نجات کا بیان ہے یا اس معنی کر افضل ہے کہ اس میں اللہ کا ذکر زیادہ ہے۔ اور اب یہ بھی عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ نزول قرآن کے بعد اور دیگر سب کتابیں منسوخ ہوگئیں نہ انکی تلاوت باقی رہی نہ کتابت و اشاعت نہ اسکے احکام باقی رہے " یہ سب عقائد علمار نے کتاب اللہ سے متعلق لکھے ہیں جنکا جاننا ضروری ہے۔

معراج اور عقل انسانی

اور سنئے آگے معراج کے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ سے بیت المقدس تک جانا تو خود قرآن سے ثابت ہے ارشاد فرماتے ہیں سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے عبد (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی اسکو اسرار کہتے ہیں یہ نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اسکے بعد پھر یہاں سے

آسمان تک اور آسمان سے عرش تک جو سفر شروع ہوا یعنی آپ بیداری کی حالت میں اپنے اس ظاہری جسم کے ساتھ آسمانوں تک اور پھر وہاں سے جہاں تک خدا کو منظور ہوا تشریف لے گئے اسکو معراج کہتے ہیں اور یہ حق ہے اور خبر مشہور سے ثابت ہے۔ اب عقل کو لائیے اللہ تعالٰی نے ضعفاء کے ضعف کو دیکھکر مسجد اقصٰی سے اوپر جانے کا تفصیلی بیان قرآن شریف میں نہیں فرمایا اسلئے کہ لوگوں کے عقل سے یہ مضامین بالاتر ہوتے اسلئے لوگ اسکا انکار کرتے اور کافر ہو جاتے اب اگر اسکا انکار بھی کر دینگے تو زیادہ سے زیادہ وہ فاسق یا مبتدع ہوں گے کافر تو نہوں گے۔ اور کسی مبتدع کا معراج سے انکار کرنا اور اسکے محال ہونے کا دعویٰ کرنا یہ سب فلاسفہ کے اصول پر مبنی ہے عقلی استحالے کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اسلئے کہ خرق والتیام (یعنی آسمان کا پھٹنا اور جڑنا) محال نہیں بلکہ ممکن ہے اسلئے کہ آسمان بھی ایک جسم ہے اور جسم جسم سب برابر ہیں لہذا ایک جسم میں جو چیز ہو سکتی ہے وہ دوسرے میں بھی ہو سکتی ہے۔ جس طرح آپ کا جسم سردیوں میں پھٹ جاتا ہے لیکن پھر جڑ بھی جاتا ہے اسی طرح سے اللہ تعالٰی کے نزدیک آسمان کا معاملہ ہے کیونکہ اللہ تعالٰی کو سب ممکنات پر قدرت حاصل ہے اور اس کے لئے کوئی چیز دشوار نہیں۔

اللہ رب العزت کی قدرت و تخلیق

اب آپ سے کہتا ہوں کہ یہاں لگائیے عقل اور عقل سے کیا کیا سمجھیں گے۔ آپ کے پیدائش کا حال اللہ تعالٰی نے قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے اسکی تفصیل اگر پیش نظر ہو تو عقل حیران رہ جائے۔ سنئے کیا فرماتے ہیں ایک مقام پر پہلے تو انکار توحید پر عذاب سے تحذیر فرمائی ہے پھر اسکے بعد اپنی نعمت پر تعریض کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ" کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے انکے لئے اپنے ہاتھ کی ساختہ چیزوں میں سے مواشی پیدا کی پھر یہ لوگ انکے مالک بن رہے ہیں" ریل کو تو آپ فرما سکتے ہیں کہ ہم نے بنایا، موٹر اور ہوائی جہاز کو کہہ لیجئے کہ کہ امریکہ نے بنایا لیکن اللہ تعالےٰ مویشیوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہم نے انکو پیدا کیا کسی (دوسرے کا اسمیں دخل نہیں تھا) نہ کسبًا نہ خلقًا۔ آگے فرماتے ہیں کہ پیدا تو کیا ہم نے اور مالک یہ لوگ بن بیٹھے ہیں یعنی ہمارے مالک بنانے سے اس طرح سے کہ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ۝ "یعنی ہم نے انکو انکے لئے مسخر کر دیا اور انکا تابع بنا دیا ہے۔ اسلئے بعض تو انکے سواری کے کام آتے ہیں اور بعض کو وہ لوگ کھاتے ہیں" یہاں تک اشارۃً یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ دیکھو جانوروں کا رام ہونا اور اور انکا مطیع ہونا تمکو کیسا بھلا معلوم ہوتا ہے حالانکہ تم نے انھیں پیدا بھی نہیں کیا ہے مگر انکا شاطر اور نافرمان ہونا تمھیں کھلتا ہے، اسی طرح سے سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کو بھی جو کہ تمھارا خالق و مالک ہے تمھاری نافرمانی نہایت ناپسند ہے۔ آگے انسان کی پیدائش کے سلسلے میں اپنی عظیم قدرت کا بیان امتنان کے ساتھ فرماتے ہیں اور انسان کے عدم اعترافِ احسان اور انکارِ بعث پر اظہارِ تعجب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کیا انسان کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اسکو نطفے سے پیدا کیا اور اب وہ علانیہ اعتراض کرنے لگا اور اس نے ہماری ہی شان میں ایک عجیب مضمون بیان کیا اور اپنی اصل کو بھول گیا یعنی بعث کا انکار کرتا ہے حالانکہ اپنے نفس میں ایسی چیزوں کا مشاہدہ کیا ہے جو بعث کی تصدیق کو واجب کرتی ہیں، پہلے بیان میں اللہ تعالیٰ نے اشراک باللہ (اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے) کو باطل فرمایا تھا

اور اب دوسرا بیان دلائل توحید میں یہ ہے کہ ہمیں نے تو انسان کو پیدا کیا لیکن اسکا حال بھی عجیب ہے کہ الٹے ہمیں پر مشق کرتا ہے یعنی بے ادبی کرتا ہے اور شرک کرتا ہے۔

ایک تمثیلی حکایت

یہاں ایک حکایت مثال میں یاد آگئی، ایک چوہا تھا کسی پادری کے پاس گیا اور اس سے شکایت کی کہ ہمکو بلی بہت پریشان کرتی ہے لہٰذا مجھکو بلی بنا دیجئے اس پادری نے اس پر اپنا ہاتھ پھیرا وہ بلی ہو گیا پھر کچھ دنوں کے بعد آیا اور کہا کہ مجھے کتا بہت ستاتا ہے لہٰذا مجھے کتا بنا دیجئے تاکہ اسکے ظلم سے بچ سکوں پادری نے پھر ہاتھ پھیر دیا وہ کتا ہو گیا، چند دنوں کے بعد پھر اس پادری کے پاس آیا اور کہا کہ مجھکو اب بھیڑیا بہت تنگ کرتا ہے لہٰذا مجھکو بھیڑیا بنا دیجئے تاکہ پھر کوئی بھیڑیا مجھکو تنگ نہ کر سکے اس نے ہاتھ پھیر دیا وہ بھیڑیا ہو گیا، پھر چند دنوں کے بعد پادری کے پاس آکر کہا کہ مجھکو شیر بہت ستاتا ہے لہٰذا آپ مجھکو شیر بنا دیجئے تاکہ پھر کوئی دوسرا جانور مجھکو تنگ نہ کر سکے اس نے حسب دستور ہاتھ پھیر دیا وہ شیر ہو گیا جب شیر بن گیا تو منہ پھاڑ کر پہلے تو وہ اسی پادری کی طرف بڑھا اور کہا کہ میں تجھکو کھاؤں گا۔ اس نے دل میں سوچا کہ یہ نہایت ہی بد ذات ہے میں نے تو اسکے ساتھ اتنا بڑا احسان کیا یہ مجھی کو پھاڑنے کے لئے تیار ہے یہ خیال کر کے موقع پاکر جلدی سے اس پر ہاتھ پھیر دیا جس کی وجہ سے وہ پھر چوہے کا چوہا ہی ہو گیا اور اس سے کہا کہ جاؤ۔

یہی حال آج منکرین کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود بخشنے ہی سے تو یہ موجود ہوئے اور اسکے انعامات سے مستفید ہوئے لیکن پیدا ہونے کے بعد اب خدا کی قدرت کا انکار ہے تو اچھا چلو ایسوں کے کے لئے بعث کا مرحلہ رکھدیا ہے کہ یہ سب شرارت یہاں کر سکتے ہو

یہاں خدا کو نہ مانو، رسول کو نہ مانو، کوئی شخص اپنے باپ ہی کو نہ مانے یا استاد اور پیر کو نہ مانے تو یہ کر سکتا ہے لیکن ہوگا یہ اسکا سوء اختیار جس کو وہ اللہ کے، رسول کے اور انکے احکام کے انکار میں استعمال کر رہا ہے اور جس اختیار کو انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اسکی طاعت میں استعمال کرے یہ حسنِ اختیار کہلاتا ہے۔ اب لوگ ہم سے کہتے ہیں کہ سکونِ قلب نہیں حاصل ہے۔ میں کہتا ہوں سکونِ قلب کیسے حاصل ہو جو ذریعہ اسکے حاصل ہونے کا تھا اسکو تو ہم نے ترک کر دیا ہے پھر سکون ملے تو کیسے ملے؟

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی ناشکری کو کیسا بیان فرمایا ہے کہ ہم نے اسکو نطفے سے پیدا کیا ہے۔" مفسرین لکھتے ہیں کہ بعد اسکے کہ وہ ذلیل پانی تھا" اور وہ ہم ہی سے جھگڑا کرتا ہے۔ اب یہ حضرات بھی ایسا بیان کرتے ہیں کہ ہم ویسا نہیں بیان کر سکتے۔ اور آپ لوگوں کو تو لمبی تقریر بہت پسند ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جس تقریر سے خدا کی اور رسول کی معرفت نہو وہ تقریر ہی کس کام کی؟ آیت کا مطلب یہ کہ یہ انسان جو اس طرح پیدا ہوا جہاں اسکو کچھ سمجھ آئی بس اسکو ہمیں پر استعمال کرنے لگا اور ہمارے لئے عجیب وغریب مضمون بیان کیا یعنی یہ کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آدمی مرجائے تو اسکے بعد پھر دوبارہ زندہ ہو۔ ہمارے لئے مثال و نظیر مخلوق سے بیان کرتا ہے اور ہم سے خصومت (اور جھگڑا) کرتا ہے اور ہماری قدرت کو اپنی قدرت پر قیاس کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہڈیاں جب بوسیدہ ہو جائینگی تو انکو کون زندہ کریگا۔ آپ فرما دیجئے قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ یعنی آپ ہی جواب دیجئے کہ اسکو وہ زندہ کریگا جس نے اول انکو پیدا کیا ہے اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے۔ پس

جس طرح اس نے پہلی بار پیدا کیا ہے ویسے ہی دوبارہ بھی پیدا کرسکتا ہے۔ فارابی کہتا ہے کہ کاش ارسطو اس استدلال خفی پر واقف ہوجاتا۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں نہایت ہی معقول اور مسکت جواب دیا ہے کیونکہ ان لوگوں نے یہی سوال کیا تھا کہ ہمکو دوبارہ کون پیدا کرے گا جواب کا حاصل یہ ہوا کہ ان اللہ تعالیٰ انشأ الانسان اولاً ومن انشأ الشئی اولاً قادرٌ علی ان ینشأ ثانیاً فاللہ تعالیٰ قادرٌ علی ان ینشأ الانسان ثانیاً یعنی بلاشبہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو ابتداءً پیدا فرمایا اور جو ذات کہ کسی شے کو ایک بار پیدا کرلیتی ہے وہ اسکے دوبارہ پیدا کرنے پر بدرجۂ اولیٰ قادر ہوتی ہے اسلئے اللہ تعالیٰ قادر ہیں کہ انسان کو دوبارہ پیدا فرمادیں

معراج جسمانی تھی یہ سارا کلام تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بیان کے سلسلے میں تھا میں نے شروع میں معراج کا بیان کیا تھا اب پھر اسی کے متعلق بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ علماء نے لکھا ہے کہ آپؐ کی یہ معراج جسمانی تھی یعنی اس جسم کے ساتھ آپ آسمان پر تشریف لے گئے تھے اسی طرح حالت یقظہ و بیداری میں ہوئی تھی یہ کہکر مصنف نے فلاسفہ کے ان اقوال کو رد فرمادیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج صرف روحانی ہوئی تھی۔ میں کہتا ہوں اسکے جسمانی ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ کافروں نے اسکا انکار کیا تھا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض روحانی یا منامی معراج کا دعویٰ فرماتے تو اس میں انکار و استعجاب کی کیا بات تھی؟ وہ تو عام تھی اسے سب مانتے تھے مگر کفار سے جو اسکا شدت کے ساتھ انکار ثابت ہے بلکہ بعض روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے ضعیف الایمان مسلمان مرتد ہوگئے تھے، یہ سب قرائن اس کے ہیں کہ

دعویٰ معراج جسمانی کا کیا گیا تھا جس کا ان لوگوں نے انکار کیا اور بہت سے لوگوں نے اسکی تصدیق کی۔ اور آپؐ کے فرمانے پر اعتقاد رکھکر اللہ تعالیٰ کے یہاں ان لوگوں نے بہت سے نمبر پائے چنانچہ یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کے لئے ایک آزمائش بن گیا اسی طرح سے تحویل قبلہ کا بھی مسئلہ تھا کہ بہت سے لوگ منکر ہو گئے اور بہت سے لوگوں کو اس پر ایمان لانے کی وجہ سے بہت زیادہ اجر و ثواب ملا۔ بڑی آزمائش کا وقت تھا۔ یہود پہلے حضورؐ پر اعتراض کرتے تھے کہ یہ ملت ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اُنکے قبلہ کی مخالفت کرتے اور ہمارے قبلہ کی اتباع کرتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو قبلہ بنا دیا تو وہی یہود پھر یہ اعتراض کرنے لگے کہ یہ کیسے نبی ہیں کہ امر قبلہ میں ان کو ابھی تک تردد ہی ہے۔ کبھی کسی سمت کو قبلہ بناتے ہیں اور کبھی کسی سمت کو۔ اسکا اثر ضعیف الایمان لوگوں پر پڑا کہ وہ بھی اعتراض میں انکے شریک ہو گئے اور امر قبلہ ان پر مشتبہ ہو گیا اور جو قوی الایمان لوگ تھے انکو ذرا بھی خیال نہیں گذرا وہ تو قبلہ خدا کے حکم کو سمجھتے تھے کہ جب تک بیت المقدس کا حکم رہا ادھر منہ کرتے تھے اور جب کعبہ کے لئے حکم ہو گیا تو ادھر رخ کر لیا۔

اتباع حکم اصل ہے

یہ حضرات دین کے باب میں اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع سمجھتے تھے یہ جانتے تھے کہ جو آپ کا حکم ہوگا وہی دین ہے کسی معاملہ میں اپنی رائے اور عقل کو نہیں لگاتے تھے۔ چنانچہ جس وقت تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا مسجد قبا میں نماز ہو رہی تھی ایک شخص ادھر سے گذرا اور اس نے زور سے کہا قبلہ بدل گیا یہ سنتے ہی سب لوگ نماز ہی میں گھوم گئے یہ اثر تھا اتباع کا۔ تو اب آپ یہاں کیا عقل چلائیے گا؟

وہ لوگ تو نماز میں گھوم گئے اور جب آپ کو اسکی اطلاع ہوئی تو آپنے اسکی تصویب فرمائی۔ اب آپ اپنی عقل لڑاتے رہئے اور علمار اسکی توجیہ کرتے رہیں۔ ان حضرات نے تو سنتے ہی اتباع کرلیا

سیدنا صدیق اکبرؓ کا واقعہ معراج کے موقع پر بھی کفار کو مسلمانوں کے بہکانے کا موقع ملا تھا، حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس لوگوں نے آکر کہا کہ سنا آپ نے اپنے دوست کو کیا فرماتے ہیں؟ یہ فرما رہے ہیں کہ رات میں آسمان پر گیا تھا اور جنت و دوزخ کی سیر کی اور اللہ تعالےٰ سے ملاقات کی۔ مقصد ان کفار کا یہ تھا کہ انکو حیرت میں ڈالدیں اور تکذیب پر آمادہ کردیں لیکن ان کا تو صدیق لقب ہونے والا تھا انھوں نے سنتے ہی کہا پھر اس میں تعجب کی کیا بات ہے ہم جب اس پر ایمان لے آئے ہیں کہ انکے پاس جبریل علیہ السلام خدا کا پیغام لیکر آسمان سے تشریف لاتے ہیں تو اگر ایک بار وہ خود بھی آسمان پر چلے گئے تو اس میں کیا تعجب ہے؟ علمار نے لکھا ہے کہ اسی واقعہ سے انکا لقب صدیق پڑا۔

اتباع کی اہمیت تصدیق بدون ایمان کے قلب میں آتی نہیں اور کسی کا اتباع بدون اسکی تصدیق کے ناممکن ہے جبتک آدمی کسی کی اتباع کا التزام نہ کرے ضرور اپنی عقل و رائے پر عمل کرے گا۔ اولیار اللہ نے بھی یہی کیا ہے کہ اپنی رائے اور عقل کو پہلے فنا کیا ہے اور اپنے آپ کو متبع اور مقلد محض ثابت کردکھایا ہے تب انھیں کچھ ملا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی ولی اپنے استقلال کا ادر

سے اس مضمون کی مزید وضاحت ختم مجلس کے بعد (ضمیمہ) کے عنوان میں ملاحظہ فرمائیے
یہ توضیح حضرت والا مدظلہٗ نے بزمانۂ قیام بمبئی اپنی ایک مجلس میں فرمائی تھی
(از ناقل عفی عنہ)

اتباع سنت سے اپنی بے نیازی کا دعویٰ کرے تو وہ ولی نہیں۔ بزرگوں نے اس مسئلہ کو واضح کرنے کی کوشش فرمائی ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ وَلَنْ یَکُوْنَ وَلِیًّا اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ مُحِقًّا فِیْ دِیَانَتِہٖ (کوئی شخص ہرگز ولی اور اللہ والا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنی دیانت میں سچا نہو) اور اسکی صورت یہ ہے کہ اقرار باللسان کرے اور تصدیق بالقلب کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت جملہ اوامر و نواہی میں کرے۔ اسلئے کہ یہ لوگ مستقل نہیں ہیں

بزرگوں نے یہ چاہا ہے کہ اصل طریق لوگوں کو سمجھا دیں مگر اتبۃ لوگ کسی کے پاس بس جمع ہونا جانتے ہیں اور اسکے بدن پر گرنا چاہتے ہیں حالانکہ بزرگوں نے اپنے پاس جمع ہونے والوں کا امتحان لیا ہے ایک بزرگ کے پیچھے پیچھے کچھ لوگ جا رہے تھے انھوں نے مڑکر دیکھا تو پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں کہا گیا کہ آپ کے محبین ہیں، انھوں نے پتھر اٹھا اٹھاکر انکو مارنا شروع کیا لوگ بھاگ گئے فرمایا کہ یہ بھاگ کیوں رہے ہیں؟ ان کے اس بھاگنے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ محب نہیں ہیں اسلئے کہ لَوْ کَانُوْا اَحِبَّائِیْ لَصَبَرُوْا عَلٰی بَلَائِیْ (اگر یہ میرے محب ہوتے تو میری اس آزمائش پر بھی صبر کرتے) اسی طرح سے جو عشاق ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی سے خوش ہوتے ہیں خواہ انکی بجاآوری میں ان کو تکلیف ہی کیوں نہو جس طرح سے کہ آدمی مرچ سے خوش ہوتا ہے، جیسے دلی کا حلیم کہ لوگ کھاتے بھی جاتے ہیں اور آنکھ اور ناک سے پانی بھی نکلتا جاتا ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ معلوم نہیں اسکا نام حلیم کس نے رکھدیا یہ تو بڑا غضبناک ہوتا ہے۔ غرض طاعات، اہل کسل کے لئے ابتلاء ہیں اسی لئے غیر طالب اس سے بھاگتے ہیں۔ پھر کہتا ہوں سن لو! کہ اتباعِ شریعت ہی اصل ہے کوئی شخص اگر استقلال کا دعویٰ کرتا ہے

اور زبان سے استغنار کا اظہار کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا انکار کرتا ہے تب تو وہ کافر ہی ہوگیا اور اگر اسکے عمل سے دعویٰ سمجھا جاتا ہے لیکن زبان سے دعویٰ نہیں کرتا بلکہ زبان سے اقرار ہی کرتا ہے اور دل سے تصدیق بھی کرتا ہے تو یہ فسق ہے۔

امت میں گمراہی کہاں سے آئی

آج امت میں گمراہی یہیں سے آئی ہے کہ ایک شخص اپنے عمل سے تو ولی نہیں ہوتا لیکن اسکے پاس آنے جانے والے اسکو پہونچا دیتے ہیں حالانکہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ ؎

بنمائے بہ صاحب نظرے گوہر خود را
عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

(اپنا گوہر کسی صاحب بصیرت "جوہری" کو دکھلاؤ، چند گدھوں "یعنی ناقصین" کی تصدیق سے "عیسیٰ" "یعنی شیخ کامل" نہیں بن سکتے ہو)

علمار نے اسی لئے ولایت پر نہایت زوردار بحث کی ہے اگر یہ حضرات اس مسئلہ کو واضح نہ کئے ہوتے تو اس زمانے میں پڑھے لکھے لوگ بھی ہر کس وناکس کو ولی سمجھ لیتے جس طرح سے کہ اس زمانہ میں لوگ کپڑے سے مولوی ہو جاتے ہیں یعنی مولویوں کا سا لباس پہن لیا بس مولوی ہوگئے اور عام طور سے لوگ بھی انکو ولی سمجھنے لگتے ہیں کیونکہ واقعی عالم ہونا تو بہت مشکل ہے اور اس میں بڑی محنت ہے اور صرف کپڑا پہن لینا یہ کیا مشکل ہے؟

ایک شخص ایک بزرگ کی خدمت میں عالموں کا لباس پہنکر آیا ان بزرگ نے تعظیم کی پاؤں پھیلائے ہوئے تھے سمٹ کر بیٹھ گئے اور پوچھا کہ آپکا اسم شریف انھوں نے کہا "یُوسُف" ان بزرگ نے سمجھ لیا کہ یہ جاہل شخص ہے اور یہ فرمایا کہ "اگر تو یُوسُف ہستی پس چرا من پائے خود را بکشم"

(یعنی تم جب ایشعث اور جاہل آدمی ہو تو میں اپنے پاؤں کیوں سمیٹوں) تو بھائی نہ عالموں کا لباس پہن لینے سے کچھ ہوگا اور نہ بزرگوں کی نقل کرلینا کافی ہے ایسے لوگ مدعی کہلاتے ہیں۔ مولوی کامل وہ ہے کہ اتباع کو اپنا طریق بنائے چنانچہ کمالات باطنی کی تحصیل کے لئے پیر کامل کا انتخاب ضروری ہے۔ علمار نے اسکا طریق بھی مفصل بیان فرمادیا ہے تاکہ طالبین غلطی سے محفوظ رہیں۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد چنانچہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیر کامل مکمل کا تلاش کرنا واجب اور ضروری ہے کیونکہ بدون پیر کامل کے توسل کے خدا تک پہونچنا بہت ہی نادر ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

نفس را نکشد بغیر از ظلِّ پیر
دامن آں نفس کش محکم بگیر

(اس نفس امارہ کو شیخ کامل کی توجہ ہی سے مارا جاسکتا ہے لہٰذا اس نفس کش (یعنی مصلح) کا دامن مضبوطی سے پکڑ لو)

آگے اسکا طریق بیان فرماتے ہیں کہ اکثر و بیشتر درویشوں سے ملاکرے اور کسی پر انکار اور عیب جوئی نہ کرے لیکن بغیر تامل بسیار کسی سے بیعت بھی نہ کرے اور سب سے پہلے اسکی شرعی استقامت دیکھے بے شرع شخص سے اگرچہ اسکے اندر کشف و کرامت بھی دیکھے ہرگز بیعت نہ ہو۔ پس جو شخص کہ مستقیم الاحوال ہو اور جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس کی صحبت سے خدا یاد آئے اور دل دنیا سے سرد ہو جائے اسکی صحبت اختیار کرے۔ لیکن اس تاثیر کا عوام الناس کے لئے ایک ہی دو صحبت میں معلوم کرلینا دشوار ہے اسلئے چاہئے کہ اسکے مریدین میں سے جو لوگ عالم عادل اور عاقل ہوں

طلب کے وقت لوح حافظ تھا اب لوح محفوظ کے مثل ہو جاتا ہے کہ منجانب اللہ اس میں علوم حقیقت کا انتقاش ہونے لگتا ہے اور اب اسکی عقل روح سے یعنی الہام سے محظوظ ہونے لگتی ہے۔ وحی یا الہام کو روح کہنا اسلئے ہے کہ وہ سبب حیات معنویہ ہے جیسے روح سبب حیات جسمانیہ ہے ؎

چوں معلم بود عقلش ز ابتدا
بعد ازاں شد عقل شاگردے ورا

ابتدا میں حصول معرفت کے قبل تو عقل اسکی استاد تھی کیونکہ اول راہ طلب میں اسکو عقل ہی لائی تھی پھر جب اس نے فیوض حاصل کرلئے یعنی ایسے علوم اسکو حاصل ہونے لگے جو ادراک عقل و نظر سے بالاتر ہیں تو اب خود عقل اسکی شاگرد ہوگئی یعنی اسکی منقاد اور متبع ہوگئی

عقل چوں جبریل گوید احمدا　　گر یکے گامے نہم سوزد مرا
تو مرا بگذار زیں پس پیش راں　　حد من ایں بود اے سلطان جاں

اور عقل جب تابع و محتاج ہو جاتی ہے تو پھر اس سے وہ بات کہنے لگ جاتی ہے جو حضرت جبریل علیہ السلام نے جناب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تھی کہ اگر ایک قدم بھی آگے رکھتا ہوں تو نور جلال مجھکو جلائے دیتا ہے لہذا آپ مجھکو یہاں ہی رہنے دیجئے اور خود آگے تشریف لیجائیے اسلئے کہ میری یہی حد تھی۔ پس جس طرح اس واقعہ میں حضرت جبریلؑ اول رہبر تھے پھر عاجز ہو گئے اسی طرح عقل انسان کی رہبری کرتی ہے مگر آگے چل کر درماندہ ہو جاتی ہے یعنی عقل ابتدائے راہ طلب میں انسان کو لگاتی ہے گویا استاد ہوتی ہے لیکن جب اللہ تعالےٰ سے اسکا سچا تعلق ہو جاتا ہے اور ادھر سے علوم لدنیہ کے انکشافات شروع ہونے لگتے ہیں تو پھر عقل پیچھے ہٹ جاتی ہے

اور وحی الٰہی کا تحمل و مقابلہ نہیں کرتی۔

اور یہ جو میں نے کہا کہ عقل بھی مار اور رہزن ہی ہے تو یہ اسلئے کہا کہ فلاسفہ کو اسی چیز نے گمراہ کیا۔ ایسی عقل سے کیا فائدہ جو خدا کی صفات کا بھی انسان کو قائل نہ رکھے انبیاء کے معجزات کا بھی انکار کرے۔ مولانا رومؒ نے انکی خوب خبر لی فرماتے ہیں ؎

فلسفی گوید ز معقولات دوں　　عقل از دہلیز می ناید بروں
فلسفی منکر شود در فکر و ظن　　گو برو سر را براں دیوار زن

فلسفی عقلیات سافلہ کی گفتگو کر رہا ہے اسکی عقل ابھی دہلیز سے بھی باہر نہیں نکلی علوم عالیہ تک تو کیا پہونچتی ہے قوت فکریہ اور مقدمات ظنیہ کی بنا پر حقائق کا انکار کرتا ہے اس سے کہدو کہ ساری عمر اسی دیوار فکر سے سر پھوڑتا رہیو۔

نطق آب و نطق خاک و نطق گل　　ہست محسوس حواس اہل دل
فلسفی کو منکر حنانہ است　　از حواس انبیاء بیگانہ است
گوید او کہ پرتو سودائے خلق　　بس خیالات آورد در راہ خلق

یعنی آب اور خاک و گل کا نطق اہل کشف کے نزدیک حواس باطنی سے برابر محسوس ہوتا ہے سو فلسفی جو ستون حنانہ کے قصے کا انکار کرتا رہا ہے وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے قوی مدرکہ سے محض محروم ہے اور کشف کی نسبت یوں کہتا ہے کہ یہ خلط سوداوی کا اثر (جس کا غلبہ تقلیل رطوبات سے ہوجاتا ہے) ایسے لوگوں کے ذہن میں کچھ غلط خیالات جمع کر دیتا ہے ورنہ واقع میں کچھ نہیں۔

(حضرت مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ نے تو اسی قدر بیان فرمایا ہے لیکن آگے مولانا رومؒ نے فلاسفہ کا رد کیا ہے تتمیماً للفائدہ اسکو نقل کیا جاتا ہے، فرماتے ہیں ؎

تاثیر شیخ کی نسبت ان سے سوال کرے۔ مشائخ نے مرشد کامل کے اتنے شرائط لکھے ہیں اسلئے محض دعویٰ کرلینے سے کوئی شخص پیر نہ ہوگا۔

ولایت مشکل ترین چیز ہے

ولایت کوئی خراب چیز نہیں ہے بہت لذیذ ہے اسی لئے سب کو عزیز ہے مشکل جو ہے وہ اوامرونواہی ہیں اسی لئے لوگ آج اسکو طریق سے اڑا ہی دینا چاہتے ہیں مگر یہ دین خدا کا بھیجا ہوا دین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا ہے اگر اسکا مقابلہ کروگے تو گردن توڑ دی جائیگی اسی لئے علمائے اسکی نصرت میں سروجان کی بازی لگا دی ہے اور مفسدوں کو اسکا موقع نہیں دیا ہے کہ اسکو فاسد کریں یا کوئی مدعی گھس سکے چنانچہ جتنے رخنے اور سوراخ تھے اولیاء نے سب کو بند کردیا ہے جس طرح سے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے غار کے سب سوراخوں کو بند کردیا تھا۔ واقعہ مشہور ہے کہ بوقت ہجرت آپؐ غار ثور میں تشریف لے گئے تو حضرت صدیقؓ نے دیکھا کہ اس میں بہت سے سوراخ ہیں پس اس خیال سے کہ کبھی کوئی موذی جانور ایذا نہ پہونچادے آپ نے اپنی چادر پھاڑ پھاڑ کر سوراخوں کو بند کرنا شروع کیا یہاں تک کہ چادر ختم ہوگئی اور ایک سوراخ باقی رہ گیا آپ نے اپنا پیر اس میں اڑا دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپؓ کی ران پر سر رکھکر سوگئے اتنے میں کسی موذی جانور نے پاؤں میں کاٹ لیا حضرت صدیق نے اس خیال سے کہ اگر پاؤں کو حرکت ہوتی ہے تو آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوجاتے ہیں ذرا بھی حرکت نہیں کی لیکن درد وسوزش کی اسقدر تکلیف ہوئی کہ آنکھ سے آنسو نکل آئے حتیٰ کہ دو ایک قطرے روئے مبارک پر گر پڑے جس سے آپ کی آنکھ کھل گئی آپ نے حضرت صدیقؓ سے رونے کا سبب دریافت فرمایا عرض کیا کہ کسی موذی جانور نے پیر میں کاٹ لیا ہے، حضرتؐ نے اپنا لعاب دہن لگا دیا اور وہ اچھا ہوگیا۔

اولیاءکرامؒ کا عظیم کارنامہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اولیاءکرام کا یہ کارنامہ کچھ کم نہیں ہے کہ ان حضرات نے کبھی نفس کے (کہ وہ بھی سانپ ہی ہے) آنے کے جملہ راستوں کو بند کر دیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے سانپ کے سوراخوں کو جو پہلے سے بند کر دیا تو یہ حکمت کی بات تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی برکت سے ان کو حاصل ہوئی تھی۔

نبوت و رسالت کے بعد چونکہ درجہ صدیقیت ہی کا ہے اس لئے حضرت صدیقؓ ہی آپ کے بعد خلیفۂ اول ہوئے اور آپ کی خلافت پر ساری امت کا اتفاق تھا۔

وحی الٰہی کے مقابلے میں عقل کی حیثیت مشائخ فرماتے ہیں کہ انھیں سانپوں میں سے جو انسان کے اندر رہ کر انسان کو نقصان پہونچاتے ہیں ایک عقل بھی ہے جبکہ اسکو وحی الٰہی کی روشنی نہ ملے بلکہ نفس سے صلح کرکے اسکے تابع ہو جائے مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ انسان کی عقل اول اول تو اسکی معلم ہوتی ہے لیکن بعد میں وہ شاگرد ہو جاتی ہے۔ اس مضمون کو اپنے خاص انداز میں بیان فرماتے ہیں ؎

طالب حکمت شو از مرد حکیم تا از و گردی تو بینا و علیم

یعنی تم حکمت و معرفت کی طلب مرد کامل سے کرو تاکہ تم بھی بینا و دانا بنجاؤ

منبع حکمت شود حکمت طلب فارغ آید او ز تحصیل و طلب

کیونکہ جو طالب حکمت ہے وہ آگے چل کر منبع حکمت بنجاتا ہے اور اسوقت وہ ظاہری علوم اور اسباب تحصیل سے فارغ ہو جاتا ہے۔

لوح حافظ لوح محفوظے شود عقل او از روح محفوظے شود

یعنی علوم وہبی لدنی اسکے قلب پر فائض ہونے لگتے ہیں اور وہ شخص کہ

اور ایسا رسوا ہوا جیسے تیز دھوپ کے وقت گوبر پھر نصیحت کے طور پر فرماتے ہیں کہ مردان خدا کا مقابلہ اور انکے ساتھ دعوائے مسابقت کبھی مت کرنا بھلا بادشاہ سے آگے گھوڑا چلانا کیا زیبا ہے۔ اسی طرح یہ حضرات بوجہ قرب قبول کے مثال بادشاہ کے ہیں ان سے سبقت کا دعویٰ خسران محض ہے۔

دیکھئے محققین تو یہ فرماتے ہیں لیکن اس زمانہ میں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی محقق ہی سے نہیں بھڑے تو کچھ نہ کیا۔ علماء نے لکھا ہے کہ ناقص کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے کو کامل اور کامل کو ناقص سمجھے اور اپنے اس فیض کو یہ ظالم متعدی بھی کرتا ہے یعنی دوسروں کو بھی کامل کے پاس جانے سے بہکاتا ہے۔ ایسے لوگ اس زمانے میں بہت ہیں اور یہ بات کچھ تخمین سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ تجربہ کے بعد کہتا ہوں کہ آج ہمارا کام انھیں لوگوں کی وجہ سے خراب ہوا ہے جو نہ تو خود کام کرتے ہیں نہ دوسروں ہی کو کرنے دیتے ہیں یہی اپنے وطن میں دیکھا پھر ایک جگہ گیا وہاں یہی دیکھا پھر ایک اور جگہ گیا وہاں کا بھی یہی حال پایا غرض ؎

بہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیدا ست

(جس زمین میں بھی ہم پہونچے یہی آسمان نظر آیا یعنی ہر جگہ یکساں ہی حالات سامنے آئے)

لوگوں کا یہ حال دیکھکر بے ساختہ یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

اے بسرا پردۂ یثرب بخواب خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

(اے مدینہ منورہ کی بارگاہ شاہی میں آرام فرمانے والے! للہ اٹھئے اور خبر لیجئے کہ مشرق و مغرب سب تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔)

اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے عقل و فہم اس کو خدا کی راہ میں یعنی دین کے سمجھنے میں استعمال نہیں کرتے اور یہ کچھ اسی زمانے والوں ہی کے ساتھ

خاص نہیں ہے بلکہ ہر زمانے میں جتنے بھی اہل نفس گذرے ہیں انکا یہی حال تھا کہ انھوں نے اپنے عقل وحواس کا صحیح استعمال نہیں کیا بلکہ ان سب کو نفس کا تابع بنا کر خدا تعالیٰ کے مقابلے میں استعمال کیا۔

قوم عاد کا حال

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں قوم عاد کا حال بیان کر کے فرماتے ہیں کہ

وَلَقَدْ مَكَّنَّاهُمْ فِيمَا إِن مَّكَّنَّاكُمْ فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَأَبْصَارًا وَأَفْئِدَةً فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُم مِّن شَيْءٍ إِذْ كَانُوا يَجْحَدُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ یعنی ہم نے قوم عاد کے لوگوں کو ایسی ایسی باتوں کی قدرت دی تھی کہ تم کو بھی ان باتوں کی قدرت نہیں دی (مراد اس سے دنیا میں وہ تصرفات ہیں جو قوت جسمی ومالی پر موقوف ہیں) اور ہم نے انکو کان اور آنکھ اور دل سبھی کچھ دیئے تھے سو چونکہ وہ لوگ آیات الٰہی کا انکار کرتے تھے اسلئے جب انپر عذاب آیا تو نہ انکے کان انکے کام آئے نہ انکی آنکھیں نہ انکے دل اور جس عذاب کی وہ ہنسی کیا کرتے تھے اسی نے انکو آگھیرا۔ یعنی نہ انکے حواس انکو عذاب سے بچا سکے اور نہ انکی تدبیر اور نہ انکی قوت۔ پس تمھاری کیا حقیقت ہے؟

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے حواس اور اس کی عقل وتدبیر بھی حق تعالیٰ کے احکام کے موافق ہو کر ہی نفع دے سکتی ہے لیکن اللہ سے مخالفت کر کے یہ سب چیزیں مانند عضو معطل کے ہو جاتی ہیں۔

قوم سبا کی عبرتناک حالت

اسی طرح سے بہت سی متمدن قومیں جنکو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ہر طرح کی خوشحالی اور نعم سے نوازا تھا انھوں نے اسکو خدائی انعام نہ جانا بلکہ اپنا

بلکہ عکس آں فساد و کفر او آں خیال منکرے را زد برو
فلسفی مر دیو را منکر شود در ہماں دم سخرۂ دیوے بود
گر ندیدی دیو را خود را ببیں بے جنوں نبود کبودے بر جبیں

یعنی مولانا جواب دیتے ہیں کہ ان حضرات کو سودا کا غلبہ نہیں ہوا بلکہ اسکے برعکس فلسفی کا فسادِ اعتقاد اور کفر خود اس خیالِ انکار کا اثر اسکے اندر پیدا کر رہا ہے یعنی اسکا یہ خیال اسکے کفر کا اثر ہے اسی طرح فلسفی شیطان و جنات کے وجود کا منکر ہے اور عین انکار کے وقت میں شیطان کا محکوم بن رہا ہے۔ اے فلسفی! اگر تو نے شیطان کو نہیں دیکھا تو اپنے ہی کو دیکھ لے کہ تیری حالتِ تباہ خود دلیل ہے وجودِ شیطان کی جو سبب ہوا ہے تیری گمراہی کا کیونکہ بلا جنون کے پیشانی پر نیلگونی نہیں ہوا کرتی۔ پس جس طرح کبودی کا اثر ہے جنون کا دلیل ہے وجودِ مؤثر کی کہ جنون ہے، اسی طرح تمہاری حالت کہ اثر ہے شیطان کا دلیل ہے وجودِ شیطان کی جو مؤثر ہے)

الحذر اے مومناں کاں در شماست در شما بس عالم بے منتہاست
جملہ ہفتاد و دو ملت در تو است وہ کہ روزے آں برآرد از تو دست

یعنی اے اہل ایمان ڈرتے رہنا کہ وہ مادۂ فلسفیت و انکار تم سب کے اندر موجود ہے اور اس ایک مادے کی کیا تخصیص تمہارے اندر تو غیر تناہی عالم بھرے پڑے ہیں چنانچہ یہ بہتر مذہب جو ضلالت کے ہیں یہ بھی تمہارے اندر مرتبہ استعداد و اجمال میں موجود ہیں ذرا ہوشیار رہنا کہ کبھی کسی روز وہ تم سے ظہور نہ کرے) ؎

ہر کہ او را برگ ایں ایماں بود ہمچو برگ از بیم او لرزاں بود
بر بلیس و دیو زاں خندیدۂ کہ تو خود را نیک مردم دیدۂ
چوں کند جاں باژگونہ پوستیں چند واویلا برآید ز اہل دیں

یعنی جس کے پاس اس کامل ایمان کا سامان ہوگا وہ تو برابر پتے کی طرح اسی خوف سے لرزاں رہے گا لِاَنَّ الْاِیْمَانَ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ (کیونکہ ایمان خوفِ عذابِ الٰہی اور امیدِ رحمتِ لامتناہی کے درمیان ہوتا ہے) اور یہ جو تم مطمئن ہوکر ابلیس اور دیو پر ہنس رہے ہو وجہ اسکی یہ ہے کہ تم اپنے کو بڑا صالح سمجھ رہے ہو لیکن اسکی کیا خبر ہے جب یہ روح پوستین الٹا کرے گی یعنی حقیقت اور حالات مخفیہ ظاہر ہوں گے اس وقت صدہا اہل دین جو ظاہر میں بڑے دیندار سمجھے جاتے تھے واویلا کرتے پھریں گے کہ ہم اپنے کو کیسا کیسا پاک سمجھتے تھے مگر ناپاک نکلے۔

مولانا رومؒ کا یہ بیان میں نے اس پر سنایا کہ وحی الٰہی کے مقابلہ میں عقل و فلسفہ کوئی چیز نہیں ہے اور عقل کی خیریت اسی میں ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا اتباع کرے لیکن جس طرح نفس خدا و رسول کی اطاعت سے روکتا ہے اسی طرح سے عقل کلی روکتی ہے۔ فاسد شبہات اور اوہام ذہن میں پیدا کرکے انسان کو ہدایت سے باز رکھتی ہے۔ عقل کے بارے میں تو مولانا رومؒ کا ارشاد آپنے سن لیا' اب ذرا نفس کی کلی کارگذاری انکی زبان سے

نفس کی کارگذاریاں

سنیئے کہتے ہیں کہ سب سے سخت رذیلہ انسان میں کبر و عجب کا ہوتا ہے اسی نے ابلیس کو آدم علیہ السلام کا مخالف بنا دیا، مولاناؒ فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں سال ابلیس لعیں — بود ز ابدال و امیر المومنیں
پنجہ زد با آدم از نازے کہ داشت — گشت رسوا ہمچو سرگیں وقت چاشت
پنجہ با مرداں مزن اے بوالہوس — بر تر از سلطاں چہ می رانی فرس

یعنی لاکھوں سال ابلیس لعین بزرگ اور افضل اہل ایمان رہا حتّیٰ کہ ناز و عجب میں آکر حضرت آدم علیہ السلام کا مخالف و مقابل بن گیا اور

استحقاق جانا اللہ تعالیٰ نے انکی اس ناشکری پر انکو اس دنیا سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا چنانچہ قرآن شریف میں، اللہ تعالےٰ نے قوم سبا کا جو قصہ نقل فرمایا ہے وہ اہل تمدن اور اہل تنعم کے لئے قابل عبرت ہے ارشاد فرماتے ہیں۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ۝ قوم سبا کے لئے خود ان کے وطن کی مجموعی حالت میں وجوب اطاعت احکام خداوندی کی نشانیاں موجود تھیں ان میں سے ایک نشانی یہ تھی کہ دو قطاریں تھیں باغ کی انکی سڑک کے دائیں اور بائیں جس میں آمدنی تھی وافر پھل تھی اسقدر کہ ختم کئے ختم نہوں سایہ تھی اور رونق تھی۔ اور ہم نے انبیاء علیہم السلام نیز ناصحین کی معرفت انکو حکم دیا کہ اپنے رب کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اسکا شکر کرو یعنی اطاعت کرو کہ دو قسم کی نعمتیں مقتضیٰ اطاعت ہیں ایک دنیوی یعنی رہنے کو عمدہ شہر اور ایک اخروی کہ درصورت ایمان و اطاعت کے اگر کچھ کوتاہی ہوجائے تو گناہ بخشنے کو بخشنے والا پروردگار۔ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ۝ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ ۝ یعنی سو انھوں نے سرتابی کی تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب چھوڑ دیا اور ہم نے انکے دو رویہ باغوں کے بدلے دو دوسرے باغ دیدیئے جن میں یہ چیزیں رہ گئی تھیں بدمزہ پھل اور جھاؤ اور قدرے قلیل بیری وہ بھی شہری نہیں جنگلی خودرو جنہیں کانٹے بہت اور پھل میں لطافت ندارد انکو یہ سزا ہم نے انکی ناسپاسی اور نافرمانی کے سبب دی اور ہم ایسی سزا بڑے ناسپاس ہی کو دیا کرتے ہیں۔ دیکھئے اس سے بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ اپنے خالق کا حق نہیں پہچانتے

اور انکی نعمتوں کا شکر یعنی اسکے احکام کی فرماں برداری نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور انبیاء علیہم السلام سے اعراض کرتے ہیں انکی پکڑ اس دنیا میں بھی ہو جاتی ہے جسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ یہاں کی نعمتوں سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اسکو آنکھ، ناک، کان اور زبان عطا فرمایا اسی طرح سے عقل عطا فرمائی تاکہ انسان ان سب کو صحیح مصرف میں صرف کر سکے اور ان نعمتوں کے پیدا کئے جانے کا سب سے پہلا مصرف یہ تھا کہ انسان انھیں حق تعالیٰ کی معرفت میں استعمال کرتا اور اسکے ذریعہ انبیاء علیہم السلام کو پہچانتا اور انکی لائی ہوئی شریعت کو حق جانتے اور ان کو سچا سمجھتے ہوئے احکام الٰہیہ کو بے چون و چرا تسلیم کرتا اور انکی تعمیل کرتا اس میں اپنی عقل نہ لگاتا اور یہ بات سمجھ میں بھی آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے ثابت ہونے کا ذریعہ وحی ہی ہے اسلئے کہ عقل اور حواس وغیرہ کے ادراک کی بھی حدود ہیں چنانچہ آنکھ جس چیز کا ادراک کر لیتی ہے کان اسکا ادراک نہیں کر سکتا اور کان کا کام آواز سننا ہے ناک سے یہ کام نہیں لیا جا سکتا۔ اسی طرح سے کان جو آواز سنتا ہے وہ بھی ایک متعین فاصلے سے سنتا ہے اس سے زیادہ دوری کی آواز سننے سے کان بھی قاصر ہوتا ہے اسی طرح نگاہ بھی ایک مخصوص مسافت تک ہی دیکھ سکتی ہے اسکے آگے کی چیز دیکھنے سے وہ بھی قاصر رہتی ہے اسی طرح عقل کی بھی ایک حد ہے وہ اپنے حد کے اندر کسی چیز کا ادراک کر سکتی ہے اور جو چیزیں کہ اسکی حدود سے باہر ہوں ان سے وہ بھی قاصر رہ جاتی ہے اسکے آگے پھر وحی کا کام شروع ہوتا ہے۔

نئے آلات اور نئی ایجادات بھی حجت الٰہیہ ہیں اس زمانے کے عاقل لوگ

کشف وکرامت کا، معراج کا، قیامت کا، وحی کا، رسالت کا جو انکار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت قائم کرنے کے لئے اس زمانہ میں انھیں کے ہاتھوں ایسے نئے نئے آلات ایجاد کرائے ہیں کہ ان تمام چیزوں سے دین کا ثبوت ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ سڑک پر کسی سواری میں ہم کو جانا ہوتا ہے اور قریب راستہ موجود ہوتا ہے جس سے ہم جا بھی سکتے ہیں مگر ایک سپاہی کے اشارے پر دوسری جانب سے گھوم کر جانا پڑتا ہے کہتے ہیں کہ ایسا کرنا نظم قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ یہاں آپ اپنی عقل نہیں لگاتے ہیں کہ دوسری جانب سے کوئی سواری بھی نہیں آرہی ہے اور ادہر کا راستہ ہمارے مقصد سے زیادہ قریب ہے پھر ہمکو دور سے گھوم کر آنے کو کیوں کہا جاتا ہے یہاں آپ کی زبان بند اور عقل فیل ہو جاتی ہے لیکن دین کے باب میں اگر علماء کوئی راستہ تجویز فرماتے ہیں تو اسکے مقابلے میں آپ اپنی عقل لگاتے ہیں۔ آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہی انصاف ہے۔

شیخ المحدثین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی

انسان کا غرور و تکبر اور اسکا علاج

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہ ونومن بہ ونتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وازواجہ وبارک وسلم۔ امابعد۔ فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ
وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ۔

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی درانحالیکہ آپ رہنے والے ہیں اس شہر میں اور قسم ہے والد کی اور اس چیز کی جو جنا اس نے، بلاشبہ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے

یہ سورۂ "بلد" کی ابتدائی آیتیں ہیں ان میں خدا تعالیٰ نے "مکہ معظمہ" کی قسم کھائی ہے۔ اس سے پہلے کئی دفعہ یہ بات عرض کر چکا ہوں کہ امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں حق تعالیٰ جس چیز کی قسم کھاتے ہیں اس سے اس چیز کے عظیم الشان اور معظم و محترم ہونے کی طرف اشارہ ہوتا ہے دوسرا اس میں جواب قسم کی دلیل ہوتی ہے یعنی

قسم کھاکر جس مضمون کو بیان فرمارہے ہیں اسکی دلیل اور ثبوت اس قسم میں ہوتا ہے ۔ چنانچہ اس جگہ ایک تو مکہ معظمہ کی قسم کھائی کہ "قسم ہے اس شہر کی دراںحالیکہ آپ اس شہر میں رہنے والے ہیں" اور "دوسری قسم والد کی اور تیسری مولود کی" یعنی اولاد کی" اور ان قسموں کے بعد جواب قسم یہ ہے کہ "ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے" اس جگہ جمہور علماء مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس مقام پر "والد" سے حضرت "آدم علیہ السلام" مراد ہیں اور "ما ولد" سے انکی کل اولاد مراد ہے ۔ اس طرح خدا تعالےٰ نے اول سے لیکر آخر تک جتنے انسان پیدا ہوں ان سب کی قسم کھائی ہے ۔ آگے جواب قسم میں جو یہ ہے کہ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ۔ اسکو سمجھنے کیلئے اس سورت کا شان نزول سمجھ لیجئے ۔

شان نزول اس سورۃ کا یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی طرف دعوت دی اور لوگوں کو تبلیغ شروع کی تو آپ نے احکام اسلام لوگوں کو بتائے اور بتایا کہ جو شخص میری اطاعت کریگا اسکے لئے جنت ہے جس میں انواع و اقسام کے لذائذ اور ہر طرح کی راحت و آرام ہوگا اور جو شخص میری اطاعت سے روگردانی کریگا اور کفر میں مبتلا رہے گا اسکے لئے جہنم ہے جس میں ایسے ایسے عذاب اور تکالیف ہیں اور اس پر انیس (۱۹) فرشتے مامور ہیں ۔ جب آپکی دعوت کی خبر عام ہوئی تو مکہ معظمہ میں ایک شخص تھا جس کی کنیت ابو الاسد تھی اور نام اسکا کندہ تھا مکہ میں رہتا تھا اور بہت طاقت ور اور توانا آدمی تھا اسکی توانائی کا یہ عالم تھا کہ اگر گائے وغیرہ کا دباغت دیا ہوا چمڑا بچھا کر اس پر اسے کھڑا کر دیا جائے تو اسکے نیچے سے اس چمڑے کو بیس آدمی بھی مل کر نہ نکال سکتے تھے چمڑا پھٹ جائے مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹتا تھا اور مال و دولت کا کوئی شمار نہ تھا

بہت متمول اور مالدار انسان تھا۔ اسکے علاوہ اس نے متعدد نکاح کر رکھے تھے اور ایک سے ایک حسین اور خوبصورت عورتیں اس کی زوجیت میں تھیں اسکو بھی آپ کی دعوت وتبلیغ کی خبر پہونچی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بھی دعوت اسلام دی اور جنت کی ترغیب اور جہنم سے ڈرایا، قرآن مجید میں ایک جگہ جہنم کے بارے میں ارشاد ہے :۔

وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے جیلخانہ بنایا ہے

اور دوسری جگہ ہے

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ یعنی جہنم پر انیس (۱۹) فرشتے مامور ہیں

یہ ساری باتیں سنکر اس نے نہایت تکبر اور غرور سے کہا کہ تم مجھے جہنم کے جیل خانہ سے اور اس بات سے ڈراتے ہو کہ اسپر انیس (۱۹) فرشتے ہیں سو میں ان باتوں کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتا۔ انیس کے لئے میں اکیلا کافی ہوں ان سے نمٹ لوں گا اور رہا جنت کا (جنت کے معنی عربی زبان میں باغ کے ہیں) سو میرے پاس متعدد سرسبز وشاداب باغات ہیں اور جو تم کہتے ہو کہ اس میں حوریں ہیں تو میری زوجیت میں نہایت حسین وجمیل لڑکیاں موجود ہیں اس لئے مجھے نہ آپ کی جنت کی ضرورت ہے اور نہ آپ کے بتائے ہوئے جہنم سے کوئی ڈر ہے۔ نہ میں آپ کے طمع دلانے سے ڈگمگا سکتا ہوں اور نہ آپ کے خوف دلانے سے ڈر سکتا ہوں۔ سو اس شخص کو اپنی تین چیزوں پر تکبر وغرور تھا جس کی وجہ سے اس نے یہ کلمات کفریہ اور متکبرانہ کہے اول طاقت دوسرے مال ودولت، تیسرے عزت ووجاہت اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہی تین چیزیں عموماً غرور تکبر اور نخوت کا باعث ہوتی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو ہمیشہ متکبرین اور مغروروں نے جھٹلایا ہے

اور اسی قسم کے لوگوں نے انکا مقابلہ کیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے
وَقَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا یعنی انکی قوم کے متکبر لوگوں نے اپنے نبی سے (انکا مقابلہ کرتے ہوئے) کہا

غرض اس شخص نے بھی آپ سے یہی کہا کہ کیوں مجھے ڈراتے اور طمع دلاتے ہو۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس مغرور کے جواب میں پوری سورت نازل ہوئی جس کی ابتدائی آیتیں ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں جس میں حق تعالیٰ شانہٗ نے سب سے پہلے مکہ معظمہ کی قسم کھائی مطلب یہ کہ یہ مکہ اللہ تعالیٰ کا نہایت معظم اور محترم شہر ہے۔

علمائے مفسرین نے لکھا ہے کہ خدا تعالےٰ نے جب زمین کو پیدا فرمایا تو سب سے پہلے خانۂ کعبہ کا نقطہ پیدا فرمایا اور یہیں سے پھر ساری زمین پھیلائی گئی اور بچھائی گئی اس طرح کہ سب سے پہلے خانۂ کعبہ جس جگہ ہے اسکو بنایا پھر آس پاس کا شہر بنایا اور پھر باقی روئے زمین بچھائی گئی اور بعض مفسرین کے نزدیک تو آسمان کو پہلے پیدا کیا گیا اور زمین کو بعد میں، مگر جمہور علماء مفسرین کی رائے یہی ہے کہ پہلے زمین پیدا کی گئی اور علامہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی دلیل قرآن کریم سے پیش کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے:۔
جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا۔

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔
وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔

اور محفوظ کا مطلب یہ ہے کہ آج تک نہ اس میں کوئی خرابی پیدا ہوئی نہ کوئی خلل، نہ کوئی شگاف پڑا نہ کبھی مرمت کی ضرورت پیش آئی جیسا بنا دیا تھا ویسا کا ویسا ہی آج تک موجود ہے یہ مطلب ہے محفوظ

ہونے کا غرض دونوں آیتوں کے ملانے سے پتہ چلتا ہے کہ آسمان کو بعد میں پیدا کیا اور زمین کو پہلے بنایا کیونکہ طریقہ تعمیر یہی ہے کہ اول مکان کے نیچے کا حصہ بنایا جاتا ہے پھر چھت ڈالی جاتی ہے۔ نیچے کے حصہ کی تعمیر پہلے ہوتی ہے اور چھت بعد میں ڈالی جاتی ہے اور یہ امر خلاف عقل ہے کہ چھت پہلے بنادی جائے اور بعد میں نیچے کا حصہ تعمیر ہو اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے حتیٰ کہ آسمانوں سے بھی پہلے خانہ کعبہ کو بنایا گیا پھر اسکی عجیب وغریب شان رکھی جس کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ

وادٍ غَيْرِ ذِىْ زَرْعٍ یعنی ایسی وادی کہ جسمیں کھیتی باڑی کا کہیں نام و نشان نہیں۔

جس میں نہ کوئی کھیتی باڑی ہے نہ کہیں سبزہ زار ہے نہ کوئی نہر ہے نہ چشمہ بس ریت کے میدان ہیں اور بے آب وگیاہ پہاڑ اور جب اس پر سورج سمت الراس سے پڑتا ہے تو گرمی بھی نہایت شدت کی پڑتی ہے غرض راحت وآرام کے جملہ سامان مفقود ہیں۔ اس میں حکمت یہ ہے ان چیزوں کی وجہ سے یہاں پر وہی ٹکے گا جسکو خدا تعالےٰ سے تعلق ہوگا کوئی تفریح اور دلبستگی کی وجہ سے وہاں نہیں رہ سکتا۔ غرض یہ شہر اس طرح بنایا کہ اس میں زمین سے بھی مشقت اور آسمان سے بھی مشقت۔ تو اس شہر کی قسم کھانا جو طرح طرح کی مشقتوں سے گھرا ہوا ہے دراصل اشارہ ہے جواب قسم کی طرف کہ یہ جگہ صعوبتوں اور مشقتوں کا مرکز ہے۔ (جاری)

حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

تفصیل الدین

(۱۰)

جیسے کوئی شخص بادشاہ کا مطیع و محبوب ہو تو بادشاہ کبھی اسے اپنے محل کی سیر بھی کرا دیتا ہے کہ دیکھو یہ خزانہ ہے اور یہ چور دروازہ ہے اور یہ ہماری بیگمات کے رہنے کی جگہ ہے یہ آرامگاہ ہے۔ لیکن اگر وہ از خود پوچھنے لگے کہ حضور کی بیگم کہاں رہتی ہے اور خزانہ کہاں ہے؟ تو ایسی بے نقط سنائی جائینگی کہ حواس باختہ ہو جائیں گے۔ پس اسرار کے دریافت کرنے کی درخواست بھی ایسی ہی درخواست کے مشابہ ہے۔ تو میں نے اسرار کی حقیقت بھی بتلا دی انکے معلوم کرنے کا طریقہ بھی بتلا دیا اگر کسی کو شوق ہو تو اس طریقے سے عمل شروع کر دے یعنی اطاعت میں لگ جائے، میں سچ کہتا ہوں کہ تم ہمارے اس کہنے پر عمل کرنے لگو تو پھر تم کو دریافت کی بھی ضرورت نہ ہوگی خود ہی سب حقائق منکشف ہو جائیں گے اور یہ حال ہوگا ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

(تم اپنے اندر بدون کسی کتاب اور استاذ اور بغیر کسی تکرار کرانے والے کے واسطہ کے انبیاء کرام علیہ السلام کے علوم و معارف کا مشاہدہ کروگے) اور جن کو یہ حقائق حاصل ہوئے ہیں محض عمل اور اطاعت ہی سے

حاصل ہوئے ہیں

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ
جز شکستہ می نہ گیرد فضل شاہ

(قرب و قبول خداوندی کا راستہ عقل و خرد کا تیز کرنا اور بڑھانا نہیں ہے یہاں تو فضل الٰہی بس شکستہ حال اور اطاعت شعار لوگوں ہی کے شامل حال ہوتا ہے) یہ اسرار عقل پرستی اور فہم کے تیز کرنے سے نہیں معلوم ہوتے بلکہ شکستگی اور انقیاد سے خدا کا فضل متوجہ ہو جاتا ہے۔ آگے بتلاتے ہیں کہ اس شکستگی پر فضل کس طرح ہوتا ہے

ہر کجا پستی است آب آنجا رود
ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

(جدھر پستی ہوتی ہے پانی ادھر ہی کو جاتا ہے، جہاں کوئی مشکل مسئلہ ہوتا ہے وہیں اسکا حل اور جواب بھی پہونچتا ہے)

ہر کجا دردے دوا آنجا رود
ہر کجا رنجے شفا آنجا رود

(جسے درد ہوتا ہے دوا اسی کو دی جاتی ہے، جہاں بیماری ہوتی ہے وہیں شفا پہونچتی ہے)

پس فضل اطاعت و عبدیت سے ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کو فنا کردے، اپنی عقل و فہم کو ناقص سمجھکر چھوڑ دے۔ فرماتے ہیں ؎

سالہا تو سنگ بودی دلخراش
آزموں را یک زمانے خاک باش

(برسہا برس تم سنگ دلخراش بنکر رہے ہو بطور آزمائش ہی کے سہی تھوڑے دن خاک بنکر دیکھ لو)

یعنی عقل کی اطاعت میں سنگ دل بنے ہوئے تو بہت دن ہوگئے

اس نے کچھ بھی حقیقت نہ تبلائی اب ذرا بطور آزمائش ہی سہی کچھ دنوں خاک ہوکر دیکھو۔ پھر کیا ہوگا فرماتے ہیں ؎

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ
خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

(بہار میں پتھر کہاں سرسبز ہوتا ہے پہلے تم خاک بن جاؤ پھر دیکھو کیسے رنگ برنگ کے پھول اُگتے ہیں)

پھر تمھارے اندر عجیب عجیب علوم القا ہوں گے۔ صاحب یہ ہے طریقہ علوم عالیہ حاصل کرنے کا۔ خوب سمجھ لیجئے۔

عقل کا معارضہ

مگر اس وقت مذاق ایسا فاسد ہوا ہے کہ ہر شخص علوم عالیہ کے درپے ہے اور اپنی عقل سے انکو دریافت کرنا چاہتا ہے حالانکہ عقل سے تو یہ بھی معلوم نہیں ہوسکتا کہ میں کس کا بیٹا ہوں اور میرا باپ کون ہے۔

کانپور میں ایک جنٹلمین نے اپنے باپ کو لکھا تھا کہ یہ کاہے سے معلوم ہوا کہ آپ میرے باپ ہیں اسکی عقلی دلیل کیا ہے اس نے واقعی درایت پر عمل کیا۔ عقل کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ جاہل کی اولاد بھی جاہل ہی ہو، یہ عقل میں کیونکر آسکتا ہے کہ باپ، تو جاہل لٹھ ہو اور بیٹا انٹرنس پاس کرکے فلسفی بن جائے دلیل عقلی تو اس بات کو ثابت کر نہیں سکتی اسی لئے اس نے کہا بتاؤ کاہے سے معلوم ہوا کہ تم میرے باپ ہو اسکا جواب اگر ہے تو یہی ہے کہ دایہ سے پوچھ لے جس نے تجھے ماں کے پیٹ سے جنایا تھا اور ماں سے پوچھ لے کہ وہ کیونکر حاملہ ہوئی تھی۔ تو یہ عقل تو بڑی نکمی چیز نکلی جس سے باپ کا باپ ہونا بھی ثابت نہیں ہوسکتا۔ یہ خرابی ہے عقل کے اتباع میں اسی لئے کہتے ہیں ؎

آزمودم عقل دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

(اپنی دور بیں عقل کو آزماکر دیکھ لیا جب اس سے کچھ کشود کار نہوا تو میں نے دیوانگی اختیار کرلی)

دیوانگی سے مراد اطاعت کاملہ ہے جس میں بلاچوں وچرا اتباع ہو اگر کوئی اس حالت پر ہنسنے لگے تو اسکے جواب میں فرماتے ہیں ؎

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم
مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

(ہم تہی دست ہیں خواہ دیوانے، تاہم اسی ساقی کی نگاہ ناز کے مست اور اسی کے پیمانے کے گرویدہ ہیں)

یعنی جو کوئی ہنسے اس سے کہدو کہ ہماری دیوانگی ہی تمھاری عقل سے اچھی ہے ہمارے نزدیک تو جو ایسا دیوانہ نہیں ہوا وہی دیوانہ ہے

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد
مرعسس را دید و درخانہ نشد

(وہی دراصل دیوانہ ہے جو دیوانہ نہیں بنا، کوتوال کو دیکھا مگر گھر کے اندر نہیں گیا)

تو یہ کیسا بھدا مذاق ہے کہ ہر چیز کو عقل ہی سے معلوم کرنا چاہتے ہو۔ پھر اسکا نتیجہ وہی ہوگا جو اس جنٹلمین میں ظاہر ہوا کہ باپ سے بھی دلیل عقلی مانگتا تھا اسکے باپ ہونے پر۔ جب یہ لوگ خدا و رسول کے ساتھ بھی عقل سے معارضہ کرتے ہیں تو باپ کے ساتھ کریں تو کیا تعجب ہے؟ مگر افسوس یہ ہے کہ باپ کے ساتھ ایسا معارضہ کیا جائے تو باپ کو بھی ناگوار ہوتا ہے اور وہ ایسے بیٹے کو نالائق سمجھکر عاق کردیتا ہے اور دنیا بھی اسکو برا بھلا کہتی ہے، مگر احکام خدا و رسول کے ساتھ

کوئی یہ برتاؤ کرے تو نہ باپ اسے کچھ کہتا ہے نہ دنیا والے کچھ کہتے ہیں۔
صاحبو! کچھ تو انصاف کرو کہ جس عقل کا معارضہ آپ کو اپنے ساتھ بھی گوارا نہیں وہ معارضہ خدا اور رسول کے ساتھ کیونکر گوارا کیا جاتا ہے۔
میں اسی کی شکایت کر رہا تھا کہ بعض لوگوں نے اتباع عقل سے عقائد میں اتنا اختصار کر لیا ہے کہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے کے اعتقاد ہی کو ایمان کے لئے کافی سمجھتے ہیں بقیہ معادیات (اُمورِ اخرویہ) کی تصدیق کو ایمان کے لئے ضروری نہیں سمجھتے اور بعض نے یہ غضب کیا کہ محمد رسول اللہ کو بھی اڑا دیا کیونکہ حدیث میں تو اتنا ہی آیا ہے مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ (جو لا الہ الا اللہ کہے گا جنت میں داخل ہو جائے گا) اس میں محمد رسول اللہ کی قید کہاں ہے چنانچہ انھوں نے کہہ دیا کہ جو شخص موحد ہو خواہ کسی مذہب کا ہو اور گو رسالتِ محمدیہ کا منکر ہو وہ جنتی اور ناجی ہے۔ میں اسوقت ان لوگوں کا نام نہیں لینا چاہتا مگر انکے استدلال پر مجھے ایک حکایت یاد آگئی۔
رامپور میں مجھ سے ایک طالب علم نے کسی ضرورت کے لئے وظیفہ پوچھا میں نے کہدیا کہ لاحول کثرت سے پڑھا کرو۔ کچھ دنوں کے بعد وہ پھر ملے اور کہنے لگے کہ میں وظیفہ پڑھتا ہوں مگر نفع نہیں ہوا۔ میں نے ویسے ہی اتفاقاً پوچھ لیا کہ تم نے کیا پڑھا تھا تو آپ کہتے ہیں کہ اسی طرح لَاحَوْل لَاحَوْل لَاحَوْل۔ میں نے کہا کہ تمھارے اس لَاحَوْل پر بھی لاحول۔ تو اگر اس طالب علم کا یہ سمجھنا صحیح تھا تو ان لوگوں کی دلیل بھی صحیح ہو سکتی ہے۔ مگر کون نہیں جانتا کہ لاحول ایک پوری دعا کا پتہ ہے یعنی لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ (حالات کو بدلنے اور ہر قسم کی طاقت وقوت اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے) کا جیسے بسم اللہ ایک پوری آیت کا پتہ ہے اور الحمد پوری سورت کا۔ اسی طرح

قُلْ ھُوَ اللہُ اَحَد اور یٰسین پوری پوری سورت کا پتہ ہے اور الم
ایک پورے سیپارہ کا پتہ ہے
پس اگر ہم کسی سے یہ کہیں کہ نماز میں الحمد پڑھنا واجب ہے
اور یٰسین کا ثواب دس قرآن کے برابر ہے اور وہ اسکا یہ مطلب
سمجھے کہ صرف الحمد نماز میں واجب ہے اور اتنا ہی کافی ہے اور
محض یٰسین یٰسین کہنے کا ثواب دس قرآن کے برابر ہے تو بتلائیے وہ
احمق ہے یا نہیں، اور کیا ہر شخص یہ نہ کہے گا کہ بیوقوف یہ لفظ پتہ کے
طور پر تھا اور اس سے مراد پوری سورت ہے، اسی طرح حدیث میں
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ پورے کلمہ کا پتہ ہے اور مطلب حدیث کا یہ ہے کہ
جو شخص مسلمان ہو جائے وہ جنتی ہے۔

اعتقادِ رسالت کی ضرورت

اب یہ شریعت کے دوسرے مقامات سے پوچھو کہ مسلمان ہونا کسے کہتے ہیں تو
معلوم ہوگا کہ اسکے لئے رسالت محمدیہ کا اعتقاد بھی شرط ہے اور جنت و دوزخ
کا بھی اور ملائکہ کے وجود کا بھی اور تقدیر کے حق ہونے کا بھی اور
پل صراط و وزن اور حساب وکتاب کا قائل ہونا بھی اور فرضیت
صلوٰۃ و زکوٰۃ وصوم و حج کا اقرار بھی الخ مگران عقلمندوں نے صرف
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کو کافی سمجھ لیا۔

بلند شہر میں بھی ایک بڑے عہدہ دار اس خیال کے تھے کہ وہ
بھی صرف توحید کے قائل ہونے کو نجات کے واسطے کافی سمجھتے تھے
میں نے سلر ایک تقریر میں کہا کہ جو رسالت کا قائل نہیں وہ توحید کا بھی
قائل نہیں بدون اقرار رسالت کے توحید کا تحقق ہی نہیں ہو سکتا۔
کیونکہ توحید کے یہ معنی تو ہیں نہیں کہ خدا تعالیٰ کو صرف ایک مان لے چاہے
اسکے ساتھ عیوب سے بھی اسکو متصف مانتا رہے - - - - -

یقیناً اسکو توحید کوئی نہیں کہہ سکتا بلکہ توحید کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالےٰ کو تمام عیوب سے منزہ اور تمام کمالات الوہیت کے ساتھ متصف ماننے جن میں سے ایک کمال صدق کلی ہے جس سے خدا تعالےٰ کو متصف اور کذب سے منزہ ماننا لازم ہے اور جو شخص منکرِ رسالت ہے وہ حق تعالےٰ کو کاذب قرار دیتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ تو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ (محمد اللہ کے رسول ہیں) فرمارہے ہیں اور یہ اس میں حق تعالےٰ کو صادق نہیں مانتا تو ایک عیب سے خدا کو موصوف مانتا ہے اور یہ توحید نہیں۔ پس منکرِ رسالت موحد نہیں ہو سکتا۔ (اور ہم قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر عقلی و نقلی دلائل ہر وقت قائم کر سکتے ہیں)۔

پھر میں نے کہا کہ اسکے جواب کیلئے قائل کو میں دس برس کی مہلت دیتا ہوں آخر میں وہ سمجھ گئے تھے اور اس عقیدہ سے توبہ کر لی تھی۔ اسکے بعد جو ملاقات ہوئی تو اس وقت وہ صحیح عقیدے پر جمے ہوئے تھے اور اب وہ خیال نہ رہا تھا۔ تو ان بعض نے تو عقائد میں سے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کا اختصار کیا تھا جنکی غلطی معلوم ہوگئی۔

بعض نے عقائد میں اختصار نہیں کیا مگر وہ اعمال کا اختصار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ نجات کے لئے مسلمان ہونا کافی ہے اور مسلمان توحید و رسالت کے اقرار سے ہو جاتا ہے پھر اور چیزوں کی کیا ضرورت ہے اور دلیل وہی کہ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اٰنی مَعَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ الخ (یعنی جس نے توحید و رسالت کا اقرار کر لیا وہ جنت میں داخل ہو جائیگا)

اجزاء دین کی اہمیت

صاحبو! یوں تو اسکا اصل جواب بہت عمیق ہے مگر میں اسوقت ایک موٹی سی بات عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کو کافی سمجھنا ایسا ہے جیسے ایک شخص نے نکاح کے وقت ایجاب و قبول کیا ہو اور جب بیوی اس سے

نفقہ و کپڑا مانگے تو کہنے لگے میں نے تو صرف تجھے قبول کیا تھا کھانا کپڑا کب قبول کیا تھا یہ میرے ذمہ نہیں تو بتلائیے کیا اسکی بات قبول کیجائیگی ہرگز نہیں بلکہ ہر شخص یہ کہیگا کہ بیوقوف! بیوی کا قبول کرنا نکاح کے سب لوازم کو قبول کرنا ہے اور ساری برادری اسکو احمق بنائے گی۔ صاحبو! اسی طرح لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنا تو مذہب کو قبول کرنا ہے یہ محض ایجاب وقبول ہے جس میں سارے لوازم مذہب کا قبول داخل ہے۔

حضرات! یہ سب کم فہمی کی باتیں ہیں جو آجکل کیجاتی ہیں بلکہ کم فہمی بھی نہیں یوں کہنا چاہیئے کہ کم فہم بن گئے ورنہ کیا وجہ ہے کہ جو برتاؤ خدا اور رسول کے ساتھ کیا جاتا ہے وہی برتاؤ بیوی اور برادری کے ساتھ کیوں نہیں کیا جاتا؟ اگر آپ ایسے ہی محقق ہیں کہ بدون لم اور کیف (یعنی کیوں اور کیسے) کے کوئی بات مانتے ہی نہیں اور آپ کے نزدیک ہر چیز کا لازم ہونا صراحۃً قبول کرنے پر موقوف ہے پھر یہاں نکاح کے معاملہ میں لم اور کیف کیوں نہیں کیا جاتا اور نان نفقہ کو بغیر قبول صریح کے کیوں لازم مان لیا جاتا ہے بلکہ ہونا تو یوں چاہیئے تھا کہ مخلوق کے ساتھ لم اور کیف ہوتا اور خدا کے ساتھ نہ ہوتا مگر اب الٹا معاملہ ہے خدا اور رسول کے احکام میں چون چرا اور بیوی برادری کے معاملے میں تسلیم ورضا۔ پس حدیث مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ سے عدم ضرورت اعمال پر استدلال کرنا محض غلط ہے۔

یہ تو وہ لوگ تھے جو عقائد میں اختصار کرتے اور اعمال کو غیر ضروری سمجھتے تھے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

آنکھوں کی حفاظت کیجئے

(۲)

دل کا مائل ہونا اور مچلنا گناہ نہیں پھر آگے دوسرے ملفوظ میں ارشاد فرمایا:-

"بدنگاہی میں ایک درجہ میلان کا ہے جو کہ غیر اختیاری ہے اور اس پر مواخذہ بھی نہیں اور ایک درجہ ہے اسکے مقتضا پر عمل کرنے کا یہ اختیاری ہے اس پر مواخذہ ہے"
(انفاس عیسیٰ)

میلان کا مطلب یہ ہے کہ دیکھنے کا بہت دل چاہ رہا ہے، دل مچل رہا ہے یہ دل کا چاہنا، مچلنا اور مائل ہونا چونکہ غیر اختیاری ہے اس لئے اس پر مواخذہ بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر انشاء اللہ کوئی گرفت نہیں ہوگی، کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ لیکن دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس دل کے چاہنے پر عمل کرلیا اور اسکی طرف نگاہ اٹھادی یہ اختیاری ہے اور اس پر مواخذہ بھی ہے۔ یا نگاہ غیر اختیاری طور پر پڑ گئی تھی اب اس نگاہ کو اپنے اختیار سے باقی رکھا اس پر بھی مواخذہ ہے اور اس پر بھی گناہ ہے۔ تو میلان کا پہلا درجہ جو غیر اختیاری ہے وہ معاف ہے اس پر گرفت نہیں اور دوسرا درجہ اختیاری ہے اسپر مواخذہ بھی ہے۔ آگے فرمایا:-

سوچ کر لذت لینا حرام ہے

"اور اس عمل میں قصداً دیکھنا اور سوچنا سب حرام ہے ہے اور اسکا علاج کفِ نفس اور غضِ بصر ہے (یعنی نفس کو قابو میں کرنا اور نگاہ کو نیچی کرلینا)

کسی اجنبی اور نا محرم عورت کا تصور کرکے لذت لینا یہ بھی اسی طرح حرام ہے جیسے بد نگاہی حرام ہے تو دیکھنا بھی اس میں داخل ہے اور سوچنا بھی اسمیں داخل ہے اور اسکا علاج یہ بتلا دیا کہ نفس کو روکو اور نگاہ کو نیچی رکھو۔ آگے پیچھے ادھر ادھر اور دائیں بائیں دیکھنے کے بجائے زمین کی طرف نگاہ رکھتے ہوئے چلے۔

راستے میں چلتے وقت نگاہ نیچی رکھو

حضرت والا قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالےٰ نے شیطان کو جنت سے نکالا تو جاتے جاتے وہ دعا رمانگ گیا کہ یا اللہ مجھے قیامت تک کی مہلت دے دیجئے اور اللہ تعالےٰ نے اسکو مہلت دیدی اب اس نے اکڑ فوں دکھائی چنانچہ اس وقت اس نے کہا کہ

لَاٰتِیَنَّھُمْ مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ وَمِنْ خَلْفِھِمْ وَعَنْ اَیْمَانِھِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِھِمْ　　(سورہ الاعراف: ۱۷)

یعنی میں ان بندوں کے پاس انکے دائیں طرف سے بائیں طرف سے آگے سے اور پیچھے سے جاؤں گا اور چاروں طرف سے ان پر حملے کروں گا۔

حضرت والا فرماتے ہیں کہ شیطان نے چار سمتیں تو بیان کردیں تو معلوم ہوا کہ شیطان انھیں چار سمتوں سے حملہ آور ہوتا ہے کبھی آگے سے ہوگا کبھی پیچھے سے ہوگا کبھی دائیں سے ہوگا کبھی بائیں سے ہوگا۔

لیکن دو سمتیں وہ چھوڑ گیا انکو نہیں بیان کیا ایک اوپر کی سمت اور ایک نیچے کی سمت اسلئے اوپر کی سمت بھی محفوظ اور نیچے کی سمت بھی محفوظ ہے۔ اب اگر نگاہ اوپر کر کے چلو گے تو ٹھوکر کھا کر گر جاؤ گے اسلئے اب ایک ہی راستہ رہ گیا کہ نیچے کی طرف نگاہ کر کے چلو تو انشاء اللہ شیطان کے چار طرفی حملے سے محفوظ رہو گے۔ اسلئے بلا وجہ دائیں بائیں نہ دیکھو بس اللہ اللہ کرتے ہوئے نیچے دیکھتے ہوئے چلو۔ پھر دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح تمھاری حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ (النور: ۳۰)

"یعنی مومنین سے کہدو کہ اپنی نگاہوں کو نیچی کرلیں" تو خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نگاہ نیچی کرنے حکم فرما دیا پھر آگے اسکا نتیجہ بیان فرما دیا کہ "اسکی وجہ سے شرمگاہوں کی حفاظت ہو جائے گی" اور پاکدامنی حاصل ہو جائے گی۔

یہ تکلیف جہنم کی تکلیف سے کم ہے

حضرت تھانویؒ آگے فرماتے ہیں کہ:۔

"ہمت کر کے ان دونوں کو اختیار کرے گو نفس کو تکلیف ہو مگر یہ تکلیف نارِ جہنم کی تکلیف سے کم ہے"

یعنی اس وقت تو نگاہ کو بچانے سے نفس کو تکلیف ہو رہی ہے لیکن اس بدنگاہی کے بدلے میں جو جہنم کا عذاب ہے اسکی تکلیف کے مقابلے میں یہ تکلیف لاکھوں کروڑوں بلکہ اربوں گنا کم ہے بلکہ یہاں کی تکلیف کو وہاں کی تکلیف سے کوئی نسبت ہی نہیں کیونکہ وہاں کا عذاب غیر متناہی ہے، کبھی ختم ہونے والا نہیں اور یہاں کی تکلیف ختم ہونے والی ہے۔ آگے فرمایا:۔

ہمت سے کام لو

"جب چند روز سے ایسا کیا جائے گا تو میلان میں بھی
کمی ہو جائے گی بس یہی علاج ہے اسکے سوا کچھ علاج
نہیں اگرچہ ساری عمر سرگرداں رہے۔

اسلئے کہ جب انسان محنت ومشقت برداشت کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ نے اسکے لئے وعدہ فرمالیا ہے کہ

" وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (سورۃ العنکبوت)

"یعنی جو شخص ہماری راہ میں مجاہدہ کرے گا اور مشقتیں برداشت کریگا ہم ضرور اسکو اپنے راستے دکھلادیں گے" تو وہ مجاہدہ کرنے والے کو راستہ دکھلا دیتے ہیں۔ لہٰذا مجاہدہ کر کے نظر نیچی کرلو گے تو بالآخر اللہ تعالےٰ میلان بھی کم فرمادیں گے۔ انشاء اللہ۔ بس یہی علاج ہے اسکے سوا کچھ علاج نہیں۔ اگرچہ ساری عمر سرگرداں رہو، لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جب ہم شیخ کے پاس جائیں تو شیخ ایسی پھونک مارے یا ایسا نسخہ پلادے یا ایسا وظیفہ پڑھ دے کہ بس یہ میلان ختم ہو جائے۔ ارے بھائی ایسا نہیں ہوا کرتا جب تک انسان ہمت سے کام نہ لے۔

دو کام کرلو

دیکھو دو کام کرلو ایک ہمت کو استعمال کرو، دوسرے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرو۔ ہمت کے استعمال کا مطلب یہ ہے کہ اپنے کو حتی الامکان جتنا بچا سکتے ہو بچالو اور "رجوع الی اللہ" کا مطلب یہ ہے کہ جب کبھی ایسی آزمائش پیش آئے تو فوراً اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کرکے کہو یا اللہ! اپنی رحمت سے مجھے بچا لیجئے، میری آنکھ کو بچا لیجئے میرے خیالات کو بچا لیجئے اگر آپ نے مدد نہ فرمائی تو میں مبتلا ہو جاؤں گا۔

حضرت یوسفؑ کی سیرت اپناؤ

حضرت یوسف علیہ السلام جب آزمائش میں مبتلا ہوئے تو انھوں نے بھی یہی کام کیا کہ اپنی طرف سے کوشش کی چنانچہ جب زلیخا نے چاروں طرف دروازوں میں تالے ڈال دیئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت دی اسوقت حضرت یوسف علیہ السلام اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ دروازوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں اور نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے مگر حضرت یوسف دروازوں کی طرف بھاگ پڑے اب جب آنکھوں سے نظر آرہا ہے کہ دروازوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں تو بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟ راستہ تو ہے نہیں مگر چونکہ اپنے اختیار میں تو اتنا ہی تھا کہ دروازے تک بھاگ جاتے چنانچہ جب اپنے حصہ کا کام کرلیا اور اپنے اختیار میں جو تھا وہ کرلیا اور دروازے تک پہونچ گئے تو اب اللہ تعالیٰ سے یہ کہنے کے حقدار ہوگئے کہ یا اللہ! میرے اختیار میں تو بس اتنا ہی تھا، میرے بس میں اس سے زیادہ نہیں، اب آگے تو آپ کے کرنے کا کام ہے۔ تو جب اپنے حصہ کا کام کرکے اللہ تعالیٰ سے مانگ لیا کہ یا اللہ تعالیٰ باقی آگے کا کام آپ کے قبضہ میں ہے تو پھر اللہ تعالےٰ نے بھی اپنے حصے کا کام کردیا اور انھوں نے بھی دروازوں کے تالے توڑ دیئے اسی بات کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کتنے خوبصورت انداز میں بیان فرماتے ہیں ؎

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید
خیرہ یوسف وار می باید دوید

اگرچہ تمھیں اس دنیا کے اندر کوئی راستہ اور کوئی پناہ گاہ نظر نہیں آرہی ہے چاروں طرف سے گناہوں کی دعوت دی جارہی ہے لیکن تم اس طرح دیوانہ وار بھاگو جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام بھاگے تھے

تم جتنا بھاگ سکتے ہو اتنا تو بھاگ لو باقی اللہ سے مانگو۔ بہرحال اگر انسان یہ دو کام کرلے ایک اپنی استطاعت کی حد تک کام کرلے اور دوسرا اللہ سے مانگے، یقین کیجئے دنیا میں کامیابی کا سب سے بڑا راز یہی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا طرز اختیار کرو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہٗ کبھی بڑی بڑی عجیب باتیں ارشاد فرمایا کرتے تھے، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو تین دن تک مچھلی کے پیٹ میں رکھا، اب وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا چاروں طرف تاریکیاں اور اندھیریاں چھائی ہوئی تھیں اور معاملہ اپنے بس سے باہر ہو گیا تھا بس اسوقت ان تاریکیوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارا اور یہ کلمہ پڑھا

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

کہ "آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ پاک ہیں میں بیشک قصوروار ہوں" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب اس نے ہمیں تاریکیوں کے اندر پکارا تو پھر ہم نے یہ کیا

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ

(سورہ الانبیاء: ۸۸)

"یعنی ہم نے اسکی پکار سنی اور ہم نے اس گھٹن سے اسکو نجات عطا فرمادی" چنانچہ تین دن کے بعد مچھلی کے پیٹ سے نکل آئے۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیتے ہیں اور دینگے"۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ تم ذرا سوچو تو سہی! کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں کیا لفظ ارشاد فرمایا کہ ہم مومنوں کو اسی طرح نجات دینگے۔

کیا ہر مومن پہلے مچھلی کے پیٹ میں جائے گا اور پھر وہاں جاکر اللہ تعالیٰ کو پکارے گا تو اللہ تعالیٰ اسکو نجات دیں گے؟ کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے؟ آیت کا یہ مطلب نہیں بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ کی تاریکیوں میں گرفتار ہوئے تھے اسی طرح تم کسی اور قسم کی تاریکیوں میں گرفتار ہو سکتے ہو لیکن وہاں بھی تمھارا سہارا وہی ہے جسے حضرت یونس علیہ السلام نے اختیار کیا تھا، وہ یہ کہ ہمیں ان الفاظ سے پکارو

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

جب تم ان الفاظ سے ہمیں پکارو گے تو تم جس قسم کی تاریکی میں گرفتار ہوگے ہم تمھیں نجات دے دیں گے۔

ہمیں پکارو

لہٰذا جب نفس کے تقاضوں کی تاریکیاں سامنے آئیں ماحول کی ظلمتیں اور تاریکیاں سامنے آئیں تو اس وقت تم ہمیں پکارو، یا اللہ ان تاریکیوں سے ہمیں بچا لیجئے، ان تاریکیوں سے نکال دیجئے، ان اندھیروں سے باہر کر دیجئے، انکے شر سے محفوظ فرمائیے، جب دعا کرو گے تو ممکن نہیں کہ یہ دعا قبول نہ ہو۔

دنیاوی مقاصد کیلئے دعا کی قبولیت

دیکھئے جب انسان کسی دنیوی مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے مثلاً یہ دعائیں کرتا ہے کہ یا اللہ مجھے صحت دے دے، یا اللہ مجھے پیسے دے دے، یا اللہ مجھے فلاں ملازمت دے دے، یا اللہ مجھے فلاں عہدہ دے دے، ویسے تو ہر دعا قبول ہوتی ہے مگر قبولیت کے انداز مختلف ہوتے ہیں بعض اوقات تو وہی چیز اللہ تعالیٰ دیدیتے ہیں جو مانگی تھی مثلاً پیسہ مانگا تھا اللہ تعالیٰ نے پیسہ دیدیا، یا اللہ تعالیٰ سے کوئی منصب مانگا تھا وہ دیدیا لیکن

بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ انسان اپنی بیوقوفی اور نادانی کیوجہ ایسی چیز مانگ رہا ہے کہ اگر میں نے اسکو دیدی تو وہ چیز اسکے لئے عذاب ہوجائے گی۔ مثلاً یہ پیسہ مانگ رہا ہے لیکن اگر میں نے اسکو پیسہ دے دیا تو اسکا دماغ خراب ہوجائے گا اور یہ فرعون بن جائے گا اپنی دنیا بھی خراب کرے گا اور آخرت بھی خراب کرے گا اسلئے ہم اسکو زیادہ پیسے نہیں دیتے یا مثلاً ایک شخص نے کوئی عہدہ یا منصب مانگ لیا لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اگر یہ عہدہ یا منصب اسے مل گیا تو یہ معلوم نہیں کیا کیا فساد برپا کرے گا اسلئے بعض اوقات وہ چیز دینا مناسب نہیں ہوتا جو اس نے مانگی ہے اسلئے اسکے بجائے اللہ تعالیٰ اس سے اچھی چیز دیدیتے ہیں۔

دینی مقصد کی دعاء ضرور قبول ہوتی ہے

لیکن اگر کوئی شخص دین مانگ رہا ہے اور یہ دعاء کر رہا ہے کہ یا اللہ مجھے دین پر چلا دیجئے، مجھے سنت پر چلا دیجئے مجھے گناہوں سے بچا لیجئے تو کیا اس میں اس بات کا امکان ہے کہ دین پر چلنے میں نقصان زیادہ ہے اور کسی اور راستے پر چلنے میں نقصان کم ہے اور اللہ تعالیٰ دین کے بجائے اسے دوسرے راستے پر چلا دیں؟ چونکہ اس بات کا امکان ہی نہیں لہٰذا وہ دعاء جو دین کے لئے مانگی جاتی کہ یا اللہ مجھے دین عطا فرما دے، یا اللہ مجھے گناہوں سے بچا لے، یا اللہ! مجھے طاعات عطا فرما۔ یہ دعائیں تو ضرور قبول ہوتی ہیں اس میں قبول نہونے کا کوئی امکان ہی نہیں اسلئے جب بھی اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگو تو اس یقین کے ساتھ مانگو کہ ضرور قبول ہوگی (جاری)

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مُدیر:۔ احمد مکین

شمارہ نمبر ۱۲ ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ مطابق اپریل ۲۰۰۰ء۔ جلد: ۲۳

قیمت فی پرچہ نو روپئے سالانہ زر تعاون ۹۰ روپیہ ششماہی ۵۰ روپئے

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان ۱۰۰ روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین ۔ ۲۳/۲۵ ۔ بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۵۶۱۸۳

S.T.D code No 0532

پرنٹر ۔ پبلشر ۔ مولوی احمد متین سٹی آفسیٹ پریس ۔ بخشی بازار ۔ الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

جنوری ۲۰۰۰ء سے رسالہ وصیۃ العرفان کا زرِ تعاون حسب ذیل ہوگا

سالانہ	نوّے ۹۰ روپیہ
ششماہی	پچاس ۵۰ "
فی پرچہ	نو ۹ "

پیش لفظ

اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

اس عالم فانی میں فنا و تغیر گو ہر ایک کا مقدر ہے تاہم بعض شخصیتوں کی جدائی سے رنج و غم ہونا طبعی و فطری ہے۔ ابھی ماضی قریب میں بزم وصی اللّٰھی کے ایک روشن چراغ، مجلس افتاء کے صدر نشیں، علم و فضل کے نیر تاباں، زہد و تقوی کے پیکر، اخلاق و اوصاف حمیدہ کے حامل حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب علیہ الرحمہ ۲۶ر فروری ۲۰۰۰ء میں اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کا تعلق حضرت مصلح الامۃ قدس سرہ سے نہایت گہرا تھا اس تعلق و محبت کی گیرائی و گہرائی کا یہ اثر تھا کہ وہ حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی سے نہایت گہرا اور خصوصی تعلق رکھتے تھے، خانقاہ اور اہل خانقاہ سے محبت و الفت کا رشتہ رکھتے، گاہ بگاہ اپنے گرامی نامہ سے مجھ کودک کی حوصلہ افزائی فرماتے اور دعائے خیر سے نوازتے۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی اس ادارے سے محبت و تعلق کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے کہ ادارہ کی جانب سے انھیں بارہا لکھا گیا اور ملاقات ہونے پر بھی عرض کیا کہ حضرت یہ رسالہ آپ کی خدمت میں اعزازی ارسال کیا جارہا ہے آپ زر تعاون ارسال نہ کیا کریں لیکن مفتی صاحب علیہ الرحمہ کا یہ حال تھا سال پورے ہونے سے قبل ہی کچھ زائد رقم کے ساتھ منی آرڈر روانہ فرماتے اور یہ

لکھتے کہ یہ رقم حضرتؒ کے ادارے کے لئے میری طرف سے ہدیہ ہے غرض کہ حضرت مفتی صاحبؒ اس کارخیر میں اس طرح شریک ہو گئے۔ بلاشبہ مفتی صاحبؒ فقیہ تھے ان کے فقیہانہ ذہن نے ایک خوبصورت سبیل پیدا کرلی، ہماری درخواست بھی قبول کرلی نیز ادارے کو زیر باری سے بھی بچالیا۔ شاعر نے سچ کہا ہے ؎

محبت خود سکھا دیتی ہے آداب محبت کو
ذرا آہستہ آہستہ ادھر رجحان پیدا کر

ماضی کی طرح خداوند قدوس نے عصر حاضر میں بھی ایسے فقہاء و علماء پیدا فرمائے جنھوں نے اپنی کاوشوں اور تصنیف و تحقیق کے ذریعہ امت مسلمہ پر عظیم احسان فرمایا اس صدی کے جن علماء و فقہاء نے یہ خدمت انجام دی ہے ان میں قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، عارف باللہ حضرت مفتی مولانا عزیز الرحمن صاحبؒ دیوبندی اور حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب وغیرہم سر فہرست ہیں اسی سلسلہ کی ایک کڑی حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب قدس سرہٗ بھی تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کو جدید مسائل اور انکے حل کے سلسلہ میں حق تعالےٰ نے غیر معمولی مہارت عطا فرمائی تھی۔ اسکا اندازہ نظام الفتاوی کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔

ولادت باسعادت ماہ ذی قعدہ ۱۳۲۸ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۱۰ء کو بمقام اندارا ضلع اعظم گڈھ (مئو) میں ہوئی۔ ابتداءً عصری تعلیم اہل خانہ نے دینی چاہی، دس سال کی عمر میں پرائمری درجہ میں چار پاس کیا لیکن بچپن سے ہی بزرگوں کو خواب میں دیکھتے نیز اپنے ماموں حاجی عبدالقیوم صاحب

سے علماء دیوبند کے واقعات وبیانات کو سنتے یہی چیزیں باعث کشش بن گئیں۔ عصری علوم سے انحراف کرکے دینی علوم کی طرف مائل ہو گئے، درجہ چار پاس کرنے کے بعد مزید آگے پڑھنے سے انکار کردیا اگرچہ خاندان والوں بالخصوص والد محترم کا بیحد اصرار تھا کہ انگریزی تعلیم حاصل کرو جہاں تک پڑھنا چاہو گے پڑھاؤں گا ایک موضع کی پوری آمدنی اسی پر صرف کرونگا مگر یہ تمام ترغیبات بے اثر رہیں اور اصرار و انکار میں ایک سال ضائع ہوگیا بالآخر فیصلہ حضرت مفتی صاحبؒ کے حسب منشا رہا اور آپنے انجمن اسلامیہ گورکھپور میں کلام پاک ناظرہ ختم کیا چھ ماہ قیام کرکے ماحول نامساعد ہونے کی بنا پر واپس گھر تشریف لائے اور کئی ماہ گذر گئے اسی درمیان آپکی خالہ جو مبارک پور میں رہا کرتی تھیں تشریف لائیں عربی پڑھنے کا شوق دیکھکر اپنے ہمراہ قصبہ مبارک پور لائیں اور مدرسہ احیاء العلوم میں داخل کرایا یہیں سے باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوتا ہے۔ اردو فارسی کا نصاب مکمل کرکے عربی کی تعلیم شروع ہوگئی اسی دوران عارف باللہ حضرت مولانا الشاہ وصی اللہ علیہ الرحمہ مدرسہ احیاء العلوم میں مدرس ہوکر تشریف لائے مفتی صاحب کی فراست مومنانہ نے جوہر یکتا کی شناخت میں غلطی نہیں کی علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے لئے مرشد و مربی اور استاد و شیخ سب کچھ بنا لیا اپنے شیخ کی خدمت کو لازم پکڑ کر موصوف ہی کے پاس رہے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد کچھ عرصہ بہار شریف کے مدرسہ عزیزیہ اور دہلی کے مدرسہ عالیہ فتحپوری میں حصول علم کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہیں سے سنہ ۱۳۵۲ھ میں فراغت حاصل کی۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد اولاً جین پور اعظم گڈھ،

اسکے بعد مدرسہ جامع العلوم گورکھپور میں تدریسی خدمات انجام دیں اسکے بعد اپنے شیخ و مرشد کے حکم سے دارالعلوم مئو میں تشریف آوری ہوئی اور تقریبًا پچیس سال تک درس و تدریس و فتاویٰ نویسی کے امور جلیلہ میں مشغول رہے ۔ دارالعلوم مئو کے قیام کے دوران ہی حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمہ کی جانب سے اجازت بیعت و تلقین بھی حاصل ہوئی ۱۳۸۵ھ میں اپنے شیخ حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمہ کے حکم سے دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور فتاویٰ نویسی کے عہدے پر فائز ہوئے تاحیات اس خدمت دین کی انجام دہی میں مصروف رہے ۔

تصانیف ، آپکے تحریر کردہ فتاوی ہزاروں سے زائد رجسٹروں میں محفوظ ہیں اسکے علاوہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی کتاب "فتح الرحمٰن فی اثبات مذہب النعمان کی تبییض فرمائی ۔ (۱) اقسام الحدیث فی اصول التحدیث (۲) اصول حدیث ترجمہ اردو (۳) آسان علم صرف دو حصہ (۴) آسان علم نحو (۵) رویت ہلال کی شرعی حیثیت (۶) سراج الوارثین شرح سراجی تصنیف فرمائیں ۔

اللہ تعالیٰ موصوف کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے ۔

ایک اعلان

جیساکہ قارئین رسالہ جانتے ہیں کہ خانقاہ حضرت مصلح الامۃ قدس سرہٗ کی طرف سے قربانی کا نظم کیا جاتا ہے الحمد للہ امسال بھی ان سب ہی لوگوں کی جانب سے بغیر ادا کر دیا گیا جنھوں نے رقوم اور ناموں کی فہرست بذریعہ ٹیلیفون یا خط روانہ کرکے رابطہ قائم کیا رقم موصول ہو جانے پر بذریعہ پوسٹ کارڈ مطلع کر دیا جاتا تھا چونکہ قربانی کرانے کے بعد انفرادی طور پر ہر شخص کو مطلع کرنا مشکل ہے لہٰذا اس رسالہ کے ذریعہ تمام شرکاء کو اطلاع دیجاتی ہے کہ الحمد للہ سب ہی کی جانب سے قربانی کرادی گئی ادارہ ان تمام احباب کا ممنون ہے جو اس سلسلہ کی بالواسطہ مدرسہ وصیۃ العلوم کی اعانت کرتے ہیں ۔ رب العزت والجلال ان تمام لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے اور انکی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے ۔

مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ

شریعت اور طریقت

مشائخ کی حیثیت

میں نے علیگڈھ میں بیان کیا تھا کہ مشائخ مستقل نہیں ہیں بلکہ اصل مطاع و متبوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مشائخ آپکے پس رو اور مقلد ہیں اسی واسطے انکی بھی اتباع کیجاتی ہے جو شیخ یا ولی استقلال کا دعویٰ کرے وہ حقیقتاً شیخ اور ولی ہی نہیں۔ علماء محققین اور مشائخ نے اس مسئلہ کو کتابوں میں بھی لکھدیا ہے اور ہر زمانے میں اسکو سمجھانے کی پوری کوشش فرمائی ہے۔

باقی علیگڈھ میں چونکہ مجھے مضامین بہت سے بیان کرنے تھے اسلئے اس مسئلہ پر مختصر ہی کلام کیا گیا تھا لیکن چونکہ یہ مسئلہ نہایت ضروری اور مہتم بالشان ہے اسلئے جی چاہتا ہے کہ اس پر مفصل گفتگو کروں۔ سنیئے

وقد ارسل الله تعالیٰ رسلاً	اللہ تعالیٰ نے انسانوں کیجانب انسانوں ہی میں سے
من البشر الی البشر مبشرین لاھل	رسول بھیجے جو کہ اہل ایمان اور مطیعین کو جنت اور ثواب کی
الایمان والطاعۃ بالجنۃ والثواب	بشارت دینے والے ہیں اور اہل کفر و عصیان کو دوزخ اور عقاب سے
ومنذرین لاھل الکفر والعصیان	ڈرانے والے ہیں اسلئے کہ یہ ایمان و طاعت اور جنت و ثواب اسی
بالنار والعقاب فان ذالک مما	طرح سے کفر و عصیان اور دوزخ و عقاب یہ سب ایسی چیزیں
لاطریق للعقل الیہ وان کان فبانظار	ہیں کہ عقل محض انکی جانب رسائی کیلئے کافی نہیں اور اگر کافی بھی ہو
دقیقۃ لایتیسر الا لواحد بعد	تو مخصوص ہی لوگوں کیلئے کافی ہے ہر شخص کیلئے ان دلائل
واحد ومبینین للناس فی ما	کا سمجھنا آسان نہیں لہٰذا انبیاء کی معرفت کیلئے اللہ تعالیٰ نے

یحتاجون الیہ من امور الدنیا والدین وایدھم بالمعجزات الناقضات للعادات۔ انکے دعوئے نبوت کی تائیدیں فرمائی کہ انکے ہاتھوں پر معجزات صادر فرمائے جو خلاف عادت ہونے کی وجہ سے ان حضرات کے منجانب اللہ مرسل ہونے کیلئے بمنزلہ دلیل کے تھے۔ (شرح عقائد ص۹۴)

آگے اس بحث رسالت کے بعد ہی علامہ نسفیؒ نے ولایت وکرامت کی بحث کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں وَكَرَامَاتُ الْاَوْلِيَاءِ حَقٌّ فَتَظْهَرُ الْكَرَامَةُ عَلٰى طَرِيْقِ نَقْضِ الْعَادَةِ یعنی اولیا رکرام کی کرامات حق ہیں اور یہ کرامات انکے ہاتھوں پر بطور نقض عادات کے صادر ہوتی ہیں۔

ولی کی تعریف

دیکھئے اس سے قبل رسالت کی بحث میں معجزات کو جو کہ خارق عادت ہوتے ہیں رسالت کیلئے دلیل بنائی تھی۔ اسی طرح یہاں ولایت کے لئے کرامت کو بمنزلہ دلیل کے بنایا گیا کہ وہ بھی نقض عادت ہی کا نام ہے۔ غرض نبوت ولایت کے اس تشابہ، ہمجنسی اور اشتراک سے اس جانب تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ ولایت فرع ہے نبوت کی اور کرامت فرع ہے معجزہ کی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ولی حقیقتاً وہی ہے جو نبی کا متبع اور نائب رسول ہو چنانچہ شرح عقائد میں ولی کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ۔

هُوَ الْعَارِفُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى وَصِفَاتِهٖ حَسْبَ مَا يُمْكِنُ الْمُوَاظِبُ عَلَى الطَّاعَاتِ الْمُجْتَنِبُ عَنِ الْمَعَاصِيْ الْمُعْرِضُ عَنِ الْاِنْهِمَاكِ فِى اللَّذَّاتِ وَالشَّهَوَاتِ۔

یعنی ولی وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کا عارف ہو اسکی صفات کا عارف ہو طاعات پر مواظب ہو معاصی سے مجتنب ہو اور لذات وشہوات میں انہماک سے بچتا ہو پھر کچھ دور آگے چل کر فرماتے ہیں کہ

ولن یکون ولیا الا ان یکون محقا فی دیانتہ ودیانتہ الاقرار کوئی شخص ولی نہیں ہو سکتا جب تک اپنی دیانت میں محقق نہ ہو اور دیانت میں محقق ہونے کا مطلب ہے

بالقلب واللسان برسالۃ رسولہ مع الطاعۃ لہ فی اوامرہ و نواھیہ حتی لوادعی ھٰذا الولی الاستقلال بنفسہ وعدم المطاوعۃ لم یکن ولیاً۔ (شرح عقائد ص۱۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا قلب و لسان سے مقر ہو یعنی دل سے آپکی تصدیق کرتا ہو زبان سے اقرار کرتا ہو اور جملہ اوامر و نواہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہو یعنی عقائد و عبادات کے علاوہ معاملات و معاشرت و اخلاق میں بھی متبع سنت ہو (مطلب یہ کہ لوگوں کے ساتھ معاملات کرنے میں اور اپنے پاس آنے جانے والوں کے ساتھ برتاؤ رکھنے اور ان کے ساتھ اخلاق سے پیش آنے میں متبع سنت ہو یعنی اسکے برتاؤ کو دیکھکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق یاد آجائیں اور اپنے ظاہر باطن دونوں کو شرع کے مطابق کئے ہو) تب اسکو ولی کہا جائیگا اگر اس نے کسی شعبہ میں بھی آپ کی متابعت کو ضروری نہ جانا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ اپنے آپ کو مستقل گردانا تو وہ ولی نہ ہوگا (بلکہ اگر اپنے کو مستقل سمجھتے ہوئے زبان سے شریعت سے استغنا ظاہر کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا انکار کرتا ہے تب تو یہ بالکل ہی کفر ہے اور اگر اسکے عمل سے دعویٰ پایا جاتا ہے لیکن زبان سے سنت و شریعت کا اقرار ہے اور دل سے تصدیق بھی ہے تب بھی یہ فسق تو ہے ہی)۔

دیکھئے یہ عقیدہ کی کتاب ہے اسلئے مسلمانوں کو اپنے تمام عقائد اسی کے مطابق رکھنے چاہئیں چنانچہ ولایت کے بارے میں بھی یہی عقیدہ رکھنا چاہئے کہ کوئی شخص ولی نہیں ہو سکتا جب تک دیانت میں محق نہ ہو یعنی دین و دیانت اسکی پہلے دیکھی جائیگی اور یہی معیار ہوگا اسکی ولایت کا۔

ولی کے متعلق حضرت مصلح الامۃؒ کا ارشاد گرامی

میں کہتا ہوں کہ علماء عقائد نے ولی کی جو یہ تعریف بیان کی ہے تو یہ کتاب و سنت ہی سے ماخوذ ہے اسلئے کہ قرآن شریف میں آیا ہے اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ یعنی سن لو اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جن پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ لوگ غمگین ہونگے " آگے اولیاء اللہ کی تعریف فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ

کون لوگ ہیں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ یعنی جو لوگ ایمان لے آئے ہر اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس آئی، اور وہ لوگ نہی کرنے اور نہ کرنے کے کاموں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

(روح المعانی)

اور تفسیر مظہری میں ہے کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ حقیقت ایمان کے ساتھ متصف ہیں اور چونکہ ایمان کا محل قلب ہے اسلئے کمال ایمان یہ ہے کہ قلب ذکر اللہ کے ساتھ مطمئن ہو اور ذرا دیر کے لیے بھی اس سے غفلت نہو اور غیر اللہ کی جانب اصلا التفات نہو ونعم ما قیل ؎

ہر کس ترا شناخت جاں را چہ کند فرزند و عیال و خانماں را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

(تفسیر مظہری ص ۳۹ پ ۱۱)

ترجمہ: یعنی جس نے تجھے پہچان لیا وہ اب اپنی جان کو لیکر کیا کریگا نیز اپنے فرزند و زن اور خاندان کو لیکر کیا کرے گا جس کو تو نے اپنا دیوانہ بنا لیا تو اسکو تو نے گویا دونوں جہان ہی بخش دیا لیکن جو تیرا دیوانہ ہوگیا تو وہ اب دونوں جہاں کو لیکر کیا کرے گا؟

دیکھا آپ نے ولی کی تعریف خود قرآن شریف میں موجود ہے کہ ولی مومن متقی کو کہا جاتا ہے یعنی جو کامل ایمان رکھتا ہو، اللہ کی ذات و صفات کو مانتا ہو، اللہ کے فرشتوں پر ایمان رکھتا ہو، اللہ کی کتابوں پر یقین رکھتا ہو، اللہ تعالےٰ کے رسولوں کی تصدیق کرتا ہو، قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور تقدیر پر ایمان رکھتا ہو، اور متقی ہو یعنی جملہ اوامر و نواہی کا اہتمام رکھتا ہو، پھر اب اس تعریف کے ہوتے ہوئے کسی اور تعریف کی ضرورت

ہی کیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص مومن و متقی ہو گا تو ضرور بالضرور متبع سنت بھی ہو گا اسلئے کہ بدون اتباع سنت کے قول میں، فعل میں اور حال میں انسان متقی ہو ہی نہیں سکتا۔

مرشد کامل کے شرائط یہی وجہ ہے کہ علماء نے شیخ اور مرشد کامل کیلئے جو شرائط بیان کئے ہیں ان میں حق تعالیٰ سے قلبی نسبت کا ہونا تو شرط کہا ہی ہے طاعات مؤکدہ بلکہ اذکار ماثورہ پر مواظبت کو بھی شرط قرار دیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ شخص کامل متبع سنت ہے۔ جیسا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور و معروف کتاب "القول الجمیل" میں مرشد کے لئے پانچ شروط کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ زاہد فی الدنیا ہو (یعنی دنیا کا تارک ہو) اور راغب فی الآخرت ہو نیز طاعات موکدہ اور اذکار منقولہ یعنی ادعیہ مسنونہ کا محافظ اور ان پر مداوم (پابندی کرنے والا) ہو۔ نیز حق تعالیٰ سے اسکے دل کا تعلق دائمی ہو۔ ملکہ یادداشت اسکو حاصل ہو گیا ہو دیکھئے اس میں اذکار ماثورہ پر مواظبت کو بھی مرشد کیلئے لازم قرار دے رہے ہیں۔ پس مجھے یہاں اصالتاً تو صرف اسی شرط کا بیان مقصود تھا لیکن تتمیماً للفائدہ (یعنی تکمیل فائدہ کیلئے) اور دوسری شرطوں کا بھی ذکر کرتا ہوں۔ مثلاً ایک شرط شیخ کے لئے یہ ہے کہ کتاب و سنت کا عالم ہو، چنانچہ کتاب و سنت کے علم میں اگر اعلیٰ مرتبہ اسکو نہ بھی حاصل ہو تاہم تفسیر جلالین اور مشکوٰۃ کا علم تو اسکو ہونا ہی چاہیئے۔ اسی طرح سے ایک شرط یہ ہے کہ اسکے اندر عدالت و تقویٰ ہو جس کی وجہ سے وہ کبائر سے بچتا ہوا اور صغائر پر اصرار نہ کرتا ہو۔ اسی طرح ایک شرط یہ ہے

کہ بیعت لینے والا مشروع کا امر کرتا ہو اور خلاف شرع امور سے روکتا ہو اور اپنی رائے میں مستقل ہو یعنی وہ ہرجائی نہ ہو جس کے لئے نہ کوئی رائے ہو نہ امر بلکہ صاحب مروت ہو اور عقل کامل رکھتا ہو تاکہ اس پر اعتماد کیا جائے۔ اسی طرح سے ایک شرط یہ ہے کہ بیعت لینے والا خود بھی کسی مرشد کامل کی صحبت میں رہا ہو اور اس سے ایک طویل زمانہ تک ادب سیکھا ہو اور معتد بہ مدت تک ان سے باطن کا نور اور قلب کا اطمینان حاصل کیا ہو۔ انتہی۔ (القول الجمیل)۔

اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آج کل لوگ شیخ کے لئے ان شروط کو ضروری سمجھتے ہیں؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ جس قدر گمراہی ولی اور ولایت کے بارے میں لوگوں میں ہوگئی ہے کسی دوسرے مسئلہ میں اتنی گمراہی نہیں ہوئی۔ قرآن اور حدیث میں ولی کے کیا معنی آرہے ہیں، علماء و مشائخ اپنی کتابوں میں اسکی کیا تعریف لکھ رہے لیکن ہم کیا سمجھ رہے ہیں؟

روح المعانی میں وماکانوا اَوْلِیَآءَہٗ اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ضمیر غائب میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ مراد اس سے مسجد حرام ہو یعنی یہ کفار شرک پر قائم رہتے ہوئے مسجد حرام کی تولیت کے مستحق نہ تھے بلکہ اسکے اولیا، وہ لوگ ہیں جو کہ متقی ہیں اور شرک سے بچتے ہیں اور اس میں غیر اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔ پس یہاں متقی سے مراد مسلم ہیں اور یہ تقویٰ کا سب سے پہلا درجہ ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں جگہ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی جانب ہو اسوقت استحقاق نکالنے کی ضرورت نہیں اسلئے کہ کفار کیلئے اللہ تعالیٰ کی ولایت ثابت ہی نہیں بخلاف تولیت مسجد کے کہ وہ لوگ پہلے متولی تھے اسلئے وہاں کہا گیا کہ مستحق تولیت نہ تھے اور اسوقت

ہیں متقی سے مراد تقویٰ کا دوسرا درجہ ہوگا اور اگر تیسرا درجہ مراد لیا جائے تو اسوقت ولایت سے مراد ولایت کبریٰ ہوگی اور یہ تفصیل نصوص شریعت مطہرہ سے ثابت ہے، وہ شریعت بیضا جسکی رات کبھی دن کی مانند روشن ہے۔

ولایت کے متعلق جہلار کا تصور

آگے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں (اور مجھے اسوقت آپ کو یہی سنانا مقصود ہے) کہ نصوص میں تو متقی کے معنی یہ آتے ہیں جو مذکور ہوئے لیکن :۔

غالب الجهلة اليوم على ان الولی هو المجنون ويعبرون عنه بالمجذوب صدقوا ولكن عن الهدى وكلما اطبق جنونه وكثرهذيانه واستقذرت النفوس السليمة احواله كانت ولايته اكمل وتصرفه فی ملك الله تعالىٰ اتم وبعضهم يطلق الولی عليه وعلىٰ من ترك الاحكام الشرعية ومرق من الدين المحمدی وتكلم بكلمات القوم وتزيا بزيهم وليس منهم فی عير ولا نفير وزعم ان من اجهد نفسه فی العبادة محجوبا ومن

آجکل کے عام جہلار کا خیال ہے کہ ولی اسکو کہتے ہیں جو دیوانہ ہو چنانچہ یہ لوگ اسکو مجذوب بھی کہتے ہیں، تو ٹھیک کہتے ہیں یہ لوگ مجذوب یعنی کھنچے ہوئے تو ہیں مگر کاہے سے ہدایت سے اور جسقدر کسی کا جنون زیادہ ہوتا ہے اور ہذیان کثیر ہو جاتا ہے اور نفوس سلیمہ کو جتنا ہی زیادہ اس کے حال سے تنفر ہوتا ہے اسیقدر اسکی ولایت کامل اور اسکا تصرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں اتم سمجھا جاتا ہے اور بعض لوگ تو اس کو بھی ولی سمجھتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی ولی سمجھتے ہیں جو احکام شرعیہ کو بالکل چھوڑے ہوئے ہیں اور دین محمدی سے بالکل نکل گئے ہیں اور مشائخ کی باتیں لیکر ان کے ساتھ تکلم کرتے ہیں اور ان ہی کی جیسی ہیئت اور صورت تو اختیار کرلی ہے مگر حقیقت میں ان میں اور ان میں ذرہ برابر بھی نسبت نہیں ان ظالموں کا یہ گمان ہے کہ جو شخص اپنے

تمسك بالشريعة مجنونا وان هناك باطن يخالف الظاهر اذا هو عرف انحل القيد ورفع التكليف وكملت النفس ہ

نفس کو عبادت میں تھکائے تو وہ مجذوب ہے اور جو شخص شریعت پر عمل کرے (معاذ اللہ) اس نے گھاٹے کا کام کیا اور یہ سمجھتے ہیں کہ ایک راستہ خدا تک پہنچنے کا باطنی ہے جو اس ظاہر شرع کے خلاف ہے جب آدمی اسمیں آجاتا تو قید شریعت اور اعمال کی تکلیف اس سے اٹھ جاتی ہے یعنی اب وہ مکلف نہیں رہ جاتا اور اس کا نفس کامل ہو جاتا ہے۔

والقت عصاها واستقر بها النوى كما قر عينا بالاياب المسافر

اس نے اپنی لاٹھی کو ڈال دیا اور اس جگہ (اطمینان کے ساتھ) مقیم ہو گیا جس طرح سے کہ وطن کی واپسی کی وجہ سے مسافر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے

ويسمون هذا المرشد صدقوا ولكن الى النار والشيخ صدقوا ولكن النجدى العارف صدقوا ولكن بسبا سبب لضلال والموحد صدقوا ولكن للكفر والايمان ۔

اور لوگ ایسے شخص کو مرشد کے نام سے پکارتے ہیں، ٹھیک کہتے ہیں لیکن یہ شخص مرشد الی النار ہے (دوزخ کی طرف رہنمائی کرنیوالا) اسی طرح اسکو شیخ بھی کہتے ہیں سچ کہتے ہیں مگر یہ شیخ نجدی (شیطان) ہے، اسی طرح اسکو عارف بھی کہتے ہیں لیکن یہ شخص گمراہی کے میدان کا عارف ہے ۔ اسی طرح اسکو موحد بھی کہتے ہیں ٹھیک ہے لیکن ایمان اور کفر کو متحد کر دینے والا ہے ۔

گمراہی کہاں سے آرہی ہے

آج میں اسی مضمون کو آپکو سمجھانا چاہتا ہوں کیونکہ یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ایک بنیادی مسئلہ ہے اگر یہ ذہن نشین ہو گیا تو سارے دین کا سمجھنا آسان ہو جائیگا کیونکہ گمراہی جو آرہی ہے وہ اسی بات کے نہ سمجھنے کی وجہ سے آرہی ہے یعنی یہی اسکا سرچشمہ ہے ورنہ تو اللہ تعالیٰ کی طلب وجستجو سے انسان کو کسی حالت پر صبر نہیں ہوسکتا۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ وہ اس راستے کو طے کرنے کیلئے جو طریق اختیار کرے اور جسے اپنا رہبر تجویز کرے وہ رہبر ہی نہو بلکہ رہزن ہو۔ چنانچہ دیکھئے اللہ تعالیٰ کی محبت اور تعلق کے دعویدار یہ جوگی وغیرہ بھی ہیں اور اس سلسلہ میں یہ لوگ بڑی ریاضتیں بھی کرتے ہیں اور مشقتیں بھی اٹھاتے ہیں لیکن طریق اور رہبر صحیح نہ ملنے کی وجہ سے انکی تمام تر سعی ضائع

دلی بن جائے حالانکہ میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ انتخاب شیخ کیلئے سب سے پہلی شرط یہ ہے "کہ ملاحظۂ استقامت شرع کند، ہرکرا بر شرع مستقیم نہ بیند ہرگز بوے بیعت نہ کند اگرچہ خرق عادت بوسے ظاہر شود کہ احتمال نفع آنجا نادر است و احتمال ضرر قوی است" یعنی سب سے پہلے اس میں استقامت شرع کو دیکھے جو شخص شریعت پر مستقیم نہو ہرگز اس سے بیعت نہو اگرچہ اس سے خوارق کا ظہور ہوتا ہو کیونکہ ایسے شخص سے نفع کا احتمال نادر ہے اور ضرر کا احتمال قوی ہے

دیکھئے علماء تو معیار کمال استقامت شرع کو قرار دیتے ہیں لیکن اس فتنہ و آزادی کے زمانے میں اسی کا انکار ہے۔ اسی جہل کی وجہ سے گمراہی عام ہوگئی ہے چنانچہ علانیہ محرمات شرعیہ کا انکار کرنے والا بھی مدعی ولایت و مشیخت ہوسکتا ہے اسی لئے مشائخ محققین نے ہر زمانے میں شریعت پر خود بھی استقامت برتی ہے اور دوسروں کو بھی اسکی نصیحت کی ہے

استقامت کے متعلق شیخ عبدالقدوسؒ کا ارشاد گرامی

چنانچہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ نے اپنے مکتوبات میں اسی استقامت کو نہایت شد و مد سے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ :-

ہوش دار کہ در کار مستقیم باش در شرع مستدیم ہرچند استقامت شرع است و در کار است انوار افزون است و اسرار اسرار می آرند مریدے نورے می دید پیش پیرے عرضداشت کہ من چنیں نور می بینم۔ پیر دانائے روزگار بود فرمود برو یک مشت کاہ از حق غیر بے اذن وے بگیر، مرید ہمچناں کرد۔

ہوشیار رہو اور کام میں استقامت رکھو اور شریعت پر قائم و جمے رہو۔ جبتک شریعت میں استقامت ہے اور آدمی کام میں لگا ہوا ہے انوار انوار ہیں اور اسرار سے بعید کی باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرید نور دیکھتا تھا اپنے پیر کی خدمت میں عرض کیا کہ میں ایسا نور دیکھتا ہوں پیر عاقل کامل تھا کہا جاؤ ایک مٹھی گھاس دوسرے کی ملک سے بدون اجازت لے آؤ، مرید نے ایسا ہی کیا وہ

نور در پردہ شد، مرید پیش پیر آمد از یں حال عرضداشت پیر بحق رسیدہ فرمود خاطر جمع دار کہ آں نور حق است کہ اگر بارتکاب خلاف شرع آں نور مکشوف بودے نور نہ بودے بلکہ ظلمت بودے، حق نہ بودے بلکہ باطل بودے ۔

نور چھپ گیا مرید نے پیر سے آکر اس واقعہ کو عرض کیا پیر نے اسکی حقیقت کو سمجھ لیا اور اس سے کہا جاؤ خاطر جمع رکھو۔ وہ نور نور حق ہے کیونکہ اگر خلاف شرع ارتکاب کرنے سے بھی وہ نور باقی رہتا تو حقیقت میں وہ نور نہ ہوتا، ظلمت ہوتی۔ حق نہ ہوتا، باطل ہوتا۔

ہر چہ در وے داعیۂ شرع نیست
وسوسہ دیو بود بے نزاع

کیونکہ جس چیز میں شریعت کا داعیہ نہ ہو تو وہ بلاشبہ وسوسۂ شیطانی ہے۔

(وآں کہ یکمشت کاہ از حق غیرے گرفتن فرمودہ بود از جہت آں کہ آں صغائر است و در و رخصت شرع است بجہت قلت) وامتحان صحت حال است وگرنہ پیر مرشد خلاف شرع ہرگز نہ فرماید و چوں ارتکاب ایں قدر زیاں کرد معلوم است کہ در ارتکاب معاصی چہ زیاں است و چہ حرماں۔

باقی یہ جو ایک مٹھی گھاس انھوں نے دوسرے کے حق میں سے لینے کیلئے کہا تھا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ گناہ صغیرہ ہے اور اس میں شریعت کیطرف سے رخصت ہے بوجہ قلت شے کے۔ اور اسلئے کہ اس سے صحت حال کا امتحان ہوجاتا ہے ورنہ تو پیر مرشد خلاف شرع کام کرنے کا حکم نہ کرتے۔ تو دیکھو جب اس معمولی معصیت سے باطن کا اسقدر نقصان ہوتا ہے تو بڑی بڑی معصیت کے ارتکاب میں کس قدر نقصان اور کیسی محرومی ہوگی؟

پس در طاعت مستقیم باش و در شرع مستدیم کہ صفائے باطن را و نجات آں جہاں را امروز مارا جز شرع حجت نیست۔

لہذا (مکرر کہتا ہوں) کہ طاعت میں ثابت قدم رہو اور شریعت پر قائم رہو کیونکہ باطن کی صفائی اور اس جہان کی نجات کیلئے اسوقت بجز شریعت کے کوئی شے حجت اور ذریعہ نہیں ہے۔

فائدہ: دیکھئے شریعت کے خلاف اہل طریق کے دھوکوں پر کیسی تنبیہ ہے اور مشت کاہ لینے پر جو صغائر میں سے فرمایا یہ تورع ہے ورنہ غیر متقوم چیز کا لے لینا تو کسی درجہ کی بھی معصیت نہیں، مگر عبث تھا اسکی یہ ظلمت ظاہر ہوئی۔

مشائخ کے اس قسم کے واقعات سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات سنت و شریعت کو اپنا پیشوا بنائے ہوئے تھے اور خود پس رو تھے، اور اپنے کو مستقل نہیں سمجھتے تھے۔

جاتی ہے اور یہ لوگ خسر الدنیا والاخرۃ کے مصداق ہو جاتے ہیں۔ اس وقت ہمارے مخاطب چونکہ آپ حضرات ہیں اسلئے آپ سے کہتا ہوں کہ شروع سے لیکر آج تک تمام مسلمانوں کا جن میں بڑے بڑے علماء و مشائخ بھی داخل ہیں

طریقت شریعت سے جدا نہیں ہے

اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تک پہونچنے کا جو سہل اور آسان راستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے اس دنیا میں بھیجا ہے وہ یہی شریعت ہے۔ چنانچہ سلاسل اربعہ کے مشائخ نے اپنے اپنے زمانے میں شریعت کی بہت ہی زیادہ عظمت کی ہے خود اس پر چلے ہیں اور اپنے متبعین کو مضبوطی کے ساتھ اس پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی ہے یعنی وہ حضرات بزرگ ہونے کے ساتھ ساتھ پابند شریعت اور متبع سنت بھی ہوئے ہیں۔ آج ہم سے یہ چیز کھو گئی ہے یعنی شیطان نے خدا معلوم کس طرح سے لوگوں کو یہ سمجھا دیا کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے حالانکہ پہلے تمام بزرگان دین جو اہل طریقت کہلائے ہیں وہ اہل شریعت بھی ہوئے ہیں۔ شیطان نے اپنی اس گمراہی کے ذریعہ اس امر کی پوری کوشش کی کہ مسلمانوں کو اللہ تعالے کے راستے سے روک دے لیکن علماء حقانی اور مشائخ ربانی نے بھی کھل کر اسکا مقابلہ کیا اور اس عقیدہ فاسدہ کی دھجیاں اڑا دیں۔ میں نے اس سلسلہ میں اکثر شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے ؎

مپندار سعدی کہ راہِ صفا　　تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

خلاف پیمبر کسے رہ گزید　　کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

دیکھئے! اس میں حضرت نے ببانگ دہل فرما دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف راستہ اختیار کر کے یعنی آپ کی متابعت ترک کر کے اور خود کو مستقل قرار دیکر کوئی شخص حق تعالے تک نہیں پہونچ سکتا

شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح کا ارشاد گرامی

اسی طرح سے میں نے قطب عالم حضرت شیخ عبدالقدوس

گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں دیکھا کہ یہ فرمایا ہے ؎

ہر کہ در راہ محمد رہ نیافت	تا ابد گردے ازیں درگہ نیافت

ترجمہ: یعنی جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ نہیں ملا وہ حق تعالیٰ کی بارگاہ تک رسائی تو کیا معنی اس درگاہ کی گرد کو بھی نہیں پہونچا)

دیکھئے شیخ گنگوہیؒ بھی وہی فرماتے ہیں جو حضرت سعدیؒ نے فرمایا ہے

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا ارشاد بلیغ

اور سنیئے حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ جو اپنے زمانے کے مفسر محدث، فقیہ، متکلم اور صوفی سبھی کچھ گذرے ہیں اپنی کتاب مالا بدمنہ میں فرماتے ہیں کہ :-

"خیال نباید کرد کہ حقیقت خلاف شریعت است کہ ایں سخن جہل وکفر است"

یعنی یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ حقیقت (یعنی طریقت) شریعت کے خلاف کوئی چیز ہے کیونکہ یہ بات جہالت کی ہے بلکہ کفر ہے۔

دیکھا آپ نے تمام مشائخ اپنے اپنے زمانہ میں شیطان کی اس گمراہی کا انسداد کرنے کے لئے ایک ہی قسم کی بات کہتے چلے آئے ہیں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ شیطان اپنی اس رہزنی میں کامیاب رہا یعنی لوگوں نے ان اکابر کے ارشادات کی جانب توجہ کم کی اور شیطان کے بہکانے میں آگئے :۔ اسلئے کہ اس زمانے میں بھی اس باب میں صحیح عقیدہ رکھنے والے لوگ کم ہیں اور زیادہ تر لوگ اسی گمراہی کے شکار ہیں کہ شریعت سے طریقت کو جدا سمجھتے ہیں۔

یعنی شریعت کی جو عظمت کرنی چاہیئے عوام تو عوام بہت سے اہل علم کے قلوب اس سے خالی ہیں۔ اب یہ مسئلہ آپ کو مالا بدمنہ اور شرح عقائد ہی سے تو سنا رہا ہوں جس کو عام طور سے لوگ پڑھتے پڑھاتے ہیں لیکن آپ نے اسکے قبل شاید ہی کسی کی زبان سے اس قسم کی گفتگو سنی!

یہ لوگ دوسروں کو تو کیا بتائیں گے انکا علم خود انھیں کے کام نہیں آتا۔ میرے ایک دوست تھے پڑھے لکھے آدمی تھے اسی شہر کا ذکر ہے ایک بار مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور ایک شخص کو دکھلا کر پوچھا کہ اسکو دیکھکر بتلاؤ کہ ہے یا نہیں؟ میں نے کہا کہ نہیں ہے۔ وہ ایک موٹا سا آدمی تھا ایک تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور اسکو نماز و روزہ سے کوئی مطلب نہ تھا ان مولوی صاحب کو اس کے بارے میں شبہہ ہوگیا کہ یہ ولی ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ جب پڑھے لکھے لوگو کے نزدیک معیار ولایت بدل جائے تو پھر عوام کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔

اسی طرح سے ایک بڑے مدرسہ کا ذکر ہے کہ وہاں طلبہ نے ایک مولوی صاحب سے پوچھا کہ حضرت ولی کی کیا تعریف ہے؟ انھوں نے فرمایا ولی اسکو کہتے ہیں جو اوراد کا پابند ہو۔

میں کہتا ہوں کہ اگر اَلْمُوَاظِبُ عَلَی الطَّاعَات کے معنی یہی لئے جائیں کہ جو وظائف کا پابند ہو تو خیر کسی درجہ میں اسکی توجیہ بھی ہوسکتی ہے لیکن علمار اس سے پہلے تو یہ بھی فرماتے ہیں هُوَالْعَارِفُ بِاللّٰهِ تَعَالیٰ وَصِفَاتِہٖ "یعنی ولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا عارف ہو" اسکو ان مولوی صاحب نے بیان ہی نہیں کیا حالانکہ اس باب میں اصل یہی ہے اور سب چیزیں اسی کی فرع ہیں اور بعد کی ہیں۔

یہ میں آپ کو یہ سمجھا رہا ہوں کہ شیطان نے اپنی اس گمراہی کے پنجہ میں بڑے بڑوں کو لے لیا ہے ظاہر ہے کہ جب ولی اور ولایت کا مفہوم علمار ہی پر مخفی رہیگا تو پھر عوام اس سے کیونکر واقف ہونگے اور جب آدمی کسی چیز کو جانے ہی گا نہیں تو پھر گمراہی۔ دھری ہوئی ہے۔ نہایت مشہور بات ہے کہ ولی عارف باللہ کو کہتے ہیں لیکن ان مولوی صاحب نے اسی وصف کو چھوڑ دیا۔

میں یہاں ایک بات اور کہتا ہوں وہ یہ کہ علمار محققین نے ولی کی جو

یہ تعریف کی ہے کہ ھُوَ الْعَارِفُ بِاللّٰہِ تَعَالیٰ وَ صِفَاتِہٖ حَسْبَ مَا یُمْکِنُ الْمُوَاظِبُ عَلَی الطَّاعَاتِ ، ، الیٰ آخرہ تو اسکی صحت میں تو کلام ہی نہیں لیکن اگر اس میں ایک وصف اور بڑھا دیتے تو زیادہ مناسب ہوتا یعنی یوں فرماتے کہ اَلْوَلِیُّ ھُوَ الْعَارِفُ بِاللّٰہِ تَعَالیٰ وَصِفَاتِہٖ وَالْعَارِفُ بِرَسُوْلِہٖ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا عارف ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی عارف ہو کیونکہ ولی کیلئے جس طرح یہ ضروری ہے کہ وہ عارف باللہ ہو اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی عارف ہو یعنی ایک جانب اگر اسکو اللہ تعالیٰ سے نسبت صحیحہ حاصل ہو تو دوسری جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نسبت حاصل ہونا چاہیئے اور آپ کے ساتھ اسکو نسبت حاصل ہونا حق تعالےٰ سے نسبت صحیحہ حاصل ہونے کی علامت اور اسکا معیار ہوگا کیونکہ اسی سے چور پکڑا جائے گا اس لئے کہ اللہ تعالےٰ سے محبت اور نسبت تو ایک قلبی چیز ہے جسکے مدعی بہت سے لوگ ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب نسبت ہوگی تو آپکی صفت رسالت سے بھی تعلق کا ہونا لازمی ہے ۔ پھر جب آپکو رسول تسلیم کرلیگا تو آپکی اطاعت بھی کرے گا اور ظاہر ہے کہ اب اسکے ولی ہونے میں کوئی کلام نہوگا کیونکہ اس صورت میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقلد اور پیرو ہوگا اور ولایت عنداللہ وہی معتبر ہے جو پرتو نبوت ہو اسلئے کہ ولی مستقل نہیں ہوتا ۔ چنانچہ جس طرح کہ چاند کی روشنی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ نُوْرُ الْقَمَرِ مُسْتَفَادٌ مِّنْ نُّوْرِ الشَّمْسِ " چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے مستفاد اور حاصل ہوتی ہے " اسی طرح ولایت کا بھی حال ہے کہ ولایت کا نور بھی نور نبوت سے مستفاد ہوتا ہے پس جس طرح کہ چاند سورج کے سامنے نہ پڑے بلکہ ان دونوں بیچ میں کوئی چیز مثلاً زمین حائل ہو جائے تو خسوف (یعنی گہن) کی

حالت ہوجاتی ہے اور قمر تاریک ہوجاتا ہے اسی طرح سے اگر ولایت نبوت کے متابع نہو بلکہ استقلال کو درمیان میں لے آوے تو پھر یہ بھی محجوب ہوجاتی ہے اور نور نبوت سے خالی اور عنداللہ غیر مقبول شمار ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا کی تفسیر میں اول سے مراد نور نبوت اور ثانی سے مراد نور ولایت لیا ہے اس میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ولایت کا نور نبوت کے نور سے ماخوذ ہے۔

غرض صاحب کتاب نے تو ولی کے مستقل ہونے کا مطلب یہ لیا ہے کہ وہ متابعت نہ کرے لیکن میں کہتا ہوں کہ مستقل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو فیض اور جو نور کہ دوسرے کی جانب سے اس میں آتا تھا اسکو اپنی ہی جانب سے سمجھ لے یعنی حصول نور میں اپنے کو نبی کا محتاج نہ جانے اور خود کو مستقل سمجھے۔ اب ظاہر ہے کہ واقع کے اعتبار سے یہ مستقل تو ہے نہیں اسلئے نور سے محروم رہیگا۔ پس مستقل ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اپنے کو کسی کا محتاج نہ جانے اور عدم متابعت اسکے لئے لازم ہے۔ ایک درجہ اسکا کفر ہے اور ایک درجہ اسکا فسق ہے۔

حاصل یہ کہ ولایت کا تعلق اصل میں تو حق تعالیٰ کے ساتھ ہے لیکن واسطہ اور طریق کے اعتبار سے اسکا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ہے کیونکہ بغیر آپؐ کی وساطت کے کوئی نہ خدا تک پہونچا ہے اور نہ پہونچ سکتا ہے۔ میرے اس بیان سے آپکو معلوم ہوا کہ ولی کسے کہتے ہیں اور اسکے کیا شرائط ہیں۔

انتخاب شیخ میں احتیاط کی ضرورت چنانچہ علماء نے پیر تلاش کرنے کے بیان میں لکھا ہے کہ

"طریق اسکا یہ ہے کہ اکثر و بیشتر درویشوں سے ملا کرے اور کسی پر انکار وعیب جوئی نہ کرے لیکن بغیر تامل بسیار کے کسی سے بیعت بھی نہ کرے اور سب سے پہلے اسکی شرعی استقامت دیکھے بے شرع شخص سے اگرچہ اسکے اندر کشف وکرامت بھی دیکھے ہرگز بیعت نہ ہو پس جو شخص کہ مستقیم الاحوال ہو اور جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اسکی صحبت میں خدا یاد آئے اور دل، دنیا سے سرد ہو جائے اس کی صحبت اختیار کرے"

اور مالابد منہ میں ہے کہ :-

"در حدیث علامت اولیاء اللہ فرمودہ کہ در صحبت او خدا یاد آید یعنی محبت دنیا در صحبت او کم شود و محبت حق زیادہ گردد۔ د کسیکہ متقی نباشد ولی نباشد ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نشاید داد دست

(حدیث شریف میں اولیاء اللہ کی علامت یہ بیان فرمائی گئی کہ اس کی صحبت میں خدا یاد آوے یعنی اسکی صحبت میں رہنے سے دنیا کی محبت میں کمی ہو اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافہ۔ اور جو شخص متقی اور پرہیزگار نہ ہو وہ خدا کا ولی ہو ہی نہیں سکتا

(ترجمہ شعر) بہت سے لوگ ایسے ہیں جنکی صورت انسانوں کی سی ہے لیکن حقیقۃً وہ شیطان اور راہزن ہیں لہٰذا بے سوچے سمجھے کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیئے بلکہ خوب جانچ پرکھ کر کسی سے بیعت کرنی چاہیئے)

علماء کی ان تصریحات کے بعد اب ہمارے لئے ولی کی شناخت اور رہبر کے انتخاب کے باب میں کوئی بھی عذر نہیں رہ جاتا یوں ہم اپنی جہالت اور ناواقفی سے کوئی غلط قدم اٹھائیں تو پھر ہمارا قصور ہے اور یہ کیسے ہو بھی سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی محبت اور اپنی طلب کو تو

فرض عین فرمادیں اور اسکا طریق خود واضح نہ فرمادیں بلکہ اسکو ہمارے اوپر چھوڑ دیں لہٰذا اللہ تعالیٰ کے طریق اور رہبر طریق یعنی ولی اور شیخ ہر دو پر شریعت کی مہر ہونا ضروری ہے اسی کو شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا توان رفت جز بر پئے مصطفےٰ
خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

عجیب خرابطہ واقعی بڑی حیرت ہوتی ہے کہ دین کے باب میں اسقدر خربطہ ہوگیا ہے کہ آج لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے کھلے مدعی ہیں اور آپ ہی کی لائی ہوئی شریعت کی عظمت قلب میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے تک پہونچنے کا راستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے عطا فرمایا ہے وہ یہی شریعت ہے اسکے علاوہ خدا تک پہونچنے کا کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ آج مسلمانوں سے یہی عقیدہ جاتا رہا اسلئے دیکھا جاتا ہے کہ ایک شخص برسہا برس تک نماز روزہ کرتا رہے اور ظاہر شرع کا پابند رہے لوگ اسکو بزرگ و ولی توسمجھنا درکنار ولایت کا احتمال کبھی نہیں کرتے برخلاف اسکے کوئی ننگ دھڑنگ مل جائے تو اسکے بدن پر گر پڑیں گے اور یہ سمجھیں گے کہ ہاں یہ کچھ ہے۔

اب آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ماننا اور آپکی لائی ہوئی شریعت کو نہ ماننا کب سے فرض ہوا ہے اسی طرح سے دیکھا جاتا ہے کہ دین میں استقامت انکے نزدیک کوئی چیز نہیں برخلاف اسکے کشف و کرامت کی بڑی وقعت ہے اہل دنیا نے جب انکا یہ رجحان دیکھا تو ان کے پھانسنے کیلئے بجائے کرامت کے شعبدہ بازی سے کام نکالنا شروع کردیا۔ وہ تو دھوکا اور چالبازی سے کام لیتا ہے اور یہ لوگ ہیں کہ اسکو بزرگ سمجھتے ہیں طرح طرح کے نقصانات اٹھاتے ہیں لیکن فاسد عقیدہ جو راسخ ہوگیا ہے اس سے نکلتے نہیں، دین وشریعت کو چھوڑا، رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے منہ موڑا تو عقل و فہم بھی ان سے رخصت ہو گئی اب اسکے بعد کسی جاہل کو ولی سمجھ لیں، فاسق کو بزرگ جان لیں حتی کہ ولایت کیلئے انکے نزدیک اسلام بھی شرط نہ ہو تو کچھ بعید نہیں۔ آپ لوگ تعجب سے ان باتوں کو نہ سنیئے یہ زمانہ والوں کے حالات بیان کر رہا ہوں۔ آپ یہاں ہنس رہے ہیں ابھی نیچے جائیگا اور کسی کو دیکھ پائیے گا تو پھنس جائیگا۔

ایک صاحب کہہ رہے تھے کہ میں ایک بار سفر میں تھا کسی اسٹیشن پر دیکھا کہ وہاں بہت سے لوگ ایک شخص کے استقبال کیلئے موجود ہیں ظاہری صورت خوب اچھی بنائے ہوئے تھا لوگ اسکو ولی کامل سمجھ رہے تھے اور یہ حال تھا کہ فرائض تک کا پابند نہ تھا کہتے تھے کہ گاڑی میں تو میرا ساتھ تھا ہی میں نے کہا کہ شاہ صاحب نماز پڑھ لیجئے تو کہنے لگا کہ کچھ سفر میں نماز نہیں ہے۔ دیکھا آپنے ایسا تو جاہل شخص تھا۔ ان لوگوں کو کیا کہوں جو اسی کو رہبر بنائے ہوئے تھے۔ ایک اور واقعہ سنیئے:-

تحصیلدار صاحب کا واقعہ ہمارے یہاں کے ایک تحصیلدار صاحب تھے ایک دوسری جگہ انکی جائداد تھی سفر میں خدمت کیلئے گاؤں کے ایک آدمی کو ساتھ لے لیا جب وہ اپنی منزل پر پہونچ گئے تو اس نے ان سے کہا کہ اگر آپ مجھ سے کچھ نہ بولیں تو میں کچھ روپیہ پیدا کرلوں انھوں نے کہا کہ اگر تیرا کچھ نفع ہو جائے تو اس میں میرا کیا نقصان ہے چنانچہ وہ شعبدہ جانتا تھا اسے دکھا کر بزرگ بن گیا بہت سے لوگ اسکے معتقد و مرید ہو گئے حالانکہ وطن میں نماز روزہ تک کا پابند نہ تھا۔ اور اتنا ہی نہیں جب وطن واپس گیا تو اسکے معتقدین وہاں بھی منی آرڈر بھیجتے تھے۔

معیار ولایت شریعت پر ثابت قدمی ہے جانتے ہیں یہ سب کیوں ہو رہا ہے اسلئے ہو رہا ہے کہ آپکے پاس ولایت کا کوئی معیار نہیں رہ گیا ہے ہر مدعی و شعبدہ باز جب چاہے

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

تفصیل الدین

(۱۱)

ایک جماعت ان کے علاوہ اور پیدا ہوئی جنھوں نے عقائد میں تو اختصار نہیں کیا اور نہ اعمال کو غیر ضروری سمجھا مگر انھوں نے اعمال میں اختصار کیا کچھ اعمال کو لے لیا اور بہت سے اعمال کو چھوڑ دیا بس جو چیز آسان معلوم ہوئی وہ تو لے لی اور جس میں ذرا سی بھی دقت محسوس ہوئی اسکو اڑا دیا۔ اور اس میں طبائع مختلف ہیں بعض کو عبادات بدنیہ آسان ہیں اور مالیہ مشکل ہیں انھوں نے نماز، روزہ، تسبیح و نوافل کو اختیار کیا، مقدس صورت بنالی مگر وہ ایسے مقدس ہیں کہ نہ حج فرض ادا کرتے ہیں نہ زکوٰۃ دیتے ہیں نہ معاملات میں احتیاط کرتے ہیں، انکا لین دین نہایت خراب ہے اور بعضے ایسے ہیں کہ جن کو مال خرچ کرنا آسان ہے وہ حج بھی کرتے ہیں اور زکوٰۃ و خیرات بھی دیتے ہیں مگر جان کا خرچ کرنا (بدنی محنت) انکو دشوار ہے اسلئے نماز اور روزہ سے جان چراتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جو طاعات بدنیہ اور مالیہ دونوں کو بجالاتے ہیں مگر انھوں نے طاعات قلب کو چھوڑ رکھا ہے۔ ظاہر میں بڑے مقدس ہیں مگر دل میں تکبر و حسد، ریا و عجب بھرا ہوا ہے۔ محبت و خشیت الٰہی برائے نام ہے مگر اسکو وہ ضروری نہیں سمجھتے۔ بعض نے ان اخلاق کا بھی اہتمام کیا مگر ان کی

معاشرت گندی ہے کہ وہ ذکر و شغل کرتے ہیں مگر اسکا اہتمام نہیں کہ ہمارے ہاتھ سے دوسروں کو ایذا نہ پہونچے

غرض ہر ایک کو جو بات آسان لگی وہ تو لے لی اور جس میں کچھ محنت کرنا پڑی اس کو چھوڑ دیا۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ آجکل سائنس کی ترقی ہے ہر چیز کا ست نکالا جاتا ہے تو ہمارے بھائیوں نے اعمال کا بھی ست نکال لیا۔ مگر صاحبو! ست کا ست نہیں نکلا کرتا، دین تو سارے کا سارا خود ہی ست ہے اسکا ہر جزو ضروری ہے۔ اب آپ دوبارہ اسکا ست نہیں نکال سکتے اور اگر نکالوگے تو ست نہ ہوگا بلکہ اجزاء ضروریہ کو فوت کرنا ہوگا۔

جیسے کوئی شخص انسان کا ست نکالنا چاہے کہ اسکا ایک ہاتھ کاٹ دے اور ایک پیر، اور ایک آنکھ پھوڑ دے اور ایک کان بند کر دے تو کیا اسکو ست کہا جائے گا ہرگز نہیں بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اس نے ضروری اجزاء کو حذف کر کے ایک آدمی کو بیکار بنا دیا۔

یہی حال ہمارے بھائیوں نے دین کا بنا رکھا ہے کسی نے یہ کیا کہ اعمال تو بہت ہی اچھے ہیں مگر عقائد میں کتاب و سنت کو چھوڑ کر رسوم و بدعات کو داخل کر لیا اور اپنے کو دیندار سمجھتے ہیں بعض نے عقائد کو سنت کے موافق رکھا ہے اور اعمال میں نہایت کوتاہی کی اور انکو اپنے متبع سنت ہونے کا ناز ہے۔ غرض یہ مختلف فرقے ہمارے اندر پیدا ہو گئے ہیں اور ساری خرابی کا منشار یہ ہے کہ لوگوں نے دین کے اجزاء کو پوری طرح سے نہیں سمجھا

اجزائے دین کی تفصیل

تو غور سے سن لیجئے کہ دین کے پانچ اجزاء ہیں ایک جزو تو ہے عقائد کا کہ دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرنا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے جس چیز کی جس طور خبر دی ہے وہی حق ہے (جسکی تفصیل کتب عقائد سے معلوم ہوگی)۔

دوسرا جزو عبادات ہیں یعنی نماز روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ۔

تیسرا جزو معاملات یعنی احکام نکاح و طلاق، حدود و کفارات بیع و شراء اجارہ و زراعت وغیرہ۔ اور ان کے جزو دین ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ شریعت یہ سکھاتی ہے کہ کھیتی یوں بویا کرو اور تجارت فلاں چیز کی کیا کرو بلکہ ان میں شریعت یہ بتلاتی ہے کہ کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو اور اس طرح معاملہ نہ کرو جس میں نزاع کا اندیشہ ہو، غرض جواز و عدم جواز بیان کیا جاتا ہے

چوتھا جزو ہے معاشرت یعنی اٹھنا بیٹھنا، ملنا جلنا، مہمان بننا، کسی کے گھر پر جانا کیونکر چاہئے اور اسکے کیا آداب ہیں، بیوی بچوں، عزیزوں، اجنبیوں اور نوکروں وغیرہ کے ساتھ کیونکر برتاؤ کرنا چاہئے۔

پانچواں جزو جسکا نام ڈراونا ہے تصوف ہے اور ڈراونا اسلئے کہ آجکل لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تصوف کے لئے بیوی بچوں کو چھوڑنا پڑتا ہے تو خوب سمجھ لیجئے کہ یہ بالکل غلط ہے یہ جاہل صوفیوں کا مسئلہ ہے جو تصوف کی حقیقت کو نہیں جانتے۔ غرض یہ پانچواں جزو ہے جس کو شریعت میں اصلاح نفس کہتے ہیں۔

تو یہ پانچ اجزاء دین کے ہیں ان پانچوں کے مجموعے کا نام دین ہے اگر کسی میں ایک جزو بھی ان میں سے کم ہو تو وہ ناقص الدین ہے جیسے کسی کا ایک ہاتھ نہ ہو تو وہ ناقص الخلقت ہے۔ اب دیکھ لیجئے کہ ہم نے انکا کتنا اہتمام کر رکھا ہے؟ حالت یہ ہے کہ بعض نے تو عقائد اور عبادات کو کم کر رکھا ہے اور بعض میں معاملات کی کمی ہے اور معاملات کی تو یہ حالت ہے کہ بڑے بڑے اتقیاء (پرہیزگار) معاملا

کو دین ہی نہیں سمجھتے ۔ چنانچہ برتاؤ سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے۔ وہ برتاؤ یہ ہے کہ نماز و روزہ کے مسائل تو مولویوں سے پوچھے جاتے ہیں مگر معاملات کو کوئی آکر نہیں پوچھتا مثلاً کوئی گاؤں خریدیں یا کسی مورث کے مرنے کے بعد تقسیم جائداد کا قصہ ہو تو اس میں آپنے کہیں نہ دیکھا ہوگا کہ دستاویز علماء کو لاکر دکھائی جاتی ہو کہ دیکھئے! اس میں کوئی بات خلاف شرع تو نہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معاملات کو دین ہی نہیں سمجھتے حالانکہ معاملات کا دین میں داخل ہونا بالکل بدیہی ہے۔

قرآن میں —— آیت مُدَایَنہ کو دیکھئے صرف قرض لینے کے کتنے احکام بیان فرمائے ہیں چنانچہ ارشاد ہے کہ جب تم مدت معلومہ کے لئے ادھار قرض کا معاملہ کیا کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور خود لکھنا نہ جانتے ہو تو کسی سے لکھوا لیا کرو اور کاتب کیلئے حکم ہے۔

وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ

کہ لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے بلکہ لکھدیا کرے اگر لکھنے والا کوئی نہ ہو تو حکم ہے کہ دو آدمیوں کو گواہ بنا دو اور گواہوں کو ضرورت کے وقت گواہی دینا لازم ہے، کتمان (شہادت کو چھپانے) سے گناہ ہوگا جس پر وعید مذکور ہے اسی طرح اور بہت سے معاملات کے احکام قرآن میں موجود ہیں اور احادیث میں تو بہت ہی زیادہ ہیں۔ پھر فقہ میں تو اتنی تفصیل ہے کہ کوئی قانون بھی اس سے زیادہ مفصل نہیں ہو سکتا۔

بری صحبت کا اثر

اس سے تو ان لوگوں کا جواب نکل آیا جو معاملات کو دین میں داخل تو سمجھتے ہیں مگر وہ علماء پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انکو سوائے لا یجوز کے کچھ نہیں آتا کوئی دستاویز انکو دکھلاؤ تو نا جائز۔ کسی ملازمت کو دریافت کرو تو نا جائز۔ بس مولوی صاحب نے

نے تو ایک لاہجوز کا سبق پڑھ لیا ہے۔ یہ تو ایک عام الزام ہے بعض نے اس سے بڑھکر یہ کہا کہ مذہب ہی بڑا سخت ہے (پہلی جماعت تو علماء ہی کو الزام دیتی تھی انھوں نے خدا اور رسول پر بھی الزام لگا دیا)

میں ان لوگوں کے اقوال کی کیا شکایت کروں ڈر بھی لگتا ہے اور غصہ بھی آتا ہے۔ لکھنؤ میں ایک کمیٹی ہوئی تھی جس میں سب مسلمان ہی جمع ہوئے تھے اور اس بات کی تحقیق کیجا رہی تھی کہ مسلمانوں کے تنزل کا سبب کیا ہے؟ بالآخر یہ طے کیا گیا کہ تنزل کا اصل سبب اسلام ہی ہے۔ صاحب یہ وہ لوگ ہیں جنکا یہ دعویٰ ہے کہ ٹھیٹ اسلام ہمارا ہی اسلام ہے اور ہم ہی حامئ اسلام ہیں، انکی تجویز یہ ہے کہ مذہب اسلام ہی تنزل کا سبب ہے (افسوس وہ اسلام جسکی بدولت حضرات صحابہؓ کو وہ ترقی حاصل ہوئی تھی کہ عالم میں اسکی نظیر نہیں مل سکتی آج اسکو تنزل کا سبب کہا جاتا ہے بخدا ان لوگوں نے اسلام کو سمجھا ہی نہیں عمل تو در کنار، جن لوگوں نے اسلام کو سمجھا اور اس پر عمل کیا تھا انکو تو کبھی تنزل نہوا ہاں جو اس پر عمل ہی نہ کریں انکو تنزل ہونے لگے تو اسکا کیا علاج؟ مگر اسکا سبب اسلام ہے یا ترک اسلام؟

ان لوگوں کی صحبت کا یہ اثر ہے کہ میں ایک دفعہ بریلی گیا تھا تو وہاں ایک بوڑھے میاں اپنے پوتے کو میرے پاس لائے کہ یہ نماز نہیں پڑھتا اسے کچھ نصیحت کر دیجئے میں نے اس سے پوچھا کہ بھائی تم نماز کیوں نہیں پڑھتے تو وہ کہنے لگا کہ مجھے تو خدا کے وجود ہی میں شک ہے نماز کس کی پڑھوں اور یہ کہکر اسکی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میں نے بوڑھے میاں سے کہا کہ تمکو نماز کی فکر ہے صاحبزادے کو تو ایمان بھی نصیب نہیں پہلے اسکی فکر کرو۔

وہ مجھ ہی سے اسکی تدبیر پوچھنے لگے میں نے کہا کہ کس جگہ تعلیم پاتا ہے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے ایک کالج میں پڑھتا ہے میں نے کہا آپ اسکو بجائے کالج کے کسی گورنمنٹ اسکول میں داخل کرا دیجئے اس وقت تو انکی سمجھ میں یہ علاج نہ آیا مگر انھوں نے اسی کے موافق عمل کیا۔

اگلے سال جو میں گیا تو معلوم ہوا کہ لڑکا بڑا پکا مسلمان ہے اور نماز بھی خوب پڑھتا ہے اس وقت لوگوں نے مجھ سے اسکی وجہ دریافت کی کہ مسلم کالج میں رہ کر اسکا اسلام کیوں کمزور ہوا اور گورنمنٹ کے اسکول میں داخل ہوکر کیسے محفوظ ہوگیا حالانکہ اس کالج میں سب لڑکے مسلمان ہی ہیں وہاں تو اسلام کو قوت ہونا چاہیئے تھی اور گورنمنٹ اسکول میں ہندو مسلمان سب قسم کے ہوتے ہیں میں نے کہا کہ کالج میں جتنے مسلمان ہیں سب آزاد ہیں اور وہاں رات دن ایسے ہی لوگوں کی صحبت ہے وہی مشغلہ ہے تو حالت بھی وہی ہو جاتی ہے جو سب کی ہے کیونکہ ان سے نفرت کی کوئی وجہ نہیں ہوتی ظاہر میں سب مسلمان ہوتے ہیں اسلئے انکے خیالات اور صحبت کا اثر جلدی ہوتا ہے اور گورنمنٹ اسکول میں چونکہ مسلمان لڑکوں کو ہندوؤں کے مذہب سے دلی نفرت ہے اسلئے انکی صحبت کا مذہب پر برا اثر نہیں پڑتا اور نفرت کی وجہ سے چونکہ مقابلہ رہتا ہے اسلئے مقابلہ میں آکر یہ اپنے مذہب پر زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مولوی انگریزی پڑھانے سے منع نہیں کرتے بلکہ عقائد کے بگاڑنے سے روکتے ہیں۔ بعض لوگ اسکا جواب دیا کرتے ہیں کہ ہم تو انگریزی کے ساتھ اب دین کی تعلیم بھی دینے لگے ہیں تو اب تو اس سے منع نکرنا چاہیئے

مگر صاحبو! محض دین کی تعلیم دینا کافی نہیں کیونکہ دین کی تعلیم دینے والے بھی تو وہی لوگ ہیں جنکے خیالات آزادی کی طرف مائل ہیں بلکہ تعلیم دین کے ساتھ صحبت نیک بھی ضرور تجویز کرنا چاہیئے اگر اور بھی کچھ نہو تو کم از کم تعطیلوں ہی میں ان لڑکوں کو کسی محقق اور اللہ والے کی صحبت میں بھیجدیا کیجیے۔

ہماری کوتاہیاں

میں یہ نہیں کہتا کہ آپ دین کیلئے اپنا قیمتی وقت صرف کریں کیونکہ اتنی ہمت کی آپ سے مجھے امید نہیں کیونکہ آجکل ہماری حالت یہ ہے کہ اللہ کے نام کے لئے خراب سے خراب چیزیں تجویز کیجاتی ہیں تو آپ اپنا اچھا وقت خدا کے لئے کیوں صرف کریں گے؟

اس پر مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک عورت نے کھیر پکا کر رکابی میں نکال کر رکھدی اتفاق سے اس رکابی میں کتا منہ ڈال گیا تو اس نے مٹی کی دوسری رکابی میں اسے نکالکر اپنے لڑکے کو دی کہ مسجد کے ملا کو دے آ۔ وہ ملا جی کے پاس لایا تو بڑے خوش ہوئے اور فوراً ہاتھ مارنے لگے اور ادہر ہی منہ مارا جدھر سے کتے نے کھائی تھی لڑکے نے کہا ادہر سے نہ کھاؤ ادھر سے کتے کی کھائی ہوئی ہے یہ سن کے تو ملا جھلا گئے اور رکابی کو بہت دور پھینکا وہ پھوٹ گئی تو بچہ رونے لگا کہ ہائے میری اماں مارے گی ملاجی نے کہا ابے مٹی ہی کی تو تھی کہنے لگا اجی! میری ماں میرے چھوٹے بھائی کو اس میں ہگایا کرتی تھی، یہ سنکر تو ملاجی کو متلی ہونے لگی (کہ ظرف و مظروف دونوں ہی نور بھرے نکلے)۔

یہ حالت ہے ہم لوگوں کی۔ اللہ کے واسطے خراب سے خراب اور ناپاک چیزیں تجویز کرتے ہیں پھر غضب یہ ہے کہ مسجد کے

ملانوں کے ساتھ خود تو یہ برتاؤ کرتے ہیں اور خود ہی انکو ذلیل سمجھتے ہیں ارے بھائی جب تم اپنے آپ اچھے سے اچھا کھاؤ اور انکو کبھی نہ پوچھو اور جو پوچھو بھی تو ایسے وقت جبکہ تم خود نہ کھا سکو تو بتلاؤ وہ حریص ہونگے یا نہیں؟ پھر تنخواہ انکی ایسی قلیل مقرر کیجاتی ہے جس میں روکھی روٹی بھی وہ نہیں کھا سکتے تو پھر حریص نہوں تو اور کیا ہوں؟

اسی لئے میں تو کہا کرتا ہوں کہ جب محلہ میں کوئی رئیس بیمار ہوتا ہے تو مسجد کے مؤذن تو اسکی صحت کیلئے ہرگز دعا نہ کرتے ہونگے وہ تو چاہتا ہوگا کہ اچھا ہے یہ مرے تو تیجے دسویں چالیسویں پر فاتحہ کا کھانا خوب فراغت سے ملیگا کیونکہ خوشی میں انکو کون پوچھتا ہے ایسے ہی مواقع پر پوچھا جاتا ہے تو اسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ ان سب واقع کے منتظر رہیں گے۔

اس حرص کی نوبت یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ کیرانہ میں ایک شخص کا انتقال ہوا تو کفن کا چادر لوگوں نے قبرستان کے تکیہ دار کو نہ دیا کسی دوسرے غریب کو دیدیا وہ تکیہ دار جھگڑنے لگا کہ یہ تو میرا حق ہے لوگوں نے کہا بھائی ہمیشہ تمکو دیا جاتا ہے آج اس غریب کو دینے دو تو وہ تکیہ دار کیا کہتا ہے کہ واہ حضور! خدا خدا کرکے تو یہ دن آتا ہے اسی میں آپ ہمارا حق دوسروں کو دیتے ہیں! لوگوں نے کہا کمبخت کیا تو اسی دن کا متمنی رہتا ہے کہ کوئی مرے تو تجھے کپڑا ملے جو یہ دن تیرے لئے خدا خدا کرکے آتا ہے وہ بات بنانے لگا مگر دل کی بات زبان پر آ ہی گئی۔ تو صاحبو! اسکی بھی کیا خطا؟ جب تم اسوقت کے سوا کبھی اسے نہ پوچھو، جب اسکی آمدنی یوں ہی ٹھہری تو وہ تو اسی کا وظیفہ پڑھے گا غرض چونکہ ہماری حالت یہ ہے کہ ہم خدا کی راہ میں نکمی ہی چیز دیا کرتے ہیں اسلئے میں وقت کے بارے میں بھی یہی کہتا ہوں کہ یہ تعطیل کا نکما اور فالتو وقت خدا کی راہ میں نکال دو اور اگر سارا وقت نہیں دے سکتے تو کم از کم آدھا ہی دے دو اور اس وقت میں بچوں کو کسی محقق کی صحبت میں بھیج دیا کرو۔ کیونکہ ؎

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

(جاری)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

آنکھوں کی حفاظت کیجئے

(۳)

دعاء کے بعد اگر گناہ ہو جائے

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب تم نے یہ دعاء مانگ لی کہ یا اللہ مجھے گناہ سے بچا لیجئے لیکن اس دعاء کے بعد پھر تم گناہ میں مبتلا ہو گئے تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ دعاء قبول نہیں ہوئی۔ دنیا کے معاملے میں تو یہ جواب دیا تھا کہ "جو چیز بندے نے مانگی تھی چونکہ وہ بندے کے لئے مناسب نہیں تھی اسلئے اللہ تعالیٰ نے وہ چیز نہیں دی بلکہ کوئی اور اچھی چیز دے دی" لیکن ایک شخص یہ دعاء کرتا ہے کہ یا اللہ! میں گناہ سے بچنا چاہتا ہوں مجھے گناہ سے بچنے کی توفیق دیدیجئے تو کیا یہاں بھی یہ جواب دے سکتے ہیں کہ گناہ سے بچنا اچھا نہیں تھا۔ اس سے اچھی کوئی چیز تھی جو اللہ تعالیٰ نے اس دعاء مانگنے والے کو دیدی؟

توبہ کی توفیق ضرور ہو جاتی ہے

بات دراصل یہ ہے کہ گناہ سے بچنے کی یہ دعاء قبول تو ہوئی لیکن اس دعاء کا اثر یہ ہوگا کہ اول تو انشاء اللہ گناہ سرزد نہیں ہوگا اور اگر بالفرض گناہ ہو بھی گیا تو توبہ کی توفیق ضرور ہو جائے گی۔ انشاء اللہ۔ یہ نہیں ہو سکتا توبہ کی توفیق نہ ہو۔ لہٰذا دین کے بارے میں یہ دعاء کبھی رائیگاں نہیں جا سکتی، کبھی یہ دعاء بیکار نہیں ہو سکتی اور اگر گناہ کے بعد توبہ کی توفیق ہو جائے تو وہ توبہ بعض اوقات انسان

کو اتنا اونچا لے جاتی ہے اور اسکا اتنا درجہ بلند کرتی ہے کہ بعض اوقات گناہ نہ کرنے کی صورت اسکا اتنا درجہ بلند نہوتا اور وہ اتنا اونچا نہ جاتا اسلئے کہ غلطی سرزد ہونے کے بعد جب اللہ تعالیٰ کے سامنے اسنے توبہ کی رویا، گڑگڑایا تو اللہ تعالیٰ نے اسکے نتیجہ میں اسکا درجہ اور زیادہ بلند کردیا۔

پھر ہم تمھیں بلند مقام پر پہونچائیں گے

اسلئے ہمارے ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اس دعا کرنے کے باوجود اگر پاؤں پھسل گیا اور گناہ سرزد ہوگیا تو اللہ تعالیٰ سے بدگمان مت ہو جاؤ کہ اللہ میاں نے ہماری دعا قبول نہیں کی۔ ارے نادان تجھے کیا معلوم ہم تجھے کہاں پہونچانا چاہتے ہیں۔ اسلئے کہ جب گناہ سرزد ہوگا تو پھر ہم تمھیں توبہ کی توفیق دیں گے، پھر ہم تمھیں اپنی ستاری کا، اپنی غفاری اپنی پردہ پوشی اور اپنی رحمتوں کا مورد بنائیں گے۔ اسلئے اس دعا کو کبھی رائیگاں اور بے کار مت سمجھو۔ بس یہ دو کام کرتے رہو ہمت سے کام لو اور دعا مانگتے رہو۔ پھر دیکھو کیا سے کیا ہو جاتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ

تمام گناہوں سے بچنے کا صرف ایک ہی نسخہ

بدنگاہی کے بارے میں یہ باتیں عرض کردیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ صرف بدنگاہی نہیں دنیا کے ہر گناہ کے اندر یہ ضروری ہے، ہمت کا استعمال کرنا اسکو بار بار تازہ کرنا اور اللہ تعالیٰ سے دعا اور رجوع کرنا یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں ان میں سے صرف ایک چیز سے کام نہیں بنے گا، اگر صرف دعا کرتے رہوگے اور ہمت نہیں کروگے تو یہ چیز حاصل نہیں ہوگی۔ مثلاً ایک آدمی مشرق کی طرف بھاگا جارہا ہے اور ساتھ

میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ! مجھے مغرب میں پہونچا دے۔ ارے تو مشرق کی طرف بھاگ رہا ہے اور دعا مغرب کی کر رہا ہے یہ دعا کیسے قبول ہوگی؟ کم از کم پہلے اپنا رخ تو مغرب کی طرف کر۔ اور جتنا تیرے بس میں ہے وہ تو کرلے اور پھر اللہ تعالیٰ سے مانگ کہ یا اللہ مجھے مغرب میں پہونچا دے تب تو وہ دعا فائدہ مند ہے ورنہ وہ دعا نہیں وہ تو اللہ تعالیٰ سے مذاق ہے۔

اسلئے پہلے رخ اس طرف کرو اور ہمت کرو اور جتنا ہو سکے اس طرف قدم بڑھاؤ اور پھر اللہ تعالیٰ سے مانگو تمام گناہوں سے بچنے کا یہی نسخہ ہے، یہی نسخہ ہے اسکے علاوہ کوئی اور نسخہ نہیں ہے۔ اور ساری طاعات حاصل کرنے کا کلی یہی نسخہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ

مکتوبات اصلاحی

(مکتوب نمبر ۷۷۸)

حال: حضرت میری ہندوستان میں واحد ایک چھوٹی بہن ہے جنکا نام ۔ ۔ ۔ ۔ ہے آجکل وہ میرے یہاں آئی ہوئی ہیں مگر شوہر سے اور ان سے کچھ شکر رنجی ہوگئی ہے جس سے انکے برتاؤ میں فرق آگیا ہے جس سے وہ پریشان ہیں وہ غائبانہ طور پر آپ سے بیحد عقیدت رکھتی ہیں۔

تحقیق: عقیدت سے کیا ہوتا ہے اصلاح اعمال ضروری ہے۔

حال: پابند صوم و صلوٰۃ ہیں اور دینداری کا جذبہ بھی ہے۔ انھوں نے مجھ سے کہا ہے کہ آپ حضرت والا کو میرا سلام لکھدیجئے اور ان سے گذارش کیجئے کہ میرے لئے خصوصی طور پر دعاء فرمائیں کہ میرے شوہر سے میرے تعلقات پہلے کی طرح ہوجائیں اور مجھکو اطمینان حاصل ہو۔

تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔

تحقیق

آپ نے اپنی بہن کے متعلق لکھا ہے کہ انکی شوہر سے شکر رنجی ہوگئی ہے اور تعلقات درست نہیں رہ گئے ہیں پھر دعاء کی درخواست کی ہے تو اصل بات سنئے! افسوس کہ آجکل مسلمانوں کی توجہ ان باتوں کی طرف قطعی نہیں رہ گئی ہے ــــ وہ یہ کہ بیوی اور شوہر

دونوں کے لئے کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ہیں اور ایک دوسرے کے حقوق ہیں جس کی پابندی ہی سے تعلقات استوار رہ سکتے ہیں بغیر اسکے ناممکن ہے۔ اب چونکہ بیوی کی طرف سے یا شوہر یا دونوں کی طرف سے اس میں کوتاہی ہوتی ہے بلکہ اس کے خلاف عمل کیا جاتا ہے تو پھر اختلاف اور کشیدگی جتنی بھی ہوجائے کم ہی ہے۔ چونکہ اللہ تعالےٰ کے احکام سے یہ لوگ اعراض کا معاملہ کر رہے ہیں اور منہ موڑے ہوئے ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ کی نظر سے گر گئے ہیں اسلئے کبھی بھی راحت اور چین نصیب نہیں ہو سکتا ان حالات میں لوگ ہم جیسے لوگوں سے دعا بھی کراتے ہیں۔ آخر ان لوگوں کو اتنی عقل نہیں ہے کہ یہ بزرگ لوگ آخر کس سے دعا کریں گے اللہ تعالیٰ ہی سے تو کریں گے جن کو تم نے ناراض کر رکھا ہے تو یہ بزرگ لوگ اللہ تعالےٰ کے نافرمان اور غیر مطیع لوگوں کے لئے دعا کرنے سے کچھ ڈریں گے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کام کرنے سے ان لوگوں کو کچھ خوف ہوگا یا نہیں اسی کو کہا کرتا ہوں کہ اپنے گھروں کو تو فاسد کر ہی رکھا ہے اب بزرگوں کی جگہوں کو بھی فاسد کر دینا چاہتے ہیں۔ لیکن آجکل ان باتوں کو لوگ بالکل نہیں سمجھتے۔ احکام شرعیہ پر عمل نہیں کرتے بس دعا سے سب کام چلانا چاہتے ہیں ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے کوئی دنیوی فلاح بھی نہیں پا سکتا۔ میں تو یقین سے کہتا ہوں کہ آخرت کی فلاح و راحت تو اعمال صالحہ و اخلاق حسنہ کے اختیار پر موقوف ہے ہی دنیا میں بھی فلاح بغیر اصلاح اخلاق و نفس کے حاصل نہیں ہوسکتی اس زمانہ میں یہ کشیدگی و اختلاف کوئی میاں بیوی ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ سبھی رشتوں کا یہی حال ہوگیا ہے نہ باپ بیٹے کے تعلقات درست ہیں اور نہ بھائی

بھائی کے وغیرہ وغیرہ پوری دنیا تلخی اور بدمزگی میں مبتلا ہوگئی ہے کہیں حقیقی راحت وحلاوت کا نام ونشان نہیں ہے تو اسکی وجہ یہی ہے کہ احکام شرعیہ جو ہر ایک سے متعلق ہیں اس پر عمل نہیں کرتے اسی وجہ سے یہ حال ہے۔

بھائی دعار کرنے سے انکار نہیں ہے مگر انکار اس پر ہے کہ اصل کام تو کرتے نہیں محض دعار ہی دعار رہ گئی ہے۔ بہت سے امور عمل پر موقوف ہوتے ہیں عمل شروع کیا جائے پھر دعار بھی کرالی جائے۔ امید ہے کہ آپ اس سے کچھ سمجھے ہونگے، اب یہ لکھئے کہ کیا سمجھے؟

(مکتوب نمبر ۸۷۸)

حال: خدمت اقدس میں عرض آنکہ خدا کا لاکھ لاکھ فضل واحسان ہے کہ حضرت والا کی ذات با برکات کی بدولت اللہ تعالیٰ ہم گنہگاروں کی آنکھ کھولتے جارہے ہیں ورنہ معلوم نہیں ہم لوگ کس گھاٹی میں پھنسے رہتے بالخصوص حضرت والا کی اس مرتبہ کی تشریف آوری نے ایک گونہ ہم لوگوں کو عمل میں چست بنا دیا گو کہ جیسا حضرت والا ہم لوگوں کو بنانا چاہتے ہیں اس میں ابھی بہت پیچھے ہیں تاہم ہمت وحوصلہ دین کی طرف بہت کچھ ہو گیا ہے حضرت والا دعار فرماویں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی پر چلنے کی کامل توفیق عطا فرماویں۔ تحقیق: دعار کرتا ہوں۔

حال: اور نفس کی پیروی سے اللہ تعالیٰ بچاویں اسلئے کہ ہم جو پیچھے ہیں اسی وجہ سے ہیں اور قلب کے امراض سے نجات دیں تحقیق: آمین

حال: اور عجب وتکبر وغیرہ سے بچاویں۔ تحقیق: آمین۔

حال: اور اخلاص کامل عطا فرماویں۔ تحقیق: آمین۔

حال: اور جو کام اس وقت سپردگی میں ہے اسکے لئے بھی دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ کما حقہ انجام دلادیں۔ تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔
حال: جس مسجد پر مجھکو مولوی صاحبان نے مقرر کیا ہے اس میں کچھ چھوٹے لڑکے اور نو یا دس بڑے ہیں بہشتی زیور اور حیوۃ المسلمین و آداب المعاشرت پڑھتے ہیں دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان متعلمین حضرات کو استقامت عطا فرمائیں اور دیندار بنا دیں اور مجھکو لوجہ اللہ کام کرنے کی توفیق بخشیں۔ تحقیق: آمین۔
حال: اور اپنا اصل کام بھی پورا کرلیا کروں ایسا نہو کہ اپنے معاملہ میں غفلت ہو بحمد اللہ کوشش اسکی کرتا ہوں کہ اپنے ذکر و شغل میں کمی حتی الوسع نہو، حضرت والا کی دعاؤں کی برکت سے اپنی اصلاح کی فکر ہمیشہ رکھتا ہوں۔ طبیعت ہر وقت ڈرتی رہتی ہے کہ کہیں اپنے سے غفلت نہو جائے۔ دعاء فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی اصلاح میں مجھکو چست رکھے۔ تحقیق: آمین۔
حال: اور اصل کام میرا یہی ہو کہ اپنی فکر کروں دوسرے کی بعد میں اور دین کی سمجھ عطا فرمادیں اور حضرت کی منشاء کے موافق کام ہو تحقیق: آمین۔

(مکتوب نمبر ۸۷۹)

حال: اتباع کا مفہوم احقر نے یہ سمجھا کہ شیخ کی منشاء کے موافق پیروی کرنا اور عقل و رائے کو دخل نہ دینا۔ تحقیق: یہ صحیح ہے۔
حال: اگر یہ مفہوم صحیح ہے تو دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر عمل کی توفیق بخشے۔ تحقیق: آمین۔

(مکتوب نمبر ۸۸)

حال: کچھ دن سے دل میں بار بار یہ بات آتی ہے کہ حضرت والا نے خادم کو اپنا نمائندہ کرکے بھیجا ہے اور ذمہ داری سونپ کر فرمایا تھا کہ جاؤ اب سے تم .... والے نہیں میرے آدمی ہو، جاکر کام کرنا اور اخلاص سے کام کرنا، محشر میں مجھے شرمندہ نہ کرنا۔ یہ الفاظ اب تک کان میں برابر گونج رہے ہیں، اور ایسا محسوس کرتا ہوں کہ حضرت والا میرے سامنے اب بھی کہہ رہے ہیں اور خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں مجھ سے غلطی سرزد نہ ہوجائے۔ یہ معلوم نہ کرسکا کہ میرے ذمہ کیا کیا کام ہیں؟ اس لئے دل میں بار بار خیال ہوا کہ حضرت والا ہی سے خلاصہ دریافت کرکے اپنی ذمہ داری کو برابر ادا کرنے کی سعی کروں۔

امید ہے کہ حضرت والا میری ذمہ داری کے متعلق خلاصہ ارشاد فرماکر مطمئن فرمائیں گے تاکہ برابر سمجھکر اخلاصًا ادا کرنے کی سعی کروں۔

تحقیق: یہی کہ آدمی بداخلاقی نہ کرے اور خلوص سے لوگوں کو دین پہونچائے اور اپنی اصلاح مقدم رکھے۔ دوسروں کی فکر میں پڑکر اپنی اصلاح سے غافل نہو اور کسی کام میں جلدی نکرے۔

شیخ المحدثین حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

انسان کا غرور و تکبر اور اُسکا علاج

(۲)

دیکھئے اسلام سے قبل آدھی دنیا قیصر روم کے زیر نگین تھی اور آدھی دنیا پر کسریٰ کی حکومت تھی لیکن عرب کی سرزمین کو نہ قیصر روم نے اپنا دارالحکومت بنایا نہ کسریٰ نے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ بنجر اور غیر نفع بخش علاقہ اس قابل نہیں کہ اس پر حکومت کیجائے کیونکہ اس سے کسی قسم کی آمدنی ہی نہیں، نہ کھیتی باڑی نہ تجارت و صنعت۔ لیکن خدا تعالےٰ کی حکمت اسکو مقتضی تھی کہ اپنے نبیٔ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ پیدا کریں کہ جہاں کسی کی حکومت اور اقتدار نہو اور اس جگہ پر اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم ہو سو الحمدللہ وہی اونٹ چرانے والے اور بادیہ پیما لوگ جو وحشی کے نام سے دنیا میں مشہور تھے اسلام کی برکت سے اس قابل ہو گئے کہ جنھوں نے قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے اور چار دانگ عالم میں اسلام کا جھنڈا لہرا دیا۔ غرض اس شہر کی قسم کھائی جو سراپا مشقت ہے۔ آگے ہے۔

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ یعنی قسم ہے والد کی اور اسکی اولاد کی

والد کبھی مشقت کا سرچشمہ ہے اور اولاد کبھی، اولاد تو اس طرح کہ بچہ ماں کے پیٹ میں بچہ دانی میں بند ہے، غذا اسکو اس خون سے ملتی ہے جو گندا اور خراب ہوتا ہے کیونکہ اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر ماہ

جو خون عورت کے جسم سے خارج ہوتا ہے وہ ایام حمل میں بند ہو جاتا ہے اور اس سے بچے کو غذا پہونچتی ہے۔ غرض بچہ وہاں بند ہے جو ظاہر ہے مشقت کا باعث ہے اور اب ولادت کا مرحلہ آیا تو بچہ پیدا ہوا، پیدا ہو کر بچہ روتا ہے کیونکہ اسکو روزی کی تلاش وجستجو ہوتی ہے اور یہ کھلی مشقت کا باعث ہے اب پستان مادر سے دودھ حاصل کرتا ہے اور دو برس تک مردے کی مانند جھولے میں پڑا رہتا ہے اور بے حس وحرکت۔ کچھ دین و دنیا کی اسکو خبر نہیں ہوتی اسکے بعد ذرا بڑا ہوا تو مکتب میں بٹھایا گیا جہاں استاذ کی سرزنش اور مار پیٹ شروع ہو گئی۔ اسطرح یہ زمانہ کھلی مشقت اور تکلیف ہی میں گذرا، پھر انسان تعلیم سے فارغ ہوا تو شادی ہو گئی۔

لوگوں کا خیال ہے کہ شادی مسرتوں، راحتوں اور خوشیوں کا سرچشمہ ہے مگر حقیقت بیں نگاہ سے اگر دیکھا جائے اور غور کیا جائے تو سراسر مشقت کا باعث ہے نہ کہ راحت وآرام۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ انسان اکیلا ہوتا ہے تو کسی نہ کسی صورت میں اپنا گزر کرتا ہی رہتا ہے مگر شادی کے بعد انسان کو کما کر لانے کی بڑی بھاری فکر لاحق ہو جاتی ہے اور دن رات بس یہی فکر ہے کہ لا لا کر گھر میں دیتے رہو اور بیوی کی ناز برداریاں کرتے رہو۔ یہ حاصل ہے شادی کا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے نکاح کی حقیقت دریافت کی کہ حضرت نکاح کیا ہے؟ آپ نے فرمایا لُزُوْمُ مَهْرٍ یعنی سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مہر لازم ہو جاتا ہے۔ سائل نے سوال کیا ثُمَّ مَاذَا کہ پھر کیا؟ آپنے فرمایا سُرُوْرُ شَهْرٍ یعنی کچھ دن کی ایک مہینہ کی خوشی۔ اس نے پھر سوال کیا ثُمَّ مَاذَا کہ پھر کیا؟ آپنے فرمایا غُمُوْمُ دَهْرٍ یعنی عمر بھر کا غم۔ اور واقعی یہ ایک ایسا غم ہے کہ جس سے انسان کو نجات نہیں ملتی اور پرانے قسم کے لوگوں کو تو کچھ کم غم ہوتا ہے مگر آجکل کے مہذب اور متمدن حضرات کو تو بہت ہی سخت غم ہوتا ہے کہ کما کما کر سارا لا کر بیگم صاحبہ کو دیدو اور اوپر سے ناز نخرے اٹھاؤ۔ انکے رحم وکرم

پڑے ہیں جو دیدیا خرچ کر لیا ورنہ خیر۔ ان سے بڑھکر غموم دہر کا مصداق اور کوئی نہوگا لوگ تو سمجھتے ہیں شادی کر کے بنگلہ اور کار اور نوکر چاکر اور عیش و آرام ہوگا مگر آخر ان چیزوں کے لئے جن اخراجات کی ضرورت ہے وہ کہاں سے پورے ہونگے؟ غرض یہ کہ شادی کے بعد انسان مشقت میں گرفتار ہو جاتا ہے

سائل نے حضرت علی رضؓ کرم اللہ وجہہ سے پھر سوال کیا کہ حضرت اسکے بعد کیا؟ آپ نے فرمایا کہ کُسُوْرُ ظَهْرٍ یعنی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ واقعی مشقتیں اور مصیبتیں جھیلتے جھیلتے انسان کی کمر ہی ٹوٹ جاتی ہے اور اسکے بعد سائل نے آپ سے سوال ہی نہیں کیا۔ مگر میرا خیال ہے کہ اگر سوال کرتا کہ پھر کیا؟ تو اسکا یہی جواب ہوتا کہ "نُزُولُ قَبرٍ" یعنی اسکے بعد انسان قبر میں اتر جاتا ہے۔ تو یہ ہے انسان کی شادی اور یہ ہے اسکا انجام۔ اور مختلف مراحل۔ تو غرض اولاد بھی مشقت میں گرفتار ہے۔

یہ سب قسمیں کھاکر آگے فرماتے ہیں کہ :-

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ ہم نے یقیناً انسان کو مشقت میں پیدا کیا

اس جملے میں اس متکبر و مغرور کا جواب اس طرح ہوا کہ "اے متکبر و مغرور انسان ذرا اپنے حال پر ایک نظر تو ڈال کس منہ سے یہ متکبرانہ الفاظ نکالتا ہے اور کیا سمجھکر جنت و دوزخ کا انکار کرتا ہے؟ ذرا اس شہر کی طرف تو دیکھ جس میں تو رہتا ہے کہ وہ سراپا رنج و تکلیف ہے۔ ذرا اسکی آب و ہوا پر نظر ڈال تو تجھے معلوم ہو کہ تو کتنا عاجز و لاچار اور مجبور ہے کہ تیرے اختیار میں کچھ نہیں۔ پھر جب سے پیدا ہوا اس وقت سے لیکر آج تک مشقت و محنت میں تیرا وقت گزرا ہے اور گزر رہا ہے اور برابر ہموم و غموم میں مبتلا ہے۔ تو جس شخص کا یہ حال ہو کہ ہر طرف سے اسکو ہموم و غموم اور مشقتیں گھیرے ہوئے ہوں اسکو کیا حق ہے کہ اس قسم کے متکبرانہ الفاظ کہے، اور اسکو کیا حق ہے خدا کے رسول کے ساتھ تمسخر کرنے کا

یہ کلمات اور یہ باتیں ایسے شخص کے لئے ہرگز جائز نہیں"

یہ تو اجمالی جواب تھا آگے تفصیلی جواب شروع ہوتا ہے۔ اس اجمالی جواب میں عام طور سے فرمایا کہ انسان مشقت میں ہے یعنی خواہ انفرادی طور پر دیکھ لو یا اجتماعی طور پر دیکھ لو رعایا کو حکومت کا ڈر ہے اور حکومت کو رعایا کی طرف سے پریشانی ہے۔ نہ بادشاہ آرام میں ہے نہ فقیر۔ آگے فرماتے ہیں:۔

اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ کیا اسکا گمان ہے کہ اس پر کسی کی قدرت نہیں

یعنی یہ جو اس کافر کا خیال ہے کہ کون میرے اعمال کا حساب لے گا اور کون مجھ سے باز پرس کرے گا تو کیا اس کا یہ خیال ہے کہ اس پر کسی کو قدرت نہیں ہے؟ کیا جو مشقت اور محنت وہ جھیل رہا ہے اسکے باوجود بھی اسکو یہ گمان ہے:۔

اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗ اَحَدٌ کیا اس کا گمان ہے کہ اسکو کوئی دیکھ نہیں رہا ہے۔

اسکا گمان تھا کہ تم جو کہتے ہو کہ خدا تعالےٰ تمھارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے اسلئے اسکے مطابق جزا و سزا دے گا تو میں اسکو تسلیم نہیں کرتا اسکا کیسا عجیب جواب ارشاد فرمایا:۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ کیا ہم نے اسکی دو آنکھیں نہیں بنائیں؟

یعنی جس خدا نے تمکو آنکھیں عطا کیں جن میں اس نے محض اپنی قدرت سے دیکھنے کی طاقت پیدا کی تو کیا جو بینائی پیدا کرتا ہے وہ خود دیکھنے سے عاجز ہوگا؟ جس نے تمکو بینائی دی وہ تم کو نہ دیکھے گا؟

اسکے بعد اسکی اس بات کا جواب ہے کہ میں اس بات

نہیں مانتا کہ جو کچھ مال میں خرچ کرتا ہوں اور مقصود اس سے شہرت وغیرہ حاصل کرنا ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ کو اسکا علم ہے کہ کس نے کس نیت سے مال خرچ کیا سو اسکا جواب فرمایا کہ:-

وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ اور کیا ہم نے اسکی زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے۔

دیکھئے انسان کے دل میں جو خیال آتا ہے یا جو بات آتی ہے تو اسکے اظہار کا طریقہ یہی ہے کہ انسان اسکو زبان اور ہونٹوں کی مدد سے ادا کرتا ہے تو گویا اظہار مافی الضمیر[1] کا وسیلہ زبان اور لب ہیں اسلئے فرمایا کہ جو ذات تمھارے دل کے چھپے ہوئے رازوں کے اظہار کے واسطے سامان پیدا کر سکتا ہے کیا وہ خود ان سے بے خبر ہوگا؟ آگے فرماتے ہیں کہ:-

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ۔ اور ہم نے اسکو دونوں راستے بتلادیئے یعنی ہم نے اسکو خیر و شر سمجھا دیا اور بتلادیا کہ یہ راستہ خیر کا ہے اور یہ راستہ شر کا ہے۔ پیغمبروں کو بھیجا اور ان کے ذریعے یہ بتایا کہ خیر و شر یہ ہے۔ پھر عقل عطا فرمائی کہ اس سے انبیاء کرام علیہم السلام کی بتائی ہوئی باتوں کو سمجھو اور قبول کرو۔ غرض یہ کہ باہر انبیاء علیہ السلام راہ بتانے والے اور اندر عقل راہ بری کرنے والی۔ امام غزالیؒ نے اپنی کتاب "الاقتصاد فی الاعتقاد" میں لکھا ہے کہ عقل بذات خود کسی چیز کو سمجھنے کے قابل نہیں بلکہ باہر سے جو چیز اسکے سامنے آتی ہے اسکے متعلق وہ فیصلہ کرتی ہے جیسے ڈاکٹر کسی مریض کے مرض کو تشخیص کرتا ہے تو عقل اسکو باور کر لیتی ہے کہ ڈاکٹر کا کہنا صحیح ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام انسان کو ہدایت کا راستہ بتاتے ہیں، تو جس خدا نے انسان

---

[1] دل کی بات ظاہر کرنا۔

میں عقل پیدا کی کیا وہ قادر نہیں۔

ایک دفعہ ایک کافر ایک گلی سڑی ہڈی کہیں سے لایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاکر ازراہ تمسخر اس کو اوپر کی طرف اچھالا جس سے وہ چورا چورا ہوگئی اور کہنے لگا کہ:۔

مَنْ یُّحْیِی الْعِظَامَ وَھِیَ رَمِیْمٌ۔ کون زندہ کرے گا ان گلی ہوئی چورا چورا ہڈیوں کو۔

خدا تعالےٰ نے اسکا جواب دیا:۔

اَوَ لَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنَاہُ مِنْ نُّطْفَۃٍ فَاِذَا ھُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلاً وَّنَسِیَ خَلْقَہٗ قَالَ مَنْ یُّحْیِی الْعِظَامَ وَھِیَ رَمِیْمٌ۔

کیا انسان نے یہ نہیں سوچا کہ ہم نے اسکو ایک گندہ قطرے سے پیدا کیا اور آج وہ کھلا جھگڑالو ہے اور ہمارے بارے میں (تمسخرے) مثالیں بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بوسیدہ اور چورا چورا ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔

اس جواب کا حاصل یہی ہے کہ اپنی پہلی پیدائش پر غور کرو اور سوچو کہ ہم نے تم کو نطفہ سے پیدا کیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ نطفہ کیا چیز ہے سو تمام اطباء اس پر متفق ہیں کہ نطفہ انسان کے تمام بدن کا خلاصہ اور اسکا نچوڑ ہے۔ اور نطفہ سے جب انسان کی تخلیق ہوتی ہے تو اسکی صورت، یہ ہوتی ہے کہ اس میں جو سر کے اجزاء ہیں ان سے سر بنتا ہے جو پیر کے اجزاء اس نطفہ میں آگئے ہیں ان سے بچے کا پیر بنتا ہے۔ غرض تمام اجزاء سے وہی وہی جزو بنے گا تو جب انسان کی تخلیق کی اس صورت میں غور کرے گا تو صاف معلوم ہوجائے گا کہ بچے کے جملہ اجزاءِ بدن اسکے ماں باپ کے بدن کے جملہ اجزاء میں بکھرے ہوئے تھے، جب خدا نے ان منتشر اجزاء کو ایک نطفہ کی صورت میں جمع کرکے اور پھر ان میں سے

ہر ہر جزو کو الگ الگ کر کے اس سے الگ الگ اعضاء بنا دیئے تو پھر دوبارہ ان منتشر اجزاء کو جمع کرنے میں کیوں اشکال ہے؟ جس خدا نے پہلی دفعہ جمع کر دیا تھا وہ اب بھی جمع کر دیگا۔ اسی کو فرمایا:۔

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ　یعنی اسکو وہی زندہ کریگا کہ جس نے اس کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر طرح کی پیدائش کو خوب جاننے والا ہے۔

امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں جو قیامت کے دلائل اور صورتیں ہیں انکا حاصل جمع اور تفریق ہے یعنی پہلے انسان کے اجزاء متفرق تھے انکو جمع کر دیا پھر مرنے کے بعد منتشر ہو جائیں گے پھر جمع کر دیا جائے گا اور اس کائنات میں روزانہ اس جمع تفریق کا مشاہدہ کرتے ہو پھر بھی باور نہیں کرتے۔

غرض اس طرح اللہ جل شانہ نے اس متکبر و مغرور کا جواب دیا۔ تکبر اور غرور خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض اور مردود ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ایک عجیب بات تکبر اور غرور کے متعلق فرمائی ہے اور وہ یہ کہ اور تو جتنے گناہ ہیں انکی سزائیں تو دیر ہو جاتی ہے مگر تکبر ایسا گناہ ہے کہ متکبر کو فوراً اسکی سزا مل جاتی ہے وہ یہ کہ متکبر فوراً مخلوق کی نظروں سے گر جاتا ہے اسلئے تکبر سے بچنے کی بڑی سخت ضرورت ہے۔ اب دعا کرو کہ خدا تعالیٰ ہمکو تکبر اور غرور کی بلا سے محفوظ رکھے اور انبیاء علیہم السلام کے بتائے ہوئے راستہ پر ثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین۔

خــــــبریں

لندن میں اوپین کالج میں اسلامی کورس کا آغاز

لندن میں واقع اوپین کالج نے اپنا دروازہ ان لوگوں کیلئے کھولدیا ہے جو اسلامی تعلیمات میں ڈپلومہ۔ انڈر گریجویٹ۔ پوسٹ گریجویٹ یا ڈاکٹریٹ کی ڈگری بذریعہ عربی یا انگریزی زبان حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کالج کے ذمہ داروں نے بتایا کہ مقصد یہ ہے کہ مذہب اسلام کے بنیادی مضامین کو اہل سنت والجماعت کے نصاب کے مطابق پڑھایا جائے اور شریعت کی معلومات کو آسان زبان میں پھیلایا جائے خواہ طلبہ کہیں بھی ہوں۔

ذمہ داروں نے لندن کے نمائندہ سے بتایا کہ اس کورس میں داخلہ کیلئے یہ شرط ہے کہ انٹرنس پاس ہو خواہ سکنڈری اسکول کا سرٹیفکٹ ہو یا اس کے مساوی کوئی ڈگری ہو۔ بصورت دیگر انٹرنس کا امتحان پاس کرے جہاں تک گریجویشن کا سوال ہے تو اسلامی شریعت کے نصاب کو مکمل کرنا پڑیگا اور حسب ذیل موضوعات کے امتحانوں میں بیٹھنا لازم ہوگا۔ (۱) اسلامی عقیدہ، قرآن اور اسکے فنون (۲) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور اسکے فنون (۳) اسلامی فقہ اور اسکے مبادیات۔

یہ کالج فاصلاتی کورس پڑھانے کیلئے جدید ترین طریقوں کو استعمال کرتا ہے جسکی نگرانی بڑے بڑے ماہرین تعلیمات کرتے ہیں اور طلباء کو مختلف وقت دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے اساتذہ سے ٹیلیفون پر مذاکرہ کر سکیں۔ (بشکریہ اسلامک وائس فروری ۲۰۰۰ء)۔

پاکستان میں سود اور سودی کاروبار کو کالعدم قرار دینے کا آئینی فیصلہ

سپریم کورٹ آف پاکستان کی شریعت اپیلٹ بنچ نے اس صدی کا سب سے اہم اور دوررس نتائج کا حامل انقلابی فیصلہ ۱۴؍ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ کو صادر کردیا اس تاریخ ساز فیصلے کی رو سے پاکستان میں ہر قسم کے اور ہر صورت میں ظاہر اور پوشیدہ یا ملفوف سود اور سودی کاروبار کو قرآن وسنت کے منافی قرار دیدیا ہے اور اسوقت رائج آٹھ قوانین کو مارچ ۲۰۰۱ء تک ختم کرنے اور بلا سود اقتصادی نظام متعارف کرانے کا واضح اور دوٹوک حکم جاری کیا ہے۔ اس فیصلے سے سود سے پاک معیشت کے قیام کی راہ ہموار ہوگئی۔ جناب جسٹس خلیل الرحمن، جناب جسٹس منیر اے شیخ، جناب جسٹس وجیہہ الدین احمد اور جناب جسٹس مولانا تقی عثمانی پر مشتمل سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ نے وہاں کی تاریخ کے ۵۲ برس میں صادر کئے گئے طویل ترین تحریری فیصلے میں حکومت اور بینکوں کی ان اپیلوں کو خارج کردیا ہے جو سود اور سودی کاروبار کو منافی قرار دینے والے وفاقی شرعی کورٹ کے فیصلے کو تبدیل کرانے کی غرض سے اسکے خلاف دائر کی گئی تھیں۔

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ نمبر ۵ - محرم ۱۴۲۱ھ مطابق مئی ۲۰۰۰ء - جلد: ۲۳

قیمت فی پرچہ نو روپے سالانہ زر تعاون نوے روپیہ ششماہی پچاس روپے

سالانہ بدل اشتراک: پاکستان سو روپیہ - غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۵۶۱۸۳

S.T.D Code No 0532

پرنٹر - پبلشر - مولوی احمد مکین ستی آفسیٹ پریس بخشی بازار - الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ

مجالسِ علیگڈھ

۱۲ (مجلس دوازدہم)

(کرامت و استدراج)

فرمایا کہ عقائد پر گفتگو چل رہی ہے اس سلسلہ میں میں نے آپ کو شرح عقائد سے سنایا کہ کَرَامَاتُ الْاَوْلِیَاءِ حَقٌّ یعنی اولیاء سے کرامت کا صادر ہونا برحق ہے اور اس میں شک نہیں کسی مسلمان کی کرامت اسکے مقرب اور مقبول عند اللہ ہونے کی دلیل ہوتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کرامت ہو استدراج وغیرہ نہ ہو۔ اسی لئے علماء امت نے کرامت میں اور استدراج میں فرق بیان کیا ہے تاکہ عوام الناس کو مغالطہ نہ ہو۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ خرق عادت یعنی کرامت وہ چیز کہلائیگی جو ایسے شخص سے صادر ہو جو مقرون بالایمان و الطاعات یعنی مومن و مطیع ہو۔ چنانچہ ولی اسی کو کہتے ہیں جو متبع سنت ہو، یوں خرق عادت عوام مسلمین سے بھی ظاہر ہوتی ہے اسکو معونت کہتے ہیں اسکا فائدہ یہ ہے کہ یہ انسان کو مکارہ سے خلاصی دیدیتی ہے اور جو خواص الناس

سے صادر ہوتی ہے اسکو کرامت کہتے ہیں۔

خوارق کی اقسام

پس خوارق کی چار قسمیں ہیں۔ کرامت جو خواص سے صادر ہو۔ معونت جو عامۃ المسلمین کیلئے ثابت ہو۔ استدراج جو کفار کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور چوتھی قسم اہانت ہے جیسے کہ مسیلمہ کذاب نے کسی کے سر پر ہاتھ پھیر دیا تو وہ گنجا ہو گیا یا آنکھ پر دم کر دیا تو اسکی بینائی جاتی رہی۔ پس کرامت بھی کوئی چیز ہے لیکن اہل کو ملا کرتی ہے۔ اسکے حاصل کرنے کے لئے حوصلہ چاہیئے اور وہ یہی ہے کہ انسان ایمان اور عمل صالح میں اعلیٰ مقام پیدا کر لے۔

مرد و عورت ہر ایک سے عمل صالح کا مطالبہ

حدیث شریف میں ہے کہ صحابہ طاعات میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی خواہش رکھتے تھے یہاں تک کہ عورتوں کو بھی یہ شوق تھا کہ وہ بھی مردوں کی طرح عبادت کریں اور انھوں نے شکایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں صرف مردوں کا ذکر کیا ہے ہم لوگوں کا ذکر نہیں کیا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ
وَالصَّابِرِيْنَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ
وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّائِمِيْنَ وَالصَّائِمَاتِ
وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ
كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا

(بیشک اسلام کے کام کرنے والے مرد اور اسلام کے کام کرنے والی

عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور بکثرت خدا کی یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنیوالی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالےٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

دیکھئے اس میں بتایا کہ ایمان اور عمل صالح کا مطالبہ دونوں سے یکساں ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو۔ اللہ تعالےٰ پر ایمان لانا اور امور دین کا اختیار کرنا سب کے لئے ضروری ہے۔

اسی طرح سے ایک اور مقام پر فرماتے ہیں :۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ الخ

(جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دینگے اور انکے اچھے کاموں کے عوض میں انکا اجر دیں گے)

حیات طیبہ کی تفسیر حضرتؒ سے بارہا سنی کہ ایک بزرگ (حضرت سفیان ثوریؒ) فرماتے ہیں کہ جو دولت ہمارے پاس ہے اگر بادشاہوں کو اسکا سراغ لگ جائے تو ہم پر چڑھائی کردیں اسی سے اندازہ فرمائیے کہ ان حضرات کے پاس کیسی کچھ دولت

موجود ہوتی ہے۔ یہ ہے حیات طیبہ۔ خاقانی کہتے ہیں ؎

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بہ خاقانی
کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

(تیس سال کے بعد خاقانی پر یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ ایک لمحہ کے لئے بھی خدا کی یاد میں مشغول رہنا سلطنت سلیمانی سے کہیں بہتر ہے)

اسی دولت سے لطف اندوز ہو کر کبھی یہ حضرات یوں فرماتے ہیں کہ ؎

بفراغ دل زمانے نظرے بہ ماہ روئے
بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہائے وہوئے

(دل کے اطمینان کے ساتھ کسی ماہرو پر نظر کرنا اس سے بہتر ہے کہ چتر شاہی سر پر ہو اور سارا دن ہاؤ ہو اور شور و غوغا میں گذرے)

یہ میں کرامت کی بحث اسلئے آپ کے سامنے کر رہا ہوں کہ آپ اسکے خواہشمند ہیں اور آپ کو یہ بہت پسند ہے ورنہ تو اہل اللہ اسکے طالب نہیں ہوتے انکو اللہ تعالیٰ کی یاد میں جو حلاوت ملتی ہے اسکے آگے کسی چیز کی طرف التفات نہیں فرماتے چنانچہ ان حضرات کے قلوب میں جو چیز ہوتی ہے وہ آسمان و زمین میں نہیں سماتی۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

در دل مومن بگنجم اے عجب
گر مرا جوئی دراں دلہا طلب

(تعجب کی بات ہے کہ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں اگر تم مجھے ڈھونڈھنا چاہتے ہو انھیں کے دلوں میں ڈھونڈھ لو)

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ؎

ستم است گر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن درآ　　تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بچمن درآ

(بڑے ظلم اور ناانصافی کی بات ہے اگر ہوس تمکو کھینچکر لے جائے کہ چلو سرو وچنبیلی کی سیر کرلو کیونکہ تم خود کسی غنچہ سے کم نہیں ہو بس اپنے دل کا دروازہ کھولو اور چمن میں داخل ہو جاؤ)

اسی کو ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس طرح فرماتے ہیں کہ ؎

وسعت دل کی کیا کرتے ہیں سیر اے امداد
کہ یہی باغ ہے اپنا یہی میداں اپنا

دیکھا آپ نے یہ ہے حیوٰۃ طیبہ۔ آخر کوئی چیز تو یہ حضرات اپنے قلب میں پاتے ہوں گے جس کی وجہ سے دنیا اور دنیا کی ساری راحتیں انکی نظروں میں ہیچ ہو جاتی ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ؎

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد
در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب
من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

(شاہ سنجر کے چتر سیاہ کی طرح میری قسمت بھی سیاہ ہو جائے اگر میرے دل میں سلطنت سنجر کی ذراسی بھی ہوس پیدا ہو۔ جب سے میں نے ملک نیم شب (یعنی تہجد اور آہ سحر گاہی) کی دولت کا سراغ پالیا ہے میں مملکت نیم روز کو ایک جو کے عوض بھی خریدنا پسند نہیں کرتا ہوں)

آخرت کو چھوڑ کر متاع دنیا پر ریجھنا اور حیوٰۃ طیبہ کے بدلے دنیائے دنیہ (حقیر) کو اختیار کرنا اللہ تعالےٰ کو نہایت ناپسند ہے قرآن شریف میں اس پر سخت نکیر فرمائی ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ

اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ

(یعنی اللہ تعالیٰ نے بہت سے مواقع پر تمہاری) مدد فرمائی خاص کر حنین کے دن جس وقت کہ تمکو تمہاری کثرت نے عُجب اور غرّہ میں مبتلا کر دیا تھا جسکا اثر یہ ہوا کہ"

فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝

"یعنی وہ کثرت تمہارے لئے کچھ کارآمد نہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے"

اسی سلسلہ میں آگے غزوہ تبوک کو بھی بیان فرمایا:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝

یعنی اے ایمان والو! تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو کیا تم نے آخرت کے عوض دنیاوی زندگی پر قناعت کر لی سو دنیاوی زندگی کا تمتع تو کچھ بھی نہیں بہت ہی قلیل ہے

میں نے آپ کو <u>دنیا کب مذموم ہے اور کس حیثیت میں محمود ہے</u> اسی آیت کی تفسیر سنانے کیلئے یہ کتاب کھولی ہے دیکھئے اس میں آخرت کے مقابلہ میں دنیوی تمتع کو اختیار کرنے پر نکیر ہے اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا ہیچ در ہیچ ہے چنانچہ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ نصوص سے دنیا کی جو مذمت معلوم ہوتی ہے تو یہ اسی وقت

جبکہ یہ دنیا آخرت کے مقابل ہو اور انسان آخرت کو دنیا پر ترجیح دیے ورنہ اگر ایسا نہ ہو بلکہ دنیا کو اپنے درجہ پر رکھا جائے تو مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃ (یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے) اور نِعْمَتِ الدَّار (یہ دنیا ایک بہترین گھر) بھی ہے اس شخص کے لئے جو اسکو اپنی آخرت کے لئے توشہ بنائے۔ حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال کا وقت قریب ہوا تو انھوں نے بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا کہ ؎

با دو روزہ زندگی جامی نشد سیر غمت
وہ چہ خوش بودے کہ عمر جاودانی داشتے

(اس چند روزہ زندگی میں جامی آپ کے غم سے سیر نہ ہو سکا کیا ہی خوب ہوتا کہ ہم کو عمر جاوداں نصیب ہوتی)

مخلص و مدعی کا معیار

ظاہر ہے کہ یہ وہی شخص کہہ سکتا ہے جس نے دنیا کو اپنے درجہ میں رکھکر اسکو اپنی آخرت کا ذریعہ بنایا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ یہود چونکہ جھوٹے تھے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے محض مدعی تھے اسلئے ان سے موت کی تمنا کرنے کو کہا گیا چنانچہ انکے لئے امتحان ہوگیا۔ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ

قُلْ اِنْ کَانَتْ لَکُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ عِنْدَ اللّٰہِ خَالِصَۃً
مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

یعنی آپ کہہ دیجئے کہ اگر عالم آخرت محض تمھارے ہی لئے نافع ہے بلا شرکت غیرے تو تم موت کی تمنا کرکے دکھلا دو اگر تم سچے ہو۔ پھر آگے خود ہی ارشاد فرماتے ہیں

وَلَنْ یَّتَمَنَّوْہُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ وَاللّٰہُ
عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝

یعنی وہ کبھی بھی اسکی تمنا نہ کرینگے بوجہ ان اعمال کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹے

ہیں اور حق تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں کی۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مخلص و مدعی کا معیار بیان فرمایا ہے وہ یہ کہ جو شخص محض مدعیٔ محبت ہے اس سے کبھی موت کی تمنا نہ صادر ہوگی اور جو شخص کہ مخلص ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ میرے اور میرے محبوب کے درمیان میں واسطہ موت ہی ہے اس لئے لقائے محبوب کی خاطر وہ موت کو بھی محبوب رکھے گا جیسا کہ حضرت جامیؒ کے کلام میں آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ ان یہودیوں کو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا یقین ہی نہیں تھا بلکہ اس بارے میں وہ شک وشبہ میں مبتلا تھے اور چونکہ تصدیق کی ضد تکذیب ہوتی ہے لہٰذا جب کسی کے قلب میں شک ہوگا تب بھی تصدیق فوت ہو جاوے گی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے شک و شبہات کا بالکل استیصال فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

الٓمٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

یعنی یہ قرآن ایسی کتاب ہے جس میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اور دوسری کتابوں میں ریب و شک ہے چنانچہ یہ صحیح بھی ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کا واقعہ

امام شافعیؒ نے ایک کتاب لکھی پھر بار بار اسکا مطالعہ فرمایا اور جتنی بار دیکھا کوئی نہ کوئی غلطی ضرور ملی بالآخر عاجز ہو کر اپنے شاگرد سے فرمایا کہ ہٹو جی اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہی نہیں کہ کوئی اور کتاب بے ریب ہو

اہل زمانہ کا مرض

قرآن شریف میں جس طرح سے منکرین کا بیان ہے اسی طرح شک کرنے والوں کا

بھی بیان ہے اسلئے کہ دین کے باب میں شک اور ریب بھی کفر ہے یہاں جو چیز معتبر ہے وہ اذعان اور یقین ہے۔ آج یہ حال ہو گیا ہے کہ دنیا کی اور چیزوں میں شک نہیں ہے، سائنس میں کچھ ریب و شک نہیں ہے لوگوں کے لئے اگر کچھ ریب ہے اور شک ہے تو بس قرآن میں۔ اسکے ارشادات پر یقین نہیں حاصل ہوتا۔ یہ اس زمانہ کا مرض ہے۔ پس جب یہ حال ہے تو اسکے ثمرات بھی ہماری نظروں کے سامنے ہیں کہ حیوٰۃ طیبہ ہم کو نصیب نہیں۔

شک اور وسوسہ

یہاں ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ ریب اور شک کے متعلق علماء نے فرمایا ہے کہ یہ کفر ہے اسلئے کہ یہ انسان کا اختیاری فعل ہوتا ہے لیکن اسی کے قریب قریب ایک اور چیز ہوتی ہے وسوسہ اسکے متعلق مشائخ فرماتے ہیں کہ وسوسہ کفر نہیں ہے اگر اقرار و تصدیق موجود ہے تو پھر وسوسہ مضر بھی نہیں اسلئے کہ یہ تمھارا فعل نہیں بلکہ یہ فعل شیطان کا ہے اور غیر اختیاری ہے یہی وجہ ہے کہ صاحب وسوسہ اسکو برا بھی جانتا ہے دل سے اس پر راضی نہیں ہوتا اس میں لوگوں سے بہت غلطی ہوتی ہے وہ یہ کہ لوگ اسکی طرف التفات کر لیتے ہیں اور اسکے مقتضیٰ پر عمل کرنے لگ جاتے ہیں جو اختیاری فعل ہے اور مضر ہے۔ وسوسہ کے متعلق محققین یہ فرماتے ہیں کہ یہ شیطانی چال ہے شیطان اسکے ذریعہ سے نیک لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتا ہے لہٰذا وسوسہ اگر ایمان کے متعلق بھی آوے تو اسکا علاج یہ ہے کہ خود ایمان کی تجدید کر لیا کرے اور زبان سے مثلاً یہ کہے کہ۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ

یعنی ایمان لاتا ہوں میں اللہ تعالیٰ پر اور اسکے سب فرشتوں پر اور اسکی سب کتابوں پر اور اسکے سب رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور اس بات پر کہ ہر بری بھلی تقدیر خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور اس بات پر کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا ہے۔

وساوس کے متعلق مصلح الامۃ رحؒ کا ارشاد گرامی

میں کہتا ہوں کہ جب شریعت (کہہ رہی) ہے کہ وسوسہ فعل غیر اختیاری ہے اور مضر نہیں ہے تو پھر آپ اس سے کیوں پریشان ہوتے ہیں اسکی جانب سے صرف نظر کرکے اپنے کام میں لگئے ورنہ تو شیطان کا مقصود ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ آپ کو انہیں الجھا کر دین کے کام سے روک دے بس اس میں الجھنا گویا شیطان کی مراد کو پورا کرنا ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ وسوسہ کی مثال بجلی کے تار کی سی ہے کہ اسکو کھینچنے کے لئے ہاتھ لگانا یا دفع کرنے کیلئے ہاتھ لگانا دونوں ہی مضر ہیں حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرات صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وساوس کی شکایت کی اور یہ عرض کیا کہ ہمیں ایسے وساوس آتے ہیں کہ ہم جل کر کوئلہ ہو جانا پسند کرتے ہیں لیکن انھیں زبان پر لانا پسند نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ ایسا پاتے ہو؟ عرض کیا بیشک یا رسول اللہؐ فرمایا کہ ذَاكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ یہ تو صریح ایمان کی علامت ہے اور اسکا علاج بھی آپؐ نے یہ بیان فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص کے پاس شیطان آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا، فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا مثلاً یہ کہ آسمان کو کس نے پیدا کیا؟ زمین کو کس نے پیدا کیا اس کے

جواب میں ظاہر ہے وہ یہی کہے گا کہ اللہ نے پیدا کیا یہاں تک کہ اور آگے بڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ تمھارے رب کو کس نے پیدا کیا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ فَاِذَا بَلَغَهُ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ وَلْيَنْتَهِ جب تم میں سے کسی کو اسکی بات پہونچے تو چاہیئے کہ اعوذ باللہ پڑھے اور اس ناپاک خیال کی جانب التفات بھی نہ کرے۔ دیکھا آپ نے یہ ہے وسوسہ کا مسنون علاج جس میں ایک دنیا کو آج پریشان دیکھتا ہوں جسکو دیکھئے وسوسہ کا شاکی، جسکو دیکھئے وسوسہ سے پریشان، کسی کو نماز میں وسوسہ آتا ہے کسی کو ذکر میں آتا ہے اور حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اسکا علاج نہایت آسان ہے اب جو پریشانی ہے تو وہ علاج کے نہ جاننے سے ہے یا اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ بہرحال وساوس سب کو آتے ہیں صحابہ تک کو آئے تو پھر ہم لوگوں کو کیوں نہ آئیں مگر فرق یہ ہو گیا ہے کہ ان حضرات کو دین کا اہتمام تھا اسلئے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا یہ مرض بیان کیا اور آپ نے اسکا جو علاج تجویز فرمایا بے چون وچرا اسے تسلیم کرلیا اور اس پر عمل بھی کیا، نجات پا گئے اور اب ہمارا یہ حال ہے کہ اسکے متعلق کسی سے علاج دریافت ہی نہیں کرتے اور اپنے طور پر اسی میں الجھے رہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس قدر اس کو دفع کرنا چاہتے ہیں یہ اور چمٹتا ہے۔

وسوسہ کے بارے میں ایک بزرگ کی حکایت ایک بزرگ کو بڑھاپے میں وسوسہ آیا کہ جوانی میں فلاں گناہ کر لیتے پھر توبہ کر لیتے، اسپر وہ بہت روئے کہ اب یہ میرا کیا حال ہے کہ جوانی میں تو مجھے اس قسم کا خیال کبھی آیا نہیں اب بڑھاپے

میں وسوسہ آرہا ہے بہت رنجیدہ ہوئے کہ آخر کیا بات ہے میرا حال کیسے خراب ہوگیا؟ شب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرمارہے ہیں تم اسیطرح اب بھی ولی ہو۔ اس وسوسہ کی وجہ سے تمھارے درجہ میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ بات یہ ہے کہ تمھاری جوانی کا زمانہ میرے زمانے سے نسبتًا قریب تر تھا اسلئے تم اسوقت وسوسہ سے بچے رہے لیکن اب زمانہ مجھ سے بعید ہوتا جارہا ہے اسلئے اسکی برکتیں بھی ختم ہوتی جارہی ہیں اس وجہ سے تمکو بڑھاپے میں یہ وسوسہ آیا

آیت اَوْ تُخْفُوْہُ کے نزول کے وقت صحابہ رض کا حال حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آیت وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ نازل ہوئی جس میں ارشاد فرمایا گیا تھا کہ "جو باتیں تمھارے نفسوں میں ہیں انکو اگر تم ظاہر کروگے یا پوشیدہ رکھوگے حق تعالیٰ تم سے ابکا حساب لیں گے" تو حضرات صحابہؓ پر یہ آیت بہت شاق ہوئی اور انھوں نے اپنی پریشانی کا اظہار حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ بھی یہودیوں کی طرح سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا "ہم نے سن تو لیا مگر ہم نے مانا نہیں" کہو گے؟ صحابہؓ نے یہ سنتے ہی عرض کیا کہ نہیں ہم سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہتے ہیں۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے کہنے کو تو حضورؐ سے یہ کہدیا لیکن حکم کی سختی کا اثر قلب میں پاتے تھے، بہرحال انکے صدق کا یہ اثر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آخر کی آیتیں آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ سے لیکر آخر تک نازل فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اسکی طاقت میں ہو اسکو ثواب بھی اسی کا ہوتا ہے جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا

ہوگا جو ارادہ سے کرے۔ اے ہمارے رب ہم پر دار وگیر نہ فرمایئے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں، اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے۔ جب صحابہ کرام رضی نے یہ حکم سنا تو ان کی جان میں جان آئی۔ لیکن امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں آیات کی درمیانی مدت ایک سال کی تھی پس ایک سال تک ان حضرات نے بڑا ہی سخت مجاہدہ کیا

وسوسہ اور الہام میں فرق

یہ میں وسوسہ کا بیان کر رہا ہوں جسکی وجہ سے آپ لوگ پریشان ہیں تو اسکے متعلق ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ وسوسہ جو ہوتا ہے وہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ صاحب وسوسہ اسکو دل سے برا بھی جانتا ہے، لیکن اسی سے ملتی جلتی ایک اور چیز ہوتی ہے یعنی الہام یہ اچھی چیز ہے اور یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایمان اور عمل کی جزا ہوکر بندے کو ملا کرتا ہے اور اس میں ملائکہ واسطہ ہوتے ہیں اسی لئے الہام اچھی چیز کا ہوتا ہے اور وسوسہ ہمیشہ بری چیز کا آتا ہے گو صاحب وسوسہ اسکو برا سمجھتا ہے اور اسکی تحسین بھی اسکے ذہن میں نہیں ہوتی اس باب میں لوگ مختلف اصناف کے ہوتے ہیں بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ انکا ظاہر و باطن دونوں اچھا ہوتا ہے جیسا ظاہر ویسا ہی باطن یہ متبع لوگ ہیں۔ دوسری قسم یہ ہے کہ آدمی کا ظاہر اچھا ہو لیکن باطن برا ہو یعنی ظاہر و باطن میں مخالف ہو مگر وہ اپنے باطن پر راضی بھی نہ ہو اسکے متعلق علماء فرماتے ہیں کہ "اُولٰئِكَ هُمُ الْمُجَاهِدُوْن" یعنی یہ لوگ اہل مجاہدہ ہیں" اور ایک وہ لوگ ہیں جن کا ظاہر باطن کے مطابق نہیں یعنی ظاہر بہت اچھا اور باطن نہایت خراب مگر وہ اپنے اس باطن پر راضی

بھی ہیں انکے متعلق مشائخ یوں فرماتے ہیں کہ اُولٰئِکَ هُمُ الْفُسَّاقُ یَلْزَمُ عَلَیْهِمُ الْمُجَاهَدَة " یعنی ویسے تو یہ لوگ فاسق ہیں لیکن مجاہدہ کرکے اپنے ظاہر و باطن کا تخالف دور کرنا انکے اوپر لازم ہے "

موت و حیات انسان کیلئے آزمائش ہے

یہ دنیا دارالابتلاء ہے بڑا ابتلاء انسان کا ایمان اور عمل صالح ہی کے ذریعہ کیا گیا ہے اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا یعنی اللہ تعالےٰ نے موت اور حیات کو اسلئے پیدا فرمایا ہے تاکہ تمھاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے۔

مجھے یہاں خیال ہوتا تھا کہ حیات کا تو امتحان میں دخل ظاہر ہے لیکن موت کو اس آزمائش میں کیا دخل ہے لیکن بعد میں سمجھ آیا کہ بہت بڑا دخل ہے حسن عمل پر جو امر باعث ہوتا ہے وہ موت ہی ہے اگر انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسکو مرنا نہیں ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ عمل میں تساہلی برتے۔ لیکن جب یہ معلوم ہے کہ ایک دن مرنا ہے اور اسکا زمانہ بھی معلوم نہیں تو ظاہر ہے کہ عاقل وقت اور فرصت کو غنیمت شمار کرے گا اور اعمال صالحہ میں اسے صرف کرے گا۔　　(جاری)

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہٗ

تفصیل الدین

(۱۲)

محض کتابیں پڑھانے سے دین پیدا نہیں ہوتا بلکہ اسکے لئے صحبت صالحین کی بھی بہت ضرورت ہے۔ بس میں انگریزی پڑھانے سے منع نہیں کرتا بلکہ یہ کہتا ہوں کہ تم علماء سے پوچھکر اپنے لڑکوں کے دین سنبھالنے کا بھی کوئی انتظام کرو۔ چنانچہ میں نے اس لڑکے کی اصلاح کا طریقہ بتلایا اور بحمداللہ نفع بھی ہوا۔ ابتو لوگ علماء سے اسلئے نہیں دریافت کرتے کہ یوں سمجھ رکھا ہے کہ وہ سب سے پہلے انگریزی کو حرام بتلائیں گے حالانکہ انکو دنیا سے کچھ ضد تھوڑا ہی ہے وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ آپ دنیا کمائیں مگر دین برباد نہ کریں۔

جائز و ناجائز کی بحث

رہی یہ بات کہ مولویوں نے لایجوز ہی کا سبق پڑھا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ جب آپ ساری باتیں چھانٹ چھانٹ کر ایسی ہی پوچھیں گے جو ناجائز ہوں تو انکا جواب لایجوز کے سوا اور کیا ہوگا؟ صاحب! اس کے بعد ان سے یہ بھی تو پوچھئے کہ تجارت و زراعت کے جائز طریقے کتنے ہیں اور ملازمتیں جائز کون کون سی ہیں؟ پھر دیکھئے وہ جائز کا کتنا وسیع دفتر آپ کے سامنے کھولتے ہیں۔ وسعت قانون کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس میں ممنوعات بالکل نہوں ایسا تو کوئی بھی قانون

نہوگا اور اگر کوئی قانون اس شان کا ہو بھی تو وہ قانون کہلانے کا مستحق نہیں بلکہ وسعت قانون کے یہ معنی ہیں کہ ان میں ممنوعات کی فہرست کم ہو اور جائزات کی فہرست زیادہ ہو تو آپ قانون شرع کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ ہر باب کے اندر اس میں ممنوعات کم اور مباحات زیادہ ہیں لیکن اگر کوئی تمام صورتوں میں سے ممنوعات ہی کا انتخاب کر کے سوال کرنے لگے تو ظاہر ہے کہ سب کے جواب میں لایجوز ہی کہا جائے گا۔

پھر اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ علماء نے لایجوز ہی کا سبق یاد کر لیا ہے تب بھی ان سے پوچھ لینے میں آپ کا نفع ہی ہے گو انکے لایجوز کہنے سے اس عمل کو ترک نہ کیا جائے۔ وہ یہ کہ اگر آپ بدون پوچھے عمل کرتے تو شاید حرام کو جائز سمجھکر کرتے اور اب ناجائز سمجھکر کریں گے پہلی صورت میں گناہ کر کے اپنے کو گنہگار بھی نہ سمجھتے اور یہ حالت زیادہ خطرناک ہے۔ اور دوسری صورت میں آپ اپنے کو گنہگار تو سمجھیں گے اور اس میں امید ہے کہ شاید کسی وقت توبہ کی توفیق ہو جاوے۔ یہ تو معاملات کی حالت تھی اور بعض نے اگر لین دین کے اس جزو کو بھی درست کر لیا تو اس نے معاشرت کو خراب کر رکھا ہے۔ پھر بعض نے تو یہ کیا کہ گو تہذیب قدیم کو نہیں لیا مگر تہذیب جدید کو بھی نہیں لیا۔ اور بعض نے تہذیب قدیم کو چھوڑ کر تہذیب جدید کو لے لیا۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں جواز و ناجواز کی بحث تو الگ رہی اس سے قطع نظر کر کے ایک دوسری خرابی یہ ہے کہ یہ لوگ رات دن جس قومیت کا سبق رٹا کرتے ہیں کہ یہ ہر تقریر و تحریر میں انکی زبان وقلم پر قوم قوم کا لفظ چڑھا ہوا ہے تہذیب جدید کے اختیار کرنے میں اس قومیت کا ابطال ہے تو عجیب بات ہے کہ زبان سے تو یہ اپنے کو حامی قوم اور ہمدرد قوم ثابت کرتے

ہیں اور اپنے طرزِ عمل سے قومیت کی جڑیں اکھاڑتے ہیں کہ انکی صورت سے اور بات سے کوئی اسلامی امتیاز ظاہر ہی نہیں ہوتا بلکہ اپنی قوم سے جدا معلوم ہوتے ہیں بس انکی وہ حالت ہے ؎

یکے بر سرِ شاخ و بن می برید
خداوند بستاں نگہ کرد و دید

(ایک احمق درخت کی ایک شاخ پر بیٹھا ہوا تھا اور اسی کی جڑ کاٹ رہا تھا الخ)

اسلامی تہذیب علاوہ ازیں دوسری قوم کی معاشرت اختیار کرنا گویا اس بات کا اقرار ہے کہ (نعوذ باللہ) اسلام میں معاشرت نہیں ہے یا ہے تو عمدہ اور کافی نہیں ہے ورنہ پھر یہ لوگ دوسروں کی معاشرت کیوں اختیار کرتے ہیں؟ واللہ اسلام میں تو معاشرت ایسی ہے کہ کہیں بھی اسکی نظیر نہیں مگر معاشرت اسکو نہیں کہتے کہ باجا بھی ہو اور تکلفات ہوں۔ (اور تکبر کا سامان بھی ہو کیونکہ تکبر اور تکلف تو معاشرت کی جڑیں اکھاڑتا ہے اسلئے کہ متکبر دوسروں سے بڑا بن کر رہتا ہے پھر دوسروں کے ساتھ مساوات و ہمدردی کہاں رہی۔ اسلام میں معاشرت کی تعلیم اس طرح دی گئی ہے جس سے انسان میں تواضع پیدا ہو اور تجربہ کر لیا جائے کہ بدون تواضع کے ہمدردی اور اتفاق پیدا نہیں ہو سکتا اور یہی معاشرت کی جڑ ہے پس اصل معاشرت اسلام ہی میں ہے۔

مثلاً کھانے پینے میں اسلامی معاشرت سنئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان سے بھی فرمایا ہے اور کرکے بھی دکھلایا ہے (کُلْ کَمَا یَاْکُلُ الْعَبْدُ کہ میں تو اس طرح کھاتا ہوں جیسے غلام کھایا کرتا

ہے۔ آپؐ کی عادت تھی کہ جھک کر اکڑوں بیٹھکر کھانا کھایا کرتے تھے اب ہمارے بھائیوں کی نشست ملاحظہ ہو جو سراسر متکبرانہ ہے۔ اسکے بعد یہ دیکھئے کہ عقل کے قریب کون سا طریقہ ہے؟

اسکو ایک مثال میں سمجھئے میں پوچھتا ہوں کہ اگر آپ جارج پنجم کے دربار میں جاویں اور وہاں آپکو کوئی چیز کھانے کے لئے دی جاوے اور حکم ہو کہ ہمارے سامنے کھاؤ تو بتلائیے اس وقت آپ کسطرح کھائینگے کیا وہاں بھی آپ میز کے منتظر ہوں گے اور پالتی مارکر بیٹھیں گے یا غلاموں کی طرح جھک کر کھائیں گے؟

اور لیجئے! اس وقت جو چیزیں آپ کو دی جائیں اگر ان میں سے کوئی شے مرغوب نہو تو انصاف سے کہیئے کیا آپ اسکو بے رغبتی ظاہر کرکے کھائیں گے؟ یقیناً آپ رغبت ظاہر کرکے کھائیں گے، بے رغبتی ہرگز ظاہر نہونے دیں گے۔

بس یہی اسلامی تہذیب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ کَانَ یَاْکُلُ اَکْلاً ذَرِیْعاً کہ آپؐ (رغبت ظاہر کرکے) جلدی جلدی کھاتے تھے۔ مگر لوگوں کی یہ حالت ہے کہ نہایت ہی نازو انداز سے کھاتے ہیں۔ حضرت یہ ساری باتیں اسوقت تک ہیں جب تک حقیقت منکشف نہیں ہوئی اور اگر حقیقت کھل جائے اور معلوم ہو جائے کہ احکم الحاکمین کے دربار سے ہم کو یہ چیز کھانے کے لئے ملی ہے اور وہ ہم کو دیکھ رہے ہیں تو پھر خود بخود وہی طرز اختیار کرنا پڑے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے۔ چنانچہ اسی مثال میں غور کر لیجئے کہ آپ جارج پنجم کے عطیہ کو اسکے سامنے بے رغبتی اور بے پروائی سے کھائیں گے یا نہایت رغبت سے۔

اور لیجئے حدیث میں ہے کہ اگر لقمہ گر پڑے تو اسکو صاف کرکے

کھالو۔ اسکو بعض متکبر تہذیب کے خلاف سمجھتے ہیں تاریں اسی مثال ہیں پوچھتا ہوں کہ اگر جارج پنجم کی دی ہوئی چیز میں سے کچھ گر پڑے تو آپ کیا کریں گے کیا اسکو ویسے ہی چھوڑ دیں گے یا اٹھاکر سر پر دھریں گے حضرت سارے مرحلے یہیں طے ہو جاتے ہیں جبکہ قلب میں کسی کی عظمت ہو بس فرق یہ ہے کہ ہم لوگ یہ بات نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسکو دیکھتے تھے اگر ہماری بھی آنکھیں کھل جائیں تو وہی کرنے لگیں جو حضورؐ نے کیا ہے اور جہاں جاکر یہ آنکھیں کھلتی ہیں اور کسی کی عظمت دل میں مستحضر ہوتی ہے وہاں اب بھی آپ کا یہی برتاؤ ہے۔

تو جبکہ اسلام میں معاشرت علیٰ وجہ اتم موجود ہے تو پھر دوسروں سے کیوں لیتے ہو؟ غیرت وحمیت (اور دعویٔ قومیت) کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ اگر اسلامی معاشرت ناتمام بھی ہوتی جب بھی آپ دوسروں کی معاشرت اختیار نہ کرتے چنانچہ کسی نے کہا ہے ؎

کہن خرقہ خویش پیراستن
بہ از جامۂ عاریت خواستن

(اپنی پرانی گدڑی کو ٹھیک کرکے آراستہ کرلینا کسی دوسرے سے عاریت کا کپڑا مانگنے سے بہتر ہے)

اپنا تو پرانا کمبل بھی دوسروں کی شال سے زیادہ عزیز ہوا کرتا ہے، نہ یہ کہ اپنے پاس دوشالہ موجود ہے اور تم اسکو اتار کر دوسروں کا پھٹا ہوا کمبل اوڑھتے ہو۔ اسی طرح لباس میں بھی ہمارے بھائیوں نے دوسروں کی معاشرت اختیار کرلی ہے حالانکہ اسلامی معاشرت کے برابر لباس میں بھی کوئی معاشرت نہیں ہو سکتی، کھلی ہوئی بات ہے کہ اسلام میں لباس کے متعلق ماذونات کی فہرست بڑی اور ممنوعات کی چھوٹی ہے اور ہمارے

بھائیوں کی معاشرت میں ماذونات کی فہرست تنگ اور ممنوعات کی بڑی ہے
حیرت کی بات ہے کہ آپ رات دن وسعت وسعت پکارتے ہیں اور علماء کو رائے دیتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ معاشرت میں تنگی نہ ہونا چاہیئے اور طرز عمل یہ ہے کہ آپ نے ایسی معاشرت اختیار کر رکھی جسمیں سراسر تنگی ہے بھلا جس میں ماذونات کم اور ممنوعات زیادہ ہوں وہاں وسعت کہاں۔ آپ خود ہی تو ایک قاعدہ بناتے ہیں کہ وسعت ہونی چاہیئے اور خود ہی اسکو توڑتے ہیں۔

یہاں سے معلوم ہوا ہوگا کہ درحقیقت آزادی شریعت ہی کی معاشرت میں ہے کیونکہ اس میں ماذونات زیادہ اور ممنوعات وقیود کم ہیں برخلاف جدید معاشرت کے کہ اس میں صرف تنگی ہی تنگی ہے۔ یہ لوگ اسوقت تک کھا نہیں سکتے جب تک کرسی اور میز نہ ہو اور ہم لوگ پلنگ پر کھالیں، بستر پر کھالیں، بوریئے پر کھالیں، بلکہ زمین پر بھی کھالیں ہمارے لئے کوئی قید نہیں بتلایئے آزادی کی لذت حاصل کون ہے؟

جدید معاشرت اب جدید معاشرت کو دیکھئے میں ایک مرتبہ اپنے بھائی کے یہاں کھانا کھا رہا تھا تو ہم لوگ فرش پر بیٹھے ہوئے کھا رہے تھے اس وقت ایک جنٹلمین بھی مہمان تھے وہ کھانے کیلئے اس حلیہ سے آئے کہ کوٹ پتلون میں جکڑے ہوئے تھے بیچارے آکر کھڑے ہوگئے اور اسکے منتظر رہے کہ شاید میرے واسطے کرسی لائی جاوے گی مگر بھائی نے میری وجہ سے کرسی وغیرہ کا انتظام نہ کیا۔ دیر تک وہ کھڑے رہے مجھے شرم بھی آئی کہ ایسے کھڑے ہیں جیسے کوئی مانگنے آیا ہو بالآخر وہ بہ تکلف اس طرح بیٹھے کہ دونوں پیر ایک طرف لمبے کر دیئے اور دھم سے گر پڑے اور کہنے لگے کہ معاف فرمایئے گا میں پیر لمبے کرنے پر مجبور ہوں میں نے کہا معاف فرمایئے گا

میں کرسی پر کھانے سے معذور ہوں انکو پیر لمبے کرتے شرم آتی تھی اور مجھے کرسی پر کھانے سے شرم آتی تھی۔ میری شرم ایسی تھی جیسے علامہ تفتازانی کی شرم تھی اور انکی شرم تیمور لنگ جیسی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ تیمور لنگ دربار میں پیر پھیلا کر بیٹھتا تھا کیونکہ اسکا ایک پیر بوجہ لنگ کے سیدھا رہتا تھا علامہ تفتازانی اسکے زمانہ میں بہت بڑے عالم تھے تیمور انکی اتنی وقعت کرتا تھا کہ دربار میں انکو اپنے پاس تخت پر بٹھلاتا تھا۔ جب پہلی بار علامہ تفتازانی دربار میں بلائے گئے اور تیمور نے انکو تخت پر بٹھلایا تو یہ بھی تیمور کی طرح ایک پیر لمبا کر کے بیٹھے، تیمور نے ناگواری سے کہا ــــ "معذورم دارکہ مرا لنگ است" یعنی مجھے معذور سمجھئے کیونکہ میرے پیر میں لنگ ہے۔ میں نے قصداً پیر لمبا نہیں کیا جس کا آپ نے مقابلہ کیا ہے۔ علامہ نے جواب دیا ــــ "معذورم دارکہ مرا ننگ است" یعنی آپ بھی مجھے معذور سمجھئے کیونکہ مجھے ننگ و عار آتا ہے کہ ظاہر میں بادشاہ کی وضع سے کمتر وضع اختیار کروں کیونکہ اس میں دیکھنے والوں کی نظر میں علم کی تحقیر ہے۔ تیمور خاموش ہو گیا پھر ہمیشہ یہی دستور رہا کہ علامہ پاؤں پھیلا کر ہی تخت پر بیٹھتے تھے۔

اسی لئے میں نے بھی ان حضرت کیلئے کرسی نہ منگوائی کیونکہ اس میں اسلامی معاشرت کی توہین تھی۔ میں نے کہا اچھا ہے ذرا آج یہ اپنی معاشرت کا مزا تو چکھیں کہ اس میں کتنی مصیبت ہے تو کیا یہ آزادی ہے کہ انسان بدون کرسی اور میز کے بیٹھ ہی نہ سکے

ایک دفعہ میں کانپور کی مسجد میں حدیث شریف پڑھا رہا تھا کہ ایک پولیس انسپکٹر جو کہ جنٹلمین تھے اسی طرح کوٹ پتلون میں جکڑے ہوئے تشریف لائے اور لب فرش میرے منتظر کھڑے رہے کہ یہ

میرے پاس آئے اور میں باتیں کروں مگر میں حدیث کو انکے لئے کیوں چھوڑتا بالآخر تھوڑی دیر کھڑے رہ کر چل دیئے۔ واللہ اس لباس سے زیادہ کیا جیل خانہ ہوگا جس میں کرسی کے آنے تک انسان کو مجرموں کی طرح کھڑا رہنا پڑے

تو میں اس وقت جائز و نا جائز سے بحث نہیں کرتا یہ تو دوسری بات ہے۔ ان سب سے قطع نظر کرکے کہتا ہوں کہ دوسری قوموں کی معاشرت اختیار کرکے وہ امتیاز قومی کہاں رہا جس کے یہ لوگ بڑے مدعی ہیں اور اسلام کی وقعت کہاں رہی جس کے حامی اور خادم ہونے کا آپ کو دعویٰ ہے۔ اسلام کی یہی وقعت ہے کہ تم دوسروں کی معاشرت اختیار کرکے زبان حال سے اسلامی معاشرت کا ناکافی ہونا ظاہر کرو۔ نیز اس میں خرابی الگ ہے کہ جس معاشرت کو آپ لے رہے ہیں اس میں تنگی اور قید بہت زیادہ ہے کہ ایک چیز کو دوسری لازم اور اسکو تیسری چیز لازم ان قیود کی پابندی میں وہ آزادی کہاں رہی جس کا آپ سبق پڑھا کرتے ہیں۔

آجکل نوجوان آزادی کا سبق پڑھکر شادی بیاہ کی رسموں کو منع کرنے لگے ہیں مگر میں نے ایک موقع پر کہا تھا کہ یہ ہمارے لئے خوش کن بات نہیں کیونکہ ان رسموں کو اپنی رسموں کے پورا کرنے کیلئے منع کرتے ہیں خدا و رسول کی ممانعت کی وجہ سے منع نہیں کرتے البتہ رسوم کو روکنا علما کا حق ہے۔

اور لیجئے سلام وکلام میں بھی ہمارے بھائیوں نے دوسروں کا طریقہ اختیار کرلیا ہے گویا شریعت کی معاشرت کو بالکل چھوڑ دیا (کوئی ٹوپی اتار کر سلام کرتا ہے کوئی انگریزی لفظوں میں سلام کرتا ہے کوئی آداب و تسلیمات کہتا ہے وغیرہ وغیرہ) (جاری)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

کھانے کے آداب

(۱)

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ، و اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان سیدنا و نبینا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ اٰلہ و اصحابہ و بارک و سلم۔ تسلیما کثیرا کثیرا - امابعد۔

عن عمرو بن ابی سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: کنت غلاما فی حجر رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ وکانت یدی تطیش فی الصحفۃ فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یا غلام سم اللہ، و کل بیمینک وکل مما یلیک

(صحیح بخاری، کتاب الاطعمۃ باب التسمیۃ علی الطعام۔ حدیث نمبر ۵۳۷۶)

دین کے پانچ شعبے

آپ حضرات کے سامنے پہلے بھی کئی مرتبہ عرض کر چکا ہوں کہ دین اسلام نے جو احکام ہم پر عائد کئے ہیں وہ پانچ شعبوں سے متعلق ہیں یعنی عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق۔ دین ان پانچ شعبوں سے مکمل

ہوتا ہے اگر ان میں سے ایک کو بھی چھوڑ دیا جائے تو پھر دین مکمل نہیں ہوگا لہٰذا عقائد بھی درست ہونے چاہئیں، عبادات بھی صحیح طریقہ سے انجام دینی چاہئیں لوگوں کے ساتھ لین دین اور خرید و فروخت کے معاملات بھی شریعت کے مطابق ہونے چاہئیں اور باطن کے اخلاق بھی درست ہونے چاہئیں۔ اور زندگی گذارنے کے طریقے بھی درست ہونے چاہئیں جس کو معاشرت کہا جاتا ہے۔

معاشرت کی اصلاح کے بغیر دین ناقص ہے

اب تک اخلاق کا بیان چل رہا تھا امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نیا باب قائم فرمایا ہے اس میں دین کے جس شعبے کے بارے میں احادیث لائے ہیں وہ ہے "معاشرت" معاشرت کا مطلب ہے دوسروں کے ساتھ زندگی گزارنا۔ زندگی گزارنے کے صحیح طریقے کیا ہیں؟ یعنی کھانا کس طرح کھائے پانی کس طرح پیئے؟ گھر میں کس طرح رہے؟ دوسروں کے سامنے کس طرح رہے؟ یہ سب باتیں معاشرت کے شعبے سے تعلق رکھتی ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ "آجکل لوگوں نے معاشرت کو تو دین سے بالکل ہی خارج کر دیا ہے اور اس میں دین کے عمل دخل کو لوگ قبول نہیں کرتے حتیٰ کہ جو لوگ نماز روزہ کے پابند ہیں بلکہ تہجد گزار ہیں، ذکر و تسبیح کرنے کے پابند ہیں لیکن معاشرت انکی بھی خراب ہے دین کے مطابق نہیں ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انکا دین ناقص ہے" اسلئے معاشرت کے بارے میں جو احکام اور تعلیمات اللہ اور اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی ہیں انکو جاننا انکی اہمیت پہچاننا اور ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہر چیز سکھا گئے

معاشرت کے بارے میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلا باب "کھانے پینے کے آداب" سے شروع فرمایا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح زندگی کے ہر ہر شعبے سے متعلق بڑی اہم تعلیمات عطا فرمائی ہیں اسی طرح کھانے پینے کے بارے میں بھی اہم تعلیمات ہمیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک مرتبہ ایک مشرک نے اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ

إِنِّي أَرَى صَاحِبَكُمْ يُعَلِّمُكُمْ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الْخِرَاءَةِ

قَالَ: أَجَلْ - أَمَرَنَا أَنْ لَا نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ وَلَا نَسْتَنْجِيَ بِأَيْمَانِنَا

(ابن ماجہ کتاب الطہارۃ باب الاستنجاء بالحجارۃ)

تمہارے نبی تمہیں ہر چیز سکھاتے ہیں حتیٰ کہ قضائے حاجت کا طریقہ بھی سکھاتے ہیں؟ اسکا مقصد اعتراض کرنا تھا کہ بھلا قضائے حاجت کا طریقہ بھی کوئی سکھانے کی چیز ہے؟ یہ تو کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی کہ ایک پیغمبر اور نبی جیسا جلیل القدر اور عظیم الشان انسان اسکے بارے میں کچھ کہے ــــ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ جس چیز کو تم اعتراض کے طور پر بیان کر رہے ہو وہ ہمارے لئے فخر کی بات ہے یعنی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہر چیز سکھائی ہے یہانتک کہ ہمیں یہ بھی سکھایا کہ جب ہم قضاء حاجت کے لئے جائیں تو قبلہ رخ نہ بیٹھیں اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجا کریں۔ جیسے ماں باپ اپنی اولاد کو سب کچھ سکھاتے ہیں اسلئے کہ اگر ماں باپ اس بات سے شرمانے لگیں کہ

اپنی اولاد کو پیشاب پاخانے کے طریقے کیا بتائیں تو اس صورت میں اولاد کو کبھی پیشاب پاخانے کا صحیح طریقہ نہیں آئے گا۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر اور آپ پر ماں باپ سے کہیں زیادہ شفیق اور مہربان ہیں اسلئے آپؐ نے ہمیں ہر چیز کے طریقے سکھائے ان میں کھانے کا طریقہ بھی ہے اور کھانے کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ایسے آداب بیان فرمائے جنکے ذریعے کھانا کھانا عبادت بن جائے اور باعثِ اجر و ثواب بن جائے

کھانے کے تین آداب

چنانچہ یہ حدیث جو ابھی میں نے پڑھی اسمیں حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ کھانے کے وقت اللہ تعالےٰ کا نام لو یعنی "بسم اللہ" پڑھکر کھانا شروع کرو اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اور برتن کے اس حصے سے کھاؤ جو تم سے قریب تر ہے آگے ہاتھ بڑھاکر دوسری جگہ سے مت کھاؤ۔ اس حدیث میں تین آداب بیان فرمادیئے

پہلا ادب "بسم اللہ" پڑھنا

ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھانا شروع کرے تو اللہ کا نام لے اور اگر کوئی شخص شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو اسکو چاہیئے کہ کھانا کھانے کے دوران جب بھی بسم اللہ پڑھنا یاد آئے اسوقت یہ الفاظ کہدے ——

بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ ——

(ابوداؤد کتاب الاطعمۃ باب التسمیۃ علی الطعام۔ حدیث نمبر ۳۷۶۷)

یعنی اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں، اول میں بھی اللہ کا نام

اور آخر میں بھی اللہ کا نام

شیطان کے قیام وطعام کا انتظام مت کرو

ایک حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے اور کھانے کے وقت بھی اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ اس گھر میں نہ تو تمھارے لئے رات کو رہنے کی کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی کھانے کے لئے کوئی گنجائش ہے اسلئے کہ اس شخص نے گھر میں داخل ہوتے وقت بھی اللہ کا نام لے لیا اور کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا نام لے لیا اسلئے نہ تو یہاں قیام کا انتظام ہے اور نہ طعام کا انتظام ہے اور اگر کسی شخص نے گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا اور ویسے ہی گھر میں داخل ہوگیا تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے لو بھائی تمھارے قیام کا انتظام ہوگیا تم یہاں رات گذار سکتے ہو کیونکہ یہاں پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اور جب وہ شخص کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا نام نہیں لیتا تو اسوقت شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ تمھارے طعام کا بھی انتظام ہوگیا

(ابو داؤد کتاب الاطعمہ باب التسمیہ علی الطعام حدیث نمبر ۳۷۶۵)

بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا نام نہ لینے سے شیطان کا عمل دخل ہوجاتا ہے اور گھر کے اندر اسکے قیام کا انتظام اور اس کے عمل دخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ تمھیں طرح طرح سے ورغلائے گا، بہکائے گا اور گناہ پر آمادہ کرے گا، ناجائز کاموں پر آمادہ کرے گا اور تمھارے دل میں بدی کے خیالات اور وسوسے ڈالے گا، وہم پیدا کرے گا اور کھانے کا انتظام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب جو کھانا تم کھاؤ گے اس میں اللہ کی طرف سے برکت نہیں ہوگی اور وہ کھانا تمھارے زبان کے

چٹخارے کیلئے تو شاید کافی ہو جائے گا لیکن اس کھانے کا نور اور برکت حاصل نہ ہوگی

گھر میں داخل ہونے کی دعاء

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتوں کی تاکید فرمائی ہے ایک یہ کہ جب آدمی گھر میں داخل ہو تو اللہ کا نام لے کر داخل ہو اور بہتر یہ ہے کہ وہ دعاء پڑھے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ :-

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَ الْمَوْلِجِ وَخَیْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰہِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰہِ خَرَجْنَا وَعَلَی اللّٰہِ رَبِّنَا تَوَکَّلْنَا

(ابوداؤد کتاب الآداب باب ما یقول اذا خرج من بیتہ حدیث نمبر ۵۹۶)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب گھر میں داخل ہوتے تھے تو یہ دعاء پڑھا کرتے تھے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اے اللہ میں آپ سے بہترین داخلہ مانگتا ہوں کہ میرا داخلہ خیر کے ساتھ ہو اور جب گھر سے نکلوں تو بھی خیر کے ساتھ نکلوں اسلئے کہ جب آدمی گھر میں داخل ہوتا ہے تو اسکو پتہ نہیں ہوتا کہ میرے پیچھے گھر میں کیا ہو گیا۔ ہو سکتا ہے کہ گھر میں داخل ہونے کے بعد تکلیف کی خبر ملے یا رنج اور صدمے اور پریشانی کی خبر ملے چاہے وہ دنیوی پریشانی کی خبر ہو یا دینی پریشانی کی خبر ہو۔ اسلئے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اللہ تعالے سے یہ دعاء کر لو کہ یا اللہ میں گھر میں داخل ہو رہا ہوں اندر جا کر میں اپنے گھر کو اور گھر والوں کو اچھی حالت میں پاؤں۔ اور اسکے بعد پھر ضرورت سے دوبارہ گھر سے نکلنا تو ہوگا لیکن وہ نکلنا بھی خیر کے ساتھ ہو، کسی پریشانی یا دکھ یا تکلیف کی وجہ سے گھر سے نہ نکلنا پڑے مثلاً گھر میں داخل کے بعد پتہ چلا کہ گھر والے بیمار ہیں اب انکے علاج اور دوا کے لئے گھر سے باہر نکلنا پڑا یا گھر میں کوئی پریشانی آ گئی اور اب اس پریشانی کے مداوا کے لئے گھر سے باہر نکلنا پڑا تو یہ

اچھی حالت اور اچھے مقصد کے لئے نکلنا ہوا اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمادی کہ گھر میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھ لیا کرو۔

دعا پڑھنا یاد نہ آئے تو اپنے گھر کے دروازے پر لکھکر لگا لو تاکہ اسکو دیکھکر یاد آجائے اسلئے کہ یہ دعا دنیا دی پریشانیوں سے بچانے کا سبب ہے اور آخرت کا ثواب اور فضیلت الگ حاصل ہوگی، لہٰذا جب انسان یہ دعا پڑھتے ہوئے داخل ہوا کہ میرا داخل ہونا بھی خیر کے ساتھ ہو اور میرا نکلنا بھی خیر کے ساتھ ہو تو پھر بتا ئیے شیطان کی اس گھر میں قیام کرنے کی گنجائش کہاں باقی رہیگی اسی لئے شیطان کہتا ہے کہ اس گھر میں میرے لئے قیام کا انتظام نہیں۔

بڑا پہلے کھانا شروع کرے

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی کھانے میں شریک ہوتے تو ہمارا معمول یہ تھا کہ جب تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھانا شروع نہ فرماتے اسوقت تک ہم لوگ کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھاتے تھے بلکہ انتظار کرتے تھے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کی طرف ہاتھ بڑھائیں اسوقت ہم کھانا شروع کریں۔

اس حدیث سے فقہاء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جب کوئی چھوٹا کسی بڑے کے ساتھ کھانا کھا رہا ہو تو ادب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ چھوٹا خود پہلے شروع نہ کرے بلکہ بڑے کے شروع کرنے کا انتظار کرے

شیطان کھانا حلال کرنا چاہتا تھا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کھانے کیوقت ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھے اتنے میں ایک نو عمر بچی بھاگتی ہوئی

آئی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بھوک سے بیتاب ہے اور ابھی تک کسی نے کھانا شروع نہیں کیا تھا اسلئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اب تک کھانا شروع نہیں فرمایا تھا مگر اس بچی نے آکر جلدی سے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھا دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا اور اسکو کھانے سے روک دیا، پھر تھوڑی دیر بعد ایک دیہاتی آیا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بھی بھوک سے بہت بیتاب ہے اور کھانے کی طرف لپک رہا ہے اس نے بھی آکر کھانے کی طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا بھی ہاتھ پکڑ لیا اور اسکو بھی کھانے سے روک دیا۔ اسکے بعد پھر آپؐ نے تمام صحابۂ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

ان الشیطان یستحل الطعام ان لا یذکر اسم اللہ تعالیٰ علیہ وانہ جاء بھذہ الجاریۃ لیستحل بھا فاخذت بیدھا فجاء ھذا الاعرابی لیستحل بہ، فاخذت بیدہ، والذی نفسی بیدہ ان یدہ فی یدی مع یدھا

(صحیح مسلم کتاب الاشربۃ باب آداب الطعام والشراب واحکامھا حدیث نمبر ۲۰۱۷)

شیطان اس کھانے کو اس طرح اپنے لئے حلال کرنا چاہتا تھا کہ اس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے چنانچہ اس نے اس لڑکی کے ذریعہ کھانا حلال کرنا چاہا مگر میں نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا، اسکے بعد اس نے اس دیہاتی کے ذریعہ کھانا حلال کرنا چاہا مگر میں نے اسکا ہاتھ پکڑ لیا اللہ کی قسم شیطان کا ہاتھ اس لڑکی کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔

(جاری)

شیخ الحدیث حضرت محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

غرور و تکبر کا علاج

(۱)

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشہد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ اما بعد۔ فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ يَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝	سو وہ شخص گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا اور تم کو کیا معلوم کہ گھاٹی کیا ہے؟ وہ کسی گردن کا چھڑا دینا یا کھانا کھلانا فاقہ کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو یا کسی خاک میں ملے ہوئے محتاج کو پھر وہ ان لوگوں میں سے نہ ہوا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو رحم اور شفقت کی وصیت کی یہی لوگ داہنے والے ہیں۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا کفر کیا وہ لوگ بائیں والے ہیں، ان پر آگ ہوگی جو ان پر محیط ہوگی اور اسکو بند کر دیا جائے گا۔

گزشتہ جمعہ میں کبھی میں نے اس سورت کا ابتدائی حصہ تلاوت کرکے اسکے متعلق بیان کیا تھا جس میں خداوند تعالیٰ نے ایک متکبرو مغرور، متفاخر کی باتوں کا جواب دیا تھا اب جو سورہ کا باقی حصہ اسوقت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیا ہے اس میں خداوند تعالیٰ نصیحت فرماتے ہیں کہ اس شخص کو بجائے ان متکبرانہ خیالات اور مغرورانہ الفاظ کے یہ یہ کام کرنے چاہئیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ کیوں نہ پار ہوا گھاٹی کے ؟

وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُ اور تجھے معلوم ہے وہ گھاٹی کیا ہے ؟

اسکا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص جو متکبرانہ کلمات کہہ رہا ہے اس کو اب چاہیئے کہ گھاٹی سے گذر جائے اور گھاٹی سے گذرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کنایہ ہے مشکل اور صعوبت سے چنانچہ اگر کوئی شخص کسی مشکل کام کو کرگذرے تو اسکے لئے کہا جاتا ہے کہ یہ شخص گھاٹی سے گذر گیا۔ اس جگہ یہ مطلب ہے کہ خداوند تعالیٰ تک پہونچنے کا راستہ کوئی آسان اور ہنسی کھیل نہیں ہے بلکہ وہاں تک پہونچنے کے لئے کچھ مشکلات اور صعوبتیں اٹھانی پڑینگی اور گھاٹی سے گزرنا پڑے گا آگے اس گھاٹی کا ذکر ہے کہ وہ گھاٹی کیا ہے ؟ چنانچہ ارشاد ہے فَكُّ رَقَبَةٍ یعنی گردن چھڑانا۔ گردن چھڑانے کے مختلف معنی مفسرین نے بیان کئے ہیں مثلاً کسی غلام کو غلامی سے آزاد کرانا، دوسرے کسی قرض خواہ کا قرض ادا کرکے اسکی گردن چھڑانا، تیسرے یہ کہ کسی مظلوم کو ظالم کے ظلم سے آزاد کرانا۔ مطلب یہ کہ گھاٹی سے گزرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کسی غلام کو آزاد کردیا کسی مظلوم کو ظالم کے پنجہ سے چھڑادو۔ حاصل یہ ہوا کہ مال و دولت پر غرور کرنے کے بجائے اسکو خدا کی راہ میں صرف کرنا چاہیئے۔ آگے فرماتے ہیں۔

اَوْاِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَۃٍ یعنی گھاٹی سے گزرنے کا دوسرا طریقہ اور خدا تک پہونچنے کا ذریعہ یہ ہے کہ کھانا کھلا دے کسی بھوک والے دن میں، اور یہ کھانا کس کو کھلا دے؟ اسکا ذکر آگے ہے کہ یَتِیْمًا ذَا مَقْرَبَۃٍ اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَۃٍ یعنی کھانا کسی قرابت دار یتیم کو کھلائے یا کسی مسکین کو جو بالکل خاک ہی میں ملا ہوا ہو۔ اس جگہ جو مسکین کے ساتھ لفظ ذَا مَتْرَبَۃٍ یعنی مٹی میں ملا ہوا فرمایا اسکا مطلب یہ ہے کہ بعض فقراء اور مساکین تو ایسے ہیں کہ جنکا خرچ انکی آمدنی سے زیادہ ہوتا ہے سو وہ بھی ایک طرح کے مسکین ہیں اور ایک وہ ہے جسکی کوئی آمدنی ہی نہیں اور اسکے پاس بجز خاک کے اور کچھ نہیں، اسکے حالات ایسے ہیں کہ جیسے وہ بالکل مٹی ہی میں مل گیا ہو تو اسکو کھانا کھلانا اور اسکی مدد کرنا یہ زیادہ باعث فضیلت ہے

ایک مرتبہ میرا مسوری جانے کا اتفاق ہوا لوگ وہاں ایک مسجد بنوا رہے تھے ہم اس مسجد میں جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک پہاڑی پر نہایت شاندار بنگلہ لوگوں نے مجھے دکھایا اور بتایا کہ جن صاحب کا یہ بنگلہ ہے وہ بہت رئیس اور مالدار آدمی ہیں اہل شہر نے ان سے مسجد کی تعمیر کیلئے چندہ طلب کیا تو انھوں نے نہایت لاپروائی سے کہا کہ "میرے یہاں اس فنڈ کی گنجائش نہیں" خدا کی شان دیکھئے کہ اسی روز شدید بارش ہوئی اور انکے بنگلہ کا وہ پشتہ بارش کی وجہ سے گر گیا جو اس بنگلے کو سنبھالنے کے لئے بنایا گیا تھا کیونکہ بنگلہ پہاڑی کے اوپر کنارہ ہی پر واقع تھا۔ اب وہ پشتہ گر گیا تو ظاہر ہے اسکے گرنے کی وجہ سے کوٹھی بھی کچھ مخدوش ہو گئی ہو گی تو لوگوں نے مجھے اسکو دکھا کر اور انکا واقعہ بیان کرکے کہا کہ اب تو غالباً فنڈ میں گنجائش نکل آئی ہو گی۔ مقصد اس واقعہ کے بیان کرنے کا یہ ہے کہ اگر انسان خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے کسی وجہ وجہ سے عذر کرے تو ادب کو ملحوظ رکھے۔ گستاخانہ اور متکبرانہ الفاظ ہرگز

زبان سے نہ نکالے۔ ایسے الفاظ خداوند تعالیٰ کو ناپسند ہیں بعض اوقات حق تعالیٰ خود ہی اسکی سزا دیتے ہیں اسلئے اس سے بہت ڈرنا چاہیئے آگے ارشاد ہے۔ ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی پھر ہوتا ان لوگوں میں سے جو ایمان لائے۔ اس جگہ علماء کو یہ شبہہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے اس جگہ "ثم" کا لفظ جس کے معنیٰ "پھر" کے ہیں کیوں ارشاد فرمایا؟ اسکا کیا مطلب ہوا؟ سو مطلب یہ ہے کہ گھاٹی سے گزرنے کے جو کام خدا تعالےٰ نے اس جگہ ذکر فرمائے وہ کام کبھی کافر بھی کرتا ہے مگر خدا تعالےٰ کے یہاں ضابطہ یہ ہے کہ نیک اعمال کی قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے اگر ایمان ہے تو عمل قبول ہے اور اگر کافر ہے تو رد ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اگر تم نے یہ سب کام کئے مگر ایمان نہ لائے تو بے کار۔ اس جگہ ممکن ہے آجکل کے مہذب و متمدن لوگ یہ اعتراض کریں کہ صاحب یہ تو کھلی تنگ نظری ہے کہ کافر اگر نیک کام کرے تو قبول نہیں حالانکہ وہ بھی خدا کے لئے کرتا ہے اور اسکی نیت بھی خالص ہوتی ہے مگر محض کفر کی وجہ سے اسکو قبول نہیں کیا جاتا۔

سو جواب اسکا یہ ہے کہ دنیا کا قاعدہ ہے کہ ہدیہ اور نذرانہ اس شخص سے قبول کیا جاتا ہے جس سے تعلق ہو اور اگر کوئی ایسا شخص ہدیہ یا نذرانہ دے جو مخالف ہے اسکا نذرانہ قبول نہیں کیا جاتا اور کہا جاتا ہے کہ ہم تمھارا ہدیہ کیوں لیں تمھارا ہم سے تعلق کیا؟ تو اسکو کوئی تعصب اور تنگ نظری نہیں کہتا بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس شخص نے بالکل ٹھیک کیا۔ غیرت اور خودداری کا یہی تقاضا ہے۔ پس اگر خدا تعالیٰ بھی اپنے دشمن اور مخالف کا نذرانہ قبول نہ کریں تو کیوں اشکال ہے اور خدا تعالیٰ سے تعلق رکھنے کا ذریعہ ایمان ہے۔ جو شخص ایمان لے آیا اس نے خدا تعالیٰ سے تعلق قائم کرلیا اور جو ایمان نہیں لایا وہ باغی ہے تو اگر وہ یہ شرط لگادیں کہ اگر ایمان لاؤ گے تو قبول کریں گے ورنہ نہیں تو عین حکمت اور

عین مصلحت ہے اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس جگہ "پھر" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے قبل از اسلام یہ نیک کام کئے پھر وہ ایمان لایا تو اب اسکے متعلق یہ سوال پیدا ہوگا کہ آیا اسکے وہ نیک کام جو اس نے قبل از اسلام کئے اسلام لانے کی برکت سے وہ قبول ہو جائیں گے ؟

حکیم بن حزام ایک صحابی ہیں جو اسلام لانے سے قبل بہت سخی اور نیک آدمی تھے اسلام لانے بعد انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا کہ میرے وہ اعمال و صدقات وخیرات قبول ہوئے یا رد ہو گئے ؟ تو آپ نے فرمایا اَسْلَمْتَ عَلٰی مَا اَسْلَفْتَ مِنْ خَيْرٍ یعنی وہ تمام کے تمام قبول ہو گئے ۔ اس جگہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ کافر دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو کفر کے ساتھ ظالم اور شریر بھی ہوتے ہیں کہ لوگوں پر ظلم کرنے اور دوسری برائیاں کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے اور پھر کافر ہی رہنے کی حالت میں مر گئے یعنی خاتمہ کفر پر ہوا ۔ دوسری قسم وہ کہ نیک دل اور سخی ہوتے ہیں اور اپنی زندگی میں نیک اعمال مثل صدقہ اور خیرات وغیرہ کے کرتے ہیں اور خاتمہ کفر پر ہوتا ہے تو ان دونوں میں آیا کوئی فرق ہے یا نہیں یعنی اس نیک کام کرنے والے کافر کو اسکے نیک کاموں کی وجہ سے کوئی فائدہ پہونچے گا یا نہیں ؟

سو اسکے متعلق حکم یہ ہے کہ جائیں گے تو دونوں ہی جہنم میں اور دونوں کو عذاب بھی دائمی اور ابدی ملے گا مگر اس نیک کام کرنے والے کو عذاب ذرا ہلکا ہوگا ۔ چنانچہ بخاری شریف کی روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے متعلق آتا ہے کہ جب انکا انتقال ہونے لگا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اے چچا ! میری خواہش یہ ہے کہ آپ ایک دفعہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ لیتے پھر میں خدا سے خود جھگڑ لوں گا" ۔ آپ فرما رہے تھے اور ابوجہل اور ابولہب بھی موجود تھے ۔ انھوں نے ابوطالب سے کہا

کہ انکے کہنے سے اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ دوگے؟ تو اس موقع پر ابو طالب نے شعر پڑھے جو سیرت کی کتابوں میں منقول ہیں ؎

وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ دِیْنَ مُحَمَّدٍ مِنْ خَیْرِ اَدْیَانِ الْبَرِیَّۃِ دِیْنًا
لَوْلَا الْمَسَبَّۃُ اَوْحِذَارُ مَلَامَۃٍ لَوَجَدْتَنِیْ سَمْحًا بِذَاکَ مُبِیْنًا

(میں نے تحقیق کے ساتھ جان لیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین لوگوں کے تمام ادیان سے بہتر ہے۔ اگر گالی اور ملامت کا ڈر نہوتا تو تم مجھے انکے دین کا واضح طور پر مطیع اور فرماں بردار پاتے)

غرض یہ کہ انھوں نے انکار کردیا اور کہا کہ "میں عار کو نار پر ترجیح دیتا ہوں" اور یہ کہہ کر انتقال کر گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس واقعہ سے صدمہ گزرا اور آپ نے فرمایا کہ اگرچہ وہ کفر پر گزر گئے مگر جب تک خدا تعالیٰ کیطرف سے ممانعت نہوگی میں انکے لئے استغفار کرتا رہوں گا۔ چنانچہ آپ انکے لئے استغفار فرماتے رہے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی

مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْٓا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّھُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ

نبی کے لئے اور ایمان والوں کے لئے اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے واسطے مغفرت مانگیں خواہ وہ مشرکین انکے رشتہ دار ہی کیوں نہوں بعد اسکے کہ انپر واضح ہوگئی کہ وہ جہنم میں جائیں گے۔

چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے استغفار ترک کردیا اسکے بعد صحابہ رضوان اللہ علیہم نے آپ سے سوال کیا کہ آپ کے چچا ابو طالب نے آپکی اس قدر خدمت کی اور کفار کے مقابلہ میں آپکی جو مدد کی تھی اس کی وجہ سے انکو کوئی فائدہ پہونچے گا؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں میری برکت انکے عذاب میں کمی ہوگی اور جہنم میں سب سے کم عذاب اور سب سے ہلکا انکو ہوگا یعنی انکو آگ کی دو جوتیاں پہنا دی گئی ہیں جس سے انکا دماغ ہنڈیا کی طرح پکتا رہے گا۔ اس مقام پر اسکی توجیہ میں علامہ سہیلی نے سیرت

ابن ہشام کی شرح میں لکھا ہے کہ دو جوتیاں پہنانے میں حکمت یہ ہے کہ ـــــ چونکہ ابو طالب سرتاپا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں غرق تھے مگر قدم ملت جاہلیت پر قائم رہے اسلئے فقط قدموں کو عذاب دیا گیا اور باقی بدن چھوڑ دیا گیا اور اس جگہ ایک شبہہ کا جواب دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ایک جگہ قرآن مجید میں ہے۔

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ کافروں سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا۔

اس سے بظاہر یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ جو کافر نیک اعمال کرتے ہیں انکو تو ہلکا عذاب ہوگا جیساکہ ابھی بیان ہوا اور آیت میں یہ ہے کہ کافروں سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا سو سمجھنا چاہیئے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ فیصلہ ہو جانے کے بعد جس کافر کے لئے جتنا اور جیسا عذاب مقرر کر دیا جائے گا اس میں کوئی کمی یا تبدیلی نہ ہوگی۔ مطلب یہ کہ بعض کی سزا ہلکی ہوگی اور بعض کی شدید ہوگی یہ نہیں ہوگا کہ کسی کو ابتداء میں شدید عذاب تجویز ہوا ہو پھر بعد کو اس میں تخفیف ہو جائے

اس سلسلہ میں ایک واقعہ ابو لہب کا یاد آیا۔ یہ آپ کا چچا تھا جب اس نے آپ کی ولادت مبارکہ کی خبر سنی تو اپنی ایک باندی ثوبیہ نامی کو خوشی میں آزاد کر دیا اسلئے آپ نے فرمایا کہ ہر دوشنبہ کے دن ابو لہب کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے کیونکہ آپ کی ولادت باسعادت دوشنبہ ہی کو ہوئی تھی جس کی خوشی میں اس نے یہ نیک کام کیا تھا جس کی برکت سے دوشنبہ کے دن عذاب ہلکا ہو جاتا ہے۔

علامہ زمخشری نے ایک لفظ لکھا ہے کہ قرآن مجید میں تین سورتیں ہیں جنکے شروع میں لفظ قُلْ آیا ہے یعنی خداوند تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے قل اعوذ برب الناس، قل اعوذ برب الفلق اور قل ھو اللہ احد مگر اسکے بعد جو چوتھی سورت ہے وہ تبت یدا

ہے اسمیں "قُلْ" یعنی کہہ دیجئے نہیں فرمایا اسکی کیا وجہ ہے؟ تو وجہ اسکی یہ ہے کہ "قل" کا مطلب یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ براہ راست اسکے بارے میں خطاب نہیں فرمارہے ہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے خطاب فرمارہے ہیں کہ آپ یوں کہہ دیجئے تو خطاب فرمانے والے اس صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے، تو چونکہ تبت یدا میں ابولہب کے عذاب کا ذکر ہے اور ابولہب آپؐ کے چچا تھے، تو اگر اسمیں بھی "قل" فرماتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کو عذاب کی خبر دینے والے ہوتے جو خلاف ادب تھا اسلئے خدا تعالےٰ نے براہ راست خود یہ خبر دی اپنے نبی کو حکم نہیں دیا۔

اسی طرح ایک جگہ زمخشریؒ نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سارا پڑھ جائیے کہ انھوں نے فرعون کو دعوت دی اور خدا تعالیٰ کے احکام پہنچائے اس پر فرعون نے طرح طرح کے اعتراضات کئے مگر کبھی بھی آپ نے اسکو کوئی سخت کلمہ نہیں فرمایا کیونکہ جس گھر میں پرورش پائی تھی اسکے لئے ایسا کرنا سوء ادب تھا اور انبیاء کرام علیہم السلام سراپا ادب ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کا ادب بھی ملحوظ رکھنا چاہئے چہ جائیکہ مسلمانوں کا ادب بھی نہ کیا جائے۔　　(جاری)

مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ

مکتوباتِ اصلاحی

(مکتوب نمبر ۱۸۸)

حال : معروض آنکہ تاریخ ۲۱ رجولائی بروز اتوار کو احقر فتحپور گیا تھا اور جو کچھ وہاں دیکھا وہ لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت والا کی فرقت میں وہاں کے در و دیوار روتے تھے اور ہر چیز سے حسرت ٹپکتی تھی جیسے معلوم یہ ہو رہا تھا کہ ہمارے ماں باپ دونوں مر گئے ہیں اور کوئی اب دنیا میں ہمارا نہیں ہے ، ہر ایک کی صورت سے ایسا ہی لگتا تھا ، نمناک آنکھیں یہ بتاتی تھیں کہ ہر کوئی جناب والا کی فرقت میں روتا رہتا ہے ۔ مجھے ایسا لگتا تھا کہ آپ اپنی جگہ مخصوص پر بیٹھے ہیں اور اسی انداز سے وعظ فرما رہے ہیں مگر دل کا عالم عجیب تھا جو میں بیان نہیں کر سکتا ۔ حضرت والا کچھ سمجھ میں نہیں آتا مضمون آتا کیوں بند ہو گئے تھے اپنی کیفیت بہت چاہا کہ لکھدوں مگر کسی صورت سے نہیں لکھ سکا جو اس دل پر گذری ہے آپ کے جانے پر اور مئو میں ملاقات نہ ہونے پر معلوم یہ ہوتا تھا کہ پاگل ہو جاؤنگا مگر اللہ کا فضل ہو گیا آپ کی دعاؤں کے اثر سے طبیعت پر قابو پاتا گیا ۔

تحقیق : الحمد للہ ۔

حال : اور برابر دعا کرتا رہا کہ اے اللہ ایسے اسباب پیدا کر دے کہ میں الہ آباد جا سکوں ۔ حضرت والا میں ہر کام احکام شرعیہ کے

مطابق کروں گا انشاء اللہ تعالےٰ ۔ آپ مجھے بیعت فرما لیجئے اور میرا ہاتھ ہمیشہ کے لئے اپنے ہاتھ میں لے لیجئے ۔ تحقیق : بہتر

حال : حضرت والا اندنوں جیسے میرے حال رہتے ہیں دعا کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس نیک جذبہ کو ہمیشہ ہمیشہ قائم رکھے ۔تحقیق : آمین

حال : اور ہر دینی امور کی توفیق عطا فرمائے اور استقلال پیدا کر دے
تحقیق : آمین ۔

حال : اور میرا حال کبھی ان لوگوں جیسا نہ ہونے پائے جو داڑھی رکھکر منڈا دیتے ہیں ، نماز برابر پڑھتے تھے اور اب چھوڑ دئیے ، حضرت سے تعلق پیدا کر کے اب سستی برت لی ، اخلاق بگاڑ لئے ، کبھی میرا حال ایسا نہ ہونے پائے آپ دعا کر دیں ۔
تحقیق : دعا کرتا ہوں ۔

حال : اللہ مجھے اپنے راستے میں ثابت قدم رکھے اور روز افزوں ترقی ہو ۔ تیرے دین و دنیا میں اور ہمیشہ حلال روزی ملیں اور میرے بچے کھائیں اور کمائیں ۔ تحقیق : آمین ۔

حال : حضرت والا لڑکا برابر پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کر رہا ہے اور خوب دیر دیر تک دعا مانگتا رہتا ہے اور بڑی دلچسپی سے نماز پڑھتا ہے ۔ تحقیق : الحمد للہ

حال : اسکا حال دیکھکر بہت سے لڑکے نماز پڑھنے لگے ہیں ۔
تحقیق : الحمد للہ

حال : دعا کر دیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو نیک عمل کی توفیق عطا فرمائیں ۔تحقیق : آمین ۔

حال : اور میرے ماں ، باپ بھائی بہن کیسے بھی حضرت والا دعا کر دیں کہ اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو دین کی راہ میں گامزن رکھیں اور سچے

مومن ہو جائیں۔ میرے والد کا ساتھ غلط لوگوں سے چھوٹ جائے
تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۸۸۲)

حال: اپنے آخری خط میں آپ نے فرمایا تھا کہ "اصلاح کرنا اگر مقصود ہو تو کبھی موقع سے بیعت ہو جائیگی لیکن آپ کیا عمل کر رہے ہیں تبلائیے مجھے اطمینان تو دلائیے" میرے متعلق یہ بات ہے کہ مدت سے بیعت کے لئے پریشان ہوں لیکن صرف بیعت ہی مقصود نہیں ہے اصلاح بھی مقصود ہے۔ بیعت سے مقصود یہ ہے کہ کسی بزرگ ہستی کی مدد کے بغیر راہ اندھیری دیکھتا ہوں، کسی عمل میں ثابت قدمی نہیں ہوتی اور عبادت میں کوئی خاص لذت نہیں پاتا ہوں دعائے خاص اور نگراں کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ بندہ کو ہدایت دیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمادیں۔

عمل کے متعلق یہ بات ہے کہ درود شریف اور استغفار اور تسبیح فاطمی اور تلاوت کلام پاک موقع پر کرلیا کرتا ہوں باقاعدہ کوئی وظیفہ نہیں کرتا ہوں حضرت کی خاص ہدایت کے مطابق چلونگا — انشاءاللہ تعالیٰ۔

تکبر، ریا، کذب وغیرہ سے اجتناب کرسکوں اور اذکار و وظائف، نفل نماز بالخصوص تہجد پابندی کے ساتھ اور ثابت قدمی کیساتھ ادا کرسکوں اس کے لئے بندہ دعائے خاص کا خواستگار ہے

تحقیق: بھائی آپ کام تو ماشاءاللہ کرہی رہے ہیں اور جب حالات کے اصلاحی خط و کتابت کر رہے ہیں تو اپنے کو بیعت ہی سمجھئے۔ جب کبھی آئیگا تو بیعت بھی ہو جائیے گا۔ جن امراض کی

اصلاح کے لئے لکھا ہے اسکو یکے بعد دیگرے لکھا کیجئے اور ان کے مواقع بھی لکھا کیجئے مثلاً یہ کہ تکبر کے مواقع کیا ہیں اسی طرح سے غیبت وغیرہ کے بھی

ایک کلی علاج لکھتا ہوں کہ جب ان سب چیزوں کی اصلاح چاہتے ہیں تو ان امراض سے قلب میں نفرت پیدا کیجئے اور یہ سوچئے کہ اللہ تعالے کو یہ چیزیں ناپسند ہیں جتنا اسکو دل میں جمائیے گا اسیقدر ان امراض سے نجات پائیے گا۔ ان امراض کا علم بھی بہت ضروری ہے۔ نیز نماز روزہ کے احکام کا علم بھی ضروری ہے بغیر علم کے کیسے عمل ہو سکتا ہے لہٰذا بہشتی زیور۔ وصیۃ الاخلاص و وصیۃ الاخلاق وغیرہ کا بھی مطالعہ کیجئے

(مکتوب نمبر ۸۸۳)

حال۔ عاصی ان دنوں نہایت درجہ اپنے حالات پر نظر رکھ رہا ہے سارے معاملات، عبادات، اخلاقیات میں کافی کوتاہی پاتا ہے گذرے ہوئے ایام پر تاسف کر رہا ہے لیکن حضرت اقدس کی تعلیمات کی وجہ سے اپنے کو مایوس الاصلاح خیال نہیں کرتا تحقیق: الحمد للہ

حال: دل بار بار رہبری کرتا ہے کہ سدھار ہو گا۔ خصوصاً جب دوسری مجلسوں میں شرکت کا موقع ملتا ہے اس وقت بہت شکر ادا کرتا ہے کہ الحمد للہ ہم ایسی جگہ سے وابستہ ہیں کہ جب ذرا کسل دور ہوا اور ہمت کر لی اسی وقت کام پر لگ جاؤں گا کوئی رکاوٹ نہ ہوگی کہ یہ کسی اور جگہ نہیں پاتا ہے، حضرت کا ذکر خیر اکثر لوگ کرتے ہیں۔

تحقیق: الحمد للہ

حال: جناب قاری صاحب نے ۱۶ جولائی ۶۱ء کو احقر کو سوتا کھ بھنجین

کے اسٹیشن پر بغرض روانگی فتحپور آنجناب والا شان کی خدمت میں ملاقات اور استفادۂ دین کے لئے حاضری کو لکھا اور لکھا کہ تمھاری موجودگی ضروری ہے۔ میں نے لکھا حضرت مئو تشریف فرما ہیں۔ انھوں نے لکھا اور بہتر ہے۔ پھر احقر نے لکھا حضرت الہ آباد تشریف رکھتے ہیں اور احقر مئو تاریخ مقررہ پر حاضر رہے گا، چنانچہ احقر حاضر ہوا لیکن قاری صاحب نے ارادہ بدل دیا ایک روز بعد تشریف لائے مجھکو لکھدیا میں اب بہار جارہا ہوں تم گورکھپور ملنا احقر تاریخ پر ملا اب وہاں سے اتفاقی ساتھ لکھنؤ تک ہوگیا درمیان گفتگو بار بار اس مرتبہ ملاقات نہونے پر افسوس کرتے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ میں بغرض استفادہ حاضر ہورہا تھا انشاء اللہ اکتوبر تک کوئی صورت ہوجائیگی تم ساتھ رہنا۔ میں نے کہا اطلاع ملنے پر کوشش کرونگا۔ لکھنؤ پہونچکر دیوبند چلنے کا حکم دیا دیوبند پہونچکر خود کسی ضروری کام سے میرٹھ تشریف لے گئے۔ میں نے کہا میں تھانہ بھون ہوتا آؤں ایک شب تھانہ بھون میں قیام کے بعد پھر دیوبند آنا ہوا اتنے میں قاری صاحب میرٹھ سے واپس تشریف لائے حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب کے یہاں حضور والا کا تذکرہ آیا انھوں نے بہت اچھے انداز میں حضور والا کا تذکرہ فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات زمانہ کی چالبازیوں اور منافقت سے عاجز ہورہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا آدمی مل جاوے جس سے اپنے دل کی بات کہکر تسلی حاصل کریں اور جو کوتاہیاں ہیں ان کی اصلاح کرائیں ہر طرف نظر دوڑا رہے ہیں ابھی قیام رائے نہیں کرسکے ہیں لیکن تلاش زوروں پر ہے۔

حضور والا! بہت جگہ لوگوں سے ملنے کے بعد کیفیت

یہ ہو رہی ہے کہ دین مع اخلاص کی تعلیم اور عملی زندگی، دینی ماحول صرف حضرت والا ہی کی مجلس کا حصہ ہے، ایسا تذکرہ بھی لوگ نہیں کرتے بلکہ باتیں اس طرح کرتے ہیں کہ ہماری ٹولی قائم رہے اور اسکو زوال نہوا سلئے جی کہیں بھی نہیں لگتا نیز اور مجلسوں میں شرکت کے بعد اتنا تو ضرور ہوتا ہے کہ بزرگوں کے قصے سننے میں آتے ہیں مگر ان قصوں سے جو دینی ابھار ہونا چاہیئے وہ کسی مجلس میں کہیں نہیں ملا ذرا فرق نہیں لگتا ہے حضرت کی مجلس میں داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کرنا چاہیئے ۔ کوتاہی سمجھ میں آتی ہے اکثر عمل بھی ہو جاتا ہے یہ بات اور ہے کہ کسل اور شرارت نفس کی وجہ سے عملی زندگی بعض وقت نہیں رہتی لیکن علمی تو بہرحال باقی رہتی ہے ۔ یہاں صورت اول بالکل مفقود ہے صورت ثانی تھوڑی دیر کے لئے باقی رہتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آنجناب عاصی کو مل گئے ابتک کام پر نہ لگنے کا بیحد افسوس ہے ۔

تحقیق : سب ٹھیک لکھا ہے ۔

حال : حضرت والا دعاء فرمادیں تحقیق : دعاء کرتا ہوں ۔

حال : اللہ تعالے نے جس طرح سے عاصی کو محض اپنے فضل سے آپ سے ملایا ہے اسی طرح سے آپکی حسب منشاء کام پر لگ جانے کی توفیق دیدیں ۔ تحقیق : آمین ۔

حال : عاصی ہمہ تن متوجہ ہے اللہ تعالیٰ آنحضور کو صحت کے ساتھ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے تحقیق : آمین ۔

حال : حضور والا عاصی کے لئے فہم درست اور عقیدت کا ملہ پیدا ہونے کی دل سے دعاء کر دیں ۔ تحقیق : دعاء کرتا ہوں ۔

حال : اللہ تعالیٰ اس ناکارہ بندہ کو کسی کام کا بنا دے ۔

تحقیق : آمین ۔

سوال: احقر پورا وعدہ کرتا ہے کہ اپنے حالات بلا کم و کاست پیش خدمت کرکے اصلاح چاہ کر پورے کام پر لگنے کی کوشش کرے گا۔ تحقیق: بہتر ہے

تحقیق: مولوی .... صاحب سنو! میں تم سے ناراض نہیں ہوں تم کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ آجکل مولویوں کی حالات و واقعات چیخنے ہر وقت لگا رہے ہیں مگر یہ لوگ ایسے بھولے ہو گئے ہیں کہ ذرا بھی حس و حرکت پیدا نہیں ہوتی تعجب کی بات ہے کہ اب بھی بھولا پن نہیں جا رہا ہے ذرا بھی سمجھ نہیں کھلتی آخر یہ بھولا پن کبتک رہیگا۔ زیادہ تعجب تو آپ لوگوں سے ہے کہ بڑی بڑی جگہ آتے جاتے ہیں اور بڑے لوگوں سے گفتگو بھی کرتے ہیں مگر جب کوئی بات لکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سمجھکر نہیں لکھ رہے ہیں اعتبار نہیں ہوتا کہ صحیح ہی لکھ رہے ہیں۔ سنو! میں تم لوگوں کی دینداری کا معتقد ہوں مگر سمجھ کی کمی دیکھتا ہوں اور یہ خیال بلا دلیل نہیں ہے بلکہ دلیل سے ہے کہ مئو سے آپ لوگ کچھ سنکر گئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ تیقظ سے کام کیجئے حالانکہ چند روز ہی کے بعد معلوم ہوا کہ جو آپلوگوں نے سمجھا تھا غلط تھا اور جب مئو گیا تو کچھ نہیں نکلا۔

بہر حال کچھ اپنی معرفت پیدا کرو، زمانہ کے حالات کی معرفت پیدا کرو اپنے شیخ کی معرفت پیدا کرو تو تمھارا کام بن جائے تمھارے لئے بھی مفید ہو اور دوسرے لوگوں کو مفید ہو، آجکل بھولے پن سے کام نہیں ہو گا۔ بہت زیادہ تیقظ اور فہم کی ضرورت ہے۔ آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم میں یہ چیزیں موجود ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں میں یہ چیزیں مفقود ہیں ورنہ ابتک بہت نفع ہوا ہوتا۔

اس خط کو فلاں مولوی صاحب کو بھی دکھلا دیجئے۔

خــــــــبریں

● مالدیپ کے چیف جسٹس شیخ محمد راشد ابراہیم نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ انکا ملک اسلام کی تنفیذ میں مخلص اور سنجیدہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ اسلامی قوانین کے نفاذ میں ملک کے مسلمانوں کے تعاون کی ضرورت ہے نیز ملک میں رفتہ رفتہ عربی زبان کو تومیانے کی کوشش جاری ہے وہاں کے عصری اور دینی مدارس اور دونوں کے فارغ طلبا کو عربی کی تعلیم بھی لازمی قرار دی جا چکی ہے اور مالدیپی زبان میں قرآن مجید کے ترجمہ کے لئے ایک کمیٹی بھی قائم کر دی گئی ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی اسکی طباعت کا کام مکمل ہو جائے گا واضح رہے کہ مالدیپ بحر ہند میں واقع کئی ہزار چھوٹے چھوٹے جزیروں پر مشتمل ایک اسلامی ملک ہے۔

● گذری ہوئی صدی کی ساتویں دہائی کے مشہور عیسائی گلوکار یوسف اسلام (کیٹ اسٹون) نے موسیقی ترک کر کے اسلام قبول کر لیا ہے وہ آجکل اسلامی اسکالرز کی کتابوں کا مطالعہ کر رہے ہیں انکے والدین یونان سے تعلق رکھتے تھے اور عیسائی تھے۔

یوسف اسلام نے اپنے قبول اسلام کے بارے میں بتایا کہ ۱۹۸۱ء میں لندن میں ہونے والے میوزیکل شو کے موقع پر ایک بک اسٹال سے انکو اسلامی معمولات سے متعلق ایک کتاب ملی جس کے مطالعہ کے بعد انکی زندگی بدل گئی اور انھوں نے سچے دل سے خدا اور اسکے احکامات کو تسلیم کر کے اسلام قبول کر لیا۔

یوسف اسلام کا کہنا ہے کہ اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جو انسانی رواداری کی تلقین کرتا ہے انکا کہنا ہے کہ اسلام قبول کر کے انکے دل کو جو سکون و راحت حاصل ہوئی ہے جبکہ اس سے قبل موسیقی سے وہ سکون حاصل نہ ہو سکا جسکی تلاش میں وہ برابر رہے (جنگ کراچی)

حامل مضامین تصوف وعرفان • افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہٗ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۶ - صفر المظفر ۱۴۲۱ھ مطابق جون ۲۰۰۰ء - جلد: ۲۳

قیمت فی پرچہ نو روپئے سالانہ زرِ تعاون نوّے روپیہ ششماہی پچاس روپئے

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان سو روپیہ - غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۵/۴۳ - بخشی بازار

الٰہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۵۶۱۸۳

S.T.D Code No 0532

پرنٹر - پبلشر - مولوی احمد متین سٹی آفسیٹ پریس بخشی بازار - الٰہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

پیش لفظ :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہوئی تاخیر تو کچھ . . . . .

گزشتہ چند ماہ سے رسالہ " وصیۃ العرفان " اپنے مقررہ تاریخ پر آپ تک نہیں پہنچ رہا ہے اس تاخیر کی بنا ر پر آپکو جو زحمت اٹھانی پڑتی ہے اور انتظار میں جو کلفت اور ذہنی اذیت ہوتی ہے اسکا احساس اہل ادارہ کو بخوبی ہے لیکن ہماری کبھی بیچینی اور اضطراب کا اندازہ لگائیے کہ ایک طرف قارئین کی فکر دوسری طرف اپنی مجبوری اور بے بسی کہ پر پرواز اور قوت پرواز کے باوجود فضاؤں کی جانب صرف یاس وحسرت سے نگاہ اٹھاکر رہ جاتے ہیں۔ قانونی مجبوریاں اور کاغذی خانہ پری کے پیچیدہ دام میں اسیر ہوکر رہ گئے ہیں

پوسٹ آفس رجسٹرڈ رسالوں کی ترسیل میں ڈاک خرچ میں رعایت دیتا ہے ، اس رجسٹریشن کی تجدید کا جب وقت آیا تو پوسٹ آفس نے این ۔ آر ۔ آئی دہلی کے سرٹیفکیٹ پیش کرنے کی شرط لگادی اُن رسائل کی تجدید نہیں کر رہے ہیں جنکے پاس یہ سرٹیفکیٹ موجود نہیں ہے ۔ سوئے اتفاق سے ہمارے ریکارڈ میں کبھی یہ سرٹیفکیٹ موجود نہیں ہے ، اسکے تمام ضروری وغیرضروری کاغذات موجود ہیں لیکن یہ تریاق ندارد ۔ ظاہر بات ہے پریشانی اور تشویش بڑھ گئی اب اسکی نقل کاپی دہلی سے جاری کرانا ہوگا ، اور دہلی دور ہے ۔ مگر اب انشاء اللہ ہنوز دہلی دور نہیں ہے ۔

دفتری کاغذات کو آگے بڑھانا اور مقررہ جگہ تک پہنچانا بس " اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے " کا صحیح مصداق ہے

خدا کا شکر ہے کہ سارے مراحل سے گذر کر سفینہ کنارے آ لگا۔ آئندہ انشاء اللہ پابندئ اوقات کے ساتھ رسالہ دستیاب ہوتا رہے گا۔ ان وجوہات کی بناء پر تاخیر ہوتی گئی اور دو ماہ مئی و جون ۲۰۰۰ء کا رسالہ ایک ساتھ روانہ کرنے پر مجبور ہوئے۔

دعا فرمائیں اللہ تعالےٰ مزید بندشوں کو رفع فرمائے اور آئندہ کسی طرح کی رکاوٹ اور رخنہ سے محفوظ رکھے۔

حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی الحمدللہ بخیر ہیں۔ پہلی مئی کو بمبئی تشریف لے گئے ہیں۔ انشاء اللہ اگست تک وہیں قیام رہے گا۔ قارئین سے گذارش ہے کہ حضرت والا کی صحت و عافیت کے لئے خصوصی دعا فرمائیں۔

بمبئی کا پتہ:
مبین منزل۔ تیسرا مالا۔ آگرہ روڈ۔ کرلا۔ بمبئی ۴۰۰۰۷۰
فون نمبر ۶۵۰۳۳۴۷

مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ

مجالسِ علیگڈھ

(مجلسِ دوازدہم ۱۲)

کرامت واستدراج

(۲)

انسان کی گمراہی میں وساوس کا دخل میں وسوسہ کے متعلق بیان کر رہا تھا کہ یہ بڑی سخت چیز ہے اور میں تو سمجھتا ہوں کہ انسان جو گمراہ ہوتا ہے تو اس میں زیادہ تر دخل وسوسہ کو ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض اوقات انسان کو خود اپنے متعلق یہ خیال گذرتا ہے کہ میں اچھا شخص ہوں، عارف باللہ ہوگیا ہوں، ولی ہوگیا ہوں، میرے دل میں جو بات آتی ہے وہ ٹھیک ہی ہوتی ہے تو اسکے متعلق یہ سمجھئے کہ یہ بھی ایک ابتلاء ہے جو پہلے تو بہ شکل وسوسہ قلب میں آتا ہے لیکن بعد میں وہی خیال قلب میں راسخ ہوجاتا ہے اور انسان گمراہ ہوجاتا ہے۔ اس دار دنیا میں نفس اور شیطان یہ دونوں زبردست گھاٹی ہیں جن سے ہر شخص کا سابقہ پیش آتا ہے۔

میں یہ کہہ رہا ہوں کہ بعض لوگ جو مدعیٔ عقل ہوئے ہیں ہوا یہی ہے کہ انھیں بھی ابتدائے امر میں وسوسہ ہی آیا ہے لیکن انھوں نے سمجھا کہ جو کچھ میرے قلب میں آرہا ہے وہ عقل وفہم

کی بات ہے یا مجھے الہام ہو رہا ہے حالانکہ وہ وسوسہ تھا اور لطف یہ کہ اپنے اس خیال کی تشہیر کر کے دوسروں کو بھی اپنا ہمنوا بنا لیا۔ اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتے ہیں فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ (شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا) صاف کہتا ہوں کہ یہ جو مختلف جماعتیں بن گئی ہیں وہ وسوسہ ہی کی وجہ سے بنی ہیں وہ لوگ وسوسہ کا مقابلہ نہ کر سکے اور اس میں مبتلا ہو کر اپنی ایک جماعت ہی الگ بنا لی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا

یعنی ہم نے اسی طرح ہر نبی کے لئے دشمن بنائے شیاطین الانس میں سے بھی اور شیاطین الجن میں سے بھی کہ ان میں سے بعض بعض کی طرف اقوال کو مزین کر کے ڈالتا ہے تاکہ اسکو دھوکہ دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کا کام ہی یہی ہے کہ وہ نیک لوگوں کے قلوب میں وساوس ڈالے اور اس کے ذریعہ انھیں گمراہ کرے۔

ہدایت و ضلالت کے سلسلے

اللہ تعالےٰ نے اس دنیا میں دو سلسلے بنائے ہیں ایک انبیاء علیہم السلام اور انکے متبعین کا سلسلہ ہے دوسرا شیاطین کا سلسلہ ہے اور ان دونوں میں باہم عداوت رکھدی ہے چنانچہ انبیاء علیہم السلام صلاح و تقویٰ اور ہر قسم کی بھلائی اور نیکی کی جانب دعوت دیتے ہیں اور ایسے امور تعلیم فرماتے ہیں جن پر چل کر انسان فلاح دارین حاصل کر سکتا ہے اور شیاطین کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ دنیا میں ہر قسم کا شر اور فساد، شرک و بدعات کا شیوع ہو تاکہ انسان ان پر ان پر چل کر گمراہ ہو اور دین و دنیا دونوں میں ہلاک ہو اسی عداوت

کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ شیطان وساوس کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ دنیا میں ہمیشہ سے یہ دونوں سلسلے قائم ہیں اور قیامت تک قائم رہیں گے اسی میں انسان کا امتحان ہے کہ وہ کس سلسلہ کو اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ دنیا حق تعالیٰ کی مظہر ہے، انبیاء علیہم السلام اور انکے متبعین اسکے جمال اور اس کی ہدایت کے مظہر ہیں اور شیطان اور اسکے پیرو حق تعالیٰ کے جلال اور اسکی ضلالت کے مظہر ہیں۔ پس انبیاء کی طبیعت اور ہے اور شیاطین کی سرشت اور ہے: وہ حضرات خیر پر مجبول ہیں اور یہ شر پر۔ انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی ایک سے دوستی کرے، اگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ دوستی کی تو شیطان کے ساتھ دشمنی لازم ہوگی اور اگر شیطان کا دوست بنے گا تو انبیاء علیہم السلام کا مخالف سمجھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے کہ شیطان کو دشمن بنایا جائے اور اس سے دشمنی رکھی جائے اور فرماتے ہیں۔

إِنَّ الشَّيْطَٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا

یعنی بلاشبہ شیطان تمہارا دشمن ہے لہٰذا تم بھی اسکو اپنا دشمن بنالو۔ چنانچہ اسکی عداوت میں ہمارا ہی فائدہ ہے جس قدر وہ ہم سے دشمنی کرے گا ہم بھی اس سے مقابلے کی تیاری زیادہ کرینگے ہمارا اجر بڑھے گا، اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں گے اور اس سے بازی لیجانے کی کوشش کریں گے۔

شیطان کی عداوت اور اسکی مدافعت کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جو ہمارا دشمن بنایا اس میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں اس میں انسان کا مجاہدہ اسی عداوت کے سبب سے ہے اگر نفس و شیطان دشمن نہ ہوتے تو پھر انکے خلاف کرنے میں مجاہدہ ہی کیا ہوتا

حالانکہ مشاہدہ تک پہونچنے کا ذریعہ مجاہدہ ہی ہے انھیں مجاہدات میں سے ایک بڑا مجاہدہ یہ بھی ہے کہ انسان وساوس کا شکار نہو اور اس میں الجھ کر اپنے دین کے راستہ کو کھوٹا نہ کرلے لیکن اس سے بچنا اسلئے اور بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ دشمن نظر نہیں آتا اور چھپ کر قلب میں دین کے خلاف کوئی بات ڈال دیتا ہے ظاہر ہے کہ اس سے بچنا کس قدر مشکل ہے اور انسان کے لئے بڑی کامیابی یہی ہے کہ وہ اسکے ضرر اور اثر بد سے اپنے آپ کو بچائے اسلئے طبیب روحانی جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا علاج یہ فرمایا کہ آدمی کو چاہیئے کہ ایسے وقت میں حق تعالیٰ کی پناہ پکڑے اور انھیں سے دعا کرے کہ وہ قلب کو اس قسم کے وساوس کی آماجگاہ بننے سے محفوظ رکھیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا منقول ہے

اللّٰھُمَّ اجْعَلْ وَسَاوِسَ قَلْبِیْ خَشْیَتَكَ وَذِكْرَكَ وَاجْعَلْ ھِمَّتِیْ وَھَوَایَ فِیْمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی

یعنی اے اللہ! آپ میرے قلب میں آنے والے خیالات اپنی خشیت اور اپنے ذکر کو بنا دیجئے اور میرا ارادہ اور میری خواہش ان امور میں کر دیجئے جو آپ کو پسند ہیں

اب میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ وساوس کی شکایت تو کرتے ہیں کبھی آپ نے اس نیت سے اس دعا کو بھی پڑھا ہے؟ اگر شیطان کے پاس ہم سے لڑنے کا ہتھیار موجود ہے تو اللہ اور رسول نے ہم کو بھی اسکی مدافعت کے لئے ہتھیار دیا ہے، اب ہم اسے نہ استعمال کریں اور شکست کھا جائیں تو اس میں ہمارا ہی قصور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس جنگ کے انجام کی بھی اطلاع دیدی ہے فرماتے ہیں کہ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ یعنی محاربہ اور لڑائی دونوں طرف سے قائم رہتی ہے، شیطان ہماری دشمنی

میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا اور ہم اسکو زیر کرنے کے درپے رہتے ہیں مگر اس جنگ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کامیابی مومنین متقین ہی کو ہوتی ہے" اور اس میں شک نہیں کہ جس نے نفس اور شیطان پر فتح حاصل کرلی اس نے بڑی کامیابی حاصل کرلی ؎

بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا
نہنگ و اژدھا و شیر نر مارا تو کیا مارا

اپنی اصلاح مقدم ہے اور شرط تاثیر ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ تمھارا سب سے بڑا دشمن تمھارا وہ نفس ہے جو تمھارے پہلو میں ہے اسی لئے مشائخ نے ... کام کی ابتداء النفس سے کی ہے یعنی پہلے اپنی اصلاح کی ہے پھر دوسروں کی طرف توجہ کی ہے۔ چنانچہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ؎

یا ایہا الرجل المعلم غیرہٗ — ھلا لنفسک کان ذا التعلیم
تصف الدواء لذی السقام وذی الضنا — کیما یصح بہ وانت سقیم
ابدء بنفسک فانہھا عن غیہا — فاذا انتہت عنہ فانت حکیم
فھناک یقبل ما وعظت ویقتدی — بالعلم منک وینفع التعلیم

۱۔ یعنی اے وہ شخص جو دوسروں کو تعلیم دے رہا ہے خود اپنے آپکو تعلیم کیوں نہیں دیتا
۲۔ تو دوسرے بیماروں اور مریضوں کے لئے تو نسخے بیان کرتا ہے تاکہ وہ استعمال کرکے تندرست ہوجائیں اور حال یہ ہے کہ تو خود مریض ہے۔
۳۔ پہلے اپنے نفس سے اصلاح کا کام شروع کرو اور اپنے نفس کو برائیوں سے بچاؤ جب وہ برائیوں سے بچ جائے تب تم حکیم شمار ہوگے۔
۴۔ اور اب اسوقت تمھاری نصیحت قبول کیجائیگی اور تمھارے علم کا اتباع کیا جائیگا اور تمھاری تعلیم نافع ہوگی۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ انسان کلام اسی وقت مؤثر ہوتا ہے جب وہ خود اس سے متصف ہو لیتا ہے چنانچہ دوسروں کو نفع پہنچانے کے لئے پہلے خود بھی کام کرنا پڑتا ہے۔ کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ لوگ اسکی اتباع کریں تو اسکو چاہیئے کہ اپنے بڑوں کا خود اتباع کرے۔ ع

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

جو خادم ہوتا ہے وہی مخدوم ہوتا ہے۔ اور اس چیز کا مشاہدہ تو ہم روزمرہ کے حالات میں کرتے ہیں جو طالب علم کہ علم حاصل کرنے میں عار نہیں کرتا ایک دن ایسا آتا ہے کہ وہ عالم کامل ہو جاتا ہے۔ اسیطرح جو مریض خواہ جسمانی ہو یا روحانی اپنے حالات کو طبیب سے پوشیدہ نہیں رکھتا تو انجام یہ ہوتا ہے کہ اسکو صحت نصیب ہو جاتی ہے۔ یہی مطلب ہے شیخ سعدیؒ کے اس ارشاد کا ؎

بپرس آنچہ ندانی کہ ذلِ پرسیدن　　دلیل راہ تو باشد بعز و دانائی

(جو بات تمھیں معلوم نہیں اسکو پوچھ لو کیونکہ یہی پوچھنے کی ذلت تمھیں عزت اور دانائی کے راستہ کی طرف رہبری کرے گی)

امیدِ عافیت آنگہ شود موافقِ عقل　　کہ نبض را بہ طبیعت شناس بنمائی

(صحت و عافیت کی امید عقل کے موافق اسی وقت ہوگی جب تم اپنی نبض کسی ماہر طبیب کو دکھاؤ گے)

کوئی شخص اگر بالفرض کسی کامل ہی کے پاس رہا تو کیا فائدہ جب تک اس سے باتیں دریافت نہ کرے دیکھا جاتا ہے کہ ایک شخص اسی طرح پوچھ پوچھ کر کامل ہو جاتا ہے، اب جو یہ ہمارے لڑکے پڑھتے ہیں یہ پوچھنے میں شرم کرتے ہیں اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ علم سے محروم رہتے ہیں۔ بہرحال سوال ذلت سہی لیکن عزت کی بلندی تک پہنچنے کے لئے دلیل راہ بھی ہے۔ اور اس میں طالب علم کے لئے

مجاہدہ بھی ہے۔ اور ابھی میں نے آپ سے بیان کیا ہے کہ مجاہدۂ نفس کے بعد ہی آدمی کو حیوٰۃ طیبہ نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ ابتدائے امر میں سالک کو بہت مجاہدات کرنے پڑتے ہیں، اپنی آنکھ، کان اور ہاتھ پاؤں وغیرہ کو حظوظ نفسانی سے بچانا پڑتا ہے جس میں تکلیف بھی ہوتی ہے مگر آخر میں چل کر جب وہ نفس سے چھوٹ جاتا ہے اور اسکے نفسانی تقاضے ختم ہو جاتے ہیں تو پھر یہی سالک اپنے ان اعضاء پر ناز بھی کرتا ہے جیسا کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است
افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را
کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

(میں اپنی آنکھوں پر ناز کرتا ہوں کہ انھوں نے آپ کا جمال دیکھا ہے، اور اپنے پاؤں پر گرتا ہوں کہ وہ آپ کی گلی میں پہونچے ہیں، ہر دم اپنے ہاتھوں کو ہزاروں بوسے دیتا ہوں کہ انھوں نے تیرا دامن پکڑ کر میری طرف کھینچا ہے۔

مصلح الامت محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ

مجالسِ علیگڈھ

(مجلس سیزدہم ۱۳)

(رضائے الٰہی کی اہمیت)

حضرت عائشہؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کے خط کے جواب میں میں تحریر فرمایا کہ جو شخص کسی مخلوق کو راضی کرنے کے لئے اپنے خالق کو ناراض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسی مخلوق کو اس پر مسلط کر دیتے ہیں اور جو اللہ تعالےٰ کو راضی کرنے کے لئے کسی مخلوق کو ناراض کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہو جاتے ہیں اور اس مخلوق کو بھی اس سے راضی کر دیتے ہیں۔

علمار اور امرار کی حیثیت حدیث میں ہے کہ دو جماعتوں کی صلاح سے میری امت کی صلاح وابستہ ہے اور ان کے فساد سے امت کا فساد ہے، ایک علمار اور دوسرے امرار

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ علمار کی مثال نمک جیسی ہے کہ دوسری چیزوں کی اصلاح نمک سے ہوتی ہے (یعنی طعام میں لذت کا ذریعہ نمک ہی ہے اگر نمک نہ ہوتا تو کھانا بالکل بے مزہ اور پھیکا رہ جاتا اور اگر نمک ہی خراب ہو جائے (یعنی تیز ہو جائے) تو اب پھر اسکی اصلاح کی کوئی صورت نہیں۔

سب سے بڑا گناہ

حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنی امت کے گناہوں پر نظر ڈالی تو اس سے بڑھکر کوئی گناہ نہیں پایا کہ کوئی شخص کلام اللہ سے اعراض کرے یا اسے یاد کر کے بھول جائے ظاہر ہے کہ یہ گناہ اسلئے سب سے بڑا ہے کہ کتاب اللہ سے اعراض کرنے کی وجہ سے اس شخص نے تو نور ہی کھو دیا اور اسکی جگہ ظلمت اختیار کرلی جو کہ اسکو دنیا و آخرت دونوں جگہ ہلاک کرنے والی ہے۔ اور اس قسم کے لوگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی تھے جنھیں منافقین کہا جاتا ہے وہ لوگ کتاب اللہ سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے بے رخی برتتے تھے یہ حدیث انھیں کے بارے میں ہے کیونکہ وہ بھی امت دعوت میں داخل ہیں اگرچہ امت اجابت میں انکا شمار نہیں کیا جاتا اسلئے کہ اجابت کے ساتھ نفاق اور کفر باطنی کا کیا جوڑ ہو سکتا ہے۔ اور سنیئے۔

شقاوت اور سعادت کا مدار

مشائخ فرماتے ہیں کہ خواطر (خیالات اور وساوس) کا معاملہ بڑا اہتم بالشان ہے شقاوت اور سعادت کا سارا دارومدار انھیں پر ہے اور شیطان انھیں کے پیچھے رہتا ہے یعنی انھیں خواطر کو اپنی گمراہی کا آلہ بناتا ہے۔ کتنے خواطر ہیں جو انسان کو اسفل السافلین میں پہونچا دیتے ہیں باقی جو اچھے خواطر ہیں وہ روح کے تابع ہوتے ہیں یعنی وہ برائی کا ذریعہ نہیں بنتے۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ زیادہ تر وساوس توحید ہی کے متعلق آتے ہیں۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ شیطان اپنا تو سب کچھ کھو چکا ہے اسلئے اسکی کوشش یہی رہتی ہے کہ دوسروں کو بھی گمراہ کرے لیکن دین کی بھی تکمیل ہو چکی ہے اسلئے کسی قسم کی پوشیدگی باقی نہیں، راستہ بالکل بیدھا صاف کھلا ہوا ہے۔ اللہ تعالےٰ ارشاد

فرماتے ہیں اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ " یعنی ہم نے آج کے دن آپکے دین کی تکمیل کر دی"۔

ہدایت وفیضان کیلئے اعتقاد شرط ہے اور ارشاد فرماتے ہیں وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا (اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے) پس قرآن شریف سبھی کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے لیکن ہدایت حاصل اسی کو ہوگی جو اسکا قصد کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک جگہ قرآن شریف کے متعلق ھُدًی لِّلنَّاسِ (یعنی تمام لوگوں کے لئے ہدایت ہے) فرمایا گیا ہے اور ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ "یعنی صرف متقیوں کے لئے ہدایت" ہے تو اسکی تطبیق علماء نے یہی دی ہے کہ کتاب اللہ اپنی ذات کے اعتبار سے اور اپنی تعلیمات نافعہ کے اعتبار سے تو سب کے لئے ہدایت ہے لیکن اس سے منتفع وہی لوگ ہوتے ہیں اور اسکو ہدایت وہی لوگ بناتے ہیں جو مومن اور متقی ہوتے ہیں اور جو لوگ ایسے نہیں ہیں وہ اس سے اعراض کرتے ہیں اور اسکا انکار کرتے ہیں اور اس سے نفع متقین ہی اسلئے اٹھاتے ہیں کہ نفع اسکو ہوتا ہے جو معتقد ہوتا ہے۔ غیر معتقد کو فیض نہیں ہوتا۔ آپ لوگوں کو بھی یہ سمجھتا ہوں کہ سب معتقد نہیں ہیں باقی جمع جو ہیں تو یہ ضروری نہیں کہ اعتقاد بھی ہو۔

ایک بزرگ کا واقعہ بے ربط نہ ہوگا اگر اس موقع پر ایک واقعہ بیان کر دوں وہ یہ کہ ایک بزرگ کی بیوی انکی معتقد نہ تھیں ایک دن وہ بزرگ ہوا میں اڑے اور اپنے مکان

کی طرف سے گذرے سب لوگوں نے دیکھا اور انکی بیوی نے بھی دیکھا کہ ایک بزرگ اڑے چلے جارہے ہیں۔ جب گھر آئے تو بیوی نے کہا کہ آپ تو ناحق بزرگی کا دم بھرتے ہیں ہم نے تو بزرگ آج دیکھا کہ ہوا میں اڑے چلے جارہے تھے، توان بزرگ نے کہا اچھا تو کیا وہ ولی تھے؟ بیوی نے کہا انکی ولایت میں کیا شک ہے؟ انھوں نے پھر پوچھا کیا وہ واقعی بزرگ تھے؟ کہا ہاں صاحب انکی بزرگی میں کیا کلام ہے؟ جب اس طرح اسکا اقرار کرالیا تو کہا کہ وہ میں ہی تو تھا! بیوی نے یہ سنکر کہا اچھا آپ تھے! جب ہی ٹیڑھے ٹیڑھے اڑرہے تھے۔ دیکھا آپنے اڑنا بھی دو قسم کا ہوتا ہے دوسروں کے لئے ایک ہی اڑنا سیدھا ہوتا ہے تو بیوی کے لئے وہی ٹیڑھا ہوتا ہے۔ سب لوگوں نے توان بزرگ کے اڑنے کو انکی کرامت میں شمار کیا چونکہ معتقد تھے اور بیوی چونکہ غیر معتقد تھی اس نے اسی میں ایک عیب لگا دیا۔

اعتقاد کی اہمیت

یہی حال قرآن شریف کا ہے کہ یہ سراپا ہدایت ہے مگر کس کے لیے؟ جو مومن ہو اور معتقد ہو اور غیر معتقد اور منافق کے لئے تو وہی گمراہی کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ میں ایک جگہ گیا ہوا تھا وہاں کچھ بیان بھی کیا بڑے بڑے لوگ شریک وعظ تھے بعد میں سب آپس میں کہتے تھے کہ ہمارے ہی متعلق کہہ رہے تھے میں نے جب سنا تو کہا کہ میں کیا جانوں کہ تم لوگ کیا خیالات رکھتے ہو اس لئے میں کسی خاص شخص کے متعلق کچھ کیسے کہہ سکتا ہوں مگر ہاں چونکہ اصلاح کا کام کرتا ہوں اسلئے اتنا ضرور جانتا ہوں کہ کچھ یہاں یورپ زدہ ہیں یعنی انکا قلب مریض ہے خدا ورسول سے اعتقاد ختم ہوگیا ہے اسلئے شکوک اوہام، وساوس اور اعتراض کے شکار ہوگئے ہیں، ورنہ تو جس طرح حکیم عبدالمجید خان

کا نسخہ ہوتا ہے اسی طرح مومن کا ایمان ہے لیکن دونوں میں بڑا فرق بھی ہے وہ یہ کہ ایک تو صرف ظاہری صحت تک محدود ہے اور دوسرا باطنی اور روحانی صحت کا بھی کفیل ہے لیکن شرط اعتقاد ہے منافقین کو قرآن سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے جو نفع نہیں ہوا تو وہ اسی لئے کہ وہ لوگ دل سے معتقد نہیں تھے بلکہ فاسق لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انکے اس حال کو قرآن کریم میں جگہ بجگہ ذکر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ کَرْهًا لَّنْ یُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۝

یعنی آپ فرما دیجئے کہ تم خواہ خوشی سے خرچ کرو خواہ ناخوشی سے تم سے کسی طرح مقبول نہیں بلاشبہہ تم عدول حکمی کرنے والے لوگ ہو۔

دیکھئے! مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہیں غزوات میں مال بھی خرچ کر رہے ہیں لیکن ان لوگوں کے نفقات (صدقات و خیرات وغیرہ مالی اخراجات) قبول نہیں کئے جا رہے ہیں جسکا منشاء انکا باطنی کفر اور نفاق ہی تھا جسکا ذکر آگے فرماتے ہیں:۔

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا یَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا یُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝

یعنی اور انکی خیر خیرات قبول ہونے سے اور کوئی چیز بجز اسکے مانع نہیں کہ انھوں نے اللہ کے ساتھ اور اسکے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے مگر ہارے جی سے اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ۔ نماز اسلئے نہیں پڑھتے تھے کہ ثواب کا اعتقاد نہیں تھا اور مومن کو نماز میں انشراح ہوتا ہے اور منافقین ایسی بوجھل اور کارد

ہوتے ہیں کیونکہ اسے لغو اور فعل عبث سمجھتے ہیں اور اسکے ترک سے عقاب کا ڈر بھی انکے دلوں میں نہیں ہوتا۔ اسکے بعد فرماتے ہیں کہ:۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ٥

یعنی ان منافقین کے اموال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دنیوی زندگی میں انکو گرفتار رکھے اور انکی جان کفر ہی کی حالت میں نکل جائے مطلب یہ کہ آپؐ اس پر تعجب نہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے منافقوں کو کیوں دیا؟ سن رہے ہیں آپ یہ بھی ایک بحث ہے اللہ تعالیٰ ایسوں کو بھی دیتے ہیں لیکن انکے لئے یہ سب استدراج ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ انکو وبال میں مبتلا کرے اور یہ چیزیں انکے حق میں ذریعۂ تعذیب بنیں۔

اپنے اہل وطن کو حضرت مصلح الامۃؒ کی تنبیہ میں نے اپنے یہاں دیہات کے لوگوں سے کہا کہ تمھاری دینی حالت اچھی نہیں ہے اور یہی آیت پڑھی کہ تم اسکے مصداق ہوئے جاتے ہو اور تمھارا حال بھی منافقین کا سا ہوا جاتا ہے مگر دیکھا کہ اسکی جانب کوئی توجہ نہیں کی اپنے ہی حال میں مست رہے۔ سچ فرمایا ہے

از شراب قہر چوں مستی دہی
نیستہا را صورت ہستی دہی

یعنی تو اپنے قہر و ناراضگی کی شراب سے اگر کسی کو مست کر دے تو اصلی نظروں میں نیست یعنی بُری اور غلط چیزیں بھی ہست یعنی اچھی معلوم ہونے لگتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ :-
اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَّلَدٍ يَكُوْنُ عَلَيَّ وَبَالًا وَّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ
مَالٍ يَكُوْنُ عَلَيَّ عَذَابًا -
یعنی اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں تیری، ایسی اولاد سے کہ ہو مجھ پر وبال اور پناہ چاہتا ہوں تیری، ایسے مال سے کہ ہو مجھ پر عذاب -

مشکلات کو سہل بنانے والی چیز

دیکھئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال اور اولاد کے وبال ہونے سے پناہ مانگی ہے - اس سے معلوم ہوا کہ کبھی یہ چیزیں اپنے صاحب کیلئے وبال اور عذاب بھی بن جاتی ہیں، چنانچہ کفار کے لئے تو مال اور اولاد کی معمولی سی خرابی بھی عذاب ہی ہے اسلئے کہ انکو اس میں ثواب کا اعتقاد تو ہوتا نہیں اور انکے جمع کرنے میں اور حفاظت میں تکلیف الگ اٹھانی پڑتی ہے اور مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے، اسلئے معمولی سا نقصان بھی انکے لئے تاوان اور خسران ہی ہوتا ہے - کیونکہ مشکلات کو جو چیز سہل بناتی ہے وہ ثواب کا اعتقاد ہے - چنانچہ مومن کو اپنے مصائب اور پریشانی میں ثواب کا اعتقاد ہوتا ہے اسلئے وہ انکے حق میں وبال نہیں بنتے - بعض لوگوں نے کہا ہے کہ منافقین کو تعذیب مالی فرضیت زکوٰۃ اور نفقۂ جہاد کے ذریعہ ہوتی تھی کیونکہ ان چیزوں میں بھی وہ ثواب کے قائل نہیں تھے لہٰذا اس میں مال خرچ کرنے کو اپنے اوپر ایک ڈنڈ اور تاوان سمجھتے تھے - اور اولاد کے ذریعہ تعذیب اس طرح سے تھی کہ انکو غزوات میں بھیجنا پڑتا تھا اور شہادت کا بھی اعتقاد نہ تھا - یا تعذیب بالمال انکے مال کا چھن جانا اور تعذیب بالاولاد قبائل کا مسلمان ہو جانا جو کہ انکے حق میں عذاب سے کم نہ تھا -

آگے فرماتے ہیں :۔

وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَأً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝

"یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں لیکن وہ ڈرپوک لوگ ہیں" منافقین کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ دونوں طرف رہنا چاہتے ہیں لیکن کوئی انھیں اپنا نہیں سمجھتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو قسمیں کھا کھا کر باور کرانا چاہتے تھے کہ ہم ایسے ہی مسلمان ہیں جیسے کہ تم ہو، اللہ تعالیٰ نے انکی قلعی کھولدی کہ غلط کہتے ہیں اور جو کچھ کہہ رہے ہیں اسکا منشا انکا باطنی کفر ہے اس لئے محض تم سے ڈر کر کہہ رہے ہیں دل سے تمھارے نہیں ہیں اور ان لوگوں کے کبھی نہیں ہیں اسلئے کہ ان کے مقابلے میں لڑنے کے لئے جانا پڑتا ہے لیکن ان سے چونکہ دلی دوستی رکھتے ہیں اسلئے جنگ میں اس امر کے متلاشی رہتے ہیں کہ کوئی موقع ملے اور بھاگ نکلیں جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "ان لوگوں کو اگر کوئی پناہ کی جگہ مل جاتی یا غار یا گھس بیٹھنے کی ذرا جگہ پالیتے تو یہ ضرور منہ اٹھا کر ادھر چل دیتے" یہ مومن ہی کی شان ہے کہ اسکا ظاہر اور باطن اور قلب و لسان یکساں ہوتا ہے۔ باقی منافق کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ :۔

مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ الآیۃ

یہ خطرناک حال ہے، اب بھی اس قسم کے لوگ موجود ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تو انکی ایک ٹولی ہی تھی جو کہ اندر اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور اسلام کی بیخ کنی میں مشغول

رہتی تھی لیکن ساتھ ہی ساتھ سخن ساز اور سخن تراش ایسے تھے کہ سامنے خوب چکنی چپڑی باتیں کرتے تھے اور اگر کسی موقع پر پکڑ ہی گئے تو جھوٹے عذر بیان کر کے نکل جاتے تھے ان کے متعلق قرآن شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ :۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝

"یعنی جب یہ منافق لوگ آپکی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم آپکی رسالت کی گواہی دیتے ہیں، اور اللہ تعالے تو جانتے ہیں کہ آپ اسکے رسول ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ سب منافقین جھوٹے ہیں"

منافقین کے دو نمایاں اوصاف

منافقین کے اندر دو صفات بہت نمایاں تھیں ایک استہزاء دوسرا اعتذار بالباطل یعنی جھوٹے عذر گڑھنا۔ چنانچہ سب سے پہلی آیت جو منافقین کے بارے میں نازل ہوئی اس میں یہی بات بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ مومنین کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝

"یعنی جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب اپنے ہم جنس شیاطین کے ساتھ تنہا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں ہم تو انکے ساتھ استہزاء کرتے ہیں" یہ لوگ خراب ہو گئے تھے یہی وجہ ہے کہ سب لوگ مسلمان ہوئے سارا عرب مسلمان ہوا مگر یہ لوگ اسی طرح سے زبان آوری اور جھوٹے عذر ہی بیان

کرتے رہے۔

نفاق کے لئے بزدلی لازم

یہ انکی عادت ہوگئی تھی، مگر نفاق کے لئے چونکہ جبن ضروری ہے یعنی منافق کھل کر سامنے بات نہیں کہتا بلکہ پیٹھ پیچھے اور چھپ چھپا کر کہتا ہے اس لئے یہ لوگ ڈرتے بھی تھے کہ کہیں ہماری کہی ہوئی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہونچ جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ انکا حال بیان فرماتے ہیں :-

يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلِ اسْتَهْزِءُوا إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مَا تَحْذَرُونَ ۝ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ۝

یعنی منافق لوگ اس بات سے اندیشہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورۃ نازل نہ ہوجائے جو انکو منافقین کے ما فی الضمیر پر اطلاع دیدے۔ آپ فرما دیجئے کہ اچھا تم استہزار کرتے رہو بیشک اللہ تعالےٰ اس چیز کو ظاہر کرکے رہے گا جس سے تم اندیشہ کرتے ہو۔ حضرت مجاہدؒ سے روایت ہے کہ منافقین آپس میں ایک بات کہتے تھے پھر یہ کہتے تھے کہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس راز کو فاش نہ کریگا۔

غزوہ تبوک کا واقعہ

حضرت قتادہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں تشریف لیجارہے تھے اور آپ کے آگے آگے منافقین کا ایک گروہ جارہا تھا انھوں نے کہا :-

أَيَرْجُو هٰذَا الرَّجُلُ أَنْ يُفْتَحَ لَهُ قُصُورُ الشَّامِ وَحُصُونُهَا

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہا (نعوذ باللہ) کہ کیا اس شخص کا یہ خیال ہے کہ شام کے قلعے اور محلات فتح کرے گا! بڑا مشکل ہے، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مطلع فرما دیا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جماعت جو آگے جارہی ہے اسکو ذرا روک تو آپ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم لوگوں نے ابھی ایسی ایسی بات کہی ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ! اِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ یعنی اے اللہ کے نبی! ہم تو محض وقت گزاری کیلئے مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے۔ چنانچہ اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ " اگر آپ ان سے پوچھئے تو کہدینگے کہ ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے، آپ فرما دیجئے کہ کیا اللہ کے ساتھ اور اسکی آیتوں کے ساتھ اور اسکے رسول کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے؟ " یعنی تمھاری ہنسی اور راستہ کاٹنے کے مشغلے کے لئے کیا یہی چیزیں رہ گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ آپ انکا عذر ہرگز قبول نہ فرمائیے، اور ان سے فرمایا کہ:۔

لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِنْ نَعْفُ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ

یعنی اب تم عذر مت کرو تم اپنے کو مومن کہکر کفر کرنے لگے اگر ہم تم میں سے بعض کو چھوڑ بھی دیں تا ہم بعض کو تو سزا دیں گے بسبب اسکے کہ وہ مجرم تھے۔

علماء نے فرمایا ہے کہ کلمۂ کفر و استہزار مذاق یا تفریح کے سا

کہنے سے کھلی کفر ہو جاتا ہے اگرچہ قائل اس سے حقیقت کا قصد نہ کرے اور وہ اسکی مراد نہ ہو۔

میں نے منافقین کے حالات کو ذرا مفصل اسلئے بیان کیا کہ یہ ایک ضروری بحث ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں ان کے حالات مفصل بیان کئے گئے ہیں اور علماء مصلحین نے اپنے اپنے زمانہ میں اس بحث کا اعتناء (اور اہتمام) کیا ہے اور اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے

منافقین کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ کی توضیح

چنانچہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب "الفوز الکبیر" میں فرمایا ہے کہ قرآن شریف میں جو علوم بیان کئے گئے ہیں وہ پانچ ہیں اور ان میں سے ایک اسکو شمار فرمایا ہے کہ علم مخاصمہ با چہار فرق ضالہ، یہود، نصاریٰ، مشرکین، منافقینؔ یعنی قرآن شریف میں چاروں فرقِ ضالہ سے بحث و مناظرہ کیا گیا ہے جن میں سے ایک فرقہ منافقین کا بھی ہے۔ اس کے بعد اسکی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ منافقین دو قسم کے تھے ایک گروہ تو ان میں ایسا تھا جو زبان سے تو کلمۂ اسلام پڑھتا تھا لیکن انکا قلب اسلام کے انکار اور کفر کے ساتھ مطمئن تھا محض مسلمانوں کی خاطر سے ایمان ظاہر کرتے تھے، دیکھا آپ نے یہ لوگ تو خاطراً ایمان ہی ظاہر کرتے تھے مگر یہ خاطر ایسی چیز ہے کہ آدمی اسکی وجہ سے کفر تک اختیار کرلیتا ہے انھیں منافقین کے بارے میں فرمایا گیا ہے:۔

فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ

یعنی یہ لوگ جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے۔

اور دوسرا گروہ منافقین کا وہ تھا کہ جو اسلام میں ضعف کے ساتھ داخل ہوا تھا مثلاً اپنی قوم کی عادات کے ساتھ معتاد تھا

یعنی اگر قوم مسلمان ہو جائے تو وہ بھی مسلمان اور اگر قوم کافر تو یہ بھی کافر۔
اسی طرح سے ضعف اسلام کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ مثلاً دنیائے (حقیر) دنی
کی لذت انکے قلوب پر اس درجہ مستولی ہو گئی تھی جس نے خدا و رسول
کی محبت کے لئے جگہ ہی نہیں چھوڑی تھی، یا مثلاً حرص وحسد اور دیگر رذائل
انکے قلوب کے اس طرح مالک ہو گئے تھے کہ وہ انکے ہوتے ہوئے
مناجات کی حلاوت اور عبادات کی برکات سے قلب قطعی ناآشنا
رہتا تھا۔ اسی طرح سے امور معاش کی مشغولی اس درجہ بڑھی ہوئی
تھی کہ امور آخرت کے فکر کی انھیں فرصت اور مہلت ہی نہ ملتی تھی
اسی طرح سے قبائل کی محبت اتنی راسخ ہو گئی تھی کہ انکی مدد وحمایت
میں دل و جان سے کھڑے ہو جاتے تھے اگرچہ اہل اسلام کے خلاف ہی
کیوں نہ کرنا پڑے۔ یہ دوسری قسم نفاق کی نفاق عمل اور نفاق اخلاق
کہلاتی ہے اور کثیر الوقوع ہے۔ خاص کر ہمارے زمانہ میں چنانچہ اس
حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے کہ

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ
وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔

یعنی تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ سب کی سب ہونگی وہ پورا
منافق ہے۔ ایک یہ کہ جب بھی بات کرے جھوٹ بولے دوسرے یہ کہ
جب وعدہ کرے اسکے خلاف کرے، تیسرے یہ کہ جب مخاصمہ کرے نسق و
فجور پر اتر آئے یعنی جب اپنا حق دوسرے سے لے تو نہایت سختی سے گالی گلوج
کے ساتھ یہ نہیں کہ برفق و نرمی معاملہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کے اعمال و اخلاق کو قرآن شریف میں
خوب کھول کھول کر بیان فرمایا ہے اور ان دونوں گروہوں کی بہت سی
صفات کا ذکر کیا ہے تاکہ امت ان سے احتراز کرے۔ (جاری)

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

تفصیل الدین

(آخری قسط)

مسئلہ استیذان

معاشرت کے بعض اجزاء کے متعلق تو بعض لوگوں کو یہ بھی خبر نہیں رہی کہ یہ شریعت کا حکم ہے بھی یا نہیں بلکہ اکثر لوگ اسکو اسلام سے خارج سمجھتے ہیں جیسے استیذان کا مسئلہ اسکو بہت لوگ نئی بات سمجھتے ہیں اور اگر کوئی شخص یہ قانون مقرر کر دے کہ جب کوئی ملنے آئے تو پہلے اطلاع کر دے تو اسکو بدنام کرتے ہیں کہ اس نے انگریزوں کا طریقہ اختیار کر لیا۔ حالانکہ استیذان کا مسئلہ اسلام ہی سے سب نے سیکھا ہے۔ چنانچہ یہ حکم قرآن میں موجود ہے۔ حدیث میں موجود ہے اور سلف کا طرز عمل بھی یہی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس پر عمل کر کے دکھلایا ہے۔ البتہ اسکی حقیقت سمجھ لیجئے کیونکہ جس طرح آجکل نوجوانوں نے طرز اختیار کیا ہے یہ انھوں نے حکم اسلامی کی اتباع کے لئے نہیں کیا بلکہ اس میں بھی وہ دوسری قوموں کا اتباع کرتے ہیں۔

تو سن لیجئے اسلام میں استیذان کیلئے کارڈ بھیجنے کی ضرورت نہیں اور نہ ہر جگہ نہ ہر مکان کے لئے اجازت مانگنے کی ضرورت ہے بلکہ قرآن سے یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص خلوت میں بیٹھا ہے مثلاً بیٹھک کے کواڑ بند کر رکھے ہیں یا پردے چھوڑ رکھے ہیں یا زنانہ مکان ہے

تو اسوقت استیذان کی ضرورت ہے اور اگر مردانہ مکان ہے اور کواڑ بند نہیں نہ پردے چھوڑے ہوئے ہیں تو بلا استیذان کے جانا جائز ہے (مگر یہ کہ قرائن سے معلوم ہو جائے کہ اسوقت کسی ضروری کام میں مشغول ہے جس میں دوسروں کے آنے سے خلل واقع ہوگا)

اور جہاں استیذان کی ضرورت ہے وہاں یہ طریقہ ہے کہ پہلے جاکر سلام کرو "السلام علیکم" پھر اپنا نام بتلاکر کہو کہ میں اندر آسکتا ہوں اگر وہ اجازت دے چلے جاؤ ورنہ تین دفعہ اسی طرح کر کے لوٹ آؤ۔

چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور تین دفعہ اسی طرح کر کے واپس ہو گئے، حضرت عمرؓ نے خادم سے فرمایا کہ میں نے ابوموسیٰ کی آواز سنی تھی انکو بلالاؤ، اس نے باہر آکر دیکھا تو واپس ہو چکے تھے، آکر عرض کیا تو فرمایا کہ جہاں ہوں وہیں سے بلالاؤ۔ جب وہ تشریف لائے تو پوچھا کہ آپ واپس کیوں ہو گئے تھے؟ فرمایا کہ ہمکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم فرمایا ہے کہ تین مرتبہ سلام و استیذان کے بعد جواب نہ آئے تو واپس ہو جایا کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا اسلئے فرمایا کہ تمھارے پاس کوئی گواہ ہے جو تمھارے موافق حضورؐ کے ارشاد کو بیان کرسکے۔ حضرت ابوموسیٰ گواہ کی تلاش میں مسجد نبوی آئے جہاں انصار کا مجمع موجود تھا انھوں نے کہا کہ ہم سب اس مسئلہ پر گواہ ہیں مگر تمھارے ساتھ ہم اپنے میں سب سے چھوٹے کو بھیجیں گے تاکہ حضرت عمرؓ کو معلوم ہو جائے کہ انصار کے بچے بھی اس مسئلہ کو جانتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اس مجمع میں سب سے چھوٹے تھے وہ گواہی کیلئے حاضر ہوئے اور آکر بیان کیا کہ واقعی حضورؐ نے تین دفعہ کے بعد لوٹ جانے کا حکم

دیا ہے۔ یہ تو حضورؐ کا حکم ارشادی تھا حضورؐ نے اپنے عمل سے بھی اس حکم کو ظاہر فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعدؓ بن عبادہ کے گھر تشریف لے گئے اور تین مرتبہ فرمایا السّلام علیکم ءَاَدۡخُلُ (السلام علیکم کیا میں اندر آسکتا ہوں) حضرت سعدؓ تینوں بار اس خیال سے خاموش رہے کہ اچھا ہے حضورؐ بار بار سلام فرمائیں تو ہمکو حضورؐ کی دعا کی برکت زیادہ نصیب ہو۔ جب تیسری دفعہ کے بعد پھر آپؐ نے سلام نہ کیا تو وہ گھر سے نکل کر دوڑے اور دیکھا کہ حضورؐ واپس تشریف لیجا رہے ہیں جاکر حضورؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں تو مزید برکت حاصل کرنے کیلئے خاموش ہو رہا تھا آپ واپس کیوں چلے، فرمایا کہ مجھکو یہی حکم ہے کہ تین دفعہ سے زیادہ استیذان نہ کروں غرض پھر آپؐ واپس تشریف لے آئے۔

اگر آج کوئی ایسا قانون مقرر کر دے کہ اجازت لیکر آؤ اور تین دفعہ میں جواب نہ ملے تو واپس ہو جاؤ تو لوگ اسکو فرعون اور مغرور سمجھیں گے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور حضراتِ سلف کا یہی طریقہ تھا اور تین دفعہ اجازت مانگنے پر اگر اجازت نہ ملے تو وہ بخوشی واپس ہو جاتے تھے گرانی مطلق نہ ہوتی تھی تو دیکھئے یہ صورت کیسی آسان ہے اور اس میں کس قدر مصالح ہیں۔

پس ہماری معاشرت ہر طرح سے مکمل ہے کھانے پینے میں بھی اور ملنے ملانے میں بھی۔ مگر افسوس ہم لوگ اسکی قدر نہیں کرتے اور خواہمخواہ دوسروں کے دروازوں پر دریوزہ گری کرتے ہیں۔

تصوف کی حقیقت

پانچواں جزو دین کا تصوف ہے اسکو تو لوگوں نے بالکل چھوڑ رکھا ہے اکثر لوگوں نے تصوف کے متعلق یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ بہت ہی مشکل ہے کیونکہ اس میں بیوی بچوں کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔

صاحبو! تصوف کی حقیقت ہے خدا تعالیٰ سے تعلق بڑھانا سو اس میں تعلقات ناجائز تو بیشک چھوڑنا پڑتے ہیں باقی تعلقات جائزۂ ضروریہ تو پہلے سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔ صوفیہ کے معاملات اور تعلقات بیوی بچوں کے ساتھ خوشگوار ہوتے ہیں کہ اہل تمدن کے بھی ویسے نہیں ہوتے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تصوف والے سنگدل ہوجاتے ہیں حالانکہ وہ ایسے رحمدل ہوتے ہیں کہ انسان تو انسان جانوروں تک پر رحم کرتے ہیں چنانچہ ان حضرات کے پاس رہ کر معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ ہر شخص کی راحت کا کسقدر خیال کرتے ہیں لہٰذا اس سے متوحش ہونا نادانی ہے جسکی وجہ سے اسلام کا ایک ضروری جزو لوگوں سے فوت ہو رہا ہے یہ جزو ایسا ضروری ہے کہ قرآن شریف میں جابجا اسکی تحصیل کا امر ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ

"یعنی اے ایمان والو حق تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے" اس میں تکمیل تقویٰ کا امر ہے یہی تصوف کا حاصل ہے اور مشاہدہ ہے کہ ایسا ڈرنا سوائے صوفیۂ کرام اور اہل اللہ کے اور کسی کو بھی نصیب نہیں ہے انکی بات بات میں خشیت ہوتی ہے۔ بیباکی اور آزادی نام کو بھی نہیں ہوتی۔

اب حدیث میں اسکی تاکید لیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اِنَّ فِیْ جَسَدِ ابْنِ اٰدَمَ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَ ھِیَ الْقَلْبُ

"یعنی انسان کے بدن میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوجاتا ہے تمام بدن درست ہوجاتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تو تمام بدن بگڑ

جاتا ہے۔ سن لو وہ دل ہے" اس میں اصلاح قلب کی کتنی تاکید ہے کہ اسی کو مدار اصلاح قرار دیا گیا ہے اور یہی تصوف کا حاصل ہے اس میں بھی اصلاح قلب کا اہتمام ہوتا ہے

اسلام کی حقیقت ایک اور حدیث میں ہے (جو حدیث جبریل کے نام سے مشہور ہے) کہ ایک دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام بصورت انسان ——— حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صحابہؓ کی تعلیم کے لئے انھوں نے حضور سے چند سوالات کئے جن میں پہلا سوال یہ تھا:۔

يَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِسْلَامِ

اے حضور! مجھے بتلائیے کہ اسلام کی حقیقت کیا ہے؟

قَالَ اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا

آپؐ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ اللہ کے لاشریک لہ ہونے کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول اللہ ہونے کی گواہی دو اور نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو اگر وہاں تک پہنچنے کی استطاعت ہو

قَالَ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ

حضرت جبریلؑ نے پھر پوچھا کہ مجھے ایمان کی حقیقت بتلائیے؟ آپ نے

فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر اسکے فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور سب رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور تقدیر پر ایمان لاؤ اور ان سب کی تصدیق کرو۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ اسلام اور ایمان کے لئے تصدیق رسالت و قیامت اور تقدیر اور ملائکہ کی تصدیق بھی ضروری ہے اسکے بدون آدمی مومن نہیں ہوسکتا۔ اور ظاہر ہے کہ قیامت کا ماننا اسکا نام نہیں کہ جس طرح جی چاہے مان لے بلکہ جس طرح حضور نے بتلایا ہے اس طرح مانے تو اس میں حساب کتاب اور وزن اعمال اور پلصراط وغیرہ سب کا ماننا داخل ہے اسی طرح یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اسلام کا ایک جزو اعمال بھی ہیں پس اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جنھوں نے اجزاء دین میں انتخاب کر رکھا ہے (جیسا کہ اوپر مفصل ذکر ہو چکا ہے)

قَالَ فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِحْسَانِ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ

پھر حضرت جبریل نے پوچھا کہ بتلائیے احسان (و اخلاص) کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تم خدا تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو وہ یقیناً تم کو دیکھ رہا ہے (اور اسکا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ جیسی عبادت خود انکو دیکھکر کرتے ویسی ہی اب بھی کرو کیونکہ نوکر کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ حاکم مجھے دیکھ رہا ہے گو اسے نظر نہ آتا ہو جب بھی وہ ایسا ہی کام کرتا ہے جیسا کہ خود اسے آنکھوں سے دیکھکر کرتا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ ایمان و اسلام کی تکمیل کرنے والی ایک تیسری چیز اور ہے جس سے عبادت بدرجۂ کمال ادا ہوتی ہے وہ احسان ہے اور اسکی تحصیل تصوف میں مطلوب ہے)۔

اقسام اعمال حقیقت اسکی یہ ہے کہ اعمال دو قسم کے ہوتے ہیں ایک اعمال جوارح دوسرے اعمال قلب ۔ اعمال جوارح تو عبادت و معاملات و معاشرت وغیرہ ہیں ۔ اور اعمال قلب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جنکا معلوم کرلینا اور یقین کرلینا کافی ہے انکو عقائد کہتے ہیں، دوسرے وہ جن کو قلب کے اندر پیدا کرنا اور انکی اضداد سے دل کو پاک کرنا ضروری ہے جیسے اخلاص وصبر وشکر ومحبت وخشیت ورضا وتوکل وتواضع وقناعت وغیرہ انکا تو حاصل کرنا ضروری ہے اور انکے اضداد کا دل سے نکالنا ضروری ہے جیسے ریا وکبر وغصہ، طمع وحب دنیا وغیرہ، غرض کچھ کرنے کے کام کچھ نہ کرنے کے اور اسی سے اعمال جوارح عبادت وغیرہ درجۂ کمال پر پہونچتے ہیں اور ان سب کی تکمیل کا نام احسان ہے۔

اب قرآن و حدیث سے دیکھئے ان اعمال باطنہ کی تاکید ہے یا نہیں، اور یہ معلوم ہوتا ہے امر ونہی اور وعدہ وعید سے (سو قرآن میں ہے)

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاءُوْنَ ۝

(سو ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں، جو ایسے ہیں کہ ریاکاری کرتے ہیں) ۔ (اس میں نماز میں ریا وغفلت پر سخت وعید ہے) اور حدیث میں ہے

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِىْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ

"یعنی جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا" اسی طرح قرآن و حدیث کو دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ جابجا اخلاق رذیلہ کی ممانعت اور ان پر وعید مذکور ہے اور

اخلاق حمیدہ کی تاکید اور ان پر وعدہ موجود ہے تو اس جزو اخلاق کا حاصل کرنا واجب ہوا اور یہی حقیقت ہے تصوف کی۔ پس تصوف کا جزو دین ہونا ثابت ہوگیا۔

مگر قاعدہ یہ ہے کہ ہر چیز کے کچھ توابع اور ذرائع ہوا کرتے ہیں۔ جیسے حج کے لئے سفر کرنا اور زاد راد ساتھ لینا جس سے وصول کعبہ میں سہولت ہو۔ اسی طرح تصوف میں اصل مقصود تو اصلاح قلب ہے کہ اخلاق حمیدہ حاصل ہوں اور رذیلہ زائل ہوں مگر اس مقصود کے لئے کچھ توابع اور ذرائع ہیں جن سے مقصود میں آسانی ہوجاتی ہے جیسے اذکار واشغال واحوال وکیفیات، جن کو آجکل لوگوں نے غلطی سے مقصود قرار دے لیا ہے مگر یہ محض توابع و ذرائع ہیں اصل مقصود اصلاح قلب ہے اور اس مقصود کا بھی ایک مقصود ہے یعنی رضائے حق جسکا ثمرہ قرب باری تعالےٰ ہے۔

ترتیب اصلاح

پس حاصل یہ ہوا کہ دین کی ترتیب اس طرح ہوئی کہ اول تو عقائد کو صحیح کرے، پھر اعمال جوارح عبادات و معاملات و معاشرت کو درست کرے پھر اصلاح قلب کا اہتمام کرے۔ جس کا طریقہ کسی شیخ کامل سے پوچھے اور اسکے کہنے کے موافق ذکر و شغل میں لگے۔ اس سے اعمال قلب کی اصلاح آسانی سے ہوگی کیونکہ ذکر و شغل سے حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق بڑھ جاتا ہے تو قلب میں اخلاق حمیدہ کی قابلیت جلد پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی لئے ذکر کے ساتھ اخلاق کی طرف بھی توجہ رکھنا چاہیئے (کیونکہ اصل چیز یہی ہے جسکی تحصیل ضروری اور فرض ہے۔ رہا ذکر و شغل وہ تو امر مستحب ہے جو اس مقصود کا ذریعہ ہے) یہ ہے امر مہم اور یہ ہے اصلی درس مگر بعض لوگ صرف ذکر و اشغال پر اکتفا کرتے ہیں اخلاق کی

درستی کا اہتمام نہیں کرتے یہ حقیقت سے ناواقفی کی دلیل ہے اور اخلاق باطنیہ کی درستی اس طرح ہوتی ہے کہ شیخ کے سامنے اپنے امراض قلب بیان کئے جائیں کہ ہمارے اندر فلاں فلاں امراض ہیں ریا یا عجب وکبر وغیرہ، پھر جو تدبیر شیخ بتلائے اس پر عمل کرے جیسا کہ امام غزالیؒ نے ہر ہر مرض کی حقیقت اور ہر ایک کا جدا جدا علاج (احیاء العلوم میں) بیان فرمایا ہے۔ صحیح طریقہ تو یہ ہے تصوف کا اور ایک وہ ہے جو آجکل اپنی رائے سے لوگوں نے سمجھ رکھا ہے بس ذکر وشغل ہی پر کفایت کرنے لگے۔ یاد رکھو! اس طرح باطن کی اصلاح نہیں ہوتی بلکہ صورت وہی ہے کہ امراض کا علاج بھی کرو۔ مثلاً ایک شخص میں تکبر ہے تو شیخ کو چاہیئے کہ ذکر وشغل کے ساتھ اس کے سپرد ایسا کام بھی کرے جس سے نفس میں تواضع پیدا ہو، مثلاً نمازیوں کے لئے لوٹے بھر کے رکھنا انکی جوتیاں سیدھی کرنا وغیرہ۔ اور اگر شیخ نہ بتلاوے تو طالب کو خود ایسے کام کرنے چاہئیں جن سے نفس میں تذلل پیدا ہو وعلیٰ ہذا۔ اگر کسی میں حسد ہے تو اسکو چاہیئے کہ محسود کی تعریفیں کیا کرے اس سے قلب کا غبار نکل جائے گا۔ اس طرح ہر ہر مرض کا ایک خاص علاج ہے جو تصوف کی کتابوں سے معلوم ہوسکتا ہے۔ یہ ہے تہذیب اخلاق۔

اسکے بعد اسکا ثمرہ یعنی رضائے حق۔ مگر آجکل لوگوں نے ثمرہ اسکو سمجھ لیا ہے کہ کچھ لطائف جاری ہوجائیں، کچھ گریہ ورقت طاری ہونے لگے۔ صاحبو! یہ تو احوال ہیں جو غیر اختیاری ہیں مطلوب وہ امور ہیں جو بندہ کے اختیار میں ہیں یعنی اخلاق حمیدہ کا حاصل کرنا اور رذائل کا علاج کرنا۔ اسی طرح کشف بھی مطلوب نہیں جس کو کشف ہوتا ہوا سکے لئے نعمت ہے، شکر کرنے بشرطیکہ غوائل کبر و

عجب وغیرہ سے محفوظ ہو اور جس کو نہوتا ہو اسکے درپے نہو وہ سمجھ لے کہ میرے لئے کامیابی کا طریقہ یہی تجویز کیا گیا ہے کہ کشف نہو کیونکہ بعض کشف سے انسان بہت سی بلاؤں میں پھنس جاتا ہے۔ بس تم اپنے لئے کوئی طریقہ تجویز نہ کرو ؎

بہ دُرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش		کہ آنچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

(تمھیں صاف و ناصاف شراب کی تجویز کا ہرگز حق حاصل نہیں بس دم نہ مارو اور یہ سمجھو کہ ساقئ ازل نے جو کچھ ہمارے پیمانہ میں ڈالدیا وہ انکا محض احسان وکرم ہے)

اور فرماتے ہیں ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن		کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

(تم گداگروں کی طرح مزدوری کی شرط پر بندگی مت کرو اس لئے کہ تمھارا مالک بندہ پروری کا طریقہ خوب جانتا ہے)

اور ساری وجہ پریشانی کی یہی ہوتی ہے کہ لوگ حالات و کیفیات کو مقصود سمجھتے ہیں حالانکہ میں نے بتلادیا کہ یہ مقاصد میں سے نہیں محض توابع و ذرائع ہیں جو ہر ایک کو مختلف طور پر پیش آتے ہیں۔ بس یہ خلاصہ ہے دین کا کہ ان پانچوں اجزاء کو حاصل کیا جائے۔ اسی کا بیان مختصر لفظوں میں حق تعالےٰ نے اس آیت میں کیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ۝

ان پانچوں اجزاء کی تحصیل پر آپ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کے مصداق بنیں گے پھر اس پر وہ ثمرہ مرتب ہوگا جو آیت میں مذکور ہے یعنی حق تعالےٰ کی محبوبیت حاصل ہوگی جسکا تفصیل کے ساتھ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

آج تو تفصیل طریق کا بیان تھا سو بحمداللہ اسوقت بقدر ضرورت طریق کی تفصیل بھی بیان کردی ہے اب عمل کرنا آپ کا کام ہے۔ اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو فہم سلیم عطا فرمائیں اور عمل کی ہمت دیں۔ آمین

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی علیہ الرحمہ

غرور وتکبر کا علاج

(۲)

غرضیکہ یہ ذکر کتھا گھاٹی سے پار ہونے کا یہ درجہ ذاتی کمال کا ہے اب آگے تکمیل کا درجہ ہے کہ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ یعنی کیوں نہ وصیت کی صبر کی، کیوں نہ وصیت کی شفقت و رحمت کی صبر کے فضائل تو قرآن مجید اور احادیث میں بے شمار ہیں مگر اسکے بیان کا وقت نہیں۔

اسوقت صبر کے معنی سمجھ لیجئے۔ صبر کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالے نے انسان کے اندر نفس اور نفسانی خواہشوں کا مادہ پیدا کیا اور دوسری طرف دین کے احکام پر چلنے کا حکم دیا تو جب کبھی کبھی نفسانی خواہش میں اور دین کے حکم میں تصادم ہو تو اسوقت نفسانی خواہش کو پامال کرکے اور چھوڑ کے دین کے احکام کو ترجیح دینا اور اس پر عمل کرنا بس یہ معنی ہیں صبر کے اسکو ایک مثال سے سمجھ لیجئے کہ ایک شخص نے آپکے پاس بیس ہزار روپیہ امانت رکھوایا اور مر گیا اور اسکے وارثوں کو بھی اسکا علم نہیں اب نفس کی خواہش ہوئی کہ اس روپیہ کو لے لینا چاہیے کیونکہ دنیا میں کوئی اسکا مطالبہ کرنے والا نہیں اور دوسری طرف دین کا یہ حکم ہے کہ اس روپیہ کو اسکے ورثہ کے حوالے کردو اس موقع پر اس شخص نے اگر وہ روپیہ ورثار کے حوالے کردیا تو صبر کی فضیلت اسکو

حاصل ہوگئی کہ نفس کے مقابلہ میں دین کو ترجیح دی۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ صبر کی نعمت ایسی ہے کہ جو فرشتوں کو نہیں ملی کیونکہ ان میں نفس اور نفسانی خواہشات ہی نہیں ہیں تو انکو ایسی کشمکش کبھی پیش نہیں آتی۔ اسلئے صبر کے مقامات خداوند تعالےٰ نے بنی نوع انسان کے لئے مختص فرمائے ہیں۔

آگے ہے کہ مہربانی اور شفقت کی وصیت کرنا۔ سو حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ مہربانی اور شفقت کیا ہے؟ سو یاد رکھو اسکے معنی یہ نہیں کہ انسان اپنے بیوی بچوں سے شفقت و مہربانی کا سلوک کرے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو شخص بھی عمر میں اس سے بڑا ہو اسکے ساتھ باپ یا چچا کا سا برتاؤ کرے یعنی عزت اور اکرام کے ساتھ پیش آئے خواہ اس سے کوئی رشتہ داری وغیرہ ہو یا نہو اور جو برابر کا ہو اس سے بھائی جیسا سلوک کرے اور چھوٹوں سے بچوں جیسا برتاؤ کرے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا واقعہ ہے کہ آپکے پاس آپکے ایک گورنر ملنے کیلئے آئے آپکو تلاش کیا تو مسجد میں ملے دیکھا تو بورئیے پر لیٹے ہیں اور محلے کے بچے چاروں طرف جمع ہیں کوئی پیٹ پر چڑھ رہا ہے، کوئی ٹانگوں پر، کوئی دامن کو گھسیٹ رہا ہے اور کوئی سر پر چڑھ رہا ہے انکو یہ دیکھکر بڑا تعجب ہوا کیونکہ یہ بڑے دبدبے اور ہیبت والے گورنر تھے، انھوں نے بڑے تعجب سے سوال کیا کہ اے امیرالمومنین یہ کیا حالت ہے؟ یہ بات شان حکومت و خلافت کے مناسب نہیں اور میں تو جب دربار کرتا ہوں تو بڑے رعب و داب سے کرتا ہوں کسی بچے کو تو کیا بڑے بڑے آدمیوں کی مجال نہیں ہوتی کہ دم ماریں حضرت فاروق اعظمؓ سنتے رہے اور پھر مزید تاکید کے لئے سوال کیا کہ

کیا تم اسی طرح کرتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہاں۔ آپنے فرمایا کہ جاؤ ہم نے تمکو گورنری سے معزول کیا تم گورنر ہونے کے قابل نہیں۔ خدا نے ہمکو حکومت و امارت اسلئے نہیں دی کہ ہم مسلمانوں اور انکی اولاد کو ریاست اور حکومت، دبدبہ اور ہیبت دکھائیں بلکہ اس لئے دی ہے کہ انکے ساتھ شفقت و رحمت سے پیش آئیں نہ کہ انکے لئے ایک مصیبت بن جائیں۔

آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ ان کاموں کو کرگزرے

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ یہی لوگ دائیں والے ہیں

اسکے مفسرین نے کئی مطلب بیان کئے ہیں بعض نے میمنہ کے معنی برکت والے مبارک اور نصیبے والے بیان کئے ہیں بعض نے کہا کہ میمنہ کے معنی داہنے والے۔ یعنی جنت میں یہ لوگ عرش کے داہنی طرف سے داخل ہونگے بعض نے کہا کہ چونکہ مسلمانوں کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائیگا اسلئے انکو اَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ کہا گیا۔ آگے ہے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا وہ لوگ نحوست والے ہیں۔

آگے فرمایا

عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ان پر آگ ہوگی بند کی ہوئی

بند کی ہوئی کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی سوراخ کھلا ہو تو اس میں سے آگ کی حرارت نکل جاتی ہے اور فی الجملہ حرارت میں کمی واقع ہو جاتی ہے، اس طرح باہر سے ٹھنڈک داخل ہو جاتی ہے تو مطلب یہ ہے کہ دوزخ ان پر بند کر دی جائیگی کہ نہ اسکی حرارت باہر نکل سکے اور نہ باہر سے ٹھنڈ اس میں داخل ہو سکے، کوئی راستہ تخفیف اور کمی کا نہیں۔

اس جگہ بعض لوگوں کو اشکال گزرتا ہے کہ دائمی عذاب اور وہ بھی اتنا شدید خلاف تہذیب ہے اور عدل کے منافی ہے مگر آپ دیکھئے کہ دنیا کی حکومتیں باغیوں کو چودہ چودہ سال کے لئے قید بامشقت کی سزا دیتی ہیں جس کا مطلب یہی ہے کہ عمر بھر کی قید بامشقت، مگر اسکو کوئی خلاف عدل نہیں سمجھتا کہ آخر ایک قابل اور فاضل اور روشن دماغ انسان کو محض بغاوت کی بنا پر ہمیشہ کیلئے قید کر دیا گیا اور اسکی ذاتی قابلیتوں اور صلاحیتوں کا کوئی لحاظ نہ کیا گیا۔ حالانکہ یہاں پر دنیا کے جو حکام ہیں انکی حیثیت یہ ہے کہ اس باغی کی زندگی اور حیات کے نہ وہ مالک ہیں نہ وہ انکی عطا کردہ ہے بلکہ محض حکمراں ہونے کی وجہ سے یہ سزائیں دی جاتی ہیں مگر کوئی اعتراض نہیں ہوتا تو خدا تعالیٰ جس نے عقل و فہم جسم و جان سب کچھ عطا کیا اور ہر چیز کا وہ خالق ہے تو اگر وہ اپنے باغیوں کے لئے عذاب دائمی کی سزا تجویز فرمائے تو اشکال کیوں ہے؟

اب دعا کرو کہ خدا تعالیٰ ہم کو اس طریقہ پر چلائے جو گھاٹی سے گزرنے کا اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا اور خدا تعالیٰ ہم کو نافرمان اور باغی نہ بنائے اور اپنی اطاعت اور فرمانبرداری پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وعلینا معھم یا ارحم الرّٰحمین

ارشادات حکیم الامتؒ

شریعت و طریقت

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شریعت کے حکموں پر پورے طور سے عمل ان حکموں میں سے بعضے متعلق ظاہر کے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ اور جیسے نکاح وطلاق و ادائے حقوق زوجین و قسم و کفارۂ قسم وغیرہا اور جیسے لین دین و پیروی مقدمات و شہادت و وصیت و تقسیم ترکہ وغیرہ اور جیسے سلام و کلام و طعام و مقام و قعود و قیام و مہمانی و میزبانی وغیرہا ان سب مسائل کو فقہ کہتے ہیں۔

اور بعض حکم متعلق باطن کے ہیں جیسے خدا تعالیٰ سے محبت رکھنا خدا تعالےٰ سے ڈرنا، خدا تعالیٰ کو یاد رکھنا، دنیا سے محبت کم ہونا خدا تعالے کی مشیت پر راضی رہنا، حرص نہ کرنا، عبادت میں دل کا حاضر رکھنا، دین کے کاموں کو اخلاص سے کرنا، کسی کو حقیر نہ سمجھنا، خود پسندی نہ ہونا، غصہ کو ضبط کرنا وغیرہ ان کو سلوک کہتے ہیں۔

نسبت و مقام کی تعریف

ایک غلبۂ ذکر کہ غفلت میں وقت کم گذرے، دوسرے دوام طاعت کہ نافرمانی بالکل نہو۔ اصل مامور بالتحصیل یہی چیزیں ہیں اور اسی کیلئے سب مجاہدات و معالجات اختیار کئے جاتے ہیں جن پر حسب سنت الٰہیہ دو مقصود مرتب ہو جاتا ہے۔ اولاً قدرے تکلف ہوتا ہے بعد چندے (جسکی مدت معین نہیں استعداد پر ہے) مثل امر طبعی کے ہو جاتا ہے گویا

ضد کا تقاضا بھی ہوتا ہے مگر ادنیٰ توجہ سے وہ ضد مغلوب ہو جاتی ہے اس رسوخ و ثبات کو مقام کہتے ہیں۔ پس یہ فی نفسہٖ غیر اختیاری ہے لیکن باعتبار اسباب کے اختیاری ہے اور یہی رسوخ و ثبات اس حیثیت سے کہ غلبۂ ذکر و دوام طاعت کا ملزوم ہے نسبت کہلاتا ہے۔ (یعنی حضرت حق سے ایسا تعلق قوی جس پر غلبۂ ذکر و دوام طاعت کا ترتب لازم ہو) اور اس نسبت من العبد پر ایک دوسری نسبت من الحق موعود ہے۔ یعنی رضا و قرب۔ پس اہل طریق جب لفظ نسبت کا اطلاق کرتے ہیں مراد ان سے ان ہی دو نسبتوں کا مجموعہ ہوتا ہے نہ کہ صرف ملکۂ یادداشت جس میں بہت سے غیر محقق دھوکے میں ہیں۔

تعلق مع اللہ کی علامات

تعلق مع اللہ کے دو درجے ہیں ایک سیر الی اللہ یہ تو محدود ہے۔ ایک سیر فی اللہ یہ غیر محدود ہے۔ سیر الی اللہ یہ ہے کہ نفس کے امراض کا علاج شروع کیا یہاں تک کہ امراض سے شفا ہوگئی اور ذکر و شغل سے تعمیر شروع کی یہاں تک کہ وہ انوار ذکر سے معمور ہوگیا یعنی تخلیہ اور تحلیہ کے قواعد جان گئے موانع مرتفع کر دیئے، معالجۂ امراض سے واقف ہوگئے نفس کی اصلاح ہوگئی، اخلاق رذیلہ زائل ہوگئے اور اخلاق حمیدہ اور انوار ذکر سے قلب آراستہ ہوگیا، اعمال صالحہ کی رغبت طبیعت ثانیہ بن گئی، اعمال و عبادات میں سہولت ہوگئی، نسبت و تعلق مع اللہ حاصل ہوگیا تو سیر الی اللہ ختم ہوگئی اس کے بعد سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کا سب استعداد انکشاف ہونے لگا، تعلق سابق میں ترقی ہوئی، اسرار و تجلیات کا ورود ہونے لگا۔ یہ غیر محدود ہے، وہ تعلق ہے جسکی نسبت کہا گیا

بحر یست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست
اینجا جزایں کہ جاں بسپارند چارہ نیست

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

کھانے کے آداب

(۲)

بچوں کی نگہداشت کریں

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ بڑے کا کام یہ ہے کہ اگر چھوٹا اسکی موجودگی میں اللہ کا نام لئے بغیر شروع کر رہا ہے تو بڑے کو چاہیئے کہ وہ اسکو متنبہ کرے اور ضرورت ہو تو اسکا ہاتھ بھی پکڑلے اور اس سے کہے کہ پہلے " بسم اللہ " کہو پھر کھانا کھاؤ۔

آج ہم لوگ بھی اپنے اہل وعیال کے ساتھ کھانے پر بیٹھتے ہیں لیکن اس بات کا خیال نہیں ہوتا کہ اولاد اسلامی آداب کا لحاظ کر رہی ہے یا نہیں؟ اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اس بات کی تعلیم دیدی کہ بڑے کا فرض ہے کہ وہ بچوں کی طرف نگاہ رکھے اور انکو ٹوکتا رہے اور انکو اسلامی آداب سکھائے ورنہ کھانے کی برکت دور ہو جائیگی

شیطان نے قے کر دی

حضرت امیہ بن مخشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے آپ کے سامنے ایک شخص کھانا کھا رہا تھا اس نے بسم اللہ پڑھے بغیر کھانا شروع کر دیا تھا یہاں تک سارا کھانا کھا لیا صرف ایک لقمہ باقی رہ گیا جب وہ شخص اس آخری

لقمے کو منہ کی طرف لیجانے لگا تو اسوقت یاد آیا کہ میں نے کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھی تھی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ جب آدمی کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے دوران جب اسکو بسم اللہ یاد آجائے اسوقت وہ "بسم اللہ اولہٗ وآخرہٗ" پڑھ لے۔ جب اس شخص نے یہ دعاء پڑھی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسکو دیکھکر ہنسنے لگے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جس وقت یہ کھا رہا تھا تو شیطان بھی اسکے ساتھ کھانا کھا رہا تھا لیکن جب اس نے اللہ کا نام لیا اور "بسم اللہ اولہٗ وآخرہٗ" پڑھ لیا تو شیطان نے جو کچھ کھایا تھا اسکی قے کردی اور اس کھانے میں اسکا جو حصہ تھا اس ایک چھوٹے سے جملے کی وجہ سے ختم ہوگیا ——— اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھکر تبسم فرمایا اور آپ نے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ اگر آدمی کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو جب یاد آجائے اسوقت "بسم اللہ اولہٗ وآخرہٗ" پڑھ لے اسکی وجہ سے اس کھانے کی بے برکتی زائل ہوجائیگی۔

(ابوداؤد۔ کتاب الاطعمہ باب التسمیہ علی الطعام۔ حدیث نمبر ۳۷۶۸)

یہ کھانا اللہ کی عطا ہے

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لینا چاہیئے۔ اور کہنے کو تو یہ معمولی بات ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھکر کھانا شروع کردیا لیکن اگر غور کروگے تو معلوم ہوگا کہ یہ اتنی عظیم الشان عبادت ہے کہ اسکی وجہ سے ایک طرف تو یہ کھانا کھانا عبادت اور باعث ثواب بن جاتا ہے اور دوسری طرف اگر آدمی ذرا دھیان سے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کہہ لے تو اسکی وجہ سے اللہ جل جلالہ کی معرفت کا بہت بڑا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اسلئے کہ یہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھنا حقیقت

میں انسان کو اسطرف متوجہ کررہا ہے کہ جو کھانا اس وقت میرے سامنے موجود ہے یہ میری قوت بازو کا کرشمہ نہیں ہے بلکہ کسی دینے والے کی عطا ہے میرے بس میں یہ بات نہیں تھی کہ میں یہ کھانا مہیا کرلیتا اور اسکے ذریعہ اپنی ضرورت پوری کرلیتا، اپنی بھوک مٹا دیتا یہ محض اللہ کی عطا ہے اور اسکا کرم ہے کہ اس نے مجھے یہ کھانا عطا فرمایا۔

یہ کھانا تم تک کس طرح پہنچا اور درحقیقت یہ "بسم اللہ" کا پڑھنا اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ ذرا غور تو کرو کہ یہ ایک نوالہ جو تم نے منہ میں رکھا اور ایک سیکنڈ میں تم نے حلق سے نیچے اتار لیا اس ایک نوالے کو تمھارے منہ تک پہنچانے کیلئے کائنات کی کتنی قوتیں صرف ہوئیں؟ ذرا سوچو تو سہی کہ روٹی کا یہ ایک ٹکڑا کس طرح تم تک پہنچا؟ کہاں کس کاشتکار نے بیج بونے سے پہلے زمین کو نرم اور ہموار کرنے کے لئے کتنی مدت تک بیلوں کے ذریعہ ہل چلایا اور پھر اس کے اندر بیج ڈالا اور پھر اسکو پانی دیا پھر اسکے اوپر مسلسل ہوائیں چلیں، سورج نے اسکے اوپر اپنی روشنی کی کرنیں ڈالیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے بادل بھیج کر بارشیں برسائیں اسکے بعد جاکر باریک اور کمزور سی ایک کونپل نمودار ہوئی اور وہ کونپل اتنی کمزور کہ اگر ایک چھوٹا سا بچہ بھی اسکو اپنے ہاتھ سے دبا دے تو وہ مسل جائے لیکن زمین جیسی سخت چیز کا پیٹ پھاڑ کر اس میں شگاف ڈال کر نمودار ہورہی ہے۔ پھر اس کونپل سے پودا بنا اور پودے سے درخت بنا اور پھر اسکے اوپر خوشے نمودار ہوئے اور پھر اس میں غلے کے دانے پیدا ہوئے، پھر کتنے انسان اسکے توڑنے میں شریک ہوئے اور کتنے جانوروں نے اسکو روند کر اسکا

بھوسہ الگ اور دانہ الگ کیا، پھر وہاں سے کتنے شہروں میں ہوتا ہوا تمھارے شہر میں پہنچا اور کتنے انسان اسکی خرید و فروخت میں شریک ہوئے پھر کسی نے اس گندم کو چکی میں پیس کر آٹا بنایا اور پھر تم اسکو خرید کر اپنے گھر لائے اور کسی نے اس آٹے کو گوندھ کر روٹی پکائی اور جب وہ روٹی تمھارے سامنے آئی تو تم نے ایک لمحے کے اندر منہ میں ڈال کر حلق سے نیچے اتار دیا۔

اب ذرا سوچو! کیا یہ تمھاری قدرت میں تھا کہ تم کائنات کی ان ساری قوتوں کو جمع کر کے روٹی کے ایک نوالہ کو تیار کر کے حلق کے نیچے اتار لیتے؟ کیا آسمان سے بارش برسانا تمھاری قدرت میں تھا؟ کیا سورج کی کرنوں کو پہونچانا تمھاری قدرت میں تھا؟ کیا تمھاری قدرت میں یہ تھا کہ تم اس کمزور کونپل کو زمین سے نکال لیتے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۝ أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۝

(سورۂ واقعہ: ٦٣)

یعنی ذرا غور کرو کہ تم جو چیز زمین میں ڈالتے ہو کیا تم اسکے اگانے والے ہو یا ہم اسکو اگاتے ہیں؟ تم اسکے لئے کتنے پیسے بھی خرچ کر لیتے کتنے ہی وسائل جمع کر لیتے مگر پھر بھی یہ کام تمھارے بس میں نہیں، تھا یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اور جب اس دھیان اس استحضار کے ساتھ کھاؤ گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور انکا کرم ہے کہ انھوں نے مجھے عطا فرمایا تو وہ سارا کھانا تمھارے لئے عبادت بن جائے گا۔

مسلمان اور کافر کے کھانے میں امتیاز

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ اللہ تعالیٰ انکے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ فرمایا کرتے تھے

کہ دین درحقیقت زاویۂ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے ذرا سا زاویۂ نگاہ بدل لو تو یہی دنیا دین بن جائے گی مثلاً یہی کھانا بسم اللہ پڑھے بغیر کھا لو اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کے استحضار کے بغیر کھالو تو پھر اس کھانے کی حد تک تم میں اور کافر میں کوئی فرق نہیں اسلئے کہ کھانا کافر بھی کھا رہا ہے اور تم بھی کھا رہے ہو، اس کھانے کے ذریعہ سے تمھاری بھوک دور ہو جائے گی اور زبان کو چٹخارہ مل جائے گا لیکن وہ کھانا تمھاری دنیا ہے، دین سے اسکا کوئی تعلق نہیں اور جیسے گائے بھینس اور بکری اور دوسرے جانور کھا رہے ہیں اسی طرح تم بھی کھا رہے ہو دونوں میں کوئی فرق نہیں

زیادہ کھانا کمال نہیں

دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بڑا حکیمانہ واقعہ ہے، انکے زمانہ میں آریہ سماج ہندوؤں نے اسلام کے خلاف بڑا شور مچایا ہوا تھا، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ان آریہ سماج والوں سے مناظرہ کیا کرتے تھے تاکہ لوگوں پر حقیقتِ حال واضح ہو جائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ ایک مناظرہ کے لئے تشریف لے گئے، وہاں ایک آریہ سماج کے پنڈت سے مناظرہ تھا اور مناظرہ سے پہلے کھانے کا انتظام تھا، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بہت تھوڑا کھانے کے عادی تھے جب کھانا کھانے بیٹھے تو حضرت والا چند نوالے کھا کر اٹھ گئے، اور جو آریہ سماج کے عالم تھے وہ کھانے کے استاد تھے انھوں نے خوب ڈٹ کر کھایا۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی تو میزبان نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت آپ نے تو بہت تھوڑا سا کھانا کھایا حضرتؒ نے فرمایا کہ مجھے جتنی خواہش تھی اتنا کھالیا وہ آریہ سماج بھی قریب بیٹھا ہوا تھا اس نے حضرتؒ سے کہا کہ مولانا آپ کھانے کے مقابلے میں تو

ابھی سے ہار گئے اور یہ آپ کے لئے بدفالی ہے کہ جب آپ کھانے پر ہار گئے تو جب دلائل کا مقابلہ ہوگا تو اس میں بھی آپ ہار جائیں گے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ بھائی اگر کھانے کے اندر مقابلہ اور مناظرہ کرنا تھا تو مجھ سے کرنے کی کیا ضرورت تھی کسی بھینس سے یا بیل سے کرلیا ہوتا اگر اس سے مناظرہ کریں گے تو آپ یقیناً بھینس سے ہار جائیں گے میں تو دلائل میں مناظرہ کرنے آیا تھا کھانے میں مناظرہ اور مقابلہ کرنے تو نہیں آیا تھا۔

جانور اور انسان میں فرق

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب میں اس طرف اشارہ فرما دیا کہ اگر غور سے دیکھو تو کھانے پینے کے اندر انسان اور جانور میں کوئی فرق نہیں جانور بھی کھاتا ہے اور انسان بھی کھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر جانور کو رزق دیتے ہیں اور بسا اوقات انکو تم سے اچھا رزق دیتے ہیں لیکن انکے درمیان اور تمھارے درمیان فرق یہ ہے کہ تم کھانا کھاتے وقت اپنے کھلانے والے کو فراموش نہ کرو۔ بس جانور اور انسان میں یہی فرق ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی مخلوق کو دعوت

واقعہ لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ساری دنیا پر حکومت عطا فرمادی تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ یا اللہ! جب آپ نے ساری دنیا پر مجھے حکومت عطا فرمائی ہے تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپکی ساری مخلوق کی ایک سال تک دعوت کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کام تمھاری قدرت اور بس میں نہیں، انھوں نے پھر درخواست کی کہ یا اللہ! ایک دن کی دعوت کی اجازت دیدیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تمھاری قدرت

ہیں نہیں۔ آخر میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کی کہ یا اللہ! ایک دن
کی اجازت دیدیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اسکی بھی قدرت نہیں رکھتے
لیکن اگر تمھارا اصرار ہے تو چلو ہم تمھیں اسکی اجازت دیدیتے ہیں
جب اجازت مل گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات اور انسانوں
کو اجناس اور غذائیں جمع کرنے کا حکم دیا اور کھانا پکنا شروع ہوا اور
کئی مہینوں تک کھانا تیار ہوتا رہا اور پھر سمندر کے کنارے ایک
بہت لمبا چوڑا دسترخوان بچھایا گیا اور اس پر کھانا چنا گیا، اور ہوا کو حکم دیا
کہ وہ اس پر چلتی رہے تاکہ کھانا خراب نہ ہو جائے۔ اسکے بعد حضرت
سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ یا اللہ! کھانا
تیار ہو گیا ہے آپ اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھیج دیں۔ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا کہ ہم پہلے سمندری مخلوق میں سے ایک مچھلی کو تمھاری
دعوت کھانے کے لئے بھیج دیتے ہیں، چنانچہ ایک مچھلی سمندر سے
نکلی اور کہا کہ اے سلیمان معلوم ہوا ہے کہ آج تمھاری طرف
سے دعوت ہے؟ انھوں نے فرمایا ہاں تشریف لائیے کھانا تناول
کریں چنانچہ اس مچھلی نے دسترخوان کے ایک کنارے سے
کھانا شروع کیا اور دوسرے کنارے تک سارا کھانا ختم کر گئی
پھر حضرت سلیمانؑ سے کہا کہ اور لائیں، حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ
تم تو سارا کھانا کھا گئیں مچھلی نے کہا کہ کیا میزبان کی طرف سے مہمان کو
یہی جواب دیا جاتا ہے جب سے میں پیدا ہوئی ہوں اس وقت سے
لیکر آج تک ہمیشہ پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے لیکن آج تمھاری دعوت
کی وجہ سے بھوکی رہی ہوں اور جتنا کھانا تم نے تیار کیا تھا اللہ تعالےٰ
روزانہ مجھے اتنا کھانا دن میں تین مرتبہ کھلاتے ہیں، مگر آج پیٹ بھر کر
کھانا نہیں ملا۔ بس حضرت سلیمان علیہ السلام فوراً سجدے میں گر گئے

اور استغفار کیا۔ (نفحۃ العرب ص۱۱۰)

کھانا کھا کر اللہ کا شکر ادا کرو بہرحال اللہ تعالےٰ ہر ایک مخلوق کو رزق دے رہے سمندر کی تہ میں اور اسکی تاریکیوں میں رزق عطا فرما رہے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا

(سورۂ ھود : ۶)

یعنی کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے کہ اسکی روزی اللہ کے ذمہ نہو۔ لہٰذا کھانے کی حد تک تمھارے اور جانوروں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اللہ تعالےٰ کی نعمتیں اسکو بھی مل رہی ہیں۔ جانوروں کو چھوڑئیے اللہ تعالےٰ تو اپنے دشمنوں کو بھی رزق دے رہا ہے جو اللہ کے وجود کا انکار کر رہے ہیں، خدا کا مذاق اڑا رہے ہیں، خدا کی توہین کر رہے ہیں، جو اسکے بھیجے ہوئے دین کا مذاق اڑا رہے ہیں، اللہ تعالےٰ انکو بھی رزق دے رہا ہے۔ لہٰذا کھانے کے اعتبار سے تم میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ وہ فرق یہ ہے کہ جانور اور کافر اور مشرک صرف زبان کے چٹخارے اور پیٹ کی آگ بجھانے کی خاطر کھاتا ہے اس لئے وہ کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام نہیں لیتا، اللہ کا ذکر نہیں کرتا۔ تم مسلمان ہو تم ذرا سا خیال اور دھیان کر کے اس کھانے کو اللہ کی عطا سمجھکر اسکا نام لیکر کھاؤ اور پھر اسکا شکر ادا کرو تو یہی کھانا دین بن جائے گا۔ (جاری)

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۷ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ مطابق جولائی ۲۰۰۰ء۔ جلد: ۲۳

قیمت فی پرچہ نو روپے سالانہ زر تعاون نوے روپیہ ششماہی پچاس روپے

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۵/۲۳ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۵۶۱۸۳

S.T.D Code No 0532

پرنٹر - پبلشر - مولوی احمد متین سٹی آفسیٹ پریس - بخشی بازار، الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مرتب محمد راشد

ارشادات

(۵۱) فرمایا: امام اعظم ابو حنیفہؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے اپنی انگوٹھی پر یہ قول نقش کرایا ہوا تھا قُلِ الْخَیْرَ وَ اِلاَّ فَاصْمُتْ (نیک بات کہو ورنہ خاموش رہو)۔ (ص ۳۸۰)

(۵۲) فرمایا: علم میں جھگڑا کرنا ایمان کے نور کو زائل کر دیتا ہے۔ کسی نے پوچھا کہ "اگر کوئی شخص کسی کو خلاف سنت کام کرتے ہوئے دیکھے تو کیا کرے؟" فرمایا کہ نرمی سے سمجھا دے اور جدال نہ کرے۔ (ص ۳۸۲)

(۵۳) فرمایا: انسان کو چاہیئے کہ کوئی بات ایسی نہ کرے کہ جس سے دوسرے کو اذیت اور تکلیف پہونچے۔ یہ کل سلوک ہے۔ (ص ۳۸۳)

(۵۴) فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں یہ برکت رکھی ہے کہ اس کے پڑھنے سے تجربہ شاہد ہے کہ تقویٰ پیدا ہوجاتا ہے اور فرمایا کہ خلاصہ قصد السبیل تعلیم الدین مواعظ حضرت تھانویؒ اور حیوٰۃ المسلمین کا فرصت کے وقت گھر جاکر مطالعہ کرو اور اپنے محلہ کی مسجد میں حیوٰۃ المسلمین کو تھوڑا تھوڑا پڑھکر سناؤ۔ آخر میں فرمایا کہ اگر کسی نے میری اس نصیحت پر عمل کیا تو انشاء اللہ کامرانی ہی کامرانی ہے۔ (ص ۳۹۹)

(۵۵) فرمایا: حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اذان کے وقت خود بھی کلام نہیں کرتی تھیں اور دوسروں کو بھی نہیں بولنے دیتی تھیں۔ (ص ۴۰۰)

(۵۶) فرمایا: عام طور سے لوگوں کے ذہن میں "توبہ" کا مفہوم یہ ہے کہ صرف زبان سے اَستَغفِرُ اللہَ رَبِّی مِن کُلِّ ذَنبٍ وَّاَتُوبُ اِلَیہِ کا ورد کرلیں، حالانکہ یہ سخت غلط فہمی ہے۔ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کو اپنے پچھلے گناہوں پر حسرت و ندامت ہو اور بالفعل انکو چھوڑ دیا جائے اور آئندہ کے لئے ان سے بچنے کا مکمل عزم ہو (ص ۴۰۴)

(۵۷) فرمایا: صوفیاء کرام کے یہاں جو بیعت طریقت معروف ہے یہ درحقیقت گناہوں سے توبہ اور شریعت کی پابندی کے معاہدہ ہی کا نام ہے۔ یوں تو ہر شخص کو ہر وقت اپنے گناہوں سے توبہ اللہ تعالےٰ کے سامنے کرنا چاہیئے لیکن توبہ جب کسی شیخ مرشد کامل کے ہاتھ پر کیجاتی ہے تو اسی کا نام بیعت ہے۔ یہ سنت سے بھی ثابت ہے۔ (ص ۴۱۲)

(۵۸) فرمایا: مصیبت اور تکلیف کا صدمہ تو ہمیشہ باقی نہ رہے گا ہاں اس پر صبر کے نکلے ہوئے الفاظ حیات جاودانی اختیار کرلیں گے اور قیامت کے دن اللہ پاک شمار کرا کر ایک نیکی کا کئی کئی بار بدلہ عطا فرمائیں گے۔ (ص ۴۳۰)

(۵۹) فرمایا: ایک بزرگ کا قول ہے "ہمکو کسی سے لڑائی جھگڑا کرنے کا وقت تو کجا صلح کرنے کا وقت بھی نہیں ہے" جتنا وقت اسکی یاد کے بغیر گذرے گا وہ بے قیمت ہوگا اور باقی رہنے والی وہی ساعتیں ہونگی جو اسکے ذکر میں مصروف ہوں۔ (ص ۴۳۲)

بسمہ سبحانہٗ

محترمی زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

سفینہ جبکہ کنارے سے آلگا غالب
کسی سے کیا ستم و جور ناخدا کہیے

رسالہ "وصیۃ العرفان" کے سلسلہ میں قانونی پیچیدگیاں چند ماہ سے پریشان کئے ہوئے تھیں، بالآخر دعائیں مستجاب اور کوششیں بارآور ہوئیں اور آپ کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔

ماہ جون کے شمارے میں رسالہ کی وجہ تاخیر بیان کی جاچکی ہے۔ الحمد للہ ۲ اگست کو رجسٹرار نیوز پیپرس آف انڈیا۔ دہلی سے رجسٹریشن سرٹیفکٹ سعی بلیغ کے بعد حاصل ہوگیا اور اسکی بنیاد پر مقامی پی۔ ایم۔ جی آفس سے پوسٹل رجسٹریشن کی تجدید کرالی گئی۔ لہٰذا آپ کی خدمت میں مئی، جون، جولائی، اگست چار ماہ کے شمارے ایک ساتھ روانہ کئے جارہے ہیں۔

دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ آئندہ عوارض وموانع سے محفوظ رکھے اور رسالہ "وصیۃ العرفان" آپ کی خدمت میں وقت مقررہ پر ارسال کیا جاتا رہے۔ آمین۔

فقط۔ والسلام

امانت علی عفی عنہٗ

(۶۰) فرمایا: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی ناگوار طبع بات پیش آتی تو زیادہ غم و غصہ کا اظہار فرمانے کی بجائے صرف اتنا فرمایا کرتے کہ مَا شَاءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَاءْ لَا یَکُوْن (جو کچھ اللہ نے چاہا وہ ہوگیا اور جو کچھ وہ نہیں چاہے گا وہ نہیں ہوگا) اور حقیقت یہ ہے کہ رنج و تکلیف کے موقع پر تسکین قلب کا اس سے بہتر نسخہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ (ص ۴۴۹)

(۶۱) فرمایا: ایک روایت ہے کہ جب نمرود حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال رہا تھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور پوچھا کہ اگر کسی خدمت کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔ حضرت خلیل اللہ نے اسکے جواب میں فرمایا اَمَّا اِلَیْکَ فَلَا وَاَمَّا اللّٰہُ فَھُوَ یَعْلَمُ مَا بِیْ تمھاری تو مجھے احتیاج نہیں، ہاں اللہ کی طرف محتاج ہوں مگر وہ میرے حال کو خود جانتا ہے۔ (ص ۴۵۶)

(۶۲) فرمایا: ۱۸۵۷ء کے جہاد میں دہلی کے چند بزرگ ایک مکان میں محصور ہوگئے، باہر قتل عام ہو رہا تھا اسلئے نکلنا ممکن نہیں تھا، پانی کا جتنا ذخیرہ مکان کے اندر موجود تھا دو تین روز میں ختم ہوگیا جب پیاس سے عاجز ہوگئے تو ایک بزرگ نے پیالہ لیکر پرنالے کے نیچے رکھدیا اور دعا کی کہ یا اللہ میرے بس کا تو اتنا ہی کام تھا آگے بارش برسانا آپ کا کام ہے چنانچہ اللہ کے فضل وکرم سے بارش ہوئی اور سب لوگ سیراب ہوئے (ص ۴۶۲)

(۶۳) فرمایا: حضرت حاجی صاحبؒ کا ارشاد ہے

کہ طریق سلوک میں جمعیت، خاطر رکھنا اور مشوشات سے دل کو پاک رکھنا بہت ضروری ہے۔ غیر اختیاری افکار ہیں تو مضائقہ نہیں لیکن بقول حضرت تھانویؒ غیر ضروری افکار دل کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔ (ص ۴۷۴)

(۶۴) فرمایا واسطوں کی بھی عظمت کرنا پڑتی ہے مگر وہ صرف واسطہ ہوتا ہے مقصود نہیں ہوتا جیسے سارے بجلی کے بلب ایک مرکزی پاور ہاؤس سے تعلق رکھتے ہیں لیکن روشنی بلب ہی سے ملتی ہے پاور ہاؤس سے روشنی نہیں ملتی روشنی اور ہوا کے لئے بلب اور پنکھا لانا ہی پڑے گا تو یہ واسطے بھی قابل قدر ہیں لیکن حق تعالیٰ کی ذات اصل مقصود ہے (ص ۴۸۶)

(۶۵) فرمایا: آدمی کو چاہیئے کہ خدا سے صحیح تعلق پیدا کرے پھر اللہ تعالےٰ بڑے بڑے متکبروں اور فرعونوں کی گردنیں اسکے سامنے جھکا دیتے ہیں۔ (۴۸۷)

(۶۶) فرمایا: اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال کا شمار نہیں ہوتا کہ کتنی نمازیں پڑھیں کس قدر روزے رکھے، کتنے حج کئے؟ بلکہ وہاں بندوں کے اعمال کا وزن کیا جائیگا تعداد نہیں گنی جائیگی۔ (ص ۴۹۰)

(۶۷) فرمایا، قرآن کریم میں اَحْسَنُ عَمَلاً فرمایا گیا اَکْثَرُ عَملاً نہیں فرمایا۔ ہر عمل میں حسن عمل کو دیکھا جائیگا کثرت عمل کو نہیں دیکھا جائے گا۔ اللہ کے یہاں عمل کے وزن کے اعتبار سے جزا ملے گی۔ اعمال میں جس قدر اخلاص ہوگا اسیقدر اعمال وزنی ہونگے۔ (ص ۴۹۱)

(۶۸) فرمایا: اخلاص کے دو اثر ہوتے ہیں۔ ایک

آخرت میں وزن بڑھنے کا، دوسرے نقد ثمرہ دنیا میں مخاطب پر اثر انداز ہونے کا۔ تجربہ شاہد ہے کہ اخلاص کے ساتھ جو بات کہی جاتی ہے وہ موثر اور مفید ہوتی ہے اور تلخ بھی ہوتی ہے تو ناگوار نہیں ہوتی۔ (ص ۴۹۲)

(۶۹) فرمایا: حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ "حق بات" "حق نیت" سے "حق طریق" سے کہی جائے تو ضرور موثر ہوتی ہے۔ جہاں بات موثر نہیں ہوتی وہاں ان تینوں میں سے کسی بات کی کمی ہوتی ہے۔ (ص ۴۹۳)

(۷۰) فرمایا: شاہ اسحٰق محدث دہلویؒ بڑے بزرگوں میں سے ہیں آپ کو بواسیر کا مرض تھا' ایک شخص نے ان سے عرض کیا کہ آپ نماز تو پڑھتے ہی ہیں اگر آپ وتر کی تین رکعات میں سورۂ اذا جاء سے سورۂ اخلاص تک علی الترتیب تینوں رکعتوں میں پڑھ لیا کریں تو انشاء اللہ بواسیر کی شکایت نہوگی (ص ۴۹۵)

(۷۱) فرمایا: اکتالیس بار الحمد للہ شریف پانی پر دم کر کے پینے سے بواسیر کو فائدہ ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ (ص ۴۱۴)

(۷۲) فرمایا: رات کو دین کی کتابیں پڑھنا ساری رات عبادت کرنے سے افضل ہے۔ (ص ۴۹۸)

(۷۳) فرمایا: میرا حال اب وہی ہے جو ہمارے حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ میں یہ تو نہیں کہتا کہ "موت محبوب ہوگئی ہے لیکن زندگی مبغوض ہوگئی ہے"۔ (ص ۵۰۰)

(۷۴) فرمایا: کسی نے حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا سب سے زیادہ نفع دینے والا ادب کونسا ہے؟ فرمایا دین کی سمجھ حاصل کرنا اور دنیا سے بے رغبتی کرنا یہی دین کی ساری فہم ہے اور یہ کہ

اللہ کی رضا معلوم کرے اور اسکی ناپسندیدہ باتوں سے بچے۔ قرآن و حدیث سب کا خلاصہ یہی ہے کہ دین کی سمجھ مل جائے (ص ۵۰۲)

(۷۵) فرمایا: شیطان کا کبھی ادب ہے وہ یہ کہ اس سے دشمنی اور عداوت کرتے رہو۔ شیطان اور اسکے بھائی کفار و مشرکین عدو اللہ ہیں ان سے عداوت رکھو۔ آج اپنے بھائی سے عداوت ہے مشرکین سے دوستی یہ کہاں کا انصاف ہے؟ (ص ۵۰۴)

(۷۶) فرمایا: خشوع و تواضع کے آثار یہ ہیں کہ جب چلے گردن جھکا کر چلے، بات چیت میں، معاملات میں سختی نہ کرے غصہ اور غضب میں آپے سے باہر نہو اور بدلہ لینے کی فکر میں نہ رہے۔

(۷۷) فرمایا: تکرار عمل سے ہر عملِ صعب (مشکل) سہل ہو جاتا ہے۔ (۵۴۹)

(۷۸) فرمایا: نزہۃ البساتین ایک کتاب ہے اسکا اردو ترجمہ ریاض الریاحین ہے اسکو دیکھنا چاہیے فوری طور پر حالات میں تبدیلی آتی ہے، کلام کا اثر ہوتا ہے۔ (اس کتاب میں اکابر اولیاء کی سبق آموز حکایات ہیں۔ (ص ۵۵۳)

(۷۹) فرمایا: میرے والد ماجد مولانا محمد یاسین صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ ہم نے دارالعلوم دیوبند کا وہ زمانہ دیکھا ہے جب اسکے ایک چپراسی سے لیکر صدر مدرس اور مہتمم تک ہر ہر شخص ولی کامل تھا۔ دن کے وقت یہاں علوم و فنون کے چرچے ہوتے اور رات کے وقت اسکا گوشہ گوشہ اللہ کے ذکر اور تلاوت قرآن سے گونجتا تھا۔ (ص ۵۶۰)

مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ

مجالسِ علیگڈھ

(مجلس سیزدہم ۱۳)

(رضائے الٰہی کی اہمیت)

آگے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں

اگر تم منافقین کا نمونہ دیکھنا چاہو تو امرار کی مجلس میں جاؤ اور انکے مصاحبین کو دیکھو کہ وہ لوگ انکی مرضی کو شارع کی مرضی پر کیونکر ترجیح دیتے ہیں اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو ان لوگوں میں جنھوں نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بلا واسطہ سنا اور پھر نفاق اختیار کیا' اور ان لوگوں میں (جو کہ اس زمانے میں پیدا ہوگئے ہیں کہ یقینی طور پر حکم شارع کا جانتے ہیں مگر اسکے بعد بھی اسکے خلاف کام کرتے ہیں) کچھ بھی فرق نہیں ہے یعنی جس طرح انھیں منافق کہا جاتا ہے اسی طرح یہ لوگ بھی منافق ہیں

آگے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :-

حاصل کلام یہ کہ جب تم قرآن پڑھو (اور منافقین کے حالات پر گذرو) تو یہ نہ خیال کرو کہ یہ خطاب ایک ایسی قوم کے ساتھ تھا جو اُس زمانہ میں تھی اور ختم ہوگئی بلکہ اس حدیث کے پیش نظر کہ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ یعنی تم لوگ اپنے سے پہلے لوگوں کا ضرور بالضرور اتباع کروگے، یعنی انکے نقش قدم پر چلو گے پس کوئی بلا ایسی نہیں گذری کہ آج اسکا نمونہ موجود نہو پس قرآن کے بیان سے مقصود اصلی

اصول اور کلیات کا بیان کرنا ہے نہ کہ ان مخصوص حکایات کو۔

وساوس اور شکوک

میں نے شروع میں بیان کیا تھا کہ مشائخ فرماتے ہیں کہ خواطر کا معاملہ بہت مہتم بالشان ہے۔ اسی پر تفصیل سے کچھ کہنا چاہتا تھا درمیان میں نفاق کی بحث آگئی تھی اسکو مفصل اسلئے بیان کر دیا کہ اخلاص پیدا ہونے کیلئے نفاق کا علم ضروری ہے۔ مسلمانوں کے لئے اسکا سمجھنا یوں بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ قلب میں تصدیق حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ شک اور وسوسہ اور تکذیب کا اسکو علم نہو۔ چنانچہ خواطر کا معاملہ بھی اسی لئے مہتم بالشان ہے کہ انسان کے اندر ایمان و اخلاص آ ہی نہیں سکتے جب تک کہ تکذیب اور شک اور وسوسہ قلب سے دور نہو۔ ہاں وسوسہ مضر نہیں ہے لیکن شک مضر ہے کیونکہ مذبذب آدمی دور رفا ہوتا ہے۔ اور شک اور وسوسہ میں ایک فرق یہ ہے کہ شک میں استحسان ہوتا ہے یعنی جو چیز بری ہوتی ہے آدمی اسکو پسند کرتا ہے اور وسوسہ میں کراہت ہوتی ہے۔ پس وسوسہ اگر اللہ کے متعلق آوے یا رسول کے متعلق آوے یا قرآن کے متعلق آوے تو کیا مضر ہے لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں اسلئے وسوسہ کو اپنے حق میں مضر بنا لیتے ہیں، چنانچہ اس زمانہ میں اسکی بہت شکایت سنتا ہوں حالانکہ وساوس صحابہؓ تک کو آتے تھے پھر اگر اس زمانہ میں بھی آویں تو کیا تعجب ہے۔ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکی شکایت کی وہ کہتے تھے کہ ایسی ایسی باتوں کا وسوسہ آتا ہے کہ ہم جل کر کوئلہ ہو جانا پسند کرتے ہیں لیکن انکو اپنی زبان پر لانا ہمکو گوارا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَوَجَدْتُمُوْہُ کیا تم لوگ واقعی اسکو پاتے ہو؟ اور

یہ فرمایا ذَالِکَ صَرِیْحُ الْاِیْمَانِ۔ "یعنی یہ تو کھلا ہوا ایمان ہے"

میں سمجھتا ہوں کہ یہ وسوسہ ہی تھا جس نے ایک جماعت کو تباہ کردیا یعنی اول اول انھیں وساوس ہی آئے اور چونکہ اس کا علم انکو معلوم نہیں تھا اسلئے اسکو قبول کر کے ہلاک ہوگئے انکو شیطان نے پٹی پڑھائی کہ تم عاقل ہو اور یہ سب عقل کی باتیں ہیں، بس اسی عقل کے زور میں پہلے کے علمائے سلف اور انکی کتب کا انکار کردیا۔ ارے بھائی پہلے بھی بڑے بڑے عاقل ہوئے سب کو یک قلم کیسے رد کر سکتے ہو۔

وساوس کا علاج وساوس کے متعلق مشائخ یہ علاج بیان فرماتے ہیں کہ جب یہ آئیں تو انکو سوچے بھی نہیں اور نہ دفع کرنے کی کوشش کرے اسلئے کہ انکی شان بجلی کے تار کی سی ہے کہ ان سے اگر ہاتھ کا مس ہوگا خواہ پکڑنے کے لئے خواہ دفع کرنے کے لئے تو وہ چمٹ ہی جائیں گے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے علوم میں سے زبردست علم وسوسہ کی حقیقت اور اسکا علاج ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفہیمات میں لکھتے ہیں کہ:۔

شیخ کے متعلق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق وساوس، زیادہ آتے ہیں اسلئے کہ یہی حضرات ذریعہ بنتے ہیں اللہ تعالیٰ تک وصول کا اور یہ شیطان پر بہت شاق ہے اسلئے وہ راستے میں بیٹھکر راستہ ہی کھوٹا کردیتا ہے

غرض انسان کو گمراہ کرنے کے لئے شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار یہی وساوس ہیں اور شیطان اپنا تصرف کر کے انکو ایسا ظاہر کرتا ہے کہ بعض دفعہ انسان انکو اپنی عقل کے مطابق سمجھکر انکو اختیار کرلیتا ہے

اور عقلی استدلال کے ساتھ انھیں قبول کرتا ہے اور اس سے گمراہی میں پڑجاتا ہے کیونکہ استدلال عقلی کے رنگ میں وہ وساوس شیطانی ہوتے ہیں

اپنے حال کے بارے میں اپنا فتویٰ اسی لئے مشائخ فرماتے ہیں کہ اپنے حال کے بارے میں اپنا فتویٰ معتبر نہیں ہے اس میں مغالطہ ہو سکتا ہے۔ بزرگوں نے تو علم شریعت رکھنے کے باوجود اپنے شرعی معاملات میں کبھی اپنے فتویٰ پر اعتبار نہیں کیا بلکہ علمائے شرع سے رجوع کیا ہے چنانچہ مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ میں ہے کہ ایک بزرگ تین روز متواتر سماع میں مشغول رہے اور پانچوں وقت برابر نمازیں ادا کرتے رہے۔ تین دن کے بعد جب سکون ہوا اور ہوش آیا تو آنجناب نے عرض کیا کہ تین دن گذرے ہیں، دریافت فرمایا کہ نماز ادا ہوئی؟ عرض کیا جی ہاں ادا ہوئی۔ اسکے بعد اپنے ایک خلیفہ کے پاس جو کہ عالم دین تھے مسئلہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا کہ یہ نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ ان عالم صاحب نے جواب میں لکھا کہ فی الحقیقت نماز تو وہی ہوئی جو آنمخدوم نے اس خاص حالت میں ادا کی، لیکن شریعت کی رعایت اور ادب کی وجہ سے اعادہ فرمالیجئے۔

وسوسہ سے کوئی محفوظ نہیں اسی لئے علماء نے فرمایا ہے کہ وساوس کا معاملہ نہایت اہم ہے یعنی یہ ایک ذی خطر اور قابل اہتمام شئے ہے۔ شیطان کو جسقدر کامیابی راہ حق سے بھکانے میں اس راہ سے ہوتی ہے دوسرے کسی اور طریقہ سے نہیں ہوتی۔ اسی لئے شیطان انسان کے پیچھے پڑجاتا ہے اور وسوسہ ڈالتا رہتا ہے۔ چنانچہ اسکے وساوس سے بجز انبیاء علیہم السلام کے

اور کوئی محفوظ نہیں صحابہؓ کو اس نے پریشان کیا اولیاء امت کو بھی اس نے نہیں چھوڑا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اسکے ضرر سے محفوظ رکھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شیطان کو پکڑ لینا

حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بار شیطان میرے پاس آیا اور میں نے اسے پکڑ بھی لیا تھا اور ارادہ کیا تھا کہ اسکو مسجد کے ستون سے باندھ دوں تاکہ صبح کو مدینہ کے بچے اسکے ساتھ کھیلیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے میرے بھائی سلیمان علیہ السلام کی یہ دعاء یاد آگئی اسلئے چھوڑ دیا اور وہ دعاء یہ تھی

رَبِّ اغْفِرْ لِی وَهَبْ لِی مُلْكًا لَّا يَنْبَغِی لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِی
اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ٥

یعنی انھوں نے دعا مانگی تھی کہ اے میرے رب میرا قصور معاف کر اور مجھکو ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا کسی کو میسر نہو، آپ بڑے دینے والے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ آپؐ کا اسوقت شیطان کو چھوڑ دینا ہملوگوں کے مجاہدے کے لئے بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اگر شیطان ہی نہ رہ جاتا اور اسکے مکائد اور وساوس ہی کا خاتمہ ہو جاتا تو پھر تو ساری مشقت ہی ختم تھی لیکن مومن کو چونکہ اللہ تعالےٰ سے تعلق ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوتی ہے اسلئے اللہ و رسول کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے وہ ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرتا ہے؎

گردو صد زنجیر آری بگسلم
غیر آں زلف نگارے مقبلم

(یعنی اگر دو سو زنجیریں بھی پڑی ہوں تو اسکو بھی توڑ سکتا ہوں مگر محبوب کی زلف میں بند ھنا مجھے گوارا ہے اسکو نہیں توڑ سکتا)

وسوسہ کب مہلک ہے

وسوسہ یوں تو مہلک شے ہے لیکن یہ اسوقت جبکہ بالقصد اس میں لگ جاوے یا اسکے مقتضا پر عمل کرے باقی اگر اسکی جانب التفات نہ کرے اور اسکے تقاضے پر عمل نہ کرے تو کچھ بھی مضر نہیں بلکہ ایمان کی علامت اور مجاہدہ کے سبب سے ترقی درجات کا ذریعہ بنتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ مومن کیلئے یہ ایک شدید امتحان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ کو بھی وساوس آتے ہیں لیکن چونکہ انھیں علم شریعت حاصل ہوتا ہے اسلئے وہ اسکے ضرر سے محفوظ رہتے ہیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا واقعہ

جیسا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ایک بہت بڑا نور دیکھا جس نے سارا افق گھیر رکھا تھا مجھے اسکے اندر ایک شکل دکھلائی دی جو مجھے مخاطب کرکے یہ کہہ رہی تھی کہ اے عبدالقادر میں تمھارا رب ہوں، جاؤ میں نے تم سے تکالیف شرعیہ کو معاف کردیا۔ اب تمھیں اختیار ہے جی چاہے تو میری عبادت کیا کرو اور نہ چاہو تو چھوڑ بھی سکتے ہو۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ یہ سنکر میں نے زور سے کہا کہ دور ہٹ یہاں سے اے مردود۔ یہ کہتے ہی دیکھتا کیا ہوں کہ وہ نور مبدل بظلمت ہوگیا اور وہ صورت جو نظر آئی تھی جل کر دھواں بنگئی پھر اس لعین نے مجھے مخاطب کیا اور کہا کہ اے عبدالقادر تم میرے دھوکے سے اپنے رب کے احکام کے سبب اپنے مرتبہ کے سبب بچ گئے ورنہ تو اسی کید سے میں ستر شیوخ طریق کو گمراہ کرچکا ہوں۔

دیکھا آپ نے کس قدر زبردست حملہ کیا تھا بلا شبہ شیطان کے ایسے کید سے بجز حق تعالے کے فضل اور انھیں کی عصمت کے بچنا بہت دشوار ہے۔ شیطان نے تو اس بچنے کا ذریعہ انکے علم کو بتلایا یہ بھی اسکی دوسری تدبیر تھی کہ آدمی کی نظر حق تعالیٰ سے ہٹ کر اپنے علم پر ہو جائے اللہ تعالے نے شیخ کو انکے صدق اور اخلاص کی بدولت محفوظ رکھا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت جیلانیؒ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ نے یہ کسطرح معلوم کرلیا کہ یہ شیطان ہے آپ نے فرمایا کہ اس بات سے کہ اس نے ایسی شئے کو میرے لئے حلال کردیا تھا جس کو اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر حرام فرما چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی یہ عادت نہیں ہے کہ اپنے رسول کی زبان سے تو ایک چیز کے حرام ہونے کا تو اعلان عام فرمادیں اور چپکے سے کسی کے لئے اسکو جائز فرمادیں۔

غرض شیطان بزرگوں کے پاس بھی آتا ہے اور وساوس و خواطر انکے قلوب میں بھی ڈالتا ہے لیکن حق تعالیٰ کا فضل اور شریعت کا علم ان حضرات کو اس کے ضرر سے محفوظ رکھتے ہیں اسلئے ہر مسلمان کے لئے کتاب و سنت کا علم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہایت ضروری ہے اسی میں خیریت ہے ورنہ دنیا سے ایمان ہی کا سلامت لیجانا نہایت دشوار ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ٥

مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ

مجالسِ علیگڈھ

مجلس چہاردہم

اتباعِ سنت کے فضائل و ثمرات

فرمایا کہ ـــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :-

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ۔

آپ کے اس ارشاد سے کئی باتیں معلوم ہوئیں : تمسک بالسنۃ اجر مأۃ شہید ۔ فسادِ امت ۔ یعنی امت کے فساد کے وقت میں جو شخص سنت پر عمل کرے گا اور اسکو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہیگا اسکو سو شہیدوں کے برابر ثواب ملے گا ۔ فساد سے مراد معاصی ہیں چنانچہ قرآن شریف میں فرمایا ہے :-

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا۔

یعنی زمین پر فساد مت کرو بعد اسکے کہ اسکی اصلاح ہو چکی ہے یعنی جب زمین کی اصلاح احکام الٰہیہ اور تعلیم اخلاق کے ذریعہ کی جا چکی ہے تو اب اس میں معاصی اور بداخلاقیاں پھیلاؤ

بداخلاقی کے نتائج بد

کیونکہ انکی وجہ سے آپس کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں اور لطف زندگی جاتا رہتا ہے ۔ انسان کی زندگی برباد ہو جاتی ہے ۔ ظاہر ہے

کہ اس سے بڑھکر اور کیا فساد ہوگا۔ ایسے ہی وقت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب دنیا میں بداخلاقیاں عام ہوجائیں اور لوگوں میں الفت ومودت کے بجائے دشمنی اور عداوت قائم ہوجائے جسکی وجہ سے چین اور راحت ختم ہوکر بدامنی اور بے اطمینانی کا دور دورہ ہوجائے (اور یہ ظاہر ہے کہ یہ سب حالات بد تعلیمات نبوی اور اتباع سنت کے ترک ہی کا نتیجہ ہوں گے) تو اسوقت جو شخص سنت کے ساتھ تمسک کرے گا (اور اس پر مضبوطی سے عمل کرنا چاہیگا) اسکو سخت مجاہدہ کرنا ہوگا اپنے ماحول سے بھی اور اپنی برادری سے بھی اور اس میں شک نہیں کہ آزادی جب آجاتی ہے تو وہ صرف احکام الٰہیہ تک محدود نہیں رہتی بلکہ انسان اپنی مصلحت سے بھی آزاد ہوجاتا ہے یعنی جن امور کے کرنے میں خود اسکا ذاتی نفع ہوتا ہے اور اسکا دنیوی فائدہ ہوتا ہے آدمی اپنی طبیعت کی آزادی کی نحوست کی وجہ سے اس کام کو بھی نہیں کرتا۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے دین اور دنیا میں ایک تعلق رکھا ہے آدمی جب دین کا پابند نہیں ہوتا تو پھر دنیا کی بھی پابندی اس سے نہیں ہوتی اور جو شخص دین کا پابند ہوتا ہے وہ دنیوی کام بھی نہایت نظم کے ساتھ کرتا ہے۔

جہادِ اکبر

ان حالات میں متمسک بالسنۃ (سنت کو مضبوط پکڑنے والے) کے لئے سو شہیدوں کا ثواب اسلئے ہے کہ اسکو بہت زیادہ مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ نفس کا مقابلہ، شیطان کا مقابلہ، ماحول کا مقابلہ، غرض قدم قدم پر اسکو مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اور شہید کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ ایک بار لڑکر جان

دے دیتا ہے اور قصہ ختم ہو جاتا ہے اور یہاں نفس پر ہر وقت آرہ چلانا پڑتا ہے ایک بزرگ کو رہ رہ کر یہ خیال ہوتا تھا کہ جہاد کرکے شہید ہو جاؤں۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ بار الٰہا یہ خواہش نفس میں کیوں پیدا ہو رہی ہے اس میں کیا راز ہے بتلا دیجئے۔ الہام ہوا کہ تمھارا نفس مجاہدہ کرتے کرتے گھبرا گیا ہے اسلئے وہ چاہتا ہے کہ ایک بار جہاد کرکے ختم ہو جائے۔ تاکہ روز روز کے مجاہدے سے نجات ملے۔

چنانچہ یہ نفس و شیطان سے مقابلہ کرنا جہاد اکبر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار جہاد سے واپسی پر یہی ارشاد فرمایا تھا

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ

یعنی ہم جہاد اصغر سے فارغ ہوکر اب جہاد اکبر کی طرف لوٹے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنا یہ جہاد اصغر ہے اور نفس کے ساتھ مقابلہ یہ جہاد اکبر ہے۔ نفس و شیطان چونکہ انسان کے دشمن ہیں اسلئے ہر وقت اسے نقصان ہی پہونچانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ چنانچہ ان بزرگ کو جو بار بار جہاد کا خیال آتا تھا تو یہ بھی وسوسۂ شیطانی تھا۔ اور وہ یہ چاہتا تھا کہ انکو اعلیٰ چیز سے ہٹا کر ادنیٰ میں لگا دے۔ اسی واسطے مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ؎

دشمن ار چہ دوستانہ گویدت
دام داں گرچہ ز دانہ گویدت

(یعنی دشمن کسی بات کو کتنی ہی دوستی کے انداز میں کیوں نہ کہے مگر تم اسکے دانہ کی خبر کو بھی دام اور جال ہی سمجھو)

سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا احیاء سنت میں یہ کہہ رہا تھا کہ کسی

از سرِ نو زندہ کرنا بہت مشکل کام ہے اسلئے اسکا اجر اسقدر بیان فرمایا گیا ہے۔ سنت کے معنی ہیں طَرِیْقَۃٌ مَسْلُوْکَۃٌ فِی الدِّیْن یعنی دین کا وہ راستہ جس پر چلا جائے۔ اب اگر کسی موقع پر دین کے راستہ کو چھوڑ دیا جائے گا یہی اس سنت کا مردہ ہو جانا ہے جیسے ایک جگہ یہ رواج تھا کہ عوام وخواص سب میں سلام کی جگہ آداب اور تسلیمات کہا جاتا تھا علمار تک کی زبان پر یہی الفاظ جاری تھے ایک طالب علم (یعنی سید احمد شہید قدس سرہٗ) وہاں پہونچے جو بعد میں بہت بڑے درجے کے شخص ہوئے) انھوں نے مجمع میں پہونچکر کہا "السلام علیکم" علمار کو (شاہ ولی اللہ صاحبؒ وغیرہ کو) انکا یہ کہنا اتنا پسند ہوا کہ اعلان کر دیا کہ اب ہمارے یہاں ان ہی لفظوں میں سلام کیا جاوے اور آداب وتسلیمات اور کورنش کے الفاظ نہ کہے جاویں۔ دیکھا آپ نے یہ تھی احیار سنت اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی سنت جب مٹتی ہے تو عوام کے ساتھ ساتھ خواص اور اہل علم تک کا تعلق اس سے ختم ہو جاتا ہے اب جو شخص ایسے وقت میں اس سنت کو زندہ کرے وہ بڑا شخص ہے اور بلا شبہ اسکا مستحق ہے کہ اسکو سَو شہیدوں کا اجر دیا جائے۔

ایک نوجوان کے ڈاڑھی رکھنے کا واقعہ

اسی طرح سے ایک اور واقعہ سنیئے!

ایک صاحب فرماتے تھے کہ جب میں مدرسہ سے پڑھکر واپس وطن گیا تو میرے ڈاڑھی تھی لوگ مجھکو دیکھ دیکھکر آپس میں خوب اشارے کرتے تھے اور ہنستے تھے یہ کہتے تھے انکو تو دیکھو انھوں ابھی سے ڈاڑھی رکھ لی ہے۔ اب دیکھئے ڈاڑھی رکھنا سنت ہے

اور ہمیشہ رکھنا چاہیئے لیکن لوگوں کی دین سے بے تعلقی نے انکو بھی اس قدر پہونچا دیا کہ اسکی اچھی ہئیت قابل اعتراض ہوگئی اور اپنا برا عمل لائق مدح ہوگیا اور یہ سمجھنے لگے کہ ڈاڑھی رکھنے کے لئے کوئی وقت مقرر ہے یعنی جب آدمی بوڑھا ہوجائے اسوقت رکھ لے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن جوان ہوکر ڈاڑھی رکھنے کا کیا مطلب ہے؟ اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ جب کسی شخص کا ماحول اور اسکے ہروقت کے اٹھنے بیٹھنے والے دوست احباب اس قسم کے ہوں تو انکے ساتھ شرعی زندگی بسر کرنا پورا مجاہدہ ہے یا نہیں اور اس شخص کے مخلص ہونے میں کیا شبہہ ہے کہ اس نے اللہ و رسول کی رضا کی خاطر مخلوق کی ناراضگی کی کوئی پرواہ نہیں کی ؎

گو ہوا دشمن زمانہ ہو مگر اے دل ہمیں
دیکھنا یہ ہے مزاج یار تو برہم نہیں

اب اسکے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکے اس عمل کے صلہ میں اگر اسکو سو شہیدوں کا اجر دیا جائے تو کیا عجیب ہے۔

نوجوانوں کا تاثر

کوئی سنت جب ترک کیجاتی ہے تو پھر دین ہی لوگوں کے نزدیک اجنبی سا ہوجاتا ہے یہاں تک کہ اہل دنیا کو اہل دین سے وحشت اور کبھی کبھی تو نفرت تک ہوجاتی ہے۔ اب میں آپ لوگوں کے سامنے بڑی باتیں تو بیان کرتا نہیں سنت ہی کا طریقہ بیان کرتا ہوں اور کبھی کبھی آپ کو سمجھانے کے لئے کہ آپ سنت سے کس قدر دور ہٹ گئے ہیں آپ کے حالات کو اور اسکی خامیوں کو بیان کر دیتا ہوں چنانچہ دیکھتا ہوں کہ سب لوگوں پر عموماً اور جوانوں پر خصوصاً زیادہ اثر

ہوتا ہے۔ لیکن میں ایک جگہ تھا تو ایک شخص مجھ سے کہتا تھا کہ یہاں کے لوگ تمھارے پیچھے نماز پڑھتے ہیں لیکن انھیں میں کا فلاں شخص اور لوگوں سے کہتا ہے کہ ان کے پاس کیوں جاتے ہو، انکے پاس کیوں بیٹھتے ہو۔ میں چونکہ ان سب چیزوں کو جانتا ہوں اسلئے سمجھتا ہوں کہ وہ بیچارہ کیا روک سکتا ہے۔ اصل میں جو ان سب کا گرو گھنٹال ہے یعنی شیطان اسی کو ہم جیسے لوگوں کا وجود کھلتا ہے اسلئے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ لوگ ایسی جگہوں پر جائیں گے تو کچھ فرض و سنت کا علم ہو جائے گا اور ہمارا کام سست اور کمزور پڑ جائیگا۔ چنانچہ ایک نوجوان میرے پاس آتا تھا اور یہ کہتی کہتا تھا کہ والدصاحب میرے آپکے یہاں آنے سے ناراض رہتے ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ تم جو سمجھ رہے ہو غلط ہے، وہ تم سے خفا نہیں ہیں بلکہ تم سے محبت کرتے ہیں چنانچہ یہ محبت ہی منشا ہے اس کا جسے تم ناراضگی سمجھ رہے ہو یعنی وہ تمھارا آنا اسلئے پسند نہیں کرتے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہاں جائے گا تو پھر دنیا کے کام کا نہ رہ جائیگا، ہمارے ہاتھ سے نکل جائیگا۔ یہ نہیں کہ انکو تمھاری دینداری ناپسند ہے۔ تم ولی ہو جاؤ انہیں ان کا کیا نقصان ہے؟ چشم ما روشن دل ما شاد۔ ہاں اسکی فکر ضرور ہے کہ تم وظیفے وظائف میں لگ جاؤ گے تو گھر کا کام کاج چھوڑ دوگے اسلئے اب تم ایسا کرو کہ یہاں بھی آؤ اور گھر کا سب کام بھی خوب محنت سے کرو اس میں گو تم کو مشقت اٹھانی پڑے گی لیکن دین مطلوب ہے تو اسکی خاطر برداشت کرو چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا رات کو اٹھ اٹھ کر کھیتوں میں پانی دیتا تھا اور

جانوروں کا چارہ بھوسا کرتا تھا اور وقت پر اپنا وظیفہ بھی ادا کرتا تھا۔ اسی طرح ایک زمانہ تک کرتا رہا بالآخر جب باپ نے دیکھا کہ یہ تو ہمارے کام میں اور چاق و چوبند ہوگیا تو اس سے خوش ہوگیا اور یا تو یہاں آنے سے منع کرتا تھا یا اب کہہ کہکر بھیجنے لگا کہ اتنے دن ہو گئے تم مولانا صاحب کے یہاں نہیں گئے

آپ سے کہتا ہوں کہ ان نوجوانوں کو یہ بوڑھے ہی چلنے نہیں دیتے اصل میں یہ دنیا دار ڈرتے ہیں کہ جو ماحول اتنے دنوں میں ہم نے دین کے خلاف بنایا ہے اگر اسی طرح سے ایک ایک دو دو کرکے دیندار ہوتے گئے تو وہ تو ختم ہی ہوجائیگا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا طریقہ اختیار کرنا ہوگا

میں یہ گفتگو سنت پر کر رہا ہوں یعنی اصل اتباع کی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے ماں باپ کی سنت اور انکا طریقہ اللہ و رسول کے حکم کے مقابلہ میں نہیں اختیار کیا جائے گا یوں اللہ تعالے نے والدین کی فرمبرداری کا بھی حکم دیا ہے اور ان کے ساتھ احسان کرنے کا امر فرمایا ہے

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا

(اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ بجز اسکے کسی کی عبادت مت کرو اور تم ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو۔)

یعنی اللہ تعالے نے انسان کو دنیا میں اپنی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے محسن حقیقی وہی ہیں اسلئے عبادت انھیں کا حق ہے لیکن دنیا میں انسان کے وجود کا ذریعہ چونکہ والدین بھی ہوتے

میں اسلیئے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد انکے ساتھ احسان کرنے کا بھی حکم فرمایا ہے اور انکا ادب کرنے اور انکو ایذا رسے بچانے کا امر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا

(سو انکو کبھی ہوں، بھی مت کہنا اور نہ انکو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا)

پس والدین کی تعظیم و تکریم تو کی جائیگی لیکن اللہ و رسول کے حکم کے مقابلہ میں انکا کہنا نہیں مانا جائیگا کیونکہ۔

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔

(کسی مخلوق کی اس طرح فرمانبرداری کرنا روا نہیں کہ خالق کی نافرمانی لازم آجائے)

اللہ تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا ہے:۔

وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۵

(اور اگر تجھ پر وہ دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جسکی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو انکا کہنا نہ ماننا۔ دنیا میں انکے ساتھ خوبی سے ساتھ بسر کرنا)

دیکھئے اس میں والدین کے ساتھ باوجود انکے کافر و مشرک ہونے کے ان سے بھلائی کرنے کا حکم ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نیک و صالح آدمی ہی کر سکتا ہے۔ کیسی زبردست تعلیم ہے اور کتنا زبردست اخلاق ہے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ایک صاحب شخص تھے جو صحابی نہیں تھے حضور کی خدمت میں محض اسوجہ سے نہیں آسکے کہ انکی ماں تنہا تھیں اور کوئی انکی خدمت کرنے والا نہیں تھا۔ اللہ و رسول کی تعلیمات خود دلیل ہیں اپنی حقانیت کی

اخلاق نبوی

یہ تو آپ نے خدائی اخلاق ملاحظہ فرمایا اب اخلاق نبوی دیکھئے :-

ایک یہودی لڑکے نے ایک مشک میں پانی بھرلیا مشک بڑی تھی جب اٹھانا چاہا تو اسکو اٹھا نہ سکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دور سے یہ منظر دیکھ رہے تھے، آپؐ تشریف لائے اور مشک کو اپنی پشت پر اٹھایا اور اسکے گھر پہونچا دی ۔ لڑکا دروازہ پر سے اندر گھسیٹ کرلے گیا اسکے باپ نے پوچھا کہ اتنی بھاری مشک تم کیسے لے آئے اس نے کہا کہ ایک شخص دروازہ تک پہونچا گیا باپ نے باہر آکر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے جارہے تھے آپ کو دیکھکر بیتاب ہو گیا اور بے ساختہ کہا مَا هٰذَا اِلَّا شَفَقَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ یعنی یہ تو بالکل انبیاء و مرسلین کی سی شفقت ہے یہ کہکر اپنے خاندان سمیت مسلمان ہو گیا۔ سبحان اللہ یہ تھے اخلاق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(جاری)

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہٗ

اسبابُ الغفلۃ

(انسان یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ اسکے پاس ہے وہ ہمارا مال ہے ہم جہاں چاہیں اڑائیں، مگر یہ اسکی غلطی ہے۔ انسان کے پاس جو کچھ ہے حق تعالیٰ کا ہے جس کا وہ محض امین ہے کہ جہاں خدا تعالیٰ کی اجازت ہو وہیں صرف کرنے کا اختیار ہے۔ اور جہاں ممانعت ہے وہاں اسکو ہرگز اختیار صرف نہیں۔

اولاد و اموال کی محبت کے متعلق یہ وعظ مسجد محلہ پیرغائب مرادآباد میں بعد عصر ۲۵ صفر سنہ ۱۳۳۱ھ کو ہوا جو ایک گھنٹہ پندرہ منٹ میں ختم ہوا۔ اور مولانا احمد سعید صاحب تھانوی نے قلمبند فرمایا۔)

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہ و نستغفرہٗ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا و مولٰنا محمداً عبدہٗ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ و اصحابہ وبارک وسلم۔ امابعد۔

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللہِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔

(اے ایمان والو! تمکو تمھارے مال اور اولاد اللہ کی اطاعت سے غافل نہ کرنے پائیں اور جو ایسا کرے گا سو ایسے لوگ ناکام رہنے والے ہیں۔)

مذاق کی رعایت

قبل اسکے کہ اس آیت کے متعلق کچھ بیان کیا جائے اتنا سن لینا ضروری ہے کہ اسوقت کے بیان سے زیادہ تر مستورات کو فائدہ پہونچانا مقصود ہے اور چونکہ مستورات درسیات کم پڑھتی ہیں یا بالکل نہیں پڑھتیں نیز ان کو اہل علم کی صحبت کم میسر ہوتی ہے اسلئے انکا فہم سادہ ہوتا ہے تو انکی رعایت سے اسوقت مضامین بھی سادہ بیان کئے جائیں گے پس ممکن ہے کہ اسوقت کے بیان میں حظ (لطف و مزا) نہ حاصل ہو سکے اور حظ مقصود بھی نہیں۔ دیکھئے دوا سے تحصیل حظ کا کون قصد کیا کرتا ہے؟ بلکہ دوا سے اصل مقصود صحت ہوتی ہے گو وہ کیسی ہی بدمزہ ہو مگر مقصود میں معین و مفید ہونے کی وجہ سے گوارا کی جاتی ہے۔ اسی طرح وعظ بھی اصلاح نفس کیلئے بمنزلہ دوا کے ہے اس میں بھی حظ مقصود نہونا چاہیئے اور نہ بیان کرنے والوں کو اسکا اہتمام کرنا چاہیئے ہاں اگر مقصود میں خلل نہ ہو تو ایسے مضامین علمی کا بھی درمیان میں بیان کر دینا مضائقہ نہیں جن سے اہل علم کو حظ حاصل ہو جیسے اطبار بھی دوا کے ساتھ مصری یا شربت ملا دیا کرتے ہیں تاکہ طبیعت اسکو سہولت سے قبول کرے۔ لیکن اسوقت چونکہ مستورات مخاطب ہیں اور زیادہ مقصود انکو نفع پہونچانا ہے اور انکو مضامین علمیہ سے دلچسپی یا حظ حاصل نہیں ہوتا اسلئے مضامین علمیہ کو قصداً بچایا جائے گا ہاں استطراداً اور تبعاً کوئی بات آجائے تو ممکن ہے۔

گو اسوقت جو بیان بھی ہوگا وہ ایسے مضامین نہ ہوں گے جن سے مردوں کو نفع نہ ہو انکو بھی ان سے نفع ضرور ہوگا۔ اور کم سے کم یہی نفع ہوگا کہ وہ ایسے مضامین وقتاً فوقتاً اپنی مستورات کو سنا سکیں اور بتلا سکیں لیکن چونکہ رُوئے سخن زیادہ تر مستورات ہی کی طرف ہوگا اسلئے میں نے پہلے سے مردوں کو متنبہ کردیا کہ اسوقت کے بیان میں انکے مذاق کی رعایت نہوگی بلکہ مستورات کے مذاق وفہم کی زیادہ رعایت ہوگی کیونکہ کسی کو شاید مضامین علمیہ کا انتظار ہو تو وہ اس انتظار میں نہ رہے بلکہ محض مقصود پر نظر رکھے۔

اس تمہید کے بعد اب بیان شروع کرتا ہوں گو اسوقت زیادہ تفصیل کا موقع نہیں کیونکہ وقت بہت تنگ ہے عصر کے بعد مغرب ہی تک بیان کرنے کا ارادہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس قلیل وقت میں زیادہ تفصیل نہیں ہوسکتی اسلئے اس وقت اختصار کو ملحوظ رکھکر صرف مضامین کثیر الوقوع بطور قواعد کلیہ کے بیان کئے جائیں گے۔ جزئیات کا احاطہ اول تو ویسے بھی مشکل ہے پھر وقت بھی زیادہ نہیں۔

صدورِ معاصی کے اسباب

خلاصہ یہ کہ اسوقت مجھکو ایک خاص حالت مذمومہ کے متعلق گفتگو کرنا ہے جس میں عموماً ہم سب مبتلا ہیں اور خصوصاً مستورات کو اسکی زیادہ نوبت پیش آتی ہے۔ چنانچہ ترجمہ آیت ہی سے اس خاص حالت کا پتہ چل جائیگا کہ اس حالت مذمومہ میں ابتلاء عام ہے یا نہیں اس آیۃ میں حق تعالیٰ شانہٗ نے مسلمانوں کو مال واولاد کی وجہ سے غفلت میں پڑجانے سے منع فرمایا ہے اور اس بات پر آگاہ فرمایا ہے کہ جو لوگ ان چیزوں کی وجہ غفلت میں پڑ جائیں گے خسارہ میں

میں۔ اب آپ اپنی حالت پر غور کریں تو معلوم ہو جائیگا کہ معصیت کا زیادہ سبب اکثر مال و اولاد ہی کا تعلق ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ اسی سے روکتے ہیں کہ ایسا نہو کہ مال و اولاد تمھارے لئے ذکر اللہ سے غفلت کا سبب ہو جائیں

یہاں ذکر اللہ سے مراد طاعت اللہ ہے چونکہ طاعات کی وضع ذکر اللہ ہی کے لئے ہے اسلئے ذکر بول کر طاعت مراد لی جاتی ہے (اور کنایہ میں نکتہ یہ ہے کہ جس طرح معصیت کا سبب غفلت ہے جس پر لَا تُلْهِكُمْ میں دلالت ہے اور غفلت کا سبب دنیا کے ساتھ قلب کا تعلق ہونا ہے جس پر اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ دلالت کر رہا ہے جس سے مراد مجموعۂ دنیا ہے اور ان دونوں کی تخصیص لفظی کی یہ وجہ ہے کہ یہ دونوں دنیا کے اعظم افراد ہیں اسی طرح طاعت کی بجائے ذکر اللہ کہنے میں اس پر دلالت ہے کہ طاعات کا سبب غفلت کا مقابل ہے۔

یعنی ذکر اور ذکر کا سبب خدا کے ساتھ دل کا متعلق ہونا ہے جس پر اضافتِ ذکر الی اللہ سے دلالت ہو رہی ہے) تو اس سے یہ بات مفہوم ہوئی ہے کہ مال و اولاد اکثر طاعت سے غفلت کا سبب ہوا کرتے ہیں اور جب طاعت سے غفلت ہوگی تو وہ معصیت ہوگی نتیجہ یہ نکلا کہ معصیت کا زیادہ سبب مال و اولاد کا تعلق ہے اور جب یہ زیادہ تر معصیت کا سبب تھے جبھی تو حق تعالیٰ نے انکی وجہ سے غفلت میں پڑنے کی ممانعت فرمائی کیونکہ حق تعالیٰ حکیم ہیں اور حکیم کا کوئی کلام حشو و زائد نہیں ہوتا۔ پس دنیا بھر کی چیزوں میں سے اموال و اولاد کو خاص طور پر ذکر فرمانا اسکی صاف دلیل ہے کہ ان دونوں کو

غفلت عن الطاعات یعنی صدور معاصی میں زیادہ دخل ہے
دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ خدا و رسول ﷺ کے کلام میں تصریح کے ساتھ ممانعت اسی چیز سے ہوتی ہے جس میں ابتلاء زیادہ ہو جو کثیر الوقوع ہو۔ اور جس میں ابتلاء نہو اسکا وقوع زیادہ نہو اس سے بالتصریح ممانعت نہیں کی جاتی کیونکہ اس سے تصریح کے ساتھ ممانعت کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

مثلاً شریعت میں شراب پینے کی ممانعت تو بالتصریح ہے لیکن پیشاب پینے کی ممانعت بالتصریح نہیں ہے کیونکہ شُربِ خمر (شراب نوشی) میں ابتلاء کی کثرت تھی اور شُربِ بول (پیشاب پینے) میں کوئی مبتلا نہ تھا اسلئے اول سے صراحۃً منع کیا گیا اور دوسرے سے صراحۃً منع نہیں کیا گیا۔ پس کسی چیز سے صراحۃً ممانعت کرنا اسکی دلیل ہے کہ یہ کثیر الوقوع ہے۔

تو حق تعالےٰ کا اموال و اولاد کی وجہ سے غفلت میں پڑنے کی ممانعت فرمانا اسکی دلیل ہے کہ یہ زیادہ تر معصیت کا سبب ہوتے ہیں۔ خود کلام اللہ بھی اسکو بتلا رہا ہے اور مشاہدہ بھی ہے۔ چنانچہ اپنی حالت پر غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مال و اولاد کی وجہ سے کتنے گناہ ہوتے ہیں۔

مال و اولاد کے درجے

تفصیل اسکی یہ ہے کہ مال میں عمل کے دو مرتبے ہیں ایک درجہ حاصل کرنے کا اور ایک اسکو محفوظ رکھنے کا اسی طرح اولاد میں بھی دو مرتبے ہیں ایک اولاد حاصل کرنے کا دوسرے اسکی حفاظت کا۔ اور ایک تیسرا مرتبہ اور ہے لیکن یہ مرتبہ اولاد و اموال میں دونوں کے لئے جدا ہے پہلے دو مرتبوں کی طرح مشترک نہیں ہے

چنانچہ مال میں تو تیسرا مرتبہ درجہ صرف کرنے کا ہے اور اولاد میں تیسرا مرتبہ اسکے لئے آئندہ کی فکر کرنے کا ہے۔

غرض تین درجے عمل کے مال میں ہیں اور تین درجے اولاد میں ہیں۔

مال میں تو تین عمل یہ ہیں:۔

(۱) مال کا پیدا کرنا (۲) مال کی حفاظت کرنا (۳) مال کا صرف کرنا

اور اولاد میں تین درجے عمل کے یہ ہیں۔

(۱) اولاد کا حاصل کرنا (۲) پھر اسکی حفاظت کرنا (۳) پھر اسکے لئے آئندہ کی فکر کرنا۔

تو کل چھ مرتبے ہوئے جو کہ حقیقت میں اعمال کے درجے ہیں اب ان چھ مرتبوں میں بہت مختصر انداز سے اپنی حالت کو دیکھ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں ہمارا برتاؤ کیا ہے اور ان میں ہم کتنے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، مثلاً مال میں تین مرتبے نکلے ایک حاصل کرنا، دوسرے حفاظت کرنا، تیسرے صرف کرنا اب دیکھئے یہ مال کتنے تاج نچاتا ہے۔ سب سے اول مرتبہ مال حاصل کرنے کا ہے اسکو دیکھئے کہ اس میں کسقدر بے احتیاطیاں ہوتی ہیں، جب کوئی یہ نیت کر لیتا ہے کہ اتنا مال اپنے پاس آنا چاہیئے پھر حلال وحرام کی تمیز بہت مشکل ہے پھر جیسا کچھ ہوا احتیاط نہیں کرتا۔

میں اپنی حالت کہتا ہوں کہ میں نے اکثر احوال میں ہدیہ لینے کے لئے کچھ شرائط و قواعد مقرر کر رکھے ہیں مثلاً پہلی ملاقات میں ہدیہ نہیں لیتا اور جب تک خلوص و محبت کا علم نہ ہو جائے اسوقت تک نہیں لیتا اور ان سب کے بعد یہ قاعدہ کر رکھا ہے کہ کسی سے انکی ایک دن کی آمدنی سے زیادہ نہیں لیتا مثلاً کسی کی تیس روپئے ماہوار

آمدنی ہے تو اس سے ایک دفعہ میں ایک روپیہ سے زیادہ نہیں لیتا اور ایک دفعہ کے بعد دوسرے ہدیہ میں ایک ماہ کا فاصلہ ضروری کردیا ہے تاکہ کوئی ایک مہینہ میں ایک دن کی آمدنی سے زیادہ نہ دے سکے، لیکن جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے اور کوئی خاص مقدار رقم کی اسکے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے تو پھر آنکھ بند کرکے لے لیا جاتا ہے اسوقت یہ قواعد وشرائط ملحوظ نہیں رہتے افسوس تو یہ ہے کہ بعض اوقات اپنی ذات کو بھی اس رقم سے کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا بلکہ کسی دوسرے ہی کی نیت سے کچھ رقم جمع کرنا مقصود ہوتا ہے اس میں بھی احتیاط نہیں کیجاتی۔

تحصیل مال میں بے احتیاطی

شلاً کسی نیک کام کے لیئے رقم جمع کی جائے اور یہ تجویز تجویز کرلیا جائے کہ اس کے واسطے اتنی رقم جمع ہونی چاہیئے تو اب حلال وحرام کی کچھ پروا نہیں ہوتی۔ غضب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی ذات کے واسطے لینے میں احتیاط کرتے ہیں وہ بھی نیک کاموں کے واسطے لینے میں اتنی احتیاط نہیں کرتے چنانچہ ابکے چند بلقان میں میں نے دیکھا ہے کہ جو محتاط لوگ رنڈی بھڑوں کا روپیہ کبھی نہ لیتے تھے انھوں نے اس چندہ میں انکا روپیہ بے تامل لے لیا۔

اسی طرح مدرسوں اور انجمنوں کے چندوں میں کوئی بندۂ خدا ہوگا جو احتیاط کرتا ہوگا ورنہ مشکل ہے، اس میں محتاط لوگ بھی یوں سمجھتے ہیں کہ اپنے لئے تو احتیاط کرنا ممکن ہے کیونکہ اس میں احتیاط کرنے سے اگر آمدنی کم ہوئی تو اپنی ذات پر تھوڑی سی دقت برداشت کرلیں گے کہ ایک وقت کھایا دوسرے وقت نہ کھایا۔

لباس عمدہ نہ پہنا گھٹیا ہی پہن لیا۔ مگر یہاں مدرسوں اور انجمنوں کے چندہ میں یا ترکوں کے چندہ میں احتیاط کیسے کریں یہاں تو دس ہزار کا پورا ہونا ضروری ہے اس سے کم میں کام ہی نہیں چل سکتا اور اور اتنی بڑی رقم تو اسی طرح پوری ہوسکتی ہے کہ جہاں سے جو ملے لے لیا جائے۔ پھر نفس یوں سمجھاتا ہے کہ یہ تو خدا کا کام ہے ہمارا ذاتی کام تھوڑا ہی ہے اس میں تھوڑی سی چشم پوشی بھی کرلی جائے تو کچھ حرج نہیں۔

واقعی مولویوں کا نفس بھی مولوی ہوتا ہے اور درویشوں کا نفس درویش تو وہ یوں انکو تاویلیں بتا دیتا ہے۔ حالانکہ یہ بڑی غلطی ہے کیونکہ اپنے نفس کیلئے گناہ کرنے میں کچھ مقصود تو حاصل ہوجاتا ہے کم سے کم اپنے پاس روپیہ ہی آتا ہے اور دین کے کام میں گناہ کرنے سے تو مقصود بھی حاصل نہیں ہوتا کیونکہ دین کے کام سے تو رضا حق ہی مقصود ہے سو معصیت میں وہ کہاں؟ اور روپیہ اپنے کو نہ ملنا تو ظاہر ہی ہے کیونکہ وہ دوسرو کو پہونچ گیا بس تم تو مخواہ بیچ میں خالی ہاتھ بھی رہے اور گناہ میں بھی مبتلا ہوئے تو ایسے کام میں تو اور بھی زیادہ احتیاط کرنا چاہیئے۔ (جاری)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

کھانے کے آداب

(۳)

ہر کام کے وقت زاویۂ نگاہ بدل لو میرے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سالہا سال اس بات کی مشق کی ہے مثلاً گھر میں داخل ہوا اور کھانے کا وقت آیا اور دسترخوان پر بیٹھے، کھانا سامنے آیا اب بھوک شدید ہے اور کھانا بھی لذیذ ہے دل چاہ رہا ہے کہ فوراً کھانا شروع کردوں لیکن ایک لمحہ کے لئے کھانے سے رک گیا اور دل سے کہا کہ یہ کھانا نہیں کھائیں گے، اسکے بعد دوسرے لمحہ یہ سوچا کہ یہ کھانا اللہ کی عطا ہے، جو اللہ تعالےٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے یہ میرے قوت بازو کا کرشمہ نہیں ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کھانا سامنے آتا تو اللہ کا شکر ادا کرکے اسکو کھا لیا کرتے تھے اسلئے میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اس کھانے کو کھاؤں گا۔ اسکے بعد بسم اللہ پڑھکر کھانا شروع کرتا۔

گھر میں داخل ہوئے اور بچہ کھیلتا ہوا اچھا معلوم ہوا دل چاہا کہ اسکو گود میں اٹھا کر پیار کریں لیکن ایک لمحے کے لیئے رک گئے اور سوچا کہ محض دل کے چاہنے پر بچہ کو گود میں نہیں لیں گے پھر دوسرے لمحے یہ خیال لائے کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے محبت فرمایا کرتے تھے اور انکو گود میں لے لیا کرتے

اب میں بھی آپ کی سنت کی اتباع میں بچے کو گود میں اٹھاؤنگا۔ اسکے بعد بچے کو اٹھالیا۔

حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سالہا سال تک اس عمل کی مشق کی ہے اور یہ شعر سنایا کرتے تھے ؎

جگر پانی کیا ہے مدتوں غم کی کشاکش میں
کوئی آسان ہے کیا خوگر آزار ہو جانا؟

سالہا سال کے بعد یہ چیز حاصل ہوئی ہے اور الحمدللہ اب تخلف نہیں ہوتا۔ اب جب بھی اس قسم کی کوئی نعمت سامنے آتی ہے تو پہلے ذہن اسطرف جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور پھر اس پر شکر ادا کر کے بسم اللہ پڑھکر اس کام کو کرلیتا ہوں اور اب عادت پڑگئی ہے اور اسی کو "زاویہ نگاہ کی تبدیلی" کہتے ہیں۔ اسکے نتیجے میں دنیا کی چیز دین بن جاتی ہے۔

کھانا ایک نعمت ہے

ایک مرتبہ حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ کے ساتھ ایک دعوت میں گئے جب دسترخوان پر کھانا آیا اور کھانا شروع کیا گیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ تم ذرا غور کرو کہ اس ایک کھانے میں جو تم اسوقت کھا رہے ہو اس میں اللہ تعالیٰ کی مختلف قسم کی کتنی نعمتیں شامل ہیں، سب سے پہلے تو کھانا ایک مستقل نعمت ہے اسلئے کہ اگر انسان شدید بھوکا ہو اور بھوک کی وجہ سے مر رہا ہو اور کھانے کی کوئی چیز میسر نہو تو اس وقت خواہ کتنا ہی خراب سے خراب کھانا اسکے سامنے لایا جائے وہ اسکو بھی غنیمت سمجھکر کھانے کے لئے تیار ہو جائے گا اور اسکو بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت سمجھے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کھانا اچھا یا برا ہو، لذیذ ہو

یا بے مزہ ہو وہ کھانا بذات خود ایک نعمت ہے اسلئے کہ وہ بھوک کی تکلیف کو دور کر رہا ہے

کھانے کی لذت، دوسری نعمت دوسری نعمت یہ ہے کہ یہ کھانا مزیدار بھی ہے اپنی طبیعت کے مطابق بھی ہے۔ اب اگر کھانا تو موجود ہوتا لیکن مزیدار نہ ہوتا اور اپنی طبیعت کے موافق نہ ہوتا تو ایسے کھانے کو کھا کر کسی طرح پیٹ بھر کر بھوک مار لیتے لیکن لذت حاصل نہیں ہوتی

عزت سے کھانا ملنا، تیسری نعمت تیسری نعمت یہ ہے کہ کھلانے والا عزت سے کھلا رہا ہے۔ اب اگر کھانا بھی میسر ہوتا، اور مزیدار بھی ہوتا، لذیذ بھی ہوتا لیکن کھلانے والا ذلت کے ساتھ کھلاتا اور جیسے کسی نوکر یا غلام کو کھلایا جاتا ہے اس طرح ذلیل کر کے کھلاتا تو اس وقت اس کھانے کی ساری لذت دھری رہ جاتی اور سارا مزہ خراب ہو جاتا۔ جیسے کسی نے کہا ہے کہ؎

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

لہٰذا اگر کوئی شخص ذلیل کر کے کھانا کھلا رہا ہے تو اس کھانے میں کوئی لطف نہیں وہ کھانا بے حقیقت ہے۔ الحمد للہ ہمیں یہ تیسری نعمت بھی حاصل ہے کہ کھلانے والا عزت سے کھلا رہا ہے۔

بھوک لگنا، چوتھی نعمت چوتھی نعمت یہ ہے کہ بھوک اور کھانے کی خواہش بھی ہے۔ اسلئے کہ اگر کھانا بھی میسر ہوتا اور وہ کھانا لذیذ بھی ہوتا اور کھلانے والا عزت سے بھی کھلاتا لیکن بھوک نہ ہوتی اور معدہ خراب ہوتا تو اس صورت میں

اعلیٰ سے اعلیٰ کھانا بھی بیکار ہے اسلئے کہ انسان اسکو نہیں کھا سکتا تو الحمدللہ کھانا بھی لذیذ ہے کھلانے والا عزت سے کھلا رہا ہے اور کھانے کی بھوک اور خواہش بھی موجود ہے

کھانے کے وقت عافیت، پانچویں نعمت

پانچویں نعمت یہ ہے کہ عافیت اور اطمینان کے ساتھ کھا رہے ہیں کوئی پریشانی نہیں ہے اسلئے کہ اگر کھانا تو لذیذ ہوتا، کھلانے والا عزت سے بھی کھلاتا، بھوک بھی ہوتی، لیکن طبیعت میں کوئی ایسی پریشانی لاحق ہوتی، کوئی فکر طبیعت پر ہوتی یا اس وقت کوئی خطرناک قسم کی خبر مل جاتی جس سے دل و دماغ ماؤف اور پریشان ہو جاتا تو ایسی صورت میں بھوک ہوتے ہوئے بھی وہ کھانا انسان کے لئے بیکار ہو جاتا۔ الحمدللہ عافیت اور اطمینان حاصل ہے کوئی ایسی پریشانی نہیں ہے جسکی وجہ سے کھانا بے لذت اور بے مزہ ہو جاتا۔

دوستوں کے ساتھ کھانا، چھٹی نعمت

چھٹی نعمت یہ ہے کہ آپ اپنے احباب اور دوستوں کے ساتھ مل کر کھانا کھا رہے ہیں اگر یہ سب نعمتیں حاصل ہوتیں لیکن اکیلے بیٹھے کھا رہے ہوتے اسلئے کہ تنہا کھانے اور دوست احباب کے ساتھ مل کر کھانے میں بڑا فرق ہے، اپنے دوست احباب کے ساتھ مل کر کھانے میں جو کیف و لطف حاصل ہوتا ہے وہ تنہا کھاتے وقت حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہ ایک مستقل نعمت ہے۔

بہر حال فرمایا کرتے تھے کہ یہ کھانا ایک نعمت ہے لیکن اس ایک نعمت میں اللہ تعالیٰ کی کتنی نعمتیں شامل ہیں تو کیا پھر بھی

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرو گے۔

یہ کھانا عبادتوں کا مجموعہ ہے

لہذا جب یہ کھانا اس استحضار کے کے ساتھ کھایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں تو پھر ہر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے کھانا کھاؤ اور جب اس طرح ہر نعمت پر شکر ادا کرتے ہوئے کھاؤ گے تو ایک طرف تو کھانے کے اندر عبادتوں میں اضافہ ہو رہا ہے اسلئے کہ اگر صرف "بسم اللہ" پڑھکر کھانا کھا لیتے اور ان نعمتوں کا استحضار نہ کرتے تو بھی وہ کھانا عبادت بن جاتا لیکن کئی نعمتوں کا استحضار کرتے ہوئے اور ان پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کھانا کھایا تو یہ کھانا بہت سی عبادتوں کا مجموعہ بن گیا اور اسکے نتیجے میں کھانا جو حقیقت میں دنیا ہے ایک طرف اسکے ذریعہ لذت بھی حاصل ہو رہی ہے اور دوسری طرف تمھاری نیکیوں میں بھی اضافہ کا سبب بن رہا ہے۔ بس اسی کا نام "زاویۂ نگاہ کی تبدیلی" ہے۔ اس زاویۂ نگاہ کی تبدیلی سے انسان کی دنیا بھی دین بن جاتی ہے۔ مولانا شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری (گلستان سعدی)

یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ آسمان، یہ زمین یہ بادل، یہ چاند، یہ سورج، ان سب کو تمھاری خدمت کے لئے لگایا ہوا ہے تاکہ ایک روٹی تمہیں حاصل ہو جائے مگر اس روٹی کو غفلت کے ساتھ مت کھانا، بس تمھارا کام صرف اتنا ہی ہے، بلکہ اللہ کا نام لیکر اللہ کا ذکر کرکے کھاؤ اور اگر کھانے سے پہلے بھول جاؤ تو جب یاد آجائے اسوقت "بسم اللہ اولہٗ و آخرہٗ" پڑھ لو۔

نفل کام کی تلافی

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہٗ نے اس حدیث کی بنیاد پر جس میں دعا بھول جانے کا ذکر ہے فرمایا کہ جب بھی آدمی کوئی نفلی عبادت اپنے وقت پر ادا کرنا بھول گیا یا کسی عذر کی وجہ سے وہ نفلی عبادت نہ کر سکا تو یہ نہ سمجھے کہ بس اب اس نفلی عبادت کا وقت تو چلا گیا اب چھٹی ہوگئی بلکہ بعد میں جب موقع مل جائے اس نفلی عبادت کو کرلے۔

چنانچہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضرت والا قدس سرہٗ کے ساتھ ایک اجتماع میں شرکت کے لئے جا رہے تھے مغرب کے وقت وہاں پہونچنا تھا مگر ہمیں نکلتے ہوئے دیر ہوگئی جس کی وجہ سے مغرب کی نماز راستے میں ہی ایک مسجد میں پڑھی۔ چونکہ خیال یہ تھا کہ وہاں پر لوگ منتظر ہوں گے اسلئے حضرت والا نے صرف تین فرض اور دو سنتیں پڑھیں اور ہم نے بھی تین فرض اور دو سنتیں پڑھ لیں اور وہاں سے جلدی روانہ ہوگئے تاکہ جو لوگ انتظار کر رہے ہیں انکو انتظار زیادہ نہ کرنا پڑے۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد وہاں پہونچ گئے۔ اجتماع ہوا پھر عشاء کی نماز بھی وہیں پڑھی اور رات کے دس تک اجتماع رہا، پھر جب حضرت والا وہاں سے رخصت ہونے لگے تو ہم لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ بھائی آج مغرب کے بعد کی اوابین کہاں گئی؟ ہم نے کہا کہ حضرت وہ تو آج رہ گئی چونکہ راستے میں جلدی تھی اسلئے نہیں پڑھ سکے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ رہ گئیں اور بغیر کسی معاوضے کے رہ گئیں۔ ہم نے کہا کہ حضرت چونکہ لوگ انتظار میں تھے جلدی پہونچنا تھا اس عذر کی وجہ سے اوابین کی نماز رہ گئی، حضر

نے فرمایا کہ الحمد للہ جب میں نے عشاء کی نماز پڑھی تو عشاء کی نماز کے ساتھ جو نوافل پڑھا کرتا ہوں انکے علاوہ مزید چھ رکعتیں پڑھ لیں اب اگرچہ وہ نوافل اوابین نہوں اسلئے کہ اوابین کا وقت تو مغرب کے بعد ہے لیکن یہ سوچا کہ وہ چھ رکعتیں جو چھوٹ گئی تھیں کسی طرح انکی تلافی کر لی جائے۔ الحمد للہ میں نے تو اب چھ رکعتیں پڑھکر اوابین کی تلافی کر لی ہے۔ اب تم جانو تمھارا کام۔

پھر فرمایا کہ تم مولوی ہو یہ کہو گے کہ نوافل کی قضا نہیں ہوتی اسلئے کہ مسئلہ یہ ہے کہ فرائض اور واجبات کی قضا ہوتی ہے۔ سنت اور نفل کی قضا نہیں ہوتی۔ آپ نے اوابین کی قضا کیسے کر لی؟ تو بھائی تم نے وہ حدیث پڑھی ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر تم کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جاؤ تو جب درمیان میں یاد آجائے تو اس وقت پڑھ لو اور اگر آخر میں یاد آجائے اسوقت پڑھ لو اب دعاء پڑھنا کوئی فرض و واجب تو تھا نہیں پھر آپ نے یہ کیوں فرمایا کہ بعد میں پڑھ لو۔ بات دراصل یہ ہے کہ ایک نفل اور مستحب کام جو ایک نیکی کا کام تھا اور جس کے ذریعہ نامہ اعمال میں اضافہ ہو سکتا تھا وہ اگر کسی وجہ سے چھوٹ گیا تو اسکو بالکلیہ مت چھوڑو، دوسرے وقت کر لو اب چاہے اسکو "قضا" کہو یا نہ کہو لیکن اس نفل کام کی تلافی ہو جائے۔

یہی باتیں بزرگوں سے سیکھنے کی ہوتی ہیں اس دن حضرت والا نے ایک عظیم باب کھولدیا ہم لوگ واقعی یہی سمجھتے تھے .. فقہ کے اندر لکھا ہے کہ نوافل کی قضا نہیں ہوتی لیکن اب معلوم ہوا

کہ ٹھیک ہے قضا تو نہیں ہوسکتی لیکن تلافی تو ہوسکتی ہے اسلئے کہ اس نفل چھوٹنے کی وجہ سے نقصان ہوگیا نیکیاں تو گئیں لیکن بعد میں جب اللہ تعالیٰ فراغت کی نعمت عطا فرمائے اسوقت اس نفل کو ادا کرلو۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

ارشادات مصلح الامۃ رح

فرمایا کہ: میں یہ بتا رہا ہوں کہ اوصاف بشریت سے متصف ہونے کے وقت ہی میں قرب اور فرشتوں سے زیادہ قرب حاصل کر سکتے ہیں۔

ان اوصاف بشریہ میں سے ایک "کھانا" ہے اسکے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے ہاتھ دھوئے یہ ایک سنت ہوئی اور پھر بسم اللہ پڑھیے) یہ دوسری سنت ہوئی، اور جب کھانا کھا چکے تو یہ دعا پڑھے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (یعنی تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھکو کھلایا پلایا اور مجھکو مسلمان بنایا) یہ تیسری سنت ہوئی۔

اور ابوداؤد شریف کی حدیث ہے کہ جب مومن کھانے کے بعد یہ دعا پڑھے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ هٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ۔ (یعنی تمام تعریف ہے اس اللہ کیلئے جس نے یہ کھانا مجھکو کھلایا اور بغیر حول وقوت کے مجھکو عطا فرمایا) تو اسکے سال بھر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

شیخ المحدثین حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

نبوت و رسالت

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی
لولا ان ھدانا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق ٥

حمد ہے اس خدا وند ذوالجلال کی جس نے ہم کو دین حق کی ہدایت دی اور ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے اگر اللہ تعالیٰ ہمکو ہدایت نہ دیتا بیشک ہمارے رب کے پیغمبر حق لیکر آئے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مبعوث ہونا اہل جہاں کے لئے حق تعالیٰ شانہ کی رحمت کبریٰ اور منت عظمیٰ ہے اگر ان بزرگواروں کا واسطہ اور ذریعہ نہوتا تو ہم بے سمجھوں کو اس واجب الوجود جل مجدہ کے وجود اور اسکی وحدت کی طرف کون ہدایت کرتا اور ہمارے مولیٰ جل شانہ کے احسانات اور انعامات بے غایات و بے نہایات کے شکر کے طریقے کون بتاتا اور اسکے اوامر ونواہی اور مرضیات و نامرضیات میں کون تمیز کرتا اور ہمارے مبداء و معاد سے دنیا و آخرت کے احکام سے ہم کو کون آگاہ کرتا یونان کے حکماء اور فلاسفہ نے باوجود کمال فہم و فراست وکمال دانائی صانع عالم کے وجود کی طرف ہدایت نہ پائی اور کائنات کے وجود کو دہر یعنی زمانہ کی طرف منسوب کیا اور کہا

وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ　　اور ہم کو زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے

لیکن حضرات انبیاء کرام کے دلائل اور براہین جب آفتاب

کی طرح جلوہ گر ہوئے تو متاخرین فلاسفہ طوعًا وکرہًا وجود صانع جل شانہ کے قائل ہوئے اور اپنے متقدمین کے مذہب کو رد کیا۔

ہماری ناقص عقلیں دنیا اور آخرت کے بارے میں بغیر انبیاء کرام کی رہنمائی کے معزول اور بیکار بلکہ مخذول اور خوار ہیں۔

عالم میں جدھر بھی نظر ڈالئے ایک عظیم اختلاف نظر آتا ہے ایک ہی فعل اور ایک ہی نظریہ ہے کہ ایک شخص اسکو مستحسن بتارہا ہے اور دوسرا اسکو غایت درجہ قبیح سمجھتا ہے۔ دونوں طرف عقلاء کی جماعت ہے اور یہ اختلاف اس درجہ ہے کہ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا نظر آتا ہے۔

عقلاء کا اشیاء کے حسن وقبح میں اختلاف یہ اس امر کی دلیل ہے کہ خیر وشر، حسن وقبح کی تقسیم پر تو اتفاق ہے اختلاف فقط تعیین میں ہے کہ کون سی شے اچھی ہے اور کون سی بری؟ اس تقسیم میں کسی کو اختلاف نہیں کہ بعض چیزیں اچھی ہیں اور بعض بری اور اس پر بھی تمام عقلاء کا اتفاق ہے کہ عقول میں بڑا تفاوت ہے۔ کسی کی عقل شمع اور چراغ کی طرح ہے اور کسی کی ستاروں کی طرح اور کسی کی چاند اور سورج کی طرح ہے پھر یہ کہ بعض رنگ ایسے ہیں کہ دن ہی میں انکا فرق معلوم ہوتا ہے رات میں انکا فرق محسوس نہیں ہوتا کشمشی اور عنابی اور مکو ہی رات کو ایک ہی رنگ معلوم ہوتے ہیں دن میں فرق معلوم ہوتا ہے اور دن میں بھی فرق اسوقت معلوم ہوتا ہے جب کوئی گرد وغبار نہو۔ ایسا ہی ہر عقل سے اعمال کے صحیح حسن وقبح کا ٹھیک ٹھیک فرق نہیں معلوم ہو سکتا جب تک کہ وہم اور غرض

اور نفسانی خواہشات کا گرد و غبار بالکلیہ سامنے سے نہ ہٹ جائے یہی وجہ ہے کہ تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ محبت میں آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔ ع

محبت کیا بھلے چنگے کو دیوانہ بناتی ہے

اور یہی وجہ ہے کہ آدمی کو اپنے اور اپنی پارٹی کے عیب نظر نہیں آتے اور دوسروں کی بھلائی بھی برائی دکھائی دیتی ہے۔ معلوم ہوا کہ اشیاء کے حسن و قبح اور حسن و قبح کے فرق مراتب معلوم کرنے کے لئے ایسی کامل عقل چاہیئے جو آفتاب کا حکم رکھتی ہو اور ہزاروں ہزار میل تک کسی ادنیٰ وہم اور کسی نفسانی خواہش کا ذرہ برابر نام و نشان بھی نہو ایسی کامل عقل حضرات انبیاء کی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے حق تعالیٰ جل شانہ نے قرآن کریم میں انبیاء کرام کو عبادِ مخلَصین اور مُصطَفَیْنَ الْاَخْیَار کے الفاظ سے ذکر فرمایا ہے۔ مطلب انکا یہ ہے کہ حق تعالیٰ جن کو اپنا سفیر یعنی نبی و رسول بنا کر بندوں کی طرف بھیجتے ہیں وہ من کل الوجوہ پسندیدہ اور برگزیدہ اور خدا کے مخلص بندے ہوتے ہیں اور مخلص کے معنی خالص کے ہیں جس میں دوسری چیز کا شائبہ نہو

حضرات انبیاء علیہم السلام کو عبادِ مخلصین اس معنی میں کہا گیا ہے کہ انکا ظاہر و باطن خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے نفس اور شیطان کے شائبہ سے بالکل پاک ہوتا ہے، عقل اگرچہ ایک درجہ میں حجت ہے مگر ناتمام ہے مرتبۂ بلوغ کو نہیں پہنچی حجت بالغہ انبیاء کرام کی بعثت ہے

خلق اطفال اند جز مست خدا　　نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

(تمام لوگ بچے اور نابالغ ہیں سوائے ان لوگوں کے جو یادِ الٰہی میں مست و سرشار ہیں، بالغ اور عاقل کامل وہی شخص ہے جو ہوائے نفسانی سے آزاد ہو چکا ہے)

اے میرے دوستو! خوب سمجھ لو کہ عقل عالم ہے حاکم نہیں، حق تعالیٰ نے عقل اسلئے دی ہے کہ احکم الحاکمین کے جو احکام تمکو اسکے وزراء یعنی انبیاء و رسل کے ذریعہ سے پہنچیں انکو سمجھو اور انکا اتباع کرو تمکو عقل اسلئے نہیں دی گئی کہ تم احکام خداوندی اور اسکے وزراء اور خلفاء پر تبصرہ کرو۔

حق جل شانہٗ جس طرح ہمارے وجود کے مالک ہیں اسی طرح ہماری عقلوں کے کلی مالک ہیں وہ اگر چاہیں تو سرسام طاری کر کے عقل کو سلب کرلیں یا یکایک بلاکسی سبب کے کسی کو دیوانہ بنادیں پس جبکہ عقل خداوند ذوالجلال کی مملوک ہے اور اسکا عطیہ ہے اور اس درجہ لاچار و درماندہ ہے تو اسکو احکم الحاکمین کے احکام پر نکتہ چینی کرنے سے کچھ تو شرمانا چاہیئے۔

مارشل لا کی عدالت سے جب یہ حکم جاری ہوا کہ مارشل لا کے احکام پر کسی کو تبصرہ اور رائے زنی کی اجازت نہوگی تو اس ناچیز کی زبان سے یہ الفاظ نکلے

مارشل لا چہ بود اے ارجمند　　چشم بند و گوش بند و لب بہ بند
حکم فانی راچو شد ایں حرمتے　　حکم باقی را بداں چوں رفعتے

(اے نیک بخت! مارشل لا جانتے ہو کیا تھا؟ سارے ملک کے عوام کو پابند کردیا گیا تھا کہ بس اب آنکھ، کان، لب بالکل بند رکھو، فوجی حکومت کے خلاف ذرہ برابر لب کشائی برداشت نہیں کیجائیگی۔ ایک فانی انسان کے حکم کی جب ایسی شان

شوکت ہے تو اسی سے سمجھ لو کہ خدائے باقی ذوالجلال کے حکم کی کیا کچھ وقعت وعظمت اور رعب وداب ہوگا)

حق تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہماری دنیا اور آخرت کے احکام کو ہماری عقلوں پر نہیں چھوڑا ورنہ ہر بوالہوس اپنی عقل کی برتری کا مدعی ہوتا بلکہ ہماری دنیا و آخرت کی صلاح وفلاح کے احکام دے کر انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا تاکہ تمام بندے ایک ہی مرکز پر متفق اور جمع ہو جائیں۔ اس لحاظ سے نبی کی بعثت حق تعالیٰ کی عجیب رحمت ہے۔ اگر انبیائے کرام مبعوث نہوتے تو خیر وشر اور نیک و بد میں کوئی تمیز نہ رہتی اور عدل وظلم کی حقیقت ملتبس ہو جاتی۔ ظالم ظلم کو عدل بتاتا اور عدل کو ظلم۔ اس ذاتِ بابرکات نے جو دستور اور قانون بندوں کی ہدایت کے لئے انبیاء کرام کے توسط سے نازل فرمایا سب کو مل کر اسکی پیروی کرنی چاہیئے اس سے اختلاف اور انحراف نہ کرنا چاہیئے۔

قال اللہ تعالےٰ

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (اور مضبوط پکڑے رہو اللہ کے دین کو اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی رہو اور باہم نا اتفاقی مت کرو)

اس آیت میں اللہ جل شانہ نے اتفاق کا حکم دیا اور تفرق اور اختلاف سے منع فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جو قانون اتارا سب مل کر اس پر عمل کرو اسکے خلاف مت چلو۔

تمام عقلاء اور وزراء یہ خوب جانتے ہیں کہ تمام عالم کا کسی شے پر متفق ہونا ناممکن اور محال ہے لیکن باوجود اس علم کے پھر یہ تلقین کرتے ہیں کہ سب متفق رہو، معلوم ہوا کہ مطلب یہ ہے

کہ قانون حکومت کا اتباع کرو اور قانون کا خلاف نہ کرو مطلق اتفاق مقصود نہیں بلکہ قانون حکومت کے ساتھ متفق ہونا مقصود ہے مطلق نااتفاقی کسی قانون میں جرم نہیں، حق سے نااتفاقی یہ جرم ہے بلکہ حق کے مقابلہ میں اتفاق یہ جرم ہے۔ حکومت کے نزدیک تفرقہ کا مجرم وہ شخص ہے جو قانون حکومت کے خلاف کرے یا قانون حکومت کے عجیب وغریب معنی بیان کرے کہ جواب تک کسی وزیر یا کسی حاکم یا کسی جج کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ گذرے ہوں۔

اسی طرح جو شخص کتاب وسنت اور شریعت کے کسی حکم کے خلاف کرے یا کسی حکم شرعی میں ایسی تاویل کرے کہ جو آج تک چودہ صدی کے علماء ربانیین اور قضاۃ اور حکام کے وہم وخیال میں بھی نہ گذرے ہوں تو ایسے شخص کو اصطلاح شریعت میں کافر و زندیق کہتے ہیں۔

حضرات انبیاء دنیا میں تشریف لائے اور توحید کی دعوت دی، کوئی ایمان لایا کوئی بت پرستی اور آتش پرستی اور صلیب پرستی پر قائم رہا اور اس طرح ہر گھر میں اختلاف قائم ہو گیا۔

معاذ اللہ! کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرات انبیاء تفرقہ کا سبب بنے۔ تفرقہ کے مجرم وہ ہیں جنھوں نے توحید کے مقابلہ میں بت پرستی اور صلیب پرستی کو اختیار کیا اور آب زمزم کے مقابلہ میں گائے کے پیشاب کو متبرک سمجھا۔

نبی اور رسول کی تعریف ہمارے اس بیان سے نبی ورسول کی تعریف بھی واضح ہو گئی وہ یہ کہ نبی و

رسولؐ خداوند ذوالجلال کے اس برگزیدہ اور پسندیدہ بندے کو کہتے ہیں جو ہر اعتبار سے یعنی عقل اور علم اور اخلاق اور اعمال کے اعتبار سے من کل الوجوہ پسندیدہ اور برگزیدہ ہو اور جسکو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی طرف سفیر مقرر کرکے بھیجا ہو تاکہ بندوں کو معاش اور معاد اور دین اور دنیا کے ان احکام اور مصلحتوں اور ہدایتوں سے آگاہ کردے جہاں عقل اور تجربہ کی رسائی نہیں۔ تاکہ بندے ان احکام پر عمل کرکے اپنی دنیا اور آخرت کو درست کریں اور خدائے ذوالجلال کی رضا اور خوشنودی کو حاصل کریں اور اسکے قہر سے بچ جائیں۔

جو چیزیں عقل سے معلوم ہوسکیں جیسے حساب اور اقلیدس یا جو چیزیں تجربے سے معلوم ہوسکیں جیسے صنعت وحرفت۔ حضرات انبیاء ان چیزوں کے بتانے کے لئے مبعوث نہیں ہوتے انکا کام احکام خداوندی سے آگاہ کرنا ہوتا ہے کہ یہ چیز حق تعالےٰ کے قانون میں جائز یا ناجائز ہے۔ جیسے حکومت کا دستور اور قانون جمع اور تفریق اور صنعت وحرفت سے بحث نہیں کرتا بلکہ جمع اور تفریق اور صنعت وحرفت اور تجارت وزراعت کے احکام بتانا ہوتا ہے اسی طرح قانون شریعت کو سمجھو وزراء کا کام احکام صادر کرنا ہے اور یہ بتلانا کہ جوتا کیسے بنتا ہے اور کپڑا کیسے بُنا جاتا ہے یہ انکا کام نہیں بلکہ انکی شان کے لائق بھی نہیں۔

اَنتُمْ اَعلم بِاُمُورِ دُنیَاکُمْ تم اپنی دنیا کے معاملات کو زیادہ جانتے ہو کا مطلب بھی یہی ہے کہ زراعت اور تجارت کے طریقوں کو تم زیادہ جانتے ہو میرا کام تو احکام خداوندی بتلا دینا ہے۔

خبریں

● انگریزی روزنامہ ایشین ایج کے خصوصی نامہ نگار کی ۱۱ مارچ ۲۰۰۰ء کو شائع ایک رپورٹ کے مطابق برطانیہ کے وزیر اعظم اندنوں قرآن مجید کا مطالعہ کر رہے ہیں اور وہ یہ سب کچھ اسلئے کر رہے ہیں کہ موجودہ برطانیہ کا ثقافتی معاشرہ جس پر وہ حکمرانی کر رہے ہیں اسکے بارے میں انکی معلومات پختہ اور بہتر ہو۔ برطانوی وزیر اعظم اسکے متمنی ہیں کہ انھیں عیسائیت کے علاوہ دیگر مذاہب کے اقدار ثقافت اور عقائد کا بھی بہتر فہم حاصل ہو تاکہ حکمرانی اور پالیسی سازی کے وقت یہ بات یقینی بنائی جاسکے۔ واضح رہے کہ اسوقت برطانیہ میں کئی ملین مسلمان آباد ہیں اور انکی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور برطانوی مسلم اقلیتیں حکمراں لیبر پارٹی اور اپوزیشن کنزرویٹو پارٹی دونوں کے نزدیک یکساں اہمیت کی حامل اور قابل قدر حیثیت رکھتی ہیں۔

● ایتھنز (یونان) کے قدامت پسند چرچ نے ایتھنز کی تاریخ میں پہلی مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دے دی ہے مسجد ۲۰۰۴ء میں تعمیر ہو جائیگی چرچ کے ذرائع نے بتایا کہ چرچ کے اعلیٰ حکام کو اس سلسلہ میں وزارت خارجہ سے مذاکرات کرنے کا اختیار دیا ہے یونانی چرچ کا قومی معاملات میں بڑا اثر و رسوخ ہے وہ ابتک شہر میں مسجد تعمیر کرنے کی مخالفت کرتا چلا آرہا ہے جس پر ایتھنز میں رہائش پذیر مسلمان ہمیشہ نالاں رہے ہیں یونان میں مسلم صرف شمالی علاقہ کے جزیرے میں پائی جاتی ہیں۔

● اسلامک ڈیولپمنٹ بینک جدہ نے مکہ معظمہ کے شہری حدود سے باہر پانچ ارب ریال کی لاگت سے دنیا کا سب سے بڑا سلاٹر ہاؤس تعمیر کیا ہے یہ سلاٹر ہاؤس (مذبح) تمام عصری آلات ضروریات سے لیس ہے۔ ماضی میں ہر سال لاکھوں جانوروں کا قربانی کا گوشت ضائع ہو جاتا تھا لیکن اسلامک ڈیولپمنٹ بینک سعودی حکومت کے تعاون سے تقریباً دس سال اس اسکیم پر عمل پیرا ہے جس کے تحت پانچ لاکھ جانوروں کی قربانی کا گوشت دنیا کے ۲۷ ملکوں میں بحری اور فضائی راستوں کے ذریعہ غرباء اور مساکین میں تقسیم کیلئے بھیجا جا رہا ہے۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی بحسن وخوبی انجام دیا گیا۔ (بشکریہ تعمیر حیات لکھنؤ)

حامل مضامین تصوف و عرفان • افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر:- احمد مکین

شمارہ نمبر ۸ - جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ مطابق اگست ۲۰۰۰ء - جلد: ۲۳

قیمت فی پرچہ نو روپے سالانہ زرِ تعاون نوے ۹۰ روپے ششماہی پچاس ۵۰ روپے

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان سو روپیہ - غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۵۶۱۸۳

S.T.D
Code No
0532

پرنٹر - پبلشر - مولوی احمد متین شتی آفسیٹ پریس بخشی بازار - الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترتیب

پیش لفظ :-　　بسم اللہ الرحمن الرحیم

وہ اپنی ذات میں اک انجمن تھے

چند ماہ پیشتر یہ سانحہ وقوع پذیر ہوا اسی وقت سے طبیعت کا تقاضہ تھا کہ کچھ حدیث دلبراں سے جی کو بہلایا جائے مگر جس طرح اپنے متعلق کچھ لکھنا ہو تو شاید یہ مرحلہ سب سے زیادہ مشکل ہو اسی طرح اپنے سے جو بہت قریب ہو، عزیز ہو اسکے متعلق کچھ تحریر کرنا دشوار تر ہوا کرتا ہے۔ جذبات وتعلق کے رشتوں کو الفاظ وحروف کا جامہ پہنانا کچھ آسان نہیں ہوا کرتا۔ خیالات وواقعات کے سیلاب قرطاس وقلم کی گرفت میں نہیں آتے۔

آہ! حضرت مولانا محمد فاروق صاحبؒ، یہ جیتی جاگتی شخصیت، ہنستا مسکراتا دل آویز چہرہ، سخن فہم، سخن شناس، علم دوست، علماء نواز اور علم وفضل میں ممتاز، زہد وتقوی میں بے مثال، فہم وفراست سے مالا مال ۲۲ مئی ۲۰۰۰ء کو ایک خلق کثیر کو اپنے پیچھے گریاں وبریاں، رنجیدہ وغم زدہ کرکے رخصت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف بے شمار خوبیوں کے مالک تھے اس زمانۂ قحط الرجال میں جامع اوصاف وکمالات تھے، درس وتدریس محبوب مشغلہ تھا، قرآن وحدیث کے علاوہ منطق وفلسفہ سے خصوصی دلچسپی تھی، ادب وطب اور دیگر علوم قدیمہ سے اچھی واقفیت رکھتے تھے۔ تعلیم وتعلم کے علاوہ دعوت وتبلیغ میں آخر عمر تک مشغول رہے۔ ان کے علوم سے ایک خلق کثیر فیضیاب ہوئی، وعظ وتبلیغ سے پورا علاقہ منور ہوگیا، انکی کوشش اطراف واکناف میں اثرانداز ہوئی، عقیدے میں پختگی، مسائل سے واقفیت، شریعت کی پابندی فرق باطلہ سے مجادلہ، مناظرہ مولانا اور انکے متعلقین کا خاص شعار بن گیا۔ تاعمر کلمۂ حق کو بلند کیا، اس سلسلہ میں کسی مصالحت اور مصلحت کو راہ

نہیں دی اگرچہ فتنوں نے سر ابھارا، یورشیں ہوئیں، سازشوں کے جال بُنے گئے لیکن اختلافات اور مخالفتیں انکی ثبات قدمی پر اثر انداز نہ ہوسکیں، نیز سخت اور دشوارترین مرحلے بھی ہمت شکن نہیں ہوسکے۔ ان میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ اصول و آئین کی پابندی اور اصلاح و تربیت پر زور کے باوجود مزاج میں تلخی، معاملہ میں بدخلقی اور طبیعت میں تقشف اور خشکی کا غلبہ نہیں ہوا بلکہ "بادوستاں تلطف با دشمناں مدارا" کے مثالی نمونہ تھے۔ قدرت نے اس طرح تعلیم و تربیت کا نظم کیا کہ عہد طفولیت ہی سے "تھانوی رنگ میں رنگنے کا انتظام کردیا"۔ خود اپنی آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں :-

" بندہ کی نشو و نما بد و شعور سے حضرت حافظ قاری عبدالقدوس نابینا علیہ الرحمہ تلمیذ رشید حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب کی رحمۃ اللہ علیہ مرید و مسترشد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کے زیر سایہ رہی ۔ دوران تعلیم ناظرہ و حافظہ ان کی خدمت کی سعادت حاصل رہی بوجہ نابینا ہونے کے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف، مواعظ و ملفوظات رسائل وغیرہ انکو روزمرہ سنانا بندہ کا ذمہ رہا جس سے باوجود ناسمجھی کے فی الجملہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف و تعلیمات سے بہت حد تک مناسبت ہوگئی، ابتدائی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد شہر جاکر حضرت مولانا رفیع الدین الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت تھانویؒ کی خدمت میں گلستان پڑھی اسکے بعد حضرت مولانا سراج احمد صاحب امروہی رحمۃ اللہ خلیفہ حضرت تھانویؒ کی خدمت میں درس نظامی کی ابتدا کی جو اس وقت الہ آباد میں مقیم تھے۔ درس نظامی کی اکثر کتب کے درس کا حضرت امروہویؒ کی خدمت اقدس میں موقع نصیب ہوا۔ پھر دورہ حدیث کی غرض

سے مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہوا وہاں مولانا اسعد اللہ رح خلیفہ حضرت تھانوی حضرت مولانا عبد الرحمن کامل پوری خلیفہ حضرت تھانوی، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا علیہ الرحمہ اور حضرت حافظ عبد اللطیف صاحب رحمہ اللہ کی خدمات مقدسہ میں درس حدیث کا شرف حاصل ہوا۔ خلاصہ یہ کہ ساختہ و پرداختہ تھانہ بھون کا ہوں دوران طالبعلمی حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادی خلیفہ اجل حضرت حکیم الامۃ سے چند سال ارادت کا تعلق رہا بعد وصال آنحضرت اور فراغت دورۂ حدیث از مظاہر علوم حضرت مولانا شاہ محمد وصی اللہ فتحپوری اعظمی ثم الہ آبادی خلیفہ اجل حضرت حکیم الامۃ رحمہم اللہ سے تعلق ارادت قائم ہوا اور تاحیات حضرت مرشد قائم رہا اور اب تک ہے۔"

ترجمان مصلح الامۃ حضرت مولانا جامی صاحب علیہ الرحمہ مولانا موصوف کے بارے میں رقم طراز ہیں :۔

• مولانا محمد فاروق صاحب کی سلامتی طبع اور ذاتی استعداد پھر حق تعالیٰ کے فضل و کرم اور آخر میں حضرت مصلح الامۃ کی تربیت نے پورا کام کیا کہ ؎

آہن کہ بہ پارس آشنا شد فی الحال بصورت طلا شد

نیز مزاج میں اسم فاروق نے بھی پورا اثر رکھا تھا یعنی فارق بین الحق والباطل کے کامل نظیر تھے۔ حکیم الامۃ کی کتب کے غامض مطالعہ نے محققانہ اور مناظرانہ مزاج بنا دیا تھا۔ پورا ماحول بدعت نواز تھا لہٰذا اس علاقہ میں اسی نوع کے عالم کی ضرورت بھی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مولانا سے بڑا کام لیا انکی دینی محنت اور اسکے ثمرات، ایک گاؤں کے اندر لوگوں کی دینداری، وضع قطع صالحانہ، آبادی مسجد اور عربی مدرسہ کا قیام نیز علم دین

کے طلبہ اور طالبین کی ہما ہمی کا مشاہدہ آج بھی برائی العین کیا جا سکتا ہے۔ حضرت والاؒ سے تعلق کے بعد عموماً اور بالخصوص حضرت اقدسؒ کے الہ آباد میں قیام فرمانے کے بعد سے مولانا محمد فاروق صاحب کا جذبۂ اخلاص بھی ترقی کرتا رہا اور اسی کے بقدر انکا تعلق بھی بڑھتا گیا چنانچہ حضرت والاؒ کبھی کبھی اس تعلق کے لحاظ سے اتراؤں بھی تشریف لیجانے لگے۔ کبھی خود مولوی فاروق صاحب بھی درخواست کرتے اور ہمراہ لواجاتے کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضرت کسی کا ہاتھ پکڑتے اور فرماتے چلو اتراؤں چلیں۔ غرض حضرت اقدس کے اس طرح اچانک پہونچ جانے سے وہاں عید کا منظر ہو جاتا۔ حضرت والاؒ کو یہاں مولانا محمد فاروق صاحب کے حسن انتظام کی بنا پر آرام بہت ملتا اور یہاں کا قیام راحت رساں ثابت ہوتا اسی بنا پر کبھی یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مولوی فاروق ابھی سنے الہ آباد میں گھر لے لیا ہے اگر کہیں دیہات میں رہنے کا ارادہ ہوا تو تو یہیں اتراؤں میں گھر بنواؤنگا۔ غرض دیہات کے سکون کے علاوہ طلبار کا مجمع اور متشرع صورت انسانوں کا اجتماع، مولوی فاروق صاحب کا حسن نظم، لوگوں کا ایثار ان ساری چیزوں نے اس بستی کے قیام کو موزوں و راحت رساں بنا دیا تھا"۔

مولانا موصوف کے اسی محبت و اخلاص اور ارادت وعقیدت نے انکو اپنے شیخ کا معتمد خاص بنا دیا تھا زمانہ قیام فتحپور ہی سے مولانا موصوف پر بڑا اعتماد فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے جب خانقاہ تھانہ بھون میں کسی اچھے اور مسلک میں پختہ عالم رکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو حضرت مصلح الامتؒ قدس سرہٗ سے کہا گیا کہ اگر آپ کسی وجہ سے تشریف نہ لاسکیں تو اپنے کسی معتمد علیہ ہی کو بھیجدیجئے، چنانچہ حضرت والا علیہ الرحمہ نے انھیں مولوی فاروق صاحب کو بھیجا اور چلتے وقت یہ فرمایا کہ میں تم کو دو نصیحتیں

کرتا ہوں انکا برابر خیال رکھنا ایک تو یہ کہ تمہارے شیخ کی جگہ ہے وہاں ادب کے ساتھ رہنا وہ جگہ پلکوں سے جھاڑو دینے کی ہے دوسرے یہ کہ وہاں کسی سے لڑنا مت اور اختلاف نکرنا لوگ موافق رہیں تو اخلاق کے ساتھ رہنا اور کسی رویہ سے مخالفت کا اندازہ ہو تو خاموشی سے چلے آنا۔ مولانا موصوف نے ان دونوں نصیحتوں کو پلے باندھ لیا خانقاہ تھانہ بھون میں قیام کے اثرات اچھے مرتب ہونا شروع ہوئے قدیم لوگوں کے علاوہ اطراف وجوانب سے بھی لوگ وعظ میں شریک ہونے لگے اب مولانا کو وعظ وتبلیغ کے لئے دیگر بستیوں میں مدعو کیا جانے لگا۔ شیخ کے معتمد کا چرچا جب عام ہوا عوام وخواص میں مقبولیت حاصل ہوگئی تو ایک ایسا موقع آیا جہاں شیخ کی نصیحت پر عمل کرنے کا امتحان کا وقت آیا تو مولانا نے شیخ کی نصیحت کو اپنی مقبولیت پر مقدم رکھا اس واقعہ کو خود مولانا کی زبانی سنیئے :۔ "حضرت والا سے سیکھے اور سنے ہوئے اخلاق پر قائم رہتے ہوئے اپنا کام کرتا رہا چنانچہ کبھی کبھی مولانا حامد حسین صاحب مدظلہ بھی میرا وعظ سننے کے لئے آجاتے ان کے دو چار دفعہ آنے کے بعد میں بھی کبھی ادھر نکلتا تو ان سے مل لیتا میں اسکو اپنے تئیں اخلاق سمجھے ہوئے تھا لیکن وہاں کے بعض حضرات کے نزدیک میرا یہ فعل ناپسند ہوا انھوں نے اس پر نکیر کی تو مجھے حضرت اقدس کی نصیحت یاد آئی اور میں ڈرا کہ حضرت اقدس کہیں مکدر نہ ہوگئے تو یہ میرے لئے صریح نقصان اور دین ودنیا کے خسران کا سبب ہوگا اسلئے میں خود ہی وہاں سے چلا آیا اور حضرت والا کی خدمت سارا حال تفصیل سے عرض کردیا۔ فرمایا کہ خیر، اچھا کیا جو چلے آئے"۔

"تھانہ بھون سے واپس آجانے کے بعد بھی وہاں کے لوگوں کا

برابر اصرار تھا کہ مولانا فاروق صاحب کو خانقاہ میں بھیجدیا جائے۔ اس سلسلہ میں مولانا ظہور الحسن صاحب کسولویؒ جب فتحپور تشریف لائے تو انھوں نے خواہش ظاہر کی کہ مولانا فاروق صاحب کی وہاں ضرورت ہے ان سے وہاں کے لوگ خوش اور مطمئن ہیں لوگوں کو نفع ہورہا تھا۔ حضرت اقدس قدس سرہٗ نے انکار کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ اپنی خداداد بصیرت سے ایسی تدبیر اختیار کی کہ مولانا ظہور الحسنؒ نے خود ہی لیجانا مناسب نہ سمجھا مولانا فاروق صاحب سے فرمایا کہ انھیں اتراؤں لیجاؤ چنانچہ مولانا ظہور الحسن صاحبؒ مولانا محمد فاروق علیہ الرحمہ کے ہمراہ اتراؤں تشریف لے گئے وہاں جاکر مولانا کی خدمات کا مشاہدہ کیا تو فرمایا ماشاء اللہ آپنے تو یہاں بڑا ہی اچھا ماحول پیدا کر رکھا ہے۔ پہلے میرا خیال تھا کہ آپ کو باصرار تھانہ بھون بلاؤں لیکن یہاں کا کام دیکھکر اب آپ کو وہاں کی تکلیف دینا ظلم ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے حضرت والا کے اعتماد اور مولانا کی اپنے شیخ سے عقیدت کاملہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت والا صرف خارجی امور میں ہی نہیں بلکہ خانگی امور میں بھی مولانا پر اعتماد کی بنا پر مشورہ فرمایا کرتے تھے جس زمانہ میں الہ آباد کا مکان لیا جانا زیر غور تھا تو اس سلسلہ میں حضرت والا فکرمند تھے کہ یہ کثیر رقم کیسے فراہم کی جائے مکان کے لئے لوگوں کا تعاون حضرت کو پسند نہ تھا نہ ہی اسکے لئے کسی سے کچھ کہنا چاہتے تھے۔ مولانا محمد فاروق صاحب کہتے ہیں کہ ایک بار انھیں ایام میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو حضرت کو متفکر پایا فرمایا کہ مولوی فاروق مکان خریدنے کی بات چیت چل رہی ہے فکر ہے کہ یہ رقم کہاں سے فراہم کروں؟ پھر فرمایا کہ مولوی فاروق میں سب ادا کردونگا۔ مگر میرے پاس اتنا روپیہ موجود نہیں ہے۔ مولانا فاروق صاحبؒ نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضرت کچھ فکر نہ فرمائیں سب انتظام ہو جائیگا، اٹھے اور مکان آئے اور ایک خاصی مقدار کا انتظام کرکے لیجا کر پیش کر دیا۔ حضرتؒ بہت خوش ہوئے اور

فرمایا کہ تم نے میرے اوپر سے ایک بوجھ ہٹا دیا بعد میں حضرت اقدس نے سب روپئے واپس فرما دیئے۔ مذکورہ واقعہ سے مولانا کی محبت اور ساتھ ہی ساتھ فراست کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت والاؒ کے مزاج کی رعایت کرتے ہوئے تفکر کو دور کر دیا۔

جب عقیدت کے جام کو محبت کی آمیزش سے دو آتشہ بنا دیا جائے پھر تو اسکا سرور رگِ جاں میں اتر جاتا ہے اور اسکا نشہ دائمی ابدی ہوتا ہے رند صرف مئے ہی نہیں ذکر میخانہ اور یاد ساقی سے بھی سیرابی وسرشاری حاصل کر لیتا ہے اور نیا نقشہ ماضی کی یادوں کو ابھار دیتا ہے ؂

کیفیتِ چشم اسکی مجھے یاد ہے سوداؔ ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

مولانا موصوف کا یہی حال تھا حضرت مصلح الامۃؒ کے وصال کے بعد بھی اس خانقاہ سے اپنے کو وابستہ رکھا گاہ بگاہ خانقاہ میں تشریف لاتے قیام کرتے خانقاہ کے ہر ہر فرد سے ساتھ احترام او رخلوص سے پیش آتے بالخصوص حضرت اقدس قاری صاحب مدظلہ العالی کے ساتھ محبت ہی نہیں بلکہ نہایت عقیدت کا معاملہ رکھتے۔ اعانت ونصرت کے لئے تیار رہتے۔ اپنے متعلقین اور شاگردوں کو بھی تاکید رہتی کہ حضرت قاری صاحب سے ربط قائم رکھو۔ حضرت اقدس قاری صاحب مدظلہٗ بھی مولانا موصوف کے ساتھ احترام واکرام کا برتاؤ کرتے۔ جب مولانا خانقاہ میں موجود ہوتے تو مجلس میں ان سے بھی بیان فرمانے کی درخواست کرتے حاضرین مولانا کے وعظ سے فیضیاب ہوتے اور لطف اندوز بھی ہوتے۔

غرض کہ مولاناؒ کی کمی جملہ اہل ادارہ کے لئے رنج وغم کا باعث ہے۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ جملہ متعلقین اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مولانا مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

مدیر

مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ

مجالس علیگڈھ

مجلس چہاردہم ۱۴

(اتباع سنت کے فضائل وثمرات)

(۲)

پس اخلاق نبوی کا تو کہنا ہی کیا آپؐ تو تمام مکارم اخلاق کے سرچشمہ ہی تھے بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ میں اسواسطے بھیجا گیا ہوں کہ پاکیزہ اخلاق کو کمال تک پہونچاؤں، صلحاء امت میں سے جو لوگ آپؐ کی سنت پر چلے ہیں انکے واقعات عجیب و غریب ہوئے ہیں اور ان سے مخالف تک متاثر ہوئے ہیں اور اپنے تو ذبح ہی ہو جاتے ہیں۔

مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کی خوش اخلاقی کے واقعات

ارواح ثلثہ میں حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ کاندھلویؒ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ

ایک مرتبہ مولانا کہیں تشریف لیجارہے تھے راستہ میں ایک بڈھا ملا جو بوجھ لیئے ہوئے جارہا تھا بوجھ زیادہ تھا اسلئے مشکل سے چلتا تھا مولانا نے جب اسکا یہ حال دیکھا تو اسکا بوجھ خود لے لیا اور جہاں وہ لے جانا چاہتا تھا وہاں اسکو پہنچا دیا۔ راستہ میں اس بڈھے نے ان سے پوچھا کہ: اجی تم کہاں رہتے ہو؟ انھوں نے کہا بھائی میں کاندھلہ رہوں۔ اس نے کہا وہاں مولوی مظفر حسین بڑے ولی ہیں اور ایسے ہیں ویسے ہیں غرض بہت تعریفیں کیں مگر مولوی مظفر حسین صاحبؒ

نے فرمایا کہ اور تو اس میں کوئی بات نہیں ہے ہاں نماز پڑھ لے ہے۔ اس نے کہا واہ میاں تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو۔ مولوی صاحب نے فرمایا میں ٹھیک کہتا ہوں اتنے میں ایک اور شخص آگیا جو مولوی مظفر حسینؒ کو جانتا تھا اس نے کہا بھلے مانس مولوی مظفر حسین یہی تو ہیں یہ سن کر بڈھا ان سے لپٹ گیا اور رونے لگا مولوی صاحب بھی اسکے ساتھ رونے لگے۔ غرض تھوڑی دیر کے لئے رونے کا بازار گرم ہوگیا۔ ادھر وہ بڈھا رو رہا تھا ادھر مولانا رو رہے تھے سبحان اللہ۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک کیسا مقبول ہوا ہوگا یہ رونا۔ اور سنیئے۔

انھیں بزرگ کا ایک دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کاندھلہ یعنی اپنے وطن تشریف لا رہے تھے ایک شخص راستہ میں مل گیا اس سے فرمایا کہاں جاؤ گے؟ اس نے کہا کہ کاندھلہ مولوی مظفر حسین صاحب کے پاس۔ اسکے پاس سامان تھا اور آپ خالی ہاتھ تھے آپ نے اس سے سامان لیکر اپنے سر پر رکھ لیا۔ کاندھلہ آکر جب اسے معلوم ہوا کہ یہی مولوی صاحب ہیں تو بہت پشیمان ہوا آپ کے اس خلق سے ذبح ہوگیا اور کہا کہ حضرت بڑی گستاخی اور بے ادبی ہوئی، آپ نے فرمایا کہ نہیں بھائی اس میں کیا حرج تھا میں خالی ہاتھ تھا اور تم بوجھ لئے ہوئے تھے دیکھا آپنے آج ہم لوگ اپنا کام اپنے ہاتھوں نہیں کرتے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حدیثوں میں آتا ہے کہ آپ اپنا کام خود اپنے ہاتھوں سے کر لیا کرتے تھے اور یہ بزرگانِ دین بھی کس قدر متبع سنت ہوئے ہیں کہ اپنا کام بھی خود کرتے تھے اور دوسروں کا کام بھی کر دیا کرتے تھے۔ جیسا آپ نے ابھی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ملاحظہ فرمایا کہ یہودی کے لڑکے کی مشک آپؐ نے اسکے گھر پہونچادی۔

انھیں بزرگ کا ایک اور واقعہ سنیئے۔ ایک مرتبہ پانی پت سے آتے ہوئے آپ نے ایک جگہ سرائے کی مسجد میں قیام کیا اتفاق سے رات کو سرائے میں چوری ہوگئی۔ بھٹیاری نے کہا کہ ایک شخص رات کو مسجد میں ٹھہرا تھا اور صبح ہی چلا گیا معلوم ہوتا ہے کہ وہی چور ہے، لوگ تعاقب کے لئے آئے اور جھنجھانہ کے قریب آکر پکڑا اور کہا کہ تھانہ چلو آپ نے فرمایا کہ جھنجھانہ کے تھانے میں نہ لے چلو اور کہیں لے چلو اس پر ان لوگوں نے اور بھی شبہہ کیا چنانچہ جھنجھانہ ہی کے تھانے میں لے گئے اور ایک سپاہی کے حوالے کردیا اس نے حوالات میں آپ کو بند کردیا۔ تھوڑی دیر میں قصبہ کے لوگوں نے دیکھا اور تمام قصبہ میں شور مچ گیا۔ عوام بہت مشتعل ہوئے اور یہ سمجھ کر کہ تھانہ دار کی بدمعاشی ہے اسکی جان کے درپے ہوگئے تھانہ کو لوٹنا چاہتے تھے۔ تھانیدار مولانا سے خوب واقف تھا چھپ چھپاکر تھانہ آیا اور مولوی صاحب کو حوالات سے نکالا اور واقعہ کی تحقیق کی۔ پھر لوگ اس شخص کی جان کے درپے ہوگئے جو آپ کو پکڑ کر لایا تھا، آپ نے داروغہ سے فرمایا اس کی جان کے تم ذمہ دار ہو اسکے ساتھ دو تین سپاہی کردو جو اسکو بخیریت پانی پت پہونچا آویں۔ سبحان اللہ! دیکھا آپ نے اخلاق نبوی کا نمونہ ان بزرگان دین میں! یہ ہے اتباع سنت ایسے ہی مواقع پر آدمی کے اخلاق کا امتحان ہوتا ہے۔ زبانی اخلاق اخلاق کہنا تو بہت آسان ہے لیکن معاملہ پڑنے پر آدمی اس کے معیار پر پورا اترجائے یہ بڑا مشکل ہے خاصکر دشمنوں کے ساتھ

تو اور بھی مشکل ہے

شنیدم کہ مردان راہ خدا دل دشمناں ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام کہ بادوستانت خلاف است و جنگ

(میں نے سنا ہے کہ اللہ والوں نے اپنے دشمنوں کی بھی دلآزاری نہیں کی تمکو یہ مرتبہ کہاں میسر آسکتا ہے جبکہ دوستوں ہی سے تمھارا جھگڑا اور لڑائی ٹھنی ہوئی ہے)

اس دور کا اصل فساد

واقعی اخلاق عجیب چیز ہے چنانچہ میں جس فساد کو بیان کرنا چاہتا ہوں وہ اخلاق ہی کا فساد ہے یعنی اس زمانہ میں لوگ عبادت وغیرہ تو کچھ کر بھی لیتے ہیں لیکن اخلاق فاسد ہو گئے ہیں کتابوں میں موجود ہیں کتاب وسنت میں انکا ذکر ہے لیکن ہمارے عمل سے رخصت ہو چکا ہے۔ ظاہری خوش خلقی پائی جاتی ہے لیکن حقیقی اور باطنی اخلاق کا کہیں پتہ نہیں ہے جو بات کہہ رہا ہوں اسکو غور سے سنو!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب سے پہلی چیز جو امت سے اٹھے گی وہ نماز کا خشوع ہوگا یہاں تک کہ ایک شخص بھی خاشع نہ ہوگا یعنی نماز موجود ہوگی لیکن بے کیف و بے روح تو فساد کی ایک مثال یہ بھی ہے

سب سے بڑا خُلق تواضع ہے

اسی طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور دوسرے اخلاق جن پر عمل کرنے سے انسان کو فلاح دارین حاصل ہو سکتی تھی دیکھا جاتا ہے کہ آج ہم سے ان میں سے ایک ایک خلق رخصت ہو چکا ہے مثلاً ایک خلق اور سب سے بڑا خلق آپؐ کا تواضع تھا چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ لَا تُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی یعنی مجھکو یونس بن متیٰ

(علیہ السلام) پر بھی فضیلت مت دو۔ یہ حدیث علماء پر بہت دشوار ہوئی ہے اس لئے کہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۔ (یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے) سے تو معلوم ہوتا ہے رُسُل میں باہم فرق مراتب ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ مجھکو یونس بن متیٰ پر فضیلت مت دو درانحالیکہ آپ امام الرسل اور سیّد الانبیاء ہیں علمائے محققین نے اسکا یہ جواب دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ تواضعاً فرمائے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کبھی بڑا شخص کبھی اپنے چھوٹے سے تواضع کرتا ہے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کا ارشاد گرامی

ایک عالم نے یہی بات درس حدیث میں طالب علموں کے سامنے کہی انکی سمجھ میں نہ آیا انھوں نے اس مضمون کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا ان سے پوچھا تم لوگ مجھے کیسا سمجھتے ہو سب طلباء نے تعظیم کے کلمات کہے کہ ہم آپ کو ایسا ایسا سمجھتے ہیں اس پر ان بزرگ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں تم سب کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں تب ان طلباء کی بھی سمجھ میں آیا کہ بڑے اپنے چھوٹوں کے ساتھ اسطرح تواضع کرتے ہیں۔

صلاح اخلاق کی اہمیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق میں سب سے بڑا خلق یہی تواضع تھا اگر آج ہم سب اسی پر عمل کریں تو سارا فساد ختم ہو جائے یعنی ہر شخص دوسرے کو اپنے سے بڑا سمجھے تو پھر جھگڑا کیسے ہو سکتا ہے نزاع اس سے ہوتا ہے کہ ہر شخص دوسرے کے ساتھ کبر و نخوت سے ساتھ پیش آتا ہے ظاہر ہے کہ ان رذائل کے ساتھ تواضع کیسے جمع

ہوسکتی ہے اور باہمی اتحاد کے لئے سب سے موثر خلق تواضع ہی ہے۔ غرض اتحاد واتفاق کا جو ذریعہ اور سبب تھا جب وہی نہیں باقی رہا تو اتفاق بھی جاتا رہا۔ آج جو اتحاد کی کمی ہے در اصل یہ اخلاق کی کمی کا نتیجہ ہے۔ اسی کو ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اتفاق کی اصل تواضع ہے اور تواضع کی ضد کبر وعجب ونخوت ہے اسلئے انسان کے لئے سب سے پہلے اصلاح اخلاق کی ضرورت ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک دعا میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اَللّٰھُمَّ اَحْسَنْتَ خَلْقِیْ فَاَحْسِنْ خُلُقِیْ وَاَذْھِبْ غَیْظَ قَلْبِیْ وَاَجِرْنِیْ مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ مَا اَحْیَیْتَنَا (یعنی اے اللہ اچھی بنائی ہے تونے صورت میری پس اچھی کر دیجئے سیرت میری اور دور کر دیجئے میرے دل کا غصہ اور بچائے رکھئے مجھکو گمراہ کرنے والے فتنوں سے جب تک تو ہمیں زندہ رکھے)۔

نیز قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم یعنی ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے اور فرمایا کہ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ یعنی ہم نے بنی آدم کو معزز و مکرم کیا (یعنی حسن صورت وحسن سیرت عطا فرماکر)

پس دیکھئے یہ دعا آپ برابر مانگتے تھے یعنی اللہ تعالے سے اسکی درخواست فرماتے تھے کہ ظاہری و باطنی دونوں حالتیں یکساں ہو جائیں اس مختصر سے جملے میں کتنا زبردست مضمون آگیا اس اجمال کے تحت سارا دین داخل ہوسکتا ہے بڑی عمدہ دعا ہے۔ پس رذائل جو قلب میں بھرے ہوئے ہیں یہ ٹھیک ہی

نہ ہونگے جب تک آدمی کے اخلاق نہ درست ہونگے اخلاق کا فساد سب سے بڑا فساد ہے جب اسی کی اصلاح ہوگی تب ہی فتنوں سے نجات ملے گی اور حیوٰۃ طیبہ نصیب ہوگی لیکن افسوس کہ جس دور سے ہم گذر رہے ہیں وہ فساد اخلاق ہی کا زمانہ ہے۔ حضرت حافظؒ نے اپنے زمانہ کا نقشہ کھینچا تھا جو آج بھی صادق آتا ہے فرماتے ہیں کہ ؎

ایں چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم　　ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم
ہیچ الفت نہ برادر بہ برادر دارد　　ہیچ شفقت نہ پدر را بہ پسر می بینم
دختراں را ہمہ جنگ است و جدل با مادر　　پسراں را ہمہ بدخواہ پدر می بینم
اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں　　طوق زریں ہمہ در گردن خر می بینم

(یہ کیا شور و شر ہے جو اس زمانہ میں برپا دیکھ رہا ہوں تمام اطراف عالم کو شر و فتن سے بھرا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ بھائی بھائی میں کوئی محبت و الفت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ اسی طرح کسی باپ میں اپنے بیٹے کے ساتھ ہمدردی و شفقت نظر نہیں آتی۔ لڑکیوں کی اپنی ماں کے ساتھ جنگ ٹھنی ہوئی ہے۔ اور تمام لڑکوں کو اپنے باپ کا بدخواہ اور مخالف دیکھ رہا ہوں ـــــ عربی النسل گھوڑا تو پالان کے نیچے زخمی ہو رہا ہے اور سونے کا قلادہ سارے گدھوں کی گردنوں میں پڑا دیکھ رہا ہوں)

جب حافظ شیرازیؒ اپنے زمانہ کا یہ حال بیان فرمارہے ہیں جو بمقابلہ ہمارے اس زمانہ کے بہرحال خیرالقرون سے قریب تھا اب ظاہر ہے کہ ان بداخلاقیوں میں کس قدر زیادتی ہوگئی ہوگی آج دنیا اس بدخلقی کی وجہ سے تباہ ہے زمانہ کا یہ حال دیکھکر بیساختہ یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

اے بہ سراپردہ یثرب بخواب　　خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

(اے وہ ذات جو کہ مقام یثرب میں آرام فرما ہیں للہ اب اٹھیے اور خبر لیجیے کہ مشرق و مغرب سب خراب ہوگیا ہے)

جاری ـ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

اَسْبَابُ الغفلۃ

(۲)

اب میں کہتا ہوں کہ جب ہم جیسوں کو خدا کے کام میں تحصیل مال کے لئے اتنی وسعت ہو جاتی ہے اور اس میں ہم سے اتنی بے احتیاطیاں ہوتی ہیں جہاں اپنے کو کچھ حاصل بھی نہیں ہوتا تو جہاں اپنے نفس کے لئے مال حاصل کرنا مقصود ہو وہاں تو کسقدر بے احتیاطیاں ہونگی کیونکہ وہاں تو مال سے اپنے آپ کو بھی نفع حاصل ہوتا ہے ظاہر ہے کہ اپنا کام نکالنے کے لئے تو کچھ بھی حرام وحلال کی پروا نہوگی بالخصوص جبکہ صرف کام نکالنا ہی مقصود نہ ہو بلکہ کچھ جمع کرنا بھی منظور ہو۔ اب تو بے احتیاطیوں کا دروازہ بہت ہی وسیع ہوگا ہاں اگر کسی کو مال جمع کرنے کی پروا نہو تو البتہ وہ احتیاط کر سکتا ہے۔ چنانچہ دینداروں میں تو بفضلہ تعالیٰ ایسے بہت ہیں جنکو مال جمع کرنے کی پروا نہیں ہوتی پر دنیا داروں میں ایسے بہت کم ہیں انکی تو ہر وقت یہی نیت ہوتی ہے کہ اتنا روپیہ جمع ہونا چاہیئے، اتنی جائیداد ہونی چاہیئے۔

پھر اسکے لئے نہ سود نہ رشوت سے دریغ ہوتا نہ قرض لیکر مار لینے سے، نہ قرض لیکر انکار کرنے سے، نہ بہنوں کا حق دبانے سے، نہ کسی کی زمین غصب کر لینے سے، غرض وہ طرح طرح کے

گناہ مال کے جمع کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ اور حرام حلال کی تمیز نہیں رہتی یہ تو مال حاصل کرنے کا حال تھا اب آگے رہ گیا

حفاظت مال کے لئے حیلہ سازیاں

حفاظت کرنا تو مال کی حفاظت تو پوری پوری جب ہوتی ہے کہ نہ زکوٰۃ دے نہ صدقۂ فطر دے، نہ کسی کو اللہ واسطے کچھ دے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی سائل کے متعلق یہ معلوم ہو گیا کہ وہ واقعی محتاج ہے لیکن محض اسلئے نہیں دیتے کہ مال کم ہو جائے گا بعض لوگ زیور میں زکوٰۃ نہیں دیتے حالانکہ ہمارے امام صاحبؒ کے نزدیک زیور میں زکوٰۃ واجب ہے مگر اس میں لوگوں نے دوسرے مجتہدوں کی آڑ پکڑ لی ہے کہ انکے نزدیک واجب نہیں سو خوب سمجھ لو کہ محض حظِ نفس کے لئے کسی دوسرے امام کا مذہب اختیار کرلینا یہ دین نہیں بلکہ اتباع نفس اور تلاعب بالدین ہے (یعنی دین کو کھیل بنانا ہے)

علامہ شامیؒ نے ایک بزرگ کا قول لکھا ہے کہ انکے سامنے ایک شخص نے کسی عالم کا واقعہ بیان کیا جو حنفی تھے کہ انھوں نے ایک محدث کو اسکی لڑکی کے نکاح کا پیغام دیا تو اس نے کہا کہ میں پیام منظور کر سکتا ہوں مگر تم حنفی اور میں محدثین کے طریقہ پر ہوں سو طرح نباہ نہیں ہوگا اگر تم امام ابو حنیفہ کی تقلید کو ترک کر کے محدثین کا مذہب اختیار کرلو تو پھر مجھے کچھ عذر نہ ہوگا چنانچہ اس عالم نے اس شرط کو مان لیا اور نکاح ہو گیا۔

سائل نے ان بزرگ سے پوچھا کہ اس صورت میں ترک تقلید جائز تھی، فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ مرتے وقت اس شخص کا ایمان نہ سلب ہو جائے کیونکہ جس مذہب کو یہ ابتک حق سمجھے ہوئے اور حق ہی سمجھکر اسکی تقلید کرتا تھا اسکو اس نے محض ہوائے نفس

کے لئے ترک دیا تو اسکا ایمان بچنا بہت مشکل ہے۔

اعاذنا اللہ منہ۔ (اللّٰھم انا نعوذ بك من الحور بعد الکور

ومن العمی بعد البصر ومن الضلالۃ بعد الھدیٰ۔ آمین)

اسی طرح بعض لوگوں نے محض اپنا مال بچانے کے لئے زیور کے مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب لے لیا ہے اس میں تو شافعی ہو گئے، پھر دوسری جگہ اگر کہیں اڑ گڑے میں پھنسے تو وہاں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول لے لیتے ہیں اس وقت حنفی بن جاتے ہیں تو انکا نفس ایسا ہے جیسے شتر مرغ کہ صورت میں اونٹ کے بھی مشابہ ہے اور پر دار ہونے کی وجہ سے پرندہ بھی ہے اب اگر کوئی اونٹ سمجھکر اس پر بوجھ لادنا چاہے تو اپنے کو پرندہ کہتا ہے اور اس طرح جان بچاتا ہے اور اگر کوئی پرندہ سمجھ کر یہ کہے کہ ذرا اوپر کو اڑکر دکھا تو کہتا ہے کہ میں تو اونٹ ہوں بھلا کہیں اونٹ بھی اڑا کرتا ہے۔ حضرت فریدالدین عطارؒ اسی کو کہتے ہیں ؎

چوں شتر مرغے شناس ایں نفس را
نے کشد بار و نہ پرّد در ہوا

(اس نفس کو بالکل شتر مرغ کی طرح سمجھو کہ وہ نہ بوجھ اٹھاتا ہے اور نہ ہی ہوا میں اڑ سکتا ہے۔

گر بپّر گوئیش ، گوید اشترم
ور نہی بارش ، بگوید طائرم

(اور اگر اس سے کہو گے کہ "اڑو" تو کہتا ہے کہ میں تو اونٹ ہوں اور اونٹ کہاں اڑتا ہے اور اگر اس پر بوجھ رکھو گے تو کہنے لگتا ہے کہ میں تو ایک پرندہ ہوں اور پرندے بھی کہیں بوجھ ڈھوتے ہیں)

تو واقعی نفس کی یہی کیفیت ہے کہ یہ اپنے اوپر بات آنے ہی نہیں دیتا بس کبھی کچھ بن گیا کبھی کچھ بن گیا بعضوں کا نفس تو دنیا کے پردے میں ایسی چالاکیاں کرتا ہے اور بعض دین کی آڑ میں ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔ بس کسی سے سن لیا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زیور میں زکوٰۃ نہیں ہے تو وہ زکوٰۃ سے بچنے کے لئے شافعی بن گئے۔ یہ تو دینداروں کا حال ہے جو خلاف شرع کام کرنے سے اپنے نزدیک بہت بچتے ہیں۔ اور جہاں اسکی ضرورت نہیں وہاں تو کچھ بھی پروا نہیں انکی طرف سے چاہے کسی مذہب میں جائز ہو یا ناجائز سب برابر ہے انکو تو اپنے کام سے کام۔ تو یہ حفاظت مال میں ہمارا برتاؤ ہے۔

خرچ کرنے میں عدم احتیاط

اب تیسرا امر رہا صرف کرنے کا اس میں انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہمارا مال ہے ہم جہاں چاہیں اڑائیں مگر یہ اسکی غلطی ہے انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ حق تعالیٰ کا ہے جس میں وہ محض امین ہے کہ جہاں خدا تعالیٰ کی اجازت ہو وہیں صرف کرنے کا اختیار ہے اور جہاں ممانعت ہے وہاں ہرگز اختیار صرف کا نہیں ہے۔

اب سمجھو کہ بعض جگہ خرچ کرنا گناہ بھی ہے جیسے ناچ رنگ میں اور تفاخر کی رسموں میں مگر بہت لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ کمانے میں تو احتیاط کی ضرورت ہے لیکن خرچ کرنے میں کیا ضرورت ہے۔ اس خیال کا منشاء یہی ہے کہ انسان اپنے کو صرف کرنے میں خود مختار سمجھتا ہے جس کا غلط ہونا ابھی معلوم ہو چکا اور اس غلط خیال کے بعد بعض کو تو خرچ کرنے میں یہاں تک وسعت ہے کہ ناچ رنگ میں بھی صرف کرنے سے باک نہیں کرتے اور بعض

اتنی وسعت تو نہیں کرتے وہ ناچ ورنگ میں مال خرچ کرنے کو برا سمجھتے ہیں لیکن رسوم فخر میں صرف کرنے سے انکو بھی باک نہیں جن سے غرض صرف یہی ہوتی ہے کہ نام ہو اور افسوس یہ ہے کہ بعض دیندار اور مقتدا بھی ان رسوم میں روپیہ صرف کرنے کو برا نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ اس میں حرج کیا ہے کھلانا اور پلانا اور برادری کو جمع کر کے دعوت دینا کیوں ناجائز ہو گیا۔

میں کہتا ہوں جناب ذرا اسکی غرض تو دیکھئے۔ لوگوں کی نیت پر تو نظر کیجئے کہ اس دعوت اور دھوم دھام میں نیت کیا ہوتی ہے نیت صرف تفاخر اور ریا ہی کی ہوتی ہے کہ ہمارا نام ہو لوگ کہیں کہ بڑے حوصلہ کا آدمی ہے اور جب یہ نیت ہے تو بتلائیے کہ یہ افعال کہاں جائز رہے۔ کیونکہ مباحات کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ فی نفسہ جائز ہیں لیکن انکو بری نیت سے کیا جائے تو ناجائز ہو جاتے ہیں مگر افسوس اب تو یہ بات بھی لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی کہ کہ نام و نمود کا قصد کرنا کوئی برا کام ہے۔ اس میں بھی گفتگو اور بحث کیجاتی ہے۔

جس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو علم دین کی خبر نہیں حدیث و قرآن کو نہیں پڑھتے اور جو پڑھتے ہیں وہ سمجھتے نہیں۔ حدیث کو دیکھئے رسول اللہ صلی علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ اَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ الذُّلِّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

یعنی جو کوئی شہرت اور نام کے لئے کپڑا پہنے گا اللہ تعالے اس کو قیامت کے دن لباس ذلت پہنائیں گے حالانکہ کپڑے میں کچھ زیادہ خرچ بھی نہیں ہوتا مگر شہرت کے لئے اتنا خرچ کرنا بھی جائز نہیں پھر جہاں اسی غرض کے لئے ہزاروں پر پانی پھر جادے وہ رسمیں

کیسے جائز ہوسکتی ہیں

معین علی المعصیت

یہ وعید تو نام و نمود کا قصد کرنے والے کے لئے ہے جس سے ان رسموں میں روپیہ برباد کرنے کا عدم جواز ظاہر ہے اور اسی سے دوسروں کیلئے بھی ان رسموں کی شرکت ناجائز ہونا معلوم ہوسکتا ہے کیونکہ وہ معین علی المعصیت ہیں اگر لوگ ایسی رسموں میں شرکت نہ کریں تو کسی کو ان میں روپیہ برباد کرنے کا موقع ہی نہ ملے دوسری ایک حدیث میں شرکت کرنے والوں کے لئے بھی صاف ممانعت وارد ہے حدیث میں ہے کہ

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن طعام المُتَبَارِيَيْنِ ان يوكل رواه ابو داؤد مرفوعًا۔ وقال محى السنة والصحيح مرسل ومتباريان المتفاخران بالطعام۔ قال الخطابى وانما كره ذلك لما فيه من الرياء والمباهاة ولانه داخل فى جملة ما نهى عنه من اكل المال بالباطل۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے دو شخصوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے جو باہم فخر کے لئے کھانا کھلاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ممانعت کی علت فخر و ریا کے سوا کچھ نہیں تو ایسی تقریبات کی شرکت اس سے صراحۃً ممنوع ہوگئی جن میں دعوت وغیرہ سے فخر و ریا کا قصد ہو۔

قال الامام الشعرانى فى العهود المحمدية اخذ علينا العهد العام من رسول الله صلى الله

علیہ وسلم ان لا نتخلف عن الاجابۃ الی الملائم الا بعذر شرعی الی ان قال ومن عذرنا فی ذلک الاکل وجود شبھۃ فی الطعام او عدم صلاح النیّۃ فی عملہ ۔ ثم ذکر الحدیث نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن طعام المتبار یین ان یوکل ۔ (ص ۳۱۹)

نام ونمود اور ریار کا برا ہونا کون نہیں جانتا تو اگر ان رسومات میں اور بھی کچھ خرابی نہو تو یہ کیا کچھ کم خرابی ہے کہ ان میں لوگوں کی نیت درست نہیں ہوتی اور اگر کسی کو خود انکی برائی محسوس نہو تو ہمارے لیئے یہ دلیل کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام ونمود اور ریار کے لئے کوئی کام کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ تو ایک نیت کی خرابی تھی پھر ان رسوم کے واسطے جو سودی قرض لیا جاتا ہے اور بے موقع اسراف کیا جاتا ہے یہ گناہ الگ رہے، اور یہ تو عام اور مشترک واقعات تھے۔

اب میں خاص عورتوں کو مخاطب کرتا ہوں کہ ذرا وہ بھی دیکھ لیں کہ مال حاصل کرنے میں وہ کیا کیا کچھ گناہ کرتی ہیں عورتیں خود تو کمانے کے قابل نہیں ہیں مگر کمانے والوں کو گناہوں میں زیادہ تر یہی مبتلا کرتی ہیں، انکے منہ میں یہ زبان ایسی ہے کہ مردوں سے سب کچھ کرا لیتی ہیں۔ بس انھوں نے پہلے سے نیت باندھ لی کہ ایک جوڑا ایسا بڑا بھاری اپنے پاس ہونا چاہیئے، اب وہ مزدور گھر میں آیا یعنی شوہر اور انھوں نے فرمائش کی اور کہنے کا طریقہ انکو ایسا آتا ہے کہ مرد کے دل میں بات گھستی چلی جاتی ہے اب وہ انکی فرمائش پوری کرنے کے لئے رشوت ستانی

اور ظلم سب کچھ کرتا ہے کیونکہ حلال آمدنی میں اتنی گنجائش کہاں جو عورتوں کی فرمائشیں پوری ہو سکیں۔ پس ظاہر میں تو عورتوں کے پاس یہ بات کہنے کو ہے کہ ہم تو کمانے کے قابل نہیں ہیں، مرد کماتے ہیں اور کمانے میں جو کچھ گناہ ہوتا ہے وہ مردوں ہی کے ذمہ ہے مگر اسکی خبر نہیں کہ مردوں کو حرام کمائی پر کون مجبور کرتا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ زیادہ تر عورتوں کی فرمائشیں ہی مردوں کو حرام آمدنی اور رشوت ستانی پر مجبور کرتی ہیں۔ پس مردوں کے ان سب گناہوں کا سبب یہی ہیں۔ اسلئے یہ بھی اس گناہ سے بچ نہیں سکتیں۔ (جاری)

حاضرات محض خیالی چیز اور مسمریزم کی قسم ہے

ارشاد فرمایا کہ — بہت سے تعویذ گنڈے والے حاضرات کے ذریعہ معلومات حاصل کرنے کے قائل ہیں، میرا تجربہ یہ ہے کہ حاضرات محض خیالات کا تصرف ہے اگر کوئی آدمی یہ خیال جما کر بیٹھے کہ یہ کچھ نہیں بالکل باطل ہے تو حاضرات کا ظہور اس سے نہ ہو سکے گا ہم نے خود اسکا تجربہ کیا ہے کہ جب تک یہ خیال جمائے بیٹھے رہے حاضرات والے عاجز ہو گئے، کچھ نظر نہ آیا۔ جب یہ خیال ہٹا لیا تو سب کچھ نظر آنے لگا۔

تعلیم میں سہولت: فرمایا کہ — میں تعلیم میں زیادہ مستحبات کا اہتمام نہیں کرتا، آجکل تو لوگ واجبات ہی سے بری ہو جائیں تو غنیمت ہے۔

(مجالس حکیم الامتؒ)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

کھانے کے آداب

(۴)

دسترخوان اٹھاتے وقت کی دعا

عن ابی امامة رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم کان اذا رفع مائدته قال: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْهِ غَیْرَ مَکْفِیٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًی عَنْهُ رَبَّنَا۔

(صحیح بخاری کتاب الاطعمہ باب مایقول اذا فرغ من طعامہ حدیث ۵۴۵۸)

حضرت ابوامامۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب دسترخوان اٹھتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْهِ غَیْرَ مَکْفِیٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًی عَنْهُ رَبَّنَا۔ یہ عجیب وغریب دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی۔ اسکی تلقین اسلئے فرمائی کہ انسان کا کچھ عجیب مزاج ہے وہ یہ کہ جب انسان کو کسی چیز کی شدید خواہش اور حاجت ہوتی ہے اسوقت تو وہ اسکے لئے شدید بیتاب ہوتا ہے لیکن جب اس چیز کی حاجت پوری ہو جائے

اور اس سے دل بھر جائے تو پھر اسی چیز سے اسکو نفرت ہونے لگتی ہے۔ مثلاً جب انسان کو بھوک لگتی ہے تو اسوقت اسکو کھانے کی طرف رغبت اور شوق تھا، اور کھانے کی طرف طبیعت مائل ہو رہی تھی لیکن جب پیٹ بھر گیا اور بھوک مٹ گئی تو اسکے بعد اگر وہی کھانا دوبارہ لایا جائے تو طبیعت اسی سے نفرت کرتی ہے اور بعض اوقات کھانے کے تصور سے متلی آنے لگتی ہے۔ اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعاء کے ذریعہ یہ تعلیم دی کہ یہ تمہارے دل میں جو نفرت پیدا ہو رہی ہے اس نفرت کے نتیجے میں کہیں اللہ کے رزق کی ناقدری اور ناشکری نہ ہو جائے اسلئے آپ نے یہ دعاء فرمائی کہ "یا اللہ! اس وقت ہم اپنے سامنے سے یہ دسترخوان اٹھا تو رہے ہیں لیکن اس وجہ سے نہیں اٹھا رہے ہیں کہ ہمارے دل میں اسکی قدر نہیں بلکہ اسی کھانے نے ہماری بھوک بھی مٹائی اور اسی کھانے کے ذریعہ ہمیں لذت بھی حاصل ہوئی، اور نہ اسوجہ سے اٹھا رہے ہیں کہ ہم اس سے مستغنی اور بے نیاز ہیں" اے اللہ! ہم اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتے اسلئے کہ دوبارہ ہمیں اسکی ضرورت اور حاجت پیش آئیگی۔

دسترخوان اٹھاتے وقت یہ دعاء کرلو تاکہ اللہ تعالیٰ کے رزق کی ناقدری نہ ہو اور دوسرے اس بات کی دعاء بھی ہو جائے کہ یا اللہ! ہمیں دوبارہ یہ رزق عطا فرمائیے۔

کھانے کے بعد کی دعاء پڑھکر گناہ معاف کرالیں

عن معاذ بن انس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم: من اکل طعاما فقال: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ ھٰذَا وَرَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّۃٍ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ

(ترمذی کتاب الدعوات باب ما یقول اذا فرغ من الطعام حدیث نمبر ۳۴۵۸)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کھانا کھانے بعد اگر یہ الفاظ کہے۔ "اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور میری طاقت اور قوت کے بغیر یہ کھانا مجھے عطا فرمایا" اسکے یہ کہنے سے اللہ تعالے اسکے تمام پچھلے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ اب آپ اندازہ لگائیں یہ چھوٹا سا عمل ہے لیکن اسکا اجر و ثواب یہ ہے کہ تمام پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں یہ انکا کتنا بڑا کرم ہے۔

عمل چھوٹا، ثواب عظیم یہ بات میں پہلے بھی کئی مرتبہ عرض کرچکا ہوں کہ جہاں کہیں احادیث میں یہ آتا ہے کہ فلاں عمل سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اس سے مراد صغیرہ گناہ ہوتے ہیں اور کبیرہ گناہوں کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ وہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے اسی طرح حقوق العباد بھی صاحب حق کے معاف کئے بغیر معاف نہیں ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ صغیرہ گناہوں کو نیک عمل کے ذریعہ بھی معاف فرما دیتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کھانا کھانے کے بعد یہ دعا پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اسکے تمام صغیرہ گناہ معاف فرما دیتے ہیں اور وہ آدمی صغیرہ گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے یہ اتنا چھوٹا سا عمل ہے لیکن اس پر ثواب اتنا عظیم ہے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کو نسخہ کیمیا بتا گئے اب چاہئے اس دعا کو

دمی زور سے پڑھے یا ہلکی آواز سے پڑھے یا دل میں پڑھ لے تو بھی شکر کی نعمت حاصل ہو جاتی ہے اور آدمی اس نعمت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان آداب پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

کھانے کے اندر عیب مت نکالو

عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ قال ما عاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعاما قط ان اشتھاہ اکلہ و ان کرھہ ترکہ

(صحیح بخاری کتاب الاطعمۃ باب ما عاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم طعاما حدیث ۵۴۰۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا اور کسی کھانے کی برائی نہیں کی اگر اسکے کھانے کی خواہش ہوتی تو کھا لیتے اور کھانے کی خواہش نہ ہوتی تو اسکو چھوڑ دیتے۔ یعنی اگر کھانا پسند نہیں ہے تو اسکو نہیں کھایا مگر اسکی برائی بیان نہیں کرتے تھے۔ اسلئے کہ جو کھانا ہے وہ چاہے ہمیں پسند آرہا ہو یا پسند نہ آرہا ہو لیکن وہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ رزق ہے اور اللہ کے عطا کئے ہوئے رزق کا احترام اور اسکی تعظیم ہمارے ذمہ واجب ہے۔

کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

یوں تو اس کائنات میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت کے بغیر پیدا کی ہو اور اس کائنات میں ہر چیز اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت پیدا فرمائی ہے ہر چیز کا کوئی نہ کوئی عمل اور فائدہ

ضرور ہے۔ اقبال مرحوم نے خوب کہا کہ ؎

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں کوئی چیز بری پیدا نہیں فرمائی تکوینی اعتبار سے سب اچھی ہیں۔ ہر ایک کے اندر کوئی نہ کوئی تکوینی مصلحت ضرور ہے البتہ جب ہمیں کسی چیز کی حکمت اور مصلحت کا پتہ نہیں لگتا تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ چیز بری ہے ورنہ حقیقت میں کوئی چیز بری نہیں۔ حتیٰ کہ وہ مخلوقات جو بظاہر موذی اور تکلیف دہ معلوم ہوتی ہیں مثلاً سانپ بچھو ہیں انکو ہم اسلئے برا سمجھتے ہیں کہ بعض اوقات یہ ہمیں نقصان پہنچاتے ہیں لیکن کائنات کے مجموعی انتظام کے لحاظ سے ان میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ضرور ہے۔ ان میں فائدہ موجود ہے چاہے ہمیں پتہ چلے یا نہ چلے

ایک بادشاہ ایک مکھی

ایک بادشاہ کا قصہ لکھا ہے کہ وہ یک دن اپنے دربار میں بڑے شان شوکت سے بیٹھا ہوا تھا ایک مکھی آکر اسکی ناک پر بیٹھ گئی اس بادشاہ نے اسکو اڑا دیا وہ پھر آکر بیٹھ گئی اس نے دوبارہ اڑا دیا وہ پھر آکر بیٹھ گئی۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض مکھیاں بہت لیچڑ قسم کی ہوتی ہیں انکو کتنا ہی اڑاؤ وہ دوبارہ اسی جگہ آکر بیٹھ جاتی ہیں وہ بھی اسی قسم کی تھی۔ بادشاہ نے اسوقت کہا کہ خدا جانے یہ مکھی اللہ تعالیٰ نے کیوں پیدا کی؟ یہ تو تکلیف ہی تکلیف پہونچا رہی ہے اسکا کوئی فائدہ تو نظر نہیں آتا۔ اسوقت دربار میں ایک بزرگ موجود تھے ان بزرگ نے بادشاہ سے کہا اس کا ایک فائدہ

ذ یہ ہے کہ تم جیسے جابر اور متکبر انسانوں کے دماغ درست کرنے کے لئے پیدا کی ہے تم اپنی ناک پر مکھی بیٹھنے نہیں دیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا کہ تم اتنے عاجز ہو کہ اگر ایک مکھی تمھیں ستانا چاہے تو تمھارے اندر اتنی بھی طاقت نہیں کہ اپنے آپ کو اسکی تکلیف سے بچالو۔ اسکی پیدائش کی یہی حکمت و مصلحت کیا کم ہے۔ بہرحال اللہ تعالےٰ نے ہر چیز کسی نہ کسی مصلحت اور حکمت کے تحت پیدا کی ہے۔

ایک بچھو کا عجیب واقعہ

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ مشہور بزرگ اور علم کلام کے ماہر گذرے ہیں۔ جنھوں نے "تفسیر کبیر" کے نام سے قرآن کی مشہور تفسیر لکھی ہے اس تفسیر میں صرف سورۂ فاتحہ کی تفسیر دو سو صفحات پر مشتمل ہے اور اس تفسیر میں سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت " اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ربِّ العٰلَمِیْن کی تفسیر کے تحت ایک واقعہ لکھا ہے کہ میں نے ایک بزرگ سے خود انکا اپنا واقعہ سنا وہ بغداد میں رہتے تھے وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک دن شام کو سیر کرنے کے لئے دریائے دجلہ کے کنارے کی طرف چلا گیا جب میں دریائے دجلہ کے کنارے کنارے چلنے لگا تو میں نے دیکھا کہ میرے آگے ایک بچھو چلا جا رہا ہے میرے دل میں خیال آیا کہ یہ بچھو بھی اللہ تعالےٰ کی مخلوق ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو کسی نہ کسی حکمت اور مصلحت کے تحت ہی پیدا کیا ہے اب اسوقت پتہ نہیں کہاں سے آرہا ہے کہاں جارہا ہے؟ اسکی منزل کیا ہے وہاں جاکر کیا کرے گا؟ میرے دل میں خیال آیا کہ میرے پاس تو وقت ہے میں سیر کے لئے نکلا ہوں آج میں اس بچھو کا تعاقب کرتا ہوں کہ یہ

کہاں جاتا ہے چنانچہ وہ بچھو آگے آگے چلتا رہا اور میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ چلتے چلتے اس نے پھر دریا کی طرف رخ کیا اور کنارے پر جاکر کھڑا ہوگیا میں بھی قریب ہی کھڑا ہوگیا تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ دریا میں ایک کچھوا تیرتا ہوا آرہا ہے وہ کچھوا آکر کنارے لگ گیا اور یہ بچھو چھلانگ لگا کر اسکی پشت پر سوار ہوگیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے دریا عبور کرنے کے لئے کشتی بھیج دی چنانچہ وہ کچھوا اسکو اپنی پیٹھ پر سوار کرکے روانہ ہوگیا چونکہ میں نے یہ طے کرلیا تھا کہ آج میں یہ دیکھوں گا کہ بچھو کہاں جارہا ہے اسلئے میں نے بھی کشتی کرایہ پر لی اور اسکے پیچھے روانہ ہوگیا حتی کہ اس کچھوے نے دریا پار کیا اور جاکر اسی طرح دوسرے کنارے پر لگ گیا اور وہ بچھو چھلانگ لگا کر اتر گیا۔ اب بچھو آگے چلا اور میں نے اسکا پھر تعاقب شروع کردیا۔ آگے جاکر میں نے دیکھا کہ ایک آدمی ایک درخت کے نیچے سو رہا ہے میرے دل میں خیال آیا کہ شاید یہ بچھو اس آدمی کو کاٹنے جارہا ہے میں نے سوچا کہ میں جلدی سے اس آدمی کو بیدار کردوں تاکہ وہ شخص اس بچھو سے بچ جائے لیکن جب میں ا[illegible] آدمی کے قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک زہریلا سانپ اپنا پھن اٹھائے اس آدمی کے سر کے پاس کھڑا ہے اور قریب ہے کہ وہ سانپ اسکو ڈس لے اتنے میں یہ بچھو تیزی کے ساتھ سانپ کے اوپر سوار ہوگیا اور اسکو ایک ایسا ڈنک مارا کہ وہ سانپ بل کھاکر زمین پر گر پڑا اور تڑپنے لگا پھر وہ بچھو وہاں سے کسی اور منزل پر روانہ ہوگیا اچانک اسوقت اس سونے والے شخص کی آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ قریب سے ایک بچھو جارہا ہے اس نے

فوراً ایک پتھر اٹھایا اور اس بچھو کو مارنے کے لئے دوڑا میں قریب ہی کھڑا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا اس لئے میں نے فوراً اسکا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ تم جس بچھو کو مارنے جا رہے ہو یہ تمھارا محسن ہے اور اس نے تمھاری جان بچائی ہے حقیقت میں یہ سانپ یہاں مرا ہوا پڑا ہے تم پر حملہ کرنے والا تھا اور قریب تھا کہ ڈنک مارکر تمھیں موت کے گھاٹ اتار دے لیکن اللہ تعالےٰ نے بہت دور سے اس بچھو کو تمھاری جان بچانے کے لئے بھیجا ہے اور اب تم اسی بچھو کو مارنے کی کوشش کر رہے ہو۔

وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے اس روز اللہ تعالےٰ کی ربوبیت کا یہ کرشمہ دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالےٰ اس بچھو کو دریا کے دوسرے کنارے سے اس شخص کی جان بچانے کیلئے یہاں لائے۔

بہر حال دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے پیدا کرنے میں کوئی نہ کوئی تکوینی حکمت اور مصلحت نہو۔

(جاری)

ایک مختصر جامع دعاء

فرمایا کہ ـــ نماز کے بعد کے لئے میں نے ایک مختصر جامع دعاء اختیار کر رکھی ہے جس میں اپنے اور سب مسلمانوں کیلئے دین و دنیا کے سارے مقاصد کی دعاء آجاتی ہے وہ یہ ہے

اَللّٰهُمَّ کُنْ خَیْرًا لِکُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَةٍ۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

نبوت و رسالت

(۲)

ربِّ ذوالجلال کا ٹیلیفون

موسیٰ علیہ السلام نے جس وقت درخت میں سے اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ یعنی "بیشک میں ہی خدا ہوں" کی آواز سنی تو وہ آواز درخت کی نہ تھی وہ درخت، تو محض ایک فون تھا جس کے پس پردہ خداوندِ ذوالجلال کلام فرما رہا تھا، اسی طرح نبی کی زبان اور حلق کو خدا تعالیٰ کا ٹیلیفون سمجھو کہ جو آواز نبی کے منہ سے نکل رہی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی آواز ہے۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ اور وہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہوائے نفسانیہ سے نہیں بولتے بلکہ وہ تو وحی ہے (خدا کیطرف سے) نازل کی جاتی ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

(اسکا کلام سعادت انجام اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے اگرچہ وہ عبد اللہ اور رسول اللہ کے گلے سے نکلتا ہے)

وقال اللہ تعالیٰ: وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی یعنی وہ کنکریاں آپ نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ ہی نے پھینکیں۔

وقال اللہ تعالیٰ: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ یعنی بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں، اللہ کا ہاتھ انکے ہاتھ پر ہے۔

اور جو لوگ اسکے رسولوں کے درمیان تفرقہ کرتے ہیں انکے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝

بیشک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور اللہ اور رسولوں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لائیں گے اور بعض سے کفر کرینگے اور وہ اسکے بین بین راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں، یہی لوگ ہیں پکے کافر اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

شریعت محمدیہ اللہ تعالےٰ کا آخری قانون ہے حق جل شانہٗ نے ہر نبی کو ایک شریعت اور قانون عطا کیا

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا

ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور راہ بنائی۔

اسی طرح نبی آخرالزماں سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی کامل اور مکمل شریعت عطا فرمائی کہ جو تمام شریعتوں سے اکمل اور اجمع ہے اور تمام گذشتہ قوانین کی ناسخ ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ

یعنی پھر ہم نے آپکو ایک ایسی شریعت پر قائم کر دیا جو خدا کی طرف سے ہے پس اسکا اتباع کیجئے اور جاہلوں کی خواہشات کا اتباع نہ کیجئے

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت مطہرہ کی مخالفت عقل نہیں بلکہ ہوائے نفسانی

ہے کیونکہ اس آیت میں شریعت کے اتباع کا حکم فرما کر یہ نہیں فرمایا کہ عقل کا اتباع نہ کرنا بلکہ یہ فرمایا گیا کہ ہوائے جہلا کا اتباع نہ کرنا معلوم ہوا کہ جاہلانہ خواہشات نفسانیہ ہی شریعت سے متصادم ہوتی ہیں ورنہ عقل ہر حکم شریعت کو قبول کر لیتی ہے اور صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام باب ۲۸ آیت ۱۳ میں ہے

"سو خداوند کا کلام ان سے یہ ہوگا حکم پر حکم۔ حکم پر حکم قانون پر قانون، تھوڑا یہاں تھوڑا وہاں"

چنانچہ قرآن عزیز اسی طرح تھوڑا تھوڑا نازل ہوا اور انجیل علماء نصاریٰ کے نزدیک منزل من اللہ ہی نہیں بلکہ وہ حواریین کی تصنیف ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا	اور قرآن کو ہم نے متفرق کرکے نازل کیا تاکہ آپ اسکو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔ اور ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا نازل کیا
وقال اللہ تعالیٰ۔ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا	اور کافروں نے اعتراض کہ یہ قرآن آپ پر ایک ہی دفعہ کیوں نہیں نازل کردیا گیا (سو) یہ اسی طرح نازل کیا گیا تاکہ ہم اسکے ذریعہ سے آپ کے قلب کو مضبوط رکھیں اور ہم نے اسکو آہستہ آہستہ نازل کیا۔

اور انجیل یوحنا باب، چہارم آیت ۱۶ میں ہے

"میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمھیں دوسرا مددگار بخشے تاکہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے"

اور آیت ۲۹ میں ہے

"اور اب میں نے تمھیں اسکے واقع ہونے سے پیشتر ہی کہا تھا کہ

جب وہ وقوع میں آسئے تو تم ایمان لاؤ"

اور آیت ۳۰ میں ہے

"بعد اسکے میں تم سے بہت کلام نہ کروں گا اسلئے کہ اس جہاں کا سردار آتا ہے"

جہاں کے سردار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام پیغمبروں کا سردار ہوگا اور ابد تک تمھارے ساتھ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اسکی کتاب اور اسکی شریعت قیامت تک باقی اور محفوظ رہے گی۔ اس میں ایک حرف کا کبھی تغیر و تبدل نہ ہو سکے گا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ہم نے قرآن نازل کیا اور ہم ہی اسکے محافظ ہیں۔

مصطفی را وعدہ کرد الطاف حق گر بمیری تو نمیرد ایں سبق

(الطاف و کرم خداوندی نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمالیا کہ جب آپ وصال فرما جائیں گے تو بھی آپکی لائی ہوئی تعلیمات مردہ نہونگی بلکہ زندہ و تابندہ رہیں گی۔

من کتاب و معجزت را حافظم بیش و کم کس را ز قرآن رافضم

(میں آپکے معجزہ اور کتاب کا محافظ ہوں جو کبھی اس میں کمی بیشی کرنا چاہے گا میں اسکی تحریف اور رد و بدل کو قرآن سے دور کردونگا)

کس نتاند بیش و کم کردن درو تو بہ از من حافظے دیگر مجو

(کسی کی مجال نہیں جو اس میں کمی بیشی کر سکے، تم مجھ سے بہتر کوئی محافظ مت تلاش کرو)

تا قیامت باقیش داریم ما تو مترس از نسخ دیں اے مصطفیٰ

(ہم تا قیام قیامت اسکو باقی رکھیں لہذا آپ اپنے دین کے منسوخ ہونے کا اندیشہ نہ کیجئے)

اے رسول ما تو جادو نیستی صادقی ہم خرقۂ موسیستی

(اے رسول تم جادوگر نہیں ہو بلکہ سچے ہو اور خرقہ موسیٰ علیہ السلام ہو)

ہست قرآں مر ترا ہمچو عصا کفرہا را در کشد چوں اژدہا

(قرآن آپکے لئے عصائے موسیٰ کی طرح ہے یہ سارے کفر کو اژدھے کی طرح نگل جائے گا)

نصیحت اور دعاء

اب میں اول اپنے نفس اور اعیان جلسہ اور حاضرین مجلس کو نصیحت کرتا ہوں کہ فقط اس پر اکتفا نہ کریں کہ سال بھر میں ایک مرتبہ سیرت مبارکہ کے نام سے جلسہ کرلیا کریں بلکہ دل وجان سے اس نبی امی فداہ نفسی وابی وامی کا یہ سمجھکر اتباع کریں کہ آپ کا اتباع خداوند ذوالجلال کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔

اے اللہ ہمکو اور ہماری اولاد کو، ہمارے احباب کو اور تمام مسلمانوں کے ظاہر اور باطن اور صورت وسیرت، کو دین اسلام کے رنگ میں رنگ دے اور مسلمانوں کو قومیت اور وطنیت کے فتنہ سے نکال کر اسلام کے جھنڈے نیچے جمع فرمادے۔

واخردعوانا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین وعلینا معھم یاارحم الراحمین

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

مقاصد بعثت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین۔ امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۔ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔

اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہیں وہ تمام چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، وہ اللہ جو بادشاہ ہے، پاک زبردست ہے، حکمت والا ہے وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ایک رسول بھیجا جو انھیں میں سے ہے اور انکو اسکی آیتیں تلاوت کرکے سناتا اور انکے دلوں کے زنگ کو دور کرتا ہے اور انکو کتاب کے معانی ومطالب بتاتا ہے اور حکمت کی باتیں بتاتا ہے حالانکہ وہ اس سے قبل کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

یہ آیتیں جو اس وقت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں سورۂ جمعہ

کی ابتدائی آیتیں ہیں ان آیتوں میں اللہ تعالےٰ نے اولاً اپنی تسبیح و تنزیہ بیان کی ہے اور اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا بیان ہے۔ اور آگے بعثت کے مقاصد بیان فرمائے ہیں غرض ان آیتوں کی ترتیب عجیب و غریب شان کی ہے۔

میں انکا ترجمہ اس طرح کرونگا کہ ساتھ ساتھ ماقبل کی آیت کا مابعد کی آیت سے ربط و تعلق بھی واضح ہوتا چلا جائے۔

"تسبیح و تنزیہ" کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالےٰ ہر عیب اور برائی سے پاک ہے۔ اسکی شان یہ ہے کہ وہ "بادشاہ" ہے اور ظلم سے پاک ہے۔ "عزیز" کے معنی غالب، اور "حکیم" کے معنی حکمت والا۔ اس جگہ خدا تعالیٰ نے اپنی چند صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ اولؔ یہ کہ وہ ہر عیب سے پاک ہے، دوسرؔے یہ کہ وہ شہنشاہ ہے، تیسرؔے یہ کہ وہ ظلم سے پاک ہے، چوتھے یہ کہ وہ غالب ہے یعنی عاجز نہیں اور پانچویں صفت یہ کہ وہ حکمت والا ہے۔ یہ پانچ صفات بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ هُوَ الَّذِی بَعَثَ...الخ یعنی وہ خدا جس کی صفتیں بیان ہوئیں اسی نے ان پڑھ لوگوں میں ایک رسول بھیجا جو انہی میں سے ہے، اور ان پڑھ لوگوں سے مراد اس جگہ اہل مکہ ہیں یعنی اللہ تعالےٰ نے مکہ میں اپنا رسول بھیجا۔

ماقبل سے اسکا ربط یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بادشاہ ہے اور تمام مخلوق اسکی رعایا ہے تو جس طرح ہر بادشاہ اپنی

رعایا کے لئے ایک دستور اور قانون بناتا ہے تاکہ رعایا اس پر عمل کر کے اپنے بادشاہ کی اطاعت، اور فرماں برداری کر سکے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جب اپنا بادشاہ ہونا بیان فرمایا اور عقلاً بادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی رعایا کے لئے قانون بنائے تو اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے ایک رسول بھیجا جس کے ذریعہ سے اپنا دستور اور قانون مخلوق تک پہنچایا تاکہ وہ اس پر عمل کر کے خدا تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری کی سعادت حاصل کر سکیں۔ اور خدا تعالیٰ نے اپنی صفت "قدوس" یعنی وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا بیان فرمائی تھی تو اسکا مطلب یہ ہے کہ جب تک مخلوق کو اپنے قانون سے آگاہ نہیں کرتا اس وقت تک سزا نہیں دیتا۔ پہلے رسول بھیجکر مخلوق کو اپنا قانون اور احکام پہونچا دیئے پھر جو کوئی نافرمانی کرتا ہے اسکو سزا دی جاتی ہے۔

مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ‏ اور ہم عذاب کرنیوالے نہیں تھے جب تک رسول نہ بھیجدیں

اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت بیان فرمائی کہ وہ زبردست ہے۔ یہ صفت اسلئے ذکر فرمادی کہ نافرمانیوں پر خدا تعالیٰ کیطرف سے جو فوری پکڑ نہیں ہوتی تو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ کوئی مواخذہ کرنیوالا ہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ زبردست ہے جب چاہے سزا دیدے اسکی مہلت سے نڈر اور دلیر نہیں ہونا چاہیئے نہ پکڑنے کا منشا حلم اور بردباری ہے نہ کہ عجز ہے اسکے بعد صفت حکیم ہونے کی ہے یعنی مہلت دینا بھی حکمت پر مبنی ہے۔

خدا تعالیٰ نے اپنا رسول اور پیغام رساں امیین میں بھیجا تاکہ اسکے ذریعہ سے لوگوں کو آگاہ کرے اس رسول کی شان یہ ہے

کہ :- "یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ" یعنی اللہ تعالیٰ کی آیتیں انکو پڑھ پڑھکر سناتا ہے اور "وَیُزَکِّیْھِمْ" اپنے فیض صحبت سے لوگوں کے دلوں کے زنگ کو دور کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کا پہلا کام یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ آیات کو بجنسہ پڑھکر سنائے اور دوسرا کام یہ ہے کہ اپنے فیض صحبت سے لوگوں کے دلوں کے زنگ کو دور کرے اسکے بعد نبی کا تیسرا کام یہ ہے کہ "یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ" ان کو کتاب کے معنی اور انکا مطلب سمجھا دے اور حکمت ودانائی کی باتیں بتائے۔اب نبی کے چار کام معلوم ہوئے۔ اول تلاوتِ آیات، دوسرے تزکیہ، تیسرے تعلیم کتاب اور چوتھے تعلیم حکمت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکمت ودانائی کی باتیں امت کو بتائی ہیں وہ تمام دنیا کے حکمار وعقلار کی بیان کردہ باتوں سے بالا وبرتر اور ارفع واعلیٰ ہیں۔

حضرت زید بن ارقم رض ایک صحابی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

مَا تَرَکْتُ مِنْ خَیْرٍ اِلَّا وَقَدْ	میں نے کوئی بھلائی کی بات نہیں چھوڑی جسکا تمکو
اَمَرْتُکُمْ بِہٖ وَمَا تَرَکْتُ مِنْ	امر نہ کردیا ہو اور کوئی بری بات ایسی نہیں چھوڑی
شَرٍّ اِلَّا وَقَدْ نَھَیْتُکُمْ عَنْہُ	کہ اس سے تمکو روک نہ دیا ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین ہمکو پہنچایا ہے اس میں تمام حکمت ودانائی کی باتیں موجود ہیں اور تمام خرابیوں اور برائیوں سے بچنے کی ہدایت موجود ہے۔

اس جگہ ایک شبہ کا جواب دیدینا ضروری معلوم ہوتا ہے جو حضرت مجدد الف ثانی نے لکھا ہے اور اسکا جواب دیا ہے۔شبہہ

یہ ہے کہ بعض ملاحدہ کہتے ہیں کہ انبیاء کرام کے بھیجنے کی اور شریعت کے بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی خدا نے انسان کو عقل اور سمجھ دی ہے انسان اس سے کام لیکر برائی سے بچ سکتا ہے اور بھلائی کی طرف بڑھ سکتا ہے ورنہ اس عقل کا وجود بیکار ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ کے احکام سمجھنے کیلئے عقل کافی ہے یہ غلط ہے عقل بے چاری تو خدا تعالیٰ کے احکام تو بڑی چیز ہیں اپنی ہی ضروریات کو کامل اور صحیح طریقہ سے نہیں سمجھ سکتی اور وجہ اسکی یہ ہے کہ انسان میں ایک تو عقل ہے اور ایک نفس ہے تو عقل کے ساتھ نفسانی خواہشات مل جاتی ہیں اور پتہ نہیں چلتا تو ہم کیسے سمجھیں گے کہ یہ تقاضا خالص عقل کا ہے اور اس میں نفس کی آمیزش نہیں ہے؟ اسلئے حق تعالیٰ کا بڑا احسان ہوا کہ اس نے رسول بھیجکر ہم کو اپنے احکام سے آگاہ کردیا اب ہمکو پورے یقین کے ساتھ یہ معلوم ہے کہ جو احکام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہونچائے ان میں ذرہ برابر نفس کا شائبہ نہیں ہو سکتا اسی کو حق تعالےٰ نے فرمایا کہ

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ — بلاشبہ اللہ تعالےٰ نے مومنین پر بڑا احسان

اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا — فرمایا کہ ان میں رسول بھیجا

واقعی خدا تعالےٰ کا بڑا احسان ہوا کہ اس نے ہر طرح کے خیر و شر سے ہمیں آگاہ کردیا اور خیر و شر کا فیصلہ ہماری عقلوں کے حوالے نہیں کردیا اگر یہ ہماری عقلوں کے حوالے کردیا جاتا تو دنیا میں نہ ختم ہونے والا فساد اور لڑائی جھگڑا شروع ہوجاتا کیونکہ ہر شخص اپنی خواہشات کے مطابق خیر و شر کی تقسیم کرتا اور دوسروں سے اسکو منوانے کی کوشش کرتا اور اس طرح بوالہوسوں اور خودغرضوں کا ایک مسلسل جھگڑا شروع ہوجاتا اور دنیا ایک تماشاگاہ بن جاتی

اسلئے حق تعالےٰ کا بڑا احسان ہوا کہ اس نے رسول بھیجکر ہدایت فرما دی ورنہ ہرگز صحیح فیصلہ خیر و شر کا نہ ہوتا

اور ایک بات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے وہ یہ کہ بیشک خدا تعالےٰ نے بندوں کو عقل دی ہے مگر انسان بھی محدود ہے اور اسکی عقل بھی محدود ہے اور اسکا ادراک بھی محدود۔ اسلئے یہ محدود عقل محدود ہی کا ادراک کرسکتی ہے اور جو چیزیں اسکے احاطہ سے خارج ہیں انکا ادراک وہ کیسے کرسکتی تھی۔ مثلاً آئندہ کی باتوں کا ادراک کیسے کرتی؟ اسلئے رسولوں کو بھیجا جنھوں نے بندوں کو ایک ایسا ضابطہ حیات دیا جو ہر ایک کے لئے مفید اور ہر حالت کے لئے موزوں ہے۔ اور آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسا ضابطہ حیات دیا کہ جو ساری دنیا کے لئے اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے کافی ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اسکا جواب دیا ہے حق و باطل کا فرق معلوم کرنے کے لئے انسان کو دو قسم کے نور کی ضرورت ہے ان دونوں نور کو سمجھنے کے لئے پہلے ایک مثال سمجھ لیجئے کہ مثلاً اگر آپ کو سیاہ و سفید میں امتیاز کرنے کی ضرورت ہے تو اسکے لئے آپ کو دو قسم کے نور کی ضرورت ہے ایک تو یہ کہ آپکی آنکھیں اور بینائی ٹھیک ہو اور دوسرے یہ کہ آفتاب کی روشنی موجود ہو جب یہ دونوں نور موجود ہونگے تب آپکو سفید و سیاہ میں امتیاز ہو سکے گا

اگر کسی شخص کی آنکھیں تو موجود ہیں مگر اندھیری رات ہے تو وہ خاک بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح اگر آفتاب اپنی پوری

آب و تاب سے روشن ہے مگر کسی کی آنکھیں ہی نہیں اندھا ہے تو وہ کچھ بھی نہیں دیکھ سکتا اسی طرح عقل کو بمنزلہ آنکھ کے سمجھو اور وحیٔ الٰہی اور شریعت و دین کو جو خدا تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو دے کر بھیجا ہے اسکو بمنزلہ آفتاب کے سمجھو۔ پس اگر اندر عقل میں نور ہے اور باہر سے آفتاب شریعت کی روشنی ہے تو انسان کامل ہدایت یافتہ ہے اور اگر کوئی شخص دل کا اندھا ہے تو اسکو شریعت کی روشنی سے کوئی فائدہ نہیں۔

خدا تعالیٰ نے دل کی آنکھیں عطا کیں اور باہر سے آفتاب نبوت عطا کیا تاکہ جب دونوں نور مل کر انسان کی رہبری کریں گے تب اسکو حق و باطل کا فرق نظر آئے گا اسکے ایک اور نکتہ خیال آیا کہ حدیث شریف میں ہے کہ

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمِ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے جس کے پیچھے لگ جاؤ گے ہدایت پاؤ گے

یہ حدیث متعدد صحابہؓ سے مروی ہے جیسا کہ حافظ ابن عبدالبرؒ نے جامع العلم میں بیان کیا ہے اس حدیث کو سامنے رکھکر یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ اگر آفتاب نہو یعنی دن کا وقت نہو تو راستہ معلوم کرنے کے لئے ستاروں سے کام لیا جاتا ہے اسی طرح سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو ستاروں سے تشبیہ دی گئی ہے تو اسکا منشا یہی معلوم ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف فرما تھے تو آپ کی ذات بابرکات تمام ہدایتوں کا سرچشمہ تھی اور آپؐ کے تشریف لے جانے کے بعد صحابہ ہدایت کا ذریعہ بنے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے عقل کے بارے میں

ایک اور بات فرمائی ہے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عقل کافی ہے یہ غلط ہے کیونکہ عقل جو ہے وہ نابالغ ہے اسلئے اس کا فیصلہ حجۃ بالغہ نہیں ۔ حجۃ بالغہ انبیاء کرامؑ کی بعثت ہے کیونکہ عقل بالغ جبھی ہو سکتی ہے جب وہ خواہشات نفسانیہ سے پاک ہو اور ایسی عقل بجز انبیاء علیہم السلام کے اور کسی کی نہیں ۔ اسی کو مولانا رومؒ نے مثنوی میں فرمایا ہے

خلق اطفال اند جز مست خدا

نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

(تمام لوگ بچے اور نابالغ ہیں سوائے ان لوگوں کے جو یاد الٰہی میں مست و سرشار ہیں بالغ اور عاقل کامل وہی شخص ہے جو ہوائے نفسانی سے آزاد ہو چکا ہے)

سو ہماری عقل چونکہ نفسانی خواہشوں میں ملوث ہے اسلئے نابالغ ہے اور نابالغ کا قول وفعل حجت نہیں ہوتا ۔

اب جب یہ سب باتیں سمجھ میں آگئیں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ جو لوگ احادیث کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر قرآن مجید کو سمجھنے کے لیئے حدیث کی ضرورت ہے تو پھر خدا نے یہ عقل کیوں دی ہے ۔ سو اسکا جواب ظاہر ہے کہ اگر آپ موجودہ حکومت سے قانون کے بارے میں یہ کہیں کہ اس قانون کا مطلب جو وزراء اور ارکان دولت یا عدالتوں کے جج اور وکلاء بیان کرتے ہیں ہم اسکو قبول نہیں کرتے اور ہم کو انکی تشریحات کی ضرورت نہیں ہے جو یہ حضرات بیان کرتے ہیں بلکہ ہم کو خدا تعالےٰ نے عقل دی ہے ہم اسکے ذریعہ سے اس قانون کو اور اسکے مطلب اور مقصد کو خود سمجھ کر عمل کرلیں گے تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کو کان پکڑ کر جیل

میں بھیجدیا جائیگا اور کہا جائے گا کہ قانون کا وہی مطلب آپ کو ماننا پڑے گا جو وزرا اور ججوں نے بیان کیا ہے کیونکہ آپکی عقل لولی اور لنگڑی ہے اسلئے آپکا سمجھا ہوا مطلب حجت نہیں۔

بس اسیطرح قرآن مجید کا وہی مطلب اور تشریح قابل قبول ہوگا جو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا یا جن لوگوں نے آپؐ کی صحبت اٹھائی یا جن لوگوں کے قلوب کو حق تعالےٰ نے نور علم اور نور فہم اور نور تقوی سے منور فرمایا ہر بوالہوس کا بیان کیا ہوا مطلب قابل قبول نہیں اس آیت میں یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ کے یہی معنی ہیں کہ آپؐ قرآن مجید کا جو مطلب بیان فرمائیں وہی معتبر ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ نبی کا بتایا ہوا مطلب تو معتبر نہیں بلکہ میرا بتایا ہوا مطلب معتبر ہے تو اسکے قول کی وقعت دیوانوں اور مجنونوں کی بڑسے زیادہ نہیں

جیسے ایک ایسا شخص جو انگریزی نہ جانتا ہو بلکہ انگریزی کی شد بد بھی نہ رکھتا ہو وہ جاکر ہائی کورٹ کے کسی جج سے بحث کرنے لگے کہ صاحب آپنے فلاں قانون کا جو یہ مطلب بتایا یہ غلط ہے بلکہ اسکا صحیح مطلب میں بیان کرتا ہوں آپ کو چاہیئے کہ آپ بھی اس میرے بتائے ہوئے مطلب کو تسلیم کرلیں اور اپنے بتائے ہوئے مطلب سے رجوع کرلیں تو ہائی کورٹ کا جج اسکو دیوانہ کہے گا اور پاگل خانہ میں بھیجنے کا حکم دیگا۔ بلکہ اگر کوئی شخص انگریزی بھی جانتا ہو مگر اس نے قانون کا فن نہ پڑھا ہو تو اسکو بھی اس قسم کی تشریح کا حق نہیں پہنچتا۔ ہاں جو شخص باقاعدہ قانون پڑھکر کوئی بات قانون کے بارے میں کہے تو وہ سنی جائیگی اور اس پر غور کیا جائے گا۔ بس اسی طرح جو لوگ

عربی زبان سے مطلق ناآشنا ہیں اور وہ قرآن فہمی کا دعویٰ کریں انکے دیوانہ ہونے میں شک نہیں انکو چاہیئے کہ پہلے عربی زبان پر عبور حاصل کریں پھر فن تفسیر پڑھیں پھر انکو جو کچھ کہنا ہے کہیں۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن کا سمجھنا اور علوم دینیہ کسی مولوی کی میراث اور جاگیر نہیں جیسے قانون کسی کی میراث نہیں مگر اسکا پڑھنا اور اس فن کو باقاعدہ حاصل کرنا تو شرط ہے یہ تو نہیں کہ محض ترجمہ دیکھکر الٹ پلٹ رائے دینی شروع کردی۔ اور اس سلسلہ میں ان لوگوں سے شکایت تو ہے ہی جو اس قسم کی دخل اندازی اور رائے زنی دین کی باتوں میں کرتے ہیں اور نت نئے فتنے پھیلاتے رہتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ سخت افسوس اور اور بہت زیادہ شکایت ان لوگوں سے ہے جو بے سمجھے سوچے انکی باتوں کو قبول کر لیتے ہیں اور گمراہ ہو جاتے ہیں۔

غضب کی بات ہے اور اندھیر ہے کہ قرآن پاک کا جو مطلب اس ذاتِ بابرکات نے بیان کیا ہے جس پر وہ نازل ہوا وہ غلط اور انکی صحبت اٹھانے والوں نے جو سمجھا وہ بھی غلط ہے اور جو مطلب اسکا عربی زبان کے ماہروں نے بتایا وہ بھی غلط اور جو مطلب یہ لوگ سمجھے جو عربی کی ابجد سے بھی ناواقف اور فن تفسیر و حدیث سے بھی بے بہرہ وہ معتبر۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ ــ "دیوانہ گفت و ابلہ باور کرد" یعنی دیوانے نے کہی اور بیوقوف نے مان لی۔ (جاری)

خـــبریں

● پوپ جان پال دوم کے نائب نے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا ہے کہ اسلام کا انتہا پسندی یا تشدد سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اسلام ایک دین، ایک ثقافت اور طرز حیات ہے۔ آج یہ انھیں خوبیوں کی بنا پر دنیا میں تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ عیسائی اپنا روزہ بھول جاتے ہیں اور مسلمانوں روزے اور عبادت پر حیرت اور مرعوبیت ظاہر کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ اسلام اب یورپ میں اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا ہے

● روس کے ایک اعلیٰ جنرل نے اعتراف کیا ہے کہ روسی افواج کو چیچنیا میں اپنا کنٹرول برقرار رکھنے میں شدید مشکلات پیش آرہی ہیں۔ لفٹیننٹ جنرل ولادی میر شوانوف نے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ چیچنیا میں روسی افواج کی پوزیشن روز بروز کمزور ہو رہی ہے اور مجاہدین کے حملے دن بدن تیز ہوتے جا رہے ہیں۔ اسی دوران مجاہدین نے گروزنی کے نواح میں واقع ایک گاؤں میں ایک روسی فوجی قافلے پر اچانک حملہ کر کے ۱۵ روسی فوجیوں کو ہلاک کر دیا، روسی حکام نے اس حملہ کا اعتراف کیا ہے تاہم ہلاک شدگان کی تعداد بتانے سے گریز کیا (بشکریہ "تعمیر حیات" لکھنو)

● واشنگٹن۔ امریکہ میں رہنے والے مسلمانوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے ایک طلیہ سروے سروے کے مطابق اس وقت امریکہ میں مسلمان ساٹھ لاکھ سے زیادہ ہیں۔ سی۔این۔ این کی ایک سروے رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ چند سال پہلے تک امریکہ کے صدارتی انتخاب میں امیدوار دوسرے ووٹروں کی ناراضگی کے اندیشے کے پیش نظر امریکہ کی مسلم برادری کو یکسر نظر انداز کیا کرتے تھے لیکن اب صورت حال بدل چکی ہے اور اسکی وجہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہے۔ امریکہ کے ایک صدارتی امیدوار پیٹ بوکنان نے امریکن مسلم کونسل سے خطاب کرتے ہوئے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ امریکی معاشرہ پر اسلامی اثر و رسوخ بڑھ رہا ہے اور یہ کہ جہاں تک امریکی مفادات کا تعلق ہے تو مسلم برادری کا اثر و رسوخ مثبت ہے

(بشکریہ "نقیب" پھلواری شریف، پٹنہ۔ اگست ۲۰۰۰ء)

حامل مضامین تصوف و عرفان • افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مُدیر:- احمد مکین

شمارہ ۹۔ ستمبر ۲۰۰۰ء مطابق جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ جلد: ۲۳

قیمت فی پرچہ نو روپئے سالانہ زرِ تعاون نوے روپئے ششماہی پچاس روپئے

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیلِ زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۵۶۱۸۳

S.T.D Code No 0532

پرنٹر۔ پبلشر۔ مولوی احمد مکین بسٹی آفسیٹ پریس۔ بخشی بازار۔ الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشتملات

مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ

مجالس علیگڈھ (چہاردہم)
اتباع سنت کے فضائل وثمرات
(۳)

دعا بھی ایک اہم سنت ہے اور سنئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ سے اسطرح دعا مانگتے ہیں اَللّٰھُمَّ لَقِّنِّیْ حُجَّۃَ الْاِیْمَانِ عِنْدَ الْمَمَاتِ ۔ یعنی اے اللہ! سکھا دینا مجھے دنیا میں حجت ایمان کی موت کے وقت اور فرماتے ہیں رَبِّ اَسْئَلُکَ خَیْرَ مَا فِیْ ھٰذَا الْیَوْمِ وَ خَیْرَ مَا بَعْدَہٗ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ ھٰذَا الْیَوْمِ وَ فَتْحَہٗ وَ نَصْرَہٗ وَنُوْرَہٗ وَ بَرَکَتَہٗ وَ ھُدَاہُ یعنی اے رب میں مانگتا ہوں تجھ سے اس چیز کی بھلائی جو اس دن میں ہو اور اس چیز کی بھلائی جو اس کے بعد ہو۔ اور یا اللہ! میں مانگتا ہوں تجھ سے بھلائی اس دن کی اور فتح اسکی اور ظفر اسکی اور نور اسکا اور برکت اسکی اور ہدایت اس کی۔ اور فرماتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ ھٰذَا النَّھَارِ صَلَاحًا وَّ اَوْسَطَہٗ فَلَاحًا وَّ اٰخِرَہٗ نَجَاحًا اَسْئَلُکَ خَیْرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۔ یعنی اے اللہ! کر دے اس دن کے اول حصہ کو بہتری اور اسکے اوسط حصہ کو فلاح اور اسکے آخری حصہ کو کامیابی ۔ میں مانگتا ہوں تجھ سے بھلائی دنیا اور اور آخرت کی، اے سب سے بڑے مہربان۔

اب آپ سے کہتا ہوں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعائیں مانگی ہیں تو یہ سنت ہوگئیں آپ بھی یہ سب دعائیں کیوں نہیں مانگتے۔ یہی سب سنتیں ہیں جو اس زمانہ میں ختم ہو رہی ہیں انکے احیاء کی ضرورت ہے۔ ان دعاؤں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت کے صلاح و فلاح ہونے کی دعا فرمایا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے ہر دن کی بھلائی طلب فرمایا کرتے تھے اور شر سے پناہ مانگتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ آپ کو خیر عطا فرماتے تھے اور شر سے محفوظ رکھتے تھے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ خیر و فلاح کے حصول کا ایک ذریعہ دعا بھی ہے اور اللہ تعالیٰ سے انکا طلب کرنا بھی ہے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

(ترجمہ) آپ یوں کہئے کہ اے اللہ مالک تمام ملک کے آپ ملک جس کو چاہیں دیدیتے ہیں اور جس سے چاہیں ملک لے لیتے ہیں، اور جس کو آپ چاہیں غالب کر دیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں پست کر دیتے ہیں، آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی بلا شبہ آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔)

اس سے معلوم ہوا کہ جملہ خیرات اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہیں لہٰذا انھیں سے طلب کرنا چاہیئے آج ہم نے یہ طریقہ بھی چھوڑ رکھا ہے اسلئے اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت سے ساقط ہو گئے ہیں۔

نوجوانوں کو نصیحت حدیث شریف میں دعا کو مُخُّ الْعِبَادَةِ یعنی عبادت کا مغز اور جوہر فرمایا گیا ہے۔ اسلئے اب میں نوجوانوں

سے دعا کیلئے کہہ رہا ہوں اور ایک نصیحت انکو یہ بھی کرتا ہوں کہ کوئی کام ایسا نہ کرو جس سے تمھاری صحت خراب ہو کیونکہ کام دین کا ہو یا دنیا کا ہر کام کے لئے صحت ضروری ہے چنانچہ صحت مطلوب شرعی ہے تمھارے یہ ہاتھ، پیر، آنکھ، کان اور دماغ یہ سب خدائی امانت ہیں اور صحت ہی کی بقا سے ان سب کی بقا رہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت دعافیت کیلئے بہت بہت دعائیں مانگی ہیں اسلئے یہ بھی سنت ہے۔

ذمہ داران ادارہ کو تنبیہ اسی طرح بڑوں سے کہتا ہوں کہ یہ بچے آپکی امانت ہیں اب آپ انکو ٹھیک سے رکھئے یا ضائع کر دیجئے آپ کو اختیار ہے۔

آخر میں ایک ضروری بات یہ بھی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ طلباء کے بارے میں ایک کوتاہی ہم سے یہ ہو جاتی ہے کہ ہم لڑکوں کی استعداد اور انکے مرتبہ کا صحیح اندازہ نہیں کر پاتے اسی لئے انکے ساتھ انکے مرتبہ کے مطابق معاملہ بھی نہیں کرتے حالانکہ انھیں طلباء میں سے بہت سے اللہ کے خاص بندے بھی ہوتے ہیں ظاہر ہے کہ عدم معرفت کی وجہ سے انکے حقوق کی ادائیگی اور رعایت کما حقہ نہیں ہو پاتی۔ بہرحال اس زمانہ میں کسیکو اس طرح سے پہچان لینا کہ وہ آئندہ کیا ہونیوالا ہے ذرا مشکل بات ہے لیکن اگر اسکا اہتمام کیا جائے تو کچھ اندازہ لگ بھی سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ عمر اور یہ زمانہ چونکہ آزادی کا ہوتا ہے اسلئے انکی اخلاقی نگرانی کا بھی خاص اہتمام رکھنے کی ضرورت ہے لیکن شفقت و محبت کے ساتھ۔ آج تعلیم و تربیت کے باب میں شفقت و محبت بھی جیسی کہ ہونی چاہیئے نہیں دیکھی جاتی اسی لئے اصلاح کا ثمرہ فساد کی شکل میں نظر آرہا ہے۔

ان سب امور میں اتباع سنت کی ضرورت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور طرز تربیت جاننے کی حاجت ہے۔ آج آخری دن ہے آپ سے کہا تھا کہ آخری مجلس میں دعا کی جائیگی لہٰذا اب آئیے دعا کر لیجئے۔

اسکے بعد دعا ہوئی اور اسی پر مجلس ختم ہوئی۔ یہ آخری مجلس تھی اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان مضامین سے نفع بخشے۔ آمین۔

مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ

ولایت کا حقیقی مفہوم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد۔ جہل کے شیوع اور عام ہو جانے کی وجہ سے ولایت کا مطلب اور اسکا مفہوم عوام بلکہ خواص تک سے او جھل و مستور ہو گیا ہے کتاب وسنت میں جو معنی بتلائے گئے ہیں اور اولیاء اللہ کے لئے جن امور کو ضروری ولازم قرار دیا گیا ہے اسکے بالکل خلاف اور متضاد معنی گڑھ لئے گئے ہیں جس کا انجام یہ ہو رہا ہے کہ ولی کو غیر ولی، اور غیر ولی کو ولی سمجھا جانے لگا ہے۔ اس سے طرح طرح کی گمراہیاں رونما ہو رہی ہیں اسلئے اس پر جسقدر بھی کلام کیا جائے اور اس مسئلہ کو جتنا صاف کیا جائے کم ہے چنانچہ پہلے بھی اس پر لکھ چکا ہوں اب پھر مزید کچھ توضیح کرتا ہوں تاکہ اس مسئلہ سے حجاب اٹھ جائے اور غبار چھٹ جائے اور ولایت کے صحیح معنی جو از روئے کتاب وسنت ہو متعین ہو جائیں اور اولیاء اللہ کی شناخت میں سہولت ہو۔

بزرگی کیا ہے؟

اب سنئے ولایت پرتو نبوت ہے اور استقامت علی الدین واتباع سنت کا نتیجہ وثمرہ ہے اسکے لئے ایمان وتقویٰ لازم ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝

یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں

وہ، وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز رکھتے ہیں۔

مگر اب ولایت میں اسقدر غلو اور افراط سے کام لیا گیا اور اس میں اتنی وسعت کر دی گئی کہ ہر فاسق و فاجر بلکہ کافر تک کو لوگ خدا کا ولی اور مقبول سمجھنے لگے۔ ولایت کی ہوس تو ہے اور اہل ولایت کی تلاش بھی ہے مگر حال یہ ہے کہ سنت کے اتباع کو ضروری نہیں قرار دیا جاتا اس میں بہت ہی کوتاہی تقصیر کیجارہی ہے حالانکہ دین نام ہی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا بدون آپؐ کے انقیاد و اتباع کے نہ تو کسی کو راہ صفا حاصل ہو سکتی ہے نہ کوئی منزل تک پہونچ سکتا ہے جیسا کہ عارف شیرازیؒ فرماتے ہیں کہ

مپندار سعدیؒ کہ راہ صفا ۔۔۔ تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

(سعدی یہ مت سمجھنا کہ تزکیۂ باطن کے راستے پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر گامزن ہو سکتے ہو

خلاف پیمبرؐ کسے رہ گزید ۔۔۔ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یعنی آپکی متابعت ترک کر کے جو شخص بھی کوئی راستہ اختیار کریگا وہ کبھی قرب و رضائے خداوندی کی منزل مقصود تک نہیں پہونچ سکتا)

اسی مضمون کو قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ بھی ارشاد الطالبین میں ارقام فرماتے ہیں کہ

دفع رذائل نفس و قتل شیطان و وسواس بے طور سنت ممکن نیست بیت سہ۔

نفس کے رذائل کا دفع اور شیطان و وسواس کا قتل بغیر اتباع سنت کے ممکن نہیں ہے جیسا کہ عارف شیرازیؒ فرماتے ہیں کہ

محال است سعدیؒ کہ راہ صفا
تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

(اے سعدی راہ صفا پر چلنا بغیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے ہوئے محال ہے)

اسی طرح سے امام الطائفہ حضرت جنید قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ

بنائے طریقہ ما بر کتاب وسنت است

وہر چہ مخالف کتاب وسنت است و خارج از آنست مردود و باطل است ہمارے طریقہ کی بنیاد کتاب سنت پر ہے اور جو کچھ کتاب سنت کے خلاف ہے اور اس سے خارج ہے وہ مردود و باطل ہے۔

دیکھئے اکابر کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ طریق صوفیہ کا مبنی ہی کتاب وسنت ہے اور جو طریقہ کہ اسکے خلاف ہے وہ مردود و باطل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے محققین نے ہر زمانہ میں اس مسئلہ کو نہایت شد و مد کے ساتھ بیان کیا ہے تاکہ ابلیس اس راہ سے لوگوں کو گمراہ نہ کر سکے کیونکہ علمائے ظاہر کی جماعت میں تو مخلص اور غیر مخلص کا امتیاز پھر بھی آسان تھا کیونکہ شریعت خود ایک واضح اور روشن معیار ہے یعنی جو شخص اپنے قول و عمل میں اسکے معیار پر پورا اترے وہ عالم حقانی ہے اور جس کسی میں کمی ہے تو بقدر نقصان اسکو ناقص شمار کیا جائیگا لیکن باطن کا معاملہ ذرا دشوار تھا کیونکہ وہ ایک مخفی چیز ہے اسلئے یہ سمجھنا کہ کسے حق تعالٰے سے صحیح نسبت حاصل ہے اور کسے نہیں اور کون ولی اللہ ہے اور کون نہیں، اہل ظاہر اور عوام کے لئے اسکا معلوم کرنا کچھ آسان نہیں ہے۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

پس بہر دستے نشاید داد دست

(اے مخاطب بہت سے ابلیس آدمی کی شکل میں ہوتے ہیں اسلئے ہر شخص کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہیئے۔ یعنی دھوکے میں آکر بیعت نہ ہوجانا چاہیئے) باقی کسی ولی کی ولایت پر مطلع ہونا اسلئے

ولایت اور نبوت میں فرق مشکل ہے کہ کسی کی ولایت قطعی نہیں ہوتی

یعنی کسی خاص شخص کے متعلق جزم ویقین سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شخص ولی ہے بخلاف نبی کے کہ دعویٰ نبوت اور مشاہدۂ معجزات کے بعد اس خاص شخص کے متعلق نبی ہونے کا حکم لگایا جا سکتا ہے اور ولایت گو فرع ہے نبوت کی تاہم نبی میں اور ولی میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں نہ ان سے معصیت کا صدور ہوتا ہے نہ کذب کا اسلئے وہ اپنے دعویٰ نبوت میں صادق ہوتے ہیں اور انکی نبوت قطعی ہوتی ہے بخلاف ولی کے کہ وہ معصوم بھی نہیں ہوتا اس لئے اس سے معصیت بھی صادر ہو سکتی ہے اور اسکے حالات بھی بدل سکتے ہیں اس لئے اسکی ولایت قطعی نہیں ہوتی۔ لیکن باوجود اسکے کہ کسی کی ولایت قطعی نہیں طریق ولایت قطعی ہے، یعنی خداتعالیٰ کے مقرب اور مقبول ہونے کا جو ذریعہ اور طریقہ ہے وہ قطعی ہے اور وہ یہی شریعت ہے اسی پر چل کر خدا تک پہنچا جا سکتا ہے اور یہی وصول الی اللہ کا واحد ذریعہ ہے۔

ابلیس کا فریب چونکہ ابلیس خود گمراہ ہوا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو ضال ہوتا ہے وہ مضل بھی ہوتا ہے اسلئے وہ اپنی پوری کوشش اس میں صرف کرتا ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ سے گمراہ کردے اسلئے اس نے شریعت سے بھی لوگوں کو ہٹایا یعنی اولاً تو اس نے طالبین طریق کو یہ باور کرایا کہ خدا تک پہنچنے کے دو راستے ہیں، ایک کا نام شریعت ہے اور دوسرے کا طریقت اور یہ امر لوگوں کے ذہن نشین کرایا کہ ان دونوں راستوں میں سے شریعت کا راستہ مشکل ہے کیونکہ اس میں قدم قدم پر حلال حرام کی بحث ہے اور بات بات پر جائز و ناجائز کا سوال ہے۔ رہی طریقت تو وہ ان سب الجھنوں اور خرخشوں سے پاک ہے اس طرح پر طریقت

کو شریعت کے مقابل اور اسکا بدل ظاہر کر کے لوگوں کا تعلق شریعت سے تو یوں ختم کیا اور پھر طریقت کو شریعت سے الگ کر کے ولایت کا بھی ایسا ناس مارا کہ کچھ کہنے کو نہیں یعنی بزرگی کے لئے اسلام کی شرط بھی حذف کر دی اس طرح پر اسلام اور کفر کرامت و استدراج اور تصوف و جوگ ان سب کو باہم گڈمڈ کر کے رکھدیا۔

لیکن اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے علماء ربانی اور مشائخ حقانی کو انھوں نے ابلیس کی اس تلبیس کو محسوس کیا اور یہ سمجھا کہ کہ عوام کالانعام کے لئے اسکا یہ ایک خوشنما جال ہے لوگ اس میں پھنسیں گے یعنی طریقت کو لذیذ اور آسان سمجھکر لے لیں گے اور شریعت کو دشوار اور ایک وادی پر خار سمجھکر ترک کردیں گے اسلئے ان حضرات نے (اللہ تعالیٰ انکی سعی کو مشکور فرمائے) ہر زمانے میں لوگوں کو اس فریب سے نکالنے کے لئے پوری جد وجہد فرمائی چنانچہ ولایت کا اثبات نہایت محکم دلائل سے فرمایا۔ نیز ولی کی تعریف کتاب وسنت سے فرمائی تاکہ لوگ ولی اور غیر ولی میں تمیز کرسکیں پھر شیخ کامل کی علامات بیان فرمائیں تاکہ لوگ کامل و ناقص میں فرق کریں۔ نیز تاثیر صحبت اور خوارق وکرامات پر مفصل کلام کیا اس طور پر گویا علم تصوف کو ایک مستقل فن بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا جسکا ہر مسئلہ براہین سے مبرہن اور شواہد سے مؤید تھا۔

ولایت کا مسئلہ چونکہ دین کا ایک اہم بنیادی مسئلہ ہے اسلئے علماء عقائد نے بھی اسکو عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے اور اس پر مفصل گفتگو فرمائی ہے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج یہ مسائل صرف کتابوں ہی میں لکھے ہیں۔ لیکن عمل اور ذکر کے درجہ میں آج علماء کے یہاں بھی یہ باقی نہیں ہے اور خواص

بلکہ اسکے ذکر سے خالی ہیں تا بعوام چہ رسد۔ جب ان چیزوں کو بیان ہی نہ کیا جاوے گا تو لوگوں کو انکا علم کیسے ہو جائے گا؟ ظاہر ہے کہ لوگ جہالت ہی میں پڑے رہیں گے

سلسلۂ چشتیہ کے متعلق غلط فہمی

چنانچہ اسی جہالت کے متعلق حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ السنۃ الجلیلہ کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مدت سے عام لوگوں کے ذہن میں یہ خیال بسا ہوا ہے کہ حضرات صوفیہ میں عموماً اور چشتیہ میں خصوصاً شریعت کا اتباع نہیں ہوتا یا کم ہوتا ہے اور اس خیال سے دو مفسدے پیدا ہوتے ہیں ایک ان حضرات کے معتقدین میں دوسرا غیر معتقدین میں۔ معتقدین میں تو یہ مفسدہ ہوتا ہے کہ انکے اعتقاد میں خود شریعت ہی کا اتباع اس خیال سے ضروری نہیں ہا کہ اگر ضروری ہوتا تو یہ حضرات (مشائخ) بھی متبع شریعت ہوتے۔ اور غیر معتقدین میں یہ مفسدہ ہوتا ہے کہ انکے اعتقاد میں شریعت تو واجب الاتباع ہے مگر چونکہ یہ حضرات انکے زعم میں متبع شریعت نہیں ہیں اسلئے وہ ان حضرات کی شان میں گستاخی کرنے لگے۔ اول مفسدہ تو سرحد کفر سے ملا ہوا ہے اور اسمیں جحود اور انکار شریعت مقدسہ کا جس کا وجوب نصوص قطعیہ سے ثابت ہے (قال اللہ تعالیٰ: ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا) (ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کردیا سو آپ اسی طریقہ پر چلے جائیے)۔

دوسرا مفسدہ گو کفر نہیں مگر درجۂ بدعت شنیعہ و معصیت قطعیہ تک یقیناً پہونچا ہوا ہے کہ بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل مقبولان الٰہی سے بدگمانی اور انکی شان میں بدزبانی ہے جو کہ نصوص کے خلاف ہے

اور نصوص کے خلاف عمل اگر شبہہ سے ہے تو بدعت ورنہ معصیت وفسق بلا شبہہ ہے۔ (السنۃ الجلیلہ)

اور اسی جہالت کو دور فرمانے اور ولی

ولایت کا خاصہ لازمہ

اور ولایت سے متعلق ابلیس کی پھیلائی ہوئی گمراہی کا سد باب کرنے کے لئے علامہ نسفی نے ولی کی تعریف کرنے کے بعد آگے اسکا ایک خاصہ لازمہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وَلَنْ یَکُوْنَ وَلِیًّا اِلَّا وَاَنْ یَکُوْنَ مُحِقًّا فِیْ دِیَانَتِہٖ یعنی کوئی شخص بغیر اسکے کہ وہ اپنی دیانت میں محق (سچا) ہو عند اللہ ولی نہیں ہوسکتا۔ پھر آگے شارح رحمۃ اللہ علیہ دیانت کی شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دیانتہ الاقرار بالقلب واللسان برسالۃ رسولہ مع الطاعۃ لہ فی اوامرہ ونواھیہ حتی لوادعی ھذا الولی الاستقلال بنفسہ وعدم المتابعۃ لم یکن ولیًّا یعنی ولی کی دیانت سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قلب سے تصدیق کرتا ہو اور زبان سے انکی رسالت کا مقر ومعترف ہو اور جملہ اوامر ونواہی میں آپ کا مطیع ومنقاد ہو۔ چنانچہ اس ولی نے اگر خود اپنے مستقل ہونے کا یعنی رسول کے اتباع کی جانب اپنے عدم احتیاج کا دعویٰ اپنی زبان سے کیا تو یہ شخص ولی کیا مسلمان بھی نہیں ہے (اور اگر زبان سے تو دعوےٰ نہیں کیا مگر عمل سے خود کو مستقل سمجھے ہوئے ہے تب بھی یہ فسق ہے)

غرض علماء نے ہر دور میں امت سے گمراہی دور کرنے کی سعی کی ہے اور دین کو غیر دین سے ممتاز کرکے طریق کو انکے سامنے واضح کیا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی علامہ نسفیؒ نے ولی کا جو خاصہ لازمہ بیان فرمایا ہے اس سے بھی یہی مقصود ہے۔ اسکی کچھ مزید توضیح کرنا چاہتا ہوں

یعنی اسکے لفظوں کی عام فہم شرح کرتا ہوں تاکہ اس خاصہ کے بیان کرنے کی غرض عام لوگوں کی سمجھ میں آجاوے ورنہ تو شارح نے جو اسکی شرح فرمائی ہے وہ اپنی جگہ بہت ہی عمدہ اور نہایت محققانہ ہے۔

دیانت کی تعریف

دین کا مفہوم تو ظاہر ہی ہے کہ یہی نماز روزہ اور دیگر طاعات وعبادات وغیرہ کو دین کہا جاتا ہے اور دیانت کے معنی تدین کے ہیں یعنی امور دین کے ساتھ خود کو متصف کرلینا۔ اسی طرح سے محق کے معنی حق اور صدق والے کے ہیں۔ اسکے مقابل مبطل بولا جاتا ہے۔ پس مولف نے ولی کے متعلق یہ جو فرمایا کہ ولی وہی شخص ہوگا جو اپنی دیانت میں محق ہو تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ دین کے جو طریقے وہ اختیار کئے ہوئے ہے اور جن ریاضات و مجاہدات کو ذریعہ قرب سمجھے ہوئے ہے ان میں وہ حق پر ہو یعنی اسکا وہ طریقہ سنت اور شریعت کے مطابق ہو اس توضیح سے مقصد مولف کا یہی ہے کہ اور دوسرے مذاہب کے لوگ اپنے طریقہ سے ریاضات و مجاہدات کرکے خدا کا تقرب حاصل کرنا چاہیں گے تو ہوسکتا ہے کہ عوام انکی ظاہری ریاضات کو دیکھکر ان پر ولایت کا شبہہ کرنے لگیں حالانکہ وہ عنداللہ ولی نہیں ہیں۔ پس ان اہل باطل اور اہل ہوس سے لوگوں کو بچانے کے لیئے یہ خاصہ لازمہ کلی بیان فرمادیا کہ ہر مدعیٔ ولایت ولی نہ ہوجائے گا بلکہ اسکے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنی دیانت ریاضت میں محق ہو۔ بعنوان دیگر گویا یہ فرمایا کہ طریقت وہی معتبر ہے جو شریعت کے تابع ہو۔ اور محققین فرماتے ہیں کہ تصوف کتاب وسنت ہی کی شرح اور اسکے نتیجے کا نام ہے۔

حقیقی تصوف

چنانچہ مولف کتاب "حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ" اپنی کتاب کے باب ششم میں "حقیقی تصوف کی حمایت" کے عنوان کے تحت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے مسلک اور خیالات کی ترجمانی اس طور پر کرتے ہیں کہ انکی خدمات اور عقائد کا نچوڑ یہ ہے کہ:-

"حقیقی تصوف اسلام کی روح اور ایمان کی جان ہے اسکی اساس و بنیاد سنت و شریعت ہے۔ مسخ شدہ تصوف کا رد و انکار جس قدر ضروری ہے حقیقی تصوف کی حمایت اسی قدر لازمی ہے"

(۲) صوفیۂ صافیہ اسلام کی دینی تاریخ میں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں۔ (چنانچہ ایک مقام پر شیخؒ فرماتے ہیں کہ:-

"اصل عنوان صوفیہ مرتبۂ عظیم و مقامے رفیع و مسلک طریق مستقیم است"

یعنی صوفیہ کا نام ہی ضمانت ہے اس امر کی کہ یہ حضرات عظیم المرتبت ہیں اور بلند درجات والے ہیں اور انکا مسلک اور طور طریقہ بالکل صراط مستقیم یعنی دین قدیم ہے وہ حضرات مقتبسان انوار سنت اور کاشفان سر حقیقت ہیں۔ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ قرآن و حدیث کے بعد سب سے زیادہ ادب و احترام کے قابل ہے، اسلئے کہ اسکا ایک ایک حرف اس ذہن کی پیداوار ہے جس پر قرآن و حدیث کا رنگ خوب رچ چکا تھا۔ چنانچہ شیخؒ فرماتے ہیں کہ:-

"اگرچہ علم تفسیر و حدیث بالذات برہمہ مقدم است اما در حقیقت تصوف تفسیر کتاب خدا و شرح سنت رسول و مدلول و نتیجہ آنہا ست"

یعنی اگرچہ علم تفسیر و حدیث جملہ علوم و فنون پر مقدم ہے تاہم حقیقت کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو تصوف کوئی علحدہ چیز نہیں ہے بلکہ کتاب اللہ کی تفسیر اور سنت رسول کی شرح اور اسی کا مدلول اور نتیجہ ہے

(۳) شریعت و طریقت میں فرق کرنا گمراہی کی دلیل ہے جو لوگ شریعت پر عامل نہیں وہ صوفیہ کہلانے کے مستحق نہیں : انھیں باطنیہ یا حشویہ کہنا چاہیئے بزرگوں سے انکی نسبت صحیح نہیں شیخ فرماتے ہیں :-

"حاشا للہ کہ ایشاں را با پیراں نسبتے و پیراں را با ایشاں عنایتے باشد پیراں اہل حق اند و از ارباب صدق، از اہل بطلان و کذب کے راضی شوند

خدا بچائے - ایسے لوگوں کو بھلا پیران عظام سے اور خود حضرات مشائخ کو ان سے کیا نسبت اور انکے حال پر انکو کیا عنایت ہوسکتی ہے مشائخ تو اہل حق اور ارباب صدق میں سے ہیں وہ لوگ بھلا اہل باطل سے اور وہ بھی بذریعہ جھوٹ کے کب راضی ہونیوالے ہیں شیخ محدث کا اعتقاد تھا کہ

"كُلُّ حَقِيْقَةٍ رَدَّتْهَا الشَّرِيْعَةُ فَهِيَ زَنْدَقَةٌ"

جو حقیقت کہ شریعت اسکو رد کر دے زندقہ، ضلالت و گمراہی ہے

(حیات شیخ عبدالحق ؒ ص۲۹۶)

تحقیق کرامت پس علماء کی ان تصریحات کے پیش کرنے سے غرض یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ حقیقی تصوف کی اساس و بنیاد سنت و شریعت ہی ہے اور صوفی کو اس راہ میں جو کچھ ملتا ہے وہ اتباع صادق ہی سے ملتا ہے - چنانچہ

علامہ شعرانیؒ بھی اپنی کتاب "الیواقیت والجواہر" میں کرامات اولیاء کے مبحث میں لکھتے ہیں کہ :-

نحن مع الرسل فی خرق العوائد اللتی یختص بھا وورثنا ھم فیھا بحکم صدق التبعیة لاغیر۔ (الیواقیت ص ۱۲۹ ج ۲)	رسولوں کے ساتھ ہمارا معاملہ ان خوارق میں جو ان کے ساتھ مخصوص تھے اور جنھیں ہم نے ان سے وراثۃً پایا ہے یہ ہے کہ ہم نے اسکو انکی سچی اتباع ہی کی بدولت پایا ہے ۔

اسی طرح سے ایک اور مقام پر فرماتے ہیں

وتقدم فی مبحث المعجزات تقیید قولھم ما کان معجزات لنبی جاز ان یکون کرامة لولی بما اذا اظھر الولی الکرامة بحکم التبع لا بحکم الاستقلال من غیر اتباع للشارع ۔ (الیواقیت ص ۱۲۶ ج ۲)	پہلے معجزات کی بحث میں یہ بات گذرچکی ہے کہ مشائخ کا یہ قول جو مشہور ہے کہ جو چیز کسی نبی سے معجزۃً صادر ہو تو جائز ہے کہ وہی چیز ولی سے بطور کرامت کے صادر ہو تو یہ اس قید کے ساتھ خاص ہے جبکہ ولی سے وہ کرامت نبی کی اتباع کیوجہ سے صادر ہو یعنی بطور استقلال کے نہو اور استقلال کا مطلب یہ کہ وہ متبع شریعت نہو ۔

دیکھئے علماء کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ جس طرح ولایت مستقل چیز نہیں ہے اور ولی مستقل نہیں ہوتا اسی طرح سے کرامت بھی مستقل نہیں ہے اور جس طرح سے ولایت نبوت کے تابع ہے اسی طرح سے کرامت بھی معجزہ کی فرع ہے نہ تو ولی مستقل ہے نہ ولایت اور نہ اسکی کرامت ۔ (جاری)

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

اسبابُ الغفلۃ

(۳)

میں مردوں کو متنبہ کرتا ہوں کہ عورتوں کی فرمائشوں کا زیادہ تر سبب انکا باہم ملنا جلنا ہے جب یہ محفلوں میں جمع ہوتی ہیں تو ایک دوسرے کو دیکھکر حرص کرتی ہیں کہ کاش میرے پاس فلاں جیسا زیور اور کپڑا ہوتا۔

میں نے ایک کورٹ انسپکٹر کو دیکھا ہے کہ انکی تنخواہ چار پانچسو روپے تھی مگر ابتداءً انکی یہ حالت تھی کہ اپنی تنخواہ کا زیادہ حصہ اپنے غریب عزیزوں پر صرف کرتے تھے بہت سے محتاجوں کی انھوں نے ماہوار تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں اور اپنے اوپر بہت کم خرچ کرتے تھے یہاں تک کہ انکے گھر میں کھانا پکانے والی کوئی ماما بھی نہ تھی بی بی اپنے ہاتھ سے گھر کا سارا کام کرتی تھی نہ بیوی کے پاس کچھ زیور تھا نہ بڑھیا کپڑے تھے۔ بیچاری اپنے ہاتھ سے آٹا تک پیستی تھی۔ آخر انکی بدلی سہارنپور ہوئی اور ایک سر رشتہ دار کے گھر کے پاس کرایہ کا مکان لیا کچھ دنوں تو وہ اسی حال میں رہے جس میں پہلے سے تھے پھر ایک دن سر رشتہ دار صاحب کے گھر والوں نے فرمائش کی کہ کورٹ انسپکٹر صاحب کی بیوی ہمارے پاس بہت دنوں سے رہتی ہیں ہمارا ان سے ملنے کو جی چاہتا ہے اول تو انھوں نے اپنی بیوی کو بھیجنے سے انکار کیا مگر اصرار کے بعد بھیجنا پڑا۔

میل جول کا اثر

اس نے یہاں آکر دیکھا کہ سررشتہ دار صاحب کی بیوی اور بچیاں سر سے پیر تک سونے کے زیوروں میں لدی ہیں اور گھر میں فرش و فروش اور ساز و سامان بہت کچھ ہے کھانا پکانے والیاں ایک چھوڑ دو تین نوکر ہیں اور بی بی صاحبہ کوئی کام اپنے ہاتھ سے نہیں کرتیں بس بیٹھی بیٹھی سب پر حکومت کرتی ہیں اب اسکی آنکھیں کھلیں کہ تنخواہ تو سررشتہ دار صاحب کی میرے میاں سے کم اور پھر انکے یہاں ایسی اجگری (رونق) ہے اور میرے میاں کی اتنی بڑی تنخواہ اور میرے اوپر نیستی برستی ہے۔ وہاں سے آتے ہی اس نے کورٹ انسپکٹر صاحب پر برسنا شروع کیا کہ تم مجھکو بہت تنگ رکھتے ہو، تم سے کم تنخواہ والوں کی بیبیاں مجھ سے اچھی حالت میں ہیں اور میں اس مصیبت میں ہوں مجھ سے کھانا نہیں پکایا جاتا نہ میں آٹا پیسوں گی، پکانے والی نوکر رکھو اور مجھے بھی زیور اور لباس عمدہ بنا کردو جیسا سررشتہ دار صاحب کی بی بی کا ہے۔ آخر بے چارے مجبور ہوئے اور سب کچھ کرنا پڑا

واقعی شیخ کامل کی صحبت ایسی ہی ہوتی ہے کہ ایک منٹ میں اپنا اثر دکھا دے تو یہ عورتیں اس بارے میں شیخ کامل ہیں کہ ذرا سی دیر میں دوسروں کو اپنا سا بنا لیتی ہیں۔

اسکے بعد وہ مجھ سے الہ آباد میں ملے تھے کہنے لگے کہ جناب شیخ کامل کی تھوڑی سی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ میری سالہا سال کی صحبت کا اثر دم بھر میں زائل ہوگیا اب نہ وہ خیرات رہی نہ صدقات ہے، ساری تنخواہ گھر ہی میں خرچ ہوتی ہے اور پھر بھی پورا نہیں ہوتا۔ بس رات دن زیوروں کی فرمائش ہے اور کپڑوں اور برتنوں کا رونا ہے۔ چنانچہ آجکل مکان بنوانے کی فرمائش کے پورا کرنے میں مشغول ہوں۔

اسی واسطے میں رائے دیتا ہوں کہ عورتوں کو آپس میں ملنے نہ دیا کرو خربوزہ سے دوسرا خربوزہ رنگ بدلتا ہے ؎

نخست موعظت پیر این طریق اینست
کہ از مصاحب ناجنس احتراز کنید

(پیر طریقت کی سب سے پہلی نصیحت یہ ہے کہ ناجنس اور برے ساتھیوں سے پرہیز کرو)

عورتوں کے عیوب بلکہ پاس رہنے کی بھی ضرورت نہیں ایک خربوزہ دوسرے خربوزہ کو دیکھکر ہی رنگ پکڑ لیتا ہے۔ ان عورتوں کی نگاہ ایسی تیز ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ کہیں محفل میں جائیں گی تو ذرا سی دیر میں سب کے زیور اور لباس فوراً نظر پڑ جائے گی اگر بیس مرد ایک جگہ بیٹھیں تو وہاں سے اٹھکر ایک دوسرے کا لباس نہیں بتلا سکتے کہ کون کیسا کپڑا پہن رہا تھا، کون کیسا؟ مگر عورتیں پانچسو بھی ہوں تو ہر ایک کو دوسری کی پوری حالت، گلے اور کان تک کا زیور سب معلوم ہو جاتا ہے۔ کچھ تو دیکھنے والی کی نگاہ تیز ہوتی ہے پھر کچھ دوسری بھی دکھلانے کا اہتمام کرتی ہے۔ ہاتھ پاؤں کا زیور تو ہر ایک کو خود ہی نظر آجاتا ہے اسکے دکھلانے میں تو اہتمام کی ضرورت نہیں البتہ گلے اور کان کا زیور ڈوپٹہ کی وجہ سے چھپا ہوتا ہے تو اسکے لئے کبھی کان کھجانے کے بہانے سے دوپٹہ کو سرکایا جاتا ہے کبھی گرمی کے بہانے سے گلا کھولا جاتا ہے تاکہ سب دیکھ لیں کہ اسکے کانوں میں اتنے زیور ہیں اور گلے میں اتنے۔

اب یہ سب کے کپڑے اور زیور دیکھ بھال کر گھر آئیں تو خاوند کو پریشان کرنا شروع کیا کہ ہمیں بھی ایسا ہی بنا کر دو۔

اور غضب یہ کہ اگر وہ زیور جو دوسری کے پاس دیکھا ہے اپنے پاس بھی ہو لیکن دوسرے نمونہ کا ہو تب بھی پریشان کرتی ہیں کہ یہ بھدا بنا ہوا ہے، فلانی کا نمونہ اچھا ہے۔ ویسا بنوا دو۔ اب اگر خاوند ہزار کہے کہ اس میں پہلی گڑھائی کا نقصان ہے اور دوسری گڑھائی خوامخواہ ذرا سے نمونہ کے واسطے دینی پڑے گی تو ایک نہیں سنیں گی۔

حالانکہ عقلاء نے زیور کی تجویز اسلئے نکالی ہے کہ یہ نقد کی قید ہے کہ اس سے رقم محفوظ ہو جاتی ہے یعنی مثلاً اگر ہمکو کسی وقت چارآنہ کی ضرورت ہو تو اسکے لئے روپیہ تو توڑالیں گے مگر پانچ سو روپئے کی چوڑیوں کو فروخت نہیں کر سکتے تو روپیہ اکثر جمع نہیں رہ سکتا اور زیور سے رقم محفوظ ہو جاتی ہے۔

یہ ہے اصلی غرض زیور سے یہی وجہ ہے کہ قصبات میں زیور زیادہ ہوتا ہے کیونکہ دیہاتی لوگ بینک وغیرہ میں رکھنا نہیں جانتے اور جب یہ غرض ہے تو اسکا خوبصورت اور بدصورت ہونا کیسا بلکہ اس غرض کے لئے تو اور بھدا بنوا کر پہننا چاہیئے تاکہ کسی کی نگاہ اسپر نہ اٹھے اور کوئی لاگو نہ ہو جاوے اور اگر بھدا بھی نہ ہو تو خیر پہلی دفعہ خوبصورت بنوالو پھر جیسا بن جاوے اس پر اکتفا کرلو۔ بار بار توڑ پھوڑ میں علاوہ گڑھائی ضائع ہونے کے خود سونا بھی ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ سنار ہر دفعہ اس میں کچھ نہ کچھ کھوٹ ضرور ملاتے ہیں جس سے دو تین دفعہ میں زیور کی مالیت آدھی رہ جاتی ہے مگر عورتوں کی بلا سے وہ جانتی ہیں کہ مزدور لا لاکر دے گا جو چاہے فرمائش کرلو۔ پھر اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مجبوراً خاوند کو رشوت لینی پڑتی ہے تو اکثر رشوت لینے کا سبب یہ عورتیں ہی ہوتی ہیں تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ کمانے میں سارا گناہ

مرد کو ہوتا ہے بلکہ یہ بھی اسکے ساتھ عذاب بھگتیں گی۔

عورتوں میں ایک یہ بھی قاعدہ ہے کہ جب مرد سفر سے آئے تو اسکی لیاقت یہ ہے کہ انکے واسطے کچھ سوغات ضرور لیکر آئے اور جو رقم دے گیا تھا اسکا حساب کتاب کچھ نہ لے اور اگر کوئی مرد حساب لیتا ہو کہ میں اتنا دے گیا تھا وہ کہاں خرچ ہوگیا تو اس پر فتویٰ لگتا ہے کہ یہ مرد بہت برا ہے ذرا ذرا سی چیز کا حساب لیتا ہے۔ بس انکے یہاں سب سے اچھا وہ ہے جو بالکل زن مرید ہو کہ جو بیوی نے کہا فوراً پورا کردیا۔ اور رقم دے کر کچھ نہ پوچھے کہ تم نے کہاں خرچ کیا۔ اور یہ ساری خرابی حب مال کی بدولت ہے جو عورتوں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ یہ تو آمدنی کے متعلق انکے گناہ تھے۔

اب رہے حفاظت کے متعلق سو انکی تفصیل یہ ہے کہ اول تو اکثر عورتیں زکوٰۃ نہیں دیتیں کیونکہ روپیہ خرچ ہوگا۔ بعض زیور کی زکوٰۃ نہ مرد دیتا ہے نہ عورت۔ مرد کہہ دیتا ہے کہ زیور عورت کا ہے اور عورت کہہ دیتی ہے کہ زیور مرد کا ہے میں کیوں زکوٰۃ دوں جس کا مال ہے وہ خود دے مگر اس بہانے سے خدا کے یہاں نہیں چھوٹ سکتے آخر دونوں میں سے کسی کا تو ہے ہی بس اسی کے ذمہ زکوٰۃ ہے اور اگر دونوں کا ہے تو ہر ایک اپنے حصہ کی زکوٰۃ ادا کرے اور اگر واقعی نہ اسکا ہے نہ اسکا تو پھر یہ مال خدا کا ہے اسکو وقف کے مصارف میں کسی مسجد یا مدرسہ میں لگادینا چاہئے یا غریبوں کو بانٹ دینا چاہیئے۔

بعضی عورتیں مرد سے چھپا کر روپیہ جوڑا کرتی ہیں اس خیال سے کہ شاید مرد پہلے مرجاوے تو یہ رقم بعد میں میرے کام آئیگی۔ اب اگر مثلاً چالیس روپیہ ماہوار دیئے گئے تو اس میں بیس خرچ کرتی ہیں اور بیس کو اٹھا کر جمع رکھتی ہیں (پھر اگر اتفاق سے مرد پہلے مرجاوے

تو یہ جمع خالص انھیں کے پاس رہتی ہے اسکی کسی کو خبر نہیں کرتیں یاد رکھو یہ ناجائز ہے اگر کچھ جمع کرنا ہو تو مرد کو اسکی اطلاع کردو اور اس سے یہ رقم مرض موت سے پہلے اپنے نام ہبہ کروالو اس طرح تو یہ رقم تمھاری ملک ہو جاوے گی ورنہ اس میں سب وارثوں کا حق ہے اور تنہا عورت کو اسکا مالک بننا حرام ہے۔

بعضی عورتیں رقمیں جوڑ جوڑ کر خاوند سے چھپا کر اپنے گھر والوں کے بھرا کرتی ہیں کسی بہانہ سے باپ کو دیدیا۔ کسی بہانہ سے ماں بہن کو دیدیا یہ کھلی سخت گناہ ہے۔ مرد کے مال میں عورت کے عزیزوں کا شرعاً کوئی حق نہیں اگر انکو دینا ہو تو مرد سے پوچھکر دینا چاہیئے۔ اور اگر تم پوچھو گی تو مرد ایسے عالی حوصلہ ہوتے ہیں کہ ضرورت کے موافق دینے دلانے سے اکثر انکار نہ کریں گے۔ خاوند جو مال عورت کو بطور ملک کے دے ڈالے اس میں سے بلا اجازت صرف کرنا تو عورتوں کو جائز ہے اور جو مال اسکو نہ کرے بلکہ گھر کے خرچ کے واسطے دے یا جمع کرنے کے لئے دے اس میں سے بلا اجازت صرف کرنا ہرگز جائز نہیں حتیٰ کہ سائل کو دینا بھی جائز نہیں (ہاں اگر اس نے اجازت دے رکھی ہو کہ تھوڑا بہت سائلوں کو دیدیا کرو تو اسوقت اتنی مقدار کا دینا جائز ہے جو عرفاً سائلوں کو دی جایا کرتی ہے)

میں نے دیکھا ہے کہ عورتیں چندہ کے بارے میں

عورتیں اور چندہ سخی ہوتی ہیں جہاں انھوں نے صدقہ کے فضائل کسی کے وعظ میں سنے اور زیور نکالنا شروع کیا تو یاد رکھو جو زیور خاص تمھاری ملک ہو اس میں سے دینے کا تو مضائقہ نہیں مگر جو زیور شوہر نے محض پہننے کے لئے دیا ہو اسکو چندہ میں دینا بدون خاوند کی اجازت کے جائز نہیں مگر عورتیں اس باب میں بہت سخی ہیں اور لینے والے بھی اسکی پرواہ نہیں کرتے، بلکہ قصداً عورتوں میں اسلئے وعظ کہتے ہیں تاکہ زیور وصول ہو۔

میں نے ایک مرتبہ اپنے یہاں مستورات میں چندہ بلقان کے لئے وعظ کہا تو یہ کہدیا تھا کہ عورتوں سے زیور نہ لینگے اور اگر کوئی مرد زیور لایا تو اس میں خوب کھود کرید کی کہ یہ زیور تمھاری ملک ہے یا بیوی کی اور اگر بیوی کی ہے تو اس نے خوشی سے دیا ہے یا تمھارے کہنے سے اور اگر اس نے از خود دیا ہے تو تمھاری بھی رائے ہے یا نہیں جب اچھی طرح معلوم ہو جاتا کہ میاں بیوی دونوں کی رضامندی سے دیا جا رہا ہے اسوقت قبول کیا جاتا۔

عورتیں بعض دفعہ خاوند کے مال میں تصرف کرتے ہوئے یہ سمجھتی ہیں کہ وہ اجازت دے دے گا اور بعض دفعہ وہ خاموش ہو بھی جاتا ہے مگر بعض مرتبہ خوب خفا ہوتا ہے اور میاں بیوی میں اچھی طرح تو تو میں میں ہوتی ہے کانپور میں ایک دفعہ ایک بی بی نے مراد آبادی حصہ ایک مدرسہ کے جلسہ میں عاریتًا دے دیا خاوند نے بے حد سختی کی۔ غرض جب تک اجازت صراحۃً نہو یا ظن غالب نہو اس وقت تک عورتوں کو چندہ میں کچھ نہ دینا چاہیئے اور یہ تو اس صورت میں تفصیل ہے کہ خاوند کا مال دیا جائے۔

خاوند سے مشورے کی ضرورت اگر خاص عورت ہی کا مال ہے تو گو اس میں اجازت خاوند کی ضرور نہیں مگر اس سے مشورہ کر لینا ضرور چاہیئے۔ نسائی میں ایک حدیث ہے

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لَا یَجُوْزُ لِامْرَأَۃٍ هِبَۃٌ فِیْ مَالِھَا اِذَا مَلَکَ زَوْجُھَا عِصْمَتَھَا اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِھَا

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح کے بعد عورت کو اپنے مال میں سے ہبہ کرنا بدون اجازت زوج کے جائز نہیں۔ اس میں بعض علماء نے اضافت بادنی ملابست مانی ہے اور مالھا سے مراد مال زوج لیا ہے لیکن اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد

اس پر محمول کیا جاوے کہ عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں اگر یہ اپنے مال میں خود مختار ہونگی تو نہ معلوم کہاں کہاں روپیہ برباد کرینگی اسلئے آپ ناقص العقل طبقہ کو حکم فرماتے ہیں کہ تم اپنے مال میں بھی جو تصرف کرو اس میں اپنے مرد سے مشورہ کرلیا کرو، تو یہ بات جی کو لگتی ہے اور بڑی مصلحت یہ ہے کہ اس طرح برتاؤ کرنے میں میاں بیوی میں اتحاد بڑھتا ہے اور مرد کو عورت سے محبت زیادہ ہوتی ہے کہ اسکو مجھ سے اتنا تعلق ہے کہ اپنے مال میں بھی کوئی کام بغیر میرے مشورے کے نہیں کرتی۔ اور اگر عورت اپنی جمع کو الگ رکھکر آئیں اپنی رائے سے تصرف کرے تو اس صورت میں ایک قسم کی اجنبیت معلوم ہوتی ہے اس وجہ سے میرے نزدیک حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے اور مالہا سے مال زوج مراد لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔

قلت قال السندی فی تعلیقہ علی النسائی وھو عند اکثر العلماء علی معنی حسن العشرۃ واستطابۃ نفس الزوج واخذ مالک بظاھرہ فی ما زاد علی الثلث)

توجب اس تفسیر کی بناء پر عورت کو اپنے مال میں بھی مرد سے مشورہ لینے کی ضرورت ہے تو شوہر کے مال میں تو کیسے ضرورت نہ ہوگی۔ البتہ اگر کوئی ایسی معمولی چیز ہو جس میں غالب احتمال اجازت کا ہو تو خیر۔ اور یہ بھی سائلوں کو دینے کے متعلق ہے جب معمولی چیز دینے کے متعلق بھی اتنی احتیاط شرط ہے کہ غالب ظن اجازت کا ہو تو بھلا باپ، ماں اور بہن بھائی کا گھر بھرنے کی کب اجازت ہوگی کیونکہ انکو تو معمولی چیزیں نہیں دی جاتیں، انکو ایک روٹی یا روٹی کا ٹکڑا کون دیتا ہے۔ وہاں تو نقد روپے یا کپڑوں کے جوڑے بھیجے جاتے ہیں جسمیں غالب ظن یہ ہے کہ خاوند کو اطلاع ہو تو شاید اسے ناگوار ہو اور اسی وجہ سے اپنے عزیزوں کو عورتیں خفیہ خفیہ بھرتی ہیں اور خاوند کو ذرا بھی خبر نہیں ہونے دیتیں جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ غریب جتنا کچھ کماتا ہے سب دوسروں کو لگ جاتا ہے۔ (جاری)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کتاب الدر المنضود ترجمۃ البحر المورود
الملقب بوصیت مشائخ

حصہ دوم

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدی وروحی سید الاولین والاٰخرین نبینا وشفیعنا حبیب اللہ ورسولہ محمد ختم المرسلین مراد العاشقین ومرام المشتاقین وقرۃ عیون المسلمین صلی اللہ تعالیٰ وسلم علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وعترتہ الطاہرین الطیبین صلوٰۃ وسلامًا دائمین متلازمین کما یحب ویرضٰی ربنا اٰمین۔ اما بعد

یہ محتاج رحمت رب احد احقر الوریٰ بندہ ظفر احمد عرض کرتا ہے کہ سنہ ۱۳۲۸ ہجری میں جب یہ احقر حرمین شریفین زادہما اللہ شرفًا وکرامۃ کی زیارت سے مشرف ہوا تو بعض اوقات خدمت بابرکت حضرت سیدی مولانا محب[1] الدین صاحب مہاجر مکی دامت برکاتہم میں حاضری کا

[1] یہ بزرگ حضرت قطب العالم سیدی حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہٗ کے خلفاء میں سے ہیں۔

موقع ملتا تھا اور حضرت مولانا بھی اس احقر کے حال پر توجہ فرماتے تھے ایک بار غایت شفقت سے فرمایا کہ تو نے علامہ شعرانیؒ کی کتاب عہود محمدیہ کا بھی مطالعہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ حضرتؒ کبھی نہیں نام بھی آج ہی سن رہا ہوں۔ فرمایا کہ اسکا مطالعہ جماعت اہل دیوبند کے ہر فرد کو ضروری ہے جو اتباع سنت کے دلدادہ ہیں۔ چنانچہ احقر نے کتاب موصوف کو خرید کر مطالعہ کیا واقعی اس کتاب میں اتباع سنت کی ترغیب جس عمدہ پیرایہ میں دی گئی ہے بہت کم کسی کتاب میں نظر سے گذری ہے۔ علامہ شعرانیؒ نے اس کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو عہد و وصیت کے پیرایہ میں بیان کیا ہے پھر اپنے مشائخ وائمہ طریق کے کلام سے اسکی شرح فرمائی جس سے تعلیم نبوی کی حقیقت بخوبی منکشف ہوجاتی ہے اور ہر عہد کے اخیر میں بہت سی احادیث نقل فرمادی ہیں۔

عہود محمدیہ کے حاشیہ پر ایک دوسری کتاب البحر المورود چڑھی ہوئی ہے وہ بھی علامہ موصوف ہی کی تصنیف ہے اسمیں وہ وصیتیں اور معاہدے جمع کئے ہیں جو انکے مشائخ نے ان سے لئے تھے۔ میں کیا کہوں کہ وہ معاہدے کیسے عجیب وغریب ہیں، انکو دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کیا چیز ہے؟ اور حقیقت کس کو کہتے ہیں؟ نیز ان سے صوفیہ کرام کا طریقہ تربیت بھی واضح ہوتا ہے کہ کتنا پاکیزہ راستہ ہے اور ان لوگوں کی غلطی بھی کھل جاتی ہے جو شریعت وطریقت کو الگ الگ دو چیزیں سمجھتے ہیں اس کتاب سے یہ بات بھی معلوم ہوجائے گی کہ صوفیہ کرام کو تزکیۂ اخلاق و درستی معاملات ومعاشرات وآداب ومصالح عباد وانتظام امور کا کس درجہ اہتمام تھا نیز یہ بھی معلوم ہوگا کہ یہ حضرات کیسے بیدار مغز ہوتے ہیں نفس کے

امراض اور شیطان کے فریبوں کو کس خوبی سے سمجھتے اور بیان کرتے ہیں اور طالبان سلوک کے اخلاق و عادات، معاملات و معاشرت کی اصلاح کس طرح عہد لیکر وصیت کرکے فرماتے ہیں۔

آجکل لوگوں نے تصوف صرف اسی کا نام سمجھ رکھا ہے کہ کہ اوراد و اشغال کی کثرت کرلی جائے، تسبیحیں اور نوافل زیادہ پڑھ لی جائیں، پاس انفاس وغیرہ کی مشق ہو جائے، انوار و انکشافات ہونے لگیں، دل جاری ہوگیا تو بس مدعائے تصوف حاصل ہوگیا حالانکہ تصوف کے لئے ایسی بیداری کی کلی ضرورت ہے جسکے بعد کسی کو زبان ہاتھ وغیرہ سے ایذاء نہ پہنچے۔ ہر کام کے ایسے انتظام کی ضرورت ہے جس سے دل کو تمام الجھنوں سے نجات ہوکر جمعیت و یکسوئی کے ساتھ مشاہدۂ جمال حقیقی نصیب ہو۔ ان اخلاق کی کلی حاجت ہے جن سے دربار الٰہی کی پاک جماعت اور منزہ مجلس میں شامل ہونے کی قابلیت پیدا ہو کیونکہ مرتبۂ احسان جس کو حصول نسبت سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ خاص صدیقین اور اولیاء صالحین کا مقام ہے اس مقام پر وہی فائز ہو سکتا ہے جو تزکیہ اخلاق وغیرہ سے انکی طرح پاک و صاف ہو چکا ہو گندہ اور ناپسندیدہ اخلاق کے ساتھ اس مجلس میں باریابی مشکل ہے۔ پھر جو شخص ایسے اعلیٰ و برتر مقصود کا جس کے سامنے واللہ العظیم ہفت اقلیم کی سلطنت بکلی گرد ہے طالب ہو اور اسکے احوال و اقوال و افعال پر گرفت کیجائے وہ بکلی اگریوں کہے کہ شیخ بہت سختی کرتے ہیں ذرا ذرا سی بات پر مواخذہ کرتے ہیں تو حیرت و تعجب کا مقام ہے ان صاحبوں کو شرمانا چاہیئے کہ عاشقان مجازی ایک فانی صورت کی محبت میں کیسی کیسی سختیاں اور تکالیف عمر بھر جھیلتے ہیں تو کیا جمال حقیقی کا طالب چندروز

بھی شیخ کی سختی کو برداشت کرے تو پھر ایسے انوکھے محبوب کے طالب ہی کیوں بنتے ہو اپنے گھر راحت و آرام سے بیٹھے ہوتے ؎

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

(لیلیٰ کی منزل کے راستہ میں جان کیلئے بڑے بڑے خطرات ہیں اسلئے اگر وہاں تک پہونچنے کا شوق ہے تو یاد رکھو کہ اس راہ میں پہلا قدم رکھنے کیلئے یہ شرط ہے کہ تم مجنوں بن جاؤ) اگر اس راستہ میں قدم رکھنا ہے تو سب سے اول اپنے ارادہ و اختیار و عزت و جاہ کو فنا کر دینا چاہیئے اور اس بات کیلئے تیار رہو جانا چاہیئے کہ اگر بر سر راہ بھی جوتیاں ماری جائیں تو دل میں تغیر اور ابروؤں پر بل نہ پڑے۔ یاد رکھو بسا اوقات نفس سمجھتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ میرے اندر کبر و عجب و اخلاق رذیلہ نہیں رہے مگر امتحان کے وقت اسکی حقیقت کھل جاتی ہے کہ یہ سب جھوٹے دعوے تھے تو کیا شیخ اسکا امتحان بھی نہ کرے اور امتحان کے بعد اسکی اصلاح بھی نہ کرے اگر خدا کے طالب بنکر بھی یہی چاہتے ہو تو طلب کا نام کیوں لیا کس نے تمہاری خوشامد کی خوش خوش اپنے گھر رہو اور کبھی کسی شیخ کے پاس جانے کا نام نہ لو۔ شیخ جو کچھ کرتا ہے تمہارے ہی بھلے کو تمہارے ہی نفع کے لئے کرتا ہے پس اس راستہ میں قدم رکھنے سے پہلے سرمدؒ کی یہ رباعی پیش نظر کر لینی چاہیئے ؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد — یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن بہ رضائے دوست می باید داد — یا قطع نظر ز یار می باید کرد

(سرمدؒ گلہ اور شکوہ ختم کرکے ان دو کاموں میں سے ایک کام کرنا چاہیئے یا تو جسم و جان، تن بدن دوست کی رضا و خوشنودی میں قربان کردو

اور اگر اسکا حوصلہ نہیں ہے تو پھر دوست سے بالکل قطع نظر کرکے عشق و محبت کے دعوے ہی سے دست بردار ہوجانا چاہیئے
البحر المورود کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ مشائخ صوفیہ نے طالبین سے کیسی ذرا ذرا سی باتوں کا عہد لیا ہے مگر وہ حقیقت میں ذرا سی نہیں ہیں اسکے نتائج بہت قیمتی ہیں۔ اور کیسی خفیف خفیف باتوں پر موا خذہ کیا ہے جو ظاہر میں ہلکی معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں بہت زہریلا مادہ ہے ان باتوں کو دیکھکر روز روشن کی طرح واضح ہوجائے گا کہ سچا اور مقبول سلف طریقۂ تصوف وہی ہے جس کو آج خدا کی ایک خاص برگزیدہ جماعت نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔
میں نے چاہا تھا کہ اول عہود محمدیہ کا ترجمہ احباب کے سامنے پیش کروں مگر ایک بار حضرت حکیم الامت دام مجدہم کے سامنے جو یہ ارادہ عرض کیا تو فرمایا عہود محمدیہ بڑی کتاب ہے اسکے ترجمہ میں بہت زمانہ صرف ہوگا میری رائے میں پہلے البحر المورود کا کا ترجمہ کرنا چاہیئے کہ وہ چھوٹی کتاب ہے اور عام لوگوں کے لئے زیادہ نافع بھی ہے۔ اس لئے بنام خدا اول اسکا ترجمہ شروع کیا میرا جی نہ چاہا کہ ان قیمتی اور انمول جواہر سے اپنے احباب کی ضیافت نہ کروں، اسلئے اپنی وسعت کے موافق عام فہم اردو زبان میں ترجمہ کرکے پیش کرتا ہوں حق تعالے قبول فرمائیں اور مجھے اور سب مسلمانوں کو اس سے منتفع فرمائیں۔ جس جگہ مجھکو شبہ ہوگا اپنے بزرگوں سے اسکو حل کرکے لکھوں گا۔ اسکے بعد بھی کوئی غلطی رہے تو ناظرین میں جس کو معلوم ہو جائے مطلع فرمادیں۔
کہیں کہیں بین القوسین کچھ عبارت توضیح مقصود کیلئے

بڑھادی ہے وہ مترجم کی طرف سے ہے اگر کہیں اختصار یا یا خلاصہ کیا جائے گا تو اسکی اطلاع حاشیہ میں کردی جائیگی اس ترجمہ کا نام " الدر المنضود من البحر المورود الملقب وصیۃ مشائخ " رکھتا ہوں، حق تعالیٰ شانہ اسکو میرے لئے ذریعۂ نجات بنادیں اور خاص اپنی ذات کے لئے اس عمل کو قبول فرمائیں اور غوائل نفس سے محفوظ رکھیں۔ آمین۔

میں اپنی ناچیز خدمت کو اعلیٰ حضرت سیدی سندی مرشدی ومولائی قطب العارفین ظل اللہ علی العالمین مولانا خلیل احمد صاحب لازال ظلال جلالہ وجمالہ علی رؤس الطالبین کی بارگاہ عالی میں بطور نذر کے پیش کرتا ہوں، گر قبول افتد زہے عز وشرف والحمد للہ اولاً وآخراً وظاہراً وباطناً۔

سہولت کے لئے کتاب کے چند حصے کردیئے گئے، پہلا حصہ مستقل طور پر طبع ہوچکا ہے۔ اسوقت "رسالۃ الامداد" میں دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے حق تعالیٰ یہ سلسلہ بخوبی قائم رکھیں — ناظرین اس کتاب سے منتفع ہوتے وقت مترجم کو بھی دعا میں یاد رکھیں۔

مقصود شروع کرنے سے پہلے حضرت حکیم الامت کے وہ قیمتی اور مبارک الفاظ جو بعد ملاحظہ حصہ اول کے حضرت نے تحریر فرمائے ہیں نقل کردینا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ کتاب کیلئے باعث برکت وزینت اور ناظرین کے لئے کاشف حقیقت وموجب رغبت ہوں۔

سہ۔ اور رسالہ "وصیۃ العرفان" ۱۹۸۵ء/۱۹۸۶ء میں بھی "وصیت مشائخ" کے نام سے شائع کیا جاچکا ہے عہ۔ اب ۲۰۰۰ء میں رسالہ وصیۃ العرفان میں اشاعت کیجارہی ہے

تقریظ عالی

حکیم الامۃ جناب مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم

بعد الحمد والصلوٰۃ احقر اشرف علی عرض کرتا ہے اس رسالہ "الدر المنضود" کو جو ترجمہ ہے "البحر المورود" کا میں نے جا بجا سے متنًا و حاشیۃً کہیں مع اصل کے کہیں صرف ترجمہ دیکھا جو خوبیاں اصل کتاب میں ہیں کہ وہی داعی ہیں اس ترجمہ کی طرف جسکی تحریک میں میں بھی شریک ہوں جسکی زیادہ غایت یہ دکھلانا ہے کہ حضرات سلف اہل طریق کی تربیت کا کیا طرز تھا جو آجکل قلت علم و غلبۂ رسوم کے سبب مستنکر و مستغرب سمجھا جاتا ہے) وہ خوبیاں تو ترجمہ میں ہیں ہی (چنانچہ ظاہر ہے کہ ایک کا دوسرے کے لئے مرادف ہونا لازم ہے) اسکے علاوہ خود ترجمہ کے محاسن مزید ہیں، عبارت کا سلیس و مطلب خیز ہونا، جا بجا توجیہ کیلئے عبارات کا اضافہ، موقع بموقع حواشی سے توضیح۔ اللہ تعالےٰ مترجم کو ماتن کے ساتھ جزائے خیر میں ملحق فرمادے، میرے نزدیک اس رسالہ کا ہر صاحب طریق خصوص اپنے سلسلہ والوں کے پاس رہنا اور وقتًا فوقتًا اسکا مطالعہ کرتے رہنا اور معاملات کے وقت اسکے مضامین کا مستحضر رکھنا ضروری اور نہایت ضروری ہے۔ والسلام

۲۶ رجب ۱۳۳۸ھ مقام تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ)

ہم سے عہد لیا گیا ہے

کہ جب کوئی شخص ہمارے سامنے ہمارے کسی ایسے ہمعصر کی تعریف کرے جو ہم پر اعتراض کیا کرتا ہے تو ہم بھی اس تعریف اور مدح میں موافقت کریں (اور اسکی تائید کریں) اور اس میں کچھ مین میخ نہ نکالیں کیونکہ اس میں مجاہدۂ نفس بھی بہت زیادہ ہے اور بہت جلد (اس کے دل سے) عداوت زائل ہو جانے کی بھی امید ہے کیونکہ جب اس ہمعصر کو معلوم ہوگا کہ ہم نے ایسے لوگوں کے سامنے اسکی مدح کی ہے جنکے سامنے اپنی مدح کا ہونا وہ بھی چاہتا ہے تو ضرور وہ ہماری طرف مائل ہو جائیگا اور دشمنی اسکے دل سے کم ہو جائیگی اور اگر وہ ہمعصر نہ ہماری تعریف کرتا ہو نہ مذمت (تب تو اسکی مدح میں بدرجۂ اولیٰ موافقت و تائید کرنا چاہیئے)

اسی طرح ہمکو رفتار زمانہ کی بھی رعایت کرنا چاہیئے یعنی جس شخص کو حق تعالیٰ نے علم و تقویٰ اور بزرگی اور کثرت معتقدین کی وجہ سے مشہور کردیا ہو ہمکو بھی اسکی تعریف کرنی چاہیئے کیونکہ خدا تعالیٰ نے جو اسکو مشہور کردیا ہے اور ہمکو گمنام رکھا ہے اسمیں ضرور کوئی بڑی حکمت ہوگی اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعضے لوگ اپنے ہمسر اور ہمعصر کی تنقیص اور اسپر اعتراض اس غرض سے کرتے ہیں تاکہ اسکے معتقد ہونے سے لوگوں کو روکیں اور اس سے نفرت دلائیں مگر اس سے لوگوں کو اسکا اعتقاد اور زیادہ ہو جاتا ہے اور یہ (اعتراض کرنے والا) پہلے سے زیادہ مقہور ہو جاتا ہے اور نظروں سے گر جاتا ہے اور پہلے سے زیادہ گمنام اور پست ہو کر (ترقی سے) پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اگر یہ شخص خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق چلتا (اور خدا تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتا اور جسکو خدا نے شہرت بخشی ہے اسکے درپے نہوتا) تو یہ اسکے لئے زیادہ بہتر ہوتا۔ واللہ علیم خبیر۔ (جاری)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

کھانے کے آداب

(۵)

ایک اور قصہ دیکھا معلوم نہیں کہ
نجاست میں پیدا ہونے والے کیڑے نے صحیح ہے یا نہیں۔ اگر صحیح ہے تو بڑی عبرت کا واقعہ ہے۔ وہ یہ کہ ایک صاحب ایک دن قضائے حاجت کر رہے تھے قضائے حاجت میں انکو سفید سفید کیڑے نظر آئے جو بعض اوقات پیٹ کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں ان صاحب کے دل میں یہ خیال آیا کہ اور جتنی مخلوق ہے ان سب کی پیدائش کی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت سمجھ میں آتی ہے لیکن یہ جاندار مخلوق جو نجاست میں پیدا ہو جاتی ہے نجاست کے ساتھ نکلتی ہے اور نجاست کے ساتھ ہی بہا دی جاتی ہے اسکا کوئی عمل اور فائدہ ہی نظر نہیں آتا پتہ نہیں اللہ تعالے نے یہ مخلوق کس مصلحت سے پیدا کی ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد ان صاحب کی آنکھ میں کچھ تکلیف ہوئی اب تکلیف کے خاتمے کے لئے سارے علاج کر لئے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا، آخر میں ایک پرانا کوئی طبیب تھا اسکے پاس جاکر بتایا کہ تکلیف یہ ہے اسکا کیا علاج ہے؟ اس طبیب نے بتایا کہ اسکا کوئی اور علاج نہیں ہے البتہ ایک علاج ہے جو کبھی کبھی کارآمد ہو جاتا ہے وہ یہ کہ انسان کے پیٹ میں جو کیڑے پیدا ہوتے ہیں ان کیڑوں کو

پیس کر اگر لگایا جائے تو اسکے ذریعہ سے بعض اوقات یہ بیماری ٹھیک ہو جاتی ہے ۔ اسوقت میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اب میری سمجھ میں بات آگئی کہ آپنے ان کیڑوں کو کس مصلحت سے پیدا کیا ہے ۔

غرض کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت نہو ۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر چیز کے فوائد اور حکمتیں اور مصلحتیں ہیں ۔ بالکل اسی طرح جو کھانا آپ کو پسند نہیں ہے یا اسکے کھانے کو طبیعت نہیں چاہتی لیکن اس کی پیدائش میں کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ضرور ہے اور کم از کم یہ بات موجود ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے اور اسکا احترام کرنا ضروری ہے ۔ اسلئے اگر کوئی کھانا پسند نہیں آیا تو اسکو مت کھاؤ لیکن اسکو برا بھی مت کہو ۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب کھانا پسند نہیں آیا تو اس میں عیب نکالنے شروع کر دیتے ہیں کہ اس میں یہ خرابی ہے یہ تو بد ذائقہ ہے ۔ ایسی باتیں کہنا درست نہیں ۔

رزق کی ناقدری مت کرو

یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے کہ اللہ کے رزق کا احترام کرو اور اسکا ادب کرو اور اسکی بے ادبی نہ کرو ۔ آجکل ہمارے معاشرے میں یہ اسلامی ادب بری طرح پامال ہو رہا ہے ۔ ہر چیز میں ہم نے غیروں کی نقالی شروع کی تو اس میں بھی ایسا ہی کیا اور اللہ کے رزق کا کوئی ادب باقی نہیں رہا ۔ کھانا بچا تو اٹھا کر اسکو کوڑے میں ڈال دیا ۔ بعض اوقات دیکھکر دل لرزتا ہے ۔ یہ سب مسلمانوں کے گھروں میں ہو رہا ہے خاص طور پر دعوتوں میں اور ہوٹلوں میں غذاؤں کے بڑے بڑے ڈھیر اسطرح کوڑے میں ڈالدیئے جاتے ہیں، حالانکہ ہمارے دین کی تعلیم

یہ ہے کہ اگر روٹی کا کوئی چھوٹا سا ٹکڑا بھی کہیں پڑا ہوا ہو تو اس کی بھی تعظیم کرو اسکا بھی ادب کرو اور اسکو اٹھا کر کہیں اونچی جگہ رکھدو۔

حضرت تھانویؒ اور رزق کی قدر

میں نے اپنے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہٗ سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوئے اس دوران ایک صاحب نے آپ کو پینے کے لئے دودھ لاکر دیا آپ نے وہ دودھ پیا اور تھوڑا سا بچ گیا وہ بچا ہوا دودھ آپنے سرہانے کی طرف رکھدیا اتنے میں آپ کی آنکھ لگ گئی جب بیدار ہوئے تو ایک صاحب جو پاس کھڑے تھے ان سے پوچھا کہ بھائی وہ تھوڑا سا دودھ بچ گیا تھا وہ کہاں گیا؟ تو ان صاحب نے کہا کہ حضرت وہ تو پھینک دیا، ایک گھونٹ ہی تھا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم نے اللہ کی اس نعمت کو پھینک دیا؟ تم نے بہت غلط کام کیا، اگر میں اس دودھ کو نہیں پی سکا تو تم خود پی لیتے کسی اور کو پلا دیتے یا بلی کو پلا دیتے یا طوطے کو پلا دیتے۔ اللہ کی کسی مخلوق کے کام آجاتا، تم نے اسکو کیوں پھینکا؟ اور پھر ایک اصول بیان فرمایا کہ:۔

"جن چیزوں کی زیادہ مقدار سے انسان اپنی عام زندگی میں فائدہ اٹھاتا ہے انکی تھوڑی مقدار کی قدر اور تعظیم اسکے ذمہ واجب ہے"

مثلاً کھانے کی بڑی مقدار کو انسان کھاتا ہے اس سے اپنی بھوک مٹاتا ہے، اپنی ضرورت پوری کرتا ہے لیکن اگر اسی کھانے کا تھوڑا سا حصہ بچ جائے تو اسکا احترام اور توقیر بھی اسکے ذمہ واجب ہے اسکو

ضائع کرنا جائز نہیں۔ یہ اصل بھی درحقیقت اسی حدیث سے ماخوذ ہے کہ اللہ کے رزق کی ناقدری مت کرو اسکو کسی نہ کسی مصرف میں لے آؤ۔

دسترخوان جھاڑنے کا صحیح طریقہ

میرے والد ماجد کے دارالعلوم دیوبند میں ایک استاد تھے حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت میاں صاحب کے نام سے مشہور تھے، بڑے عجیب وغریب بزرگ تھے انکی باتیں سنکر صحابۂ کرامؓ کے زمانہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں انکی خدمت میں گیا تو انھوں نے فرمایا کھانے کا وقت ہے آؤ کھانا کھالو۔ میں انکے ساتھ کھانا کھانے بیٹھ گیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو میں نے دسترخوان کو لپیٹنا شروع کیا تاکہ میں جاکر دسترخوان جھاڑ دوں تو حضرت میاں صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کیا کر رہے ہو میں نے کہا کہ حضرت دسترخوان جھاڑنے جا رہا ہوں۔ حضرت میاں صاحبؒ نے پوچھا کہ دسترخوان جھاڑنا آتا ہے؟ میں نے کہا کہ حضرت دسترخوان جھاڑنا کونسا فن یا علم ہے! جس کے لئے باقاعدہ تعلیم کی ضرورت ہو، باہر جاکر جھاڑ دونگا۔ حضرت میاں صاحبؒ نے فرمایا اسی لئے تو میں نے تم سے پوچھا تھا کہ دسترخوان جھاڑنا آتا ہے یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ تمھیں دسترخوان جھاڑنا نہیں آتا۔ میں نے کہا پھر آپ سکھا دیں، فرمایا کہ ہاں دسترخوان جھاڑنا بھی ایک فن ہے۔

پھر آپ نے اس دسترخوان کو دوبارہ کھولا اور اس دسترخوان پر جو بوٹیاں یا بوٹیوں کے ذرات تھے انکو ایک طرف کیا اور ہڈیوں کو جن پر کچھ گوشت وغیرہ لگا ہوا تھا انکو ایک طرف کیا

اور روٹی کے ٹکڑوں کو ایک طرف کیا، اور روٹی کے جو چھوٹے چھوٹے ذرات تھے انکو ایک طرف جمع کیا پھر مجھ سے فرمایا کہ دیکھو یہ چار چیزیں ہیں اور میرے یہاں ان چار چیزوں کی علحدہ علحدہ جگہ مقرر ہے یہ جو بوٹیاں ہیں انکی جگہ فلاں ہے بلی کو معلوم ہے کہ کھانے کے بعد اس جگہ بوٹیاں رکھی جاتی ہیں وہ آکر انکو کھالیتی ہے اور ان ہڈیوں کے لئے فلاں جگہ مقرر ہے محلے کے کتوں کو وہ جگہ معلوم ہے وہ آکر انکو کھالیتے ہیں، اور یہ جو روٹیوں کے ٹکڑے ہیں ان کو میں اس دیوار پر رکھتا ہوں یہاں پرندے چیل کوے آتے ہیں اور وہ انکو اٹھاکر کھالیتے ہیں۔ اور یہ جو روٹی کے چھوٹے چھوٹے ذرات ہیں تو میرے گھر میں چیونٹیوں کا بل ہے انکو اس بل کے پاس رکھدیتا ہوں وہ چیونٹیاں اس کو کھالیتی ہیں۔

پھر فرمایا کہ یہ سب اللہ تعالےٰ کا رزق ہے اسکا کوئی حصہ ضائع نہیں جانا چاہیئے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس دن ہمیں معلوم ہوا کہ دسترخوان جھاڑنا بھی ایک فن ہے۔ اور اسکو بھی سیکھنے کی ضرورت ہے۔

آج ہمارا حال

آج ہمارا یہ حال ہے کہ دسترخوان کو جاکر کوڑے والے کے اندر جھاڑدیا اللہ کے رزق کے احترام کا کوئی اہتمام نہیں۔ ارے یہ ساری اللہ تعالےٰ کی مخلوقات ہیں جن کے لئے اللہ تعالےٰ نے یہ رزق پیدا کیا اگر تم نہیں کھاسکتے تو کسی اور مخلوق کے لئے اسکو رکھدو پہلے زمانے میں بچوں کو یہ سکھایا جاتا تھا کہ یہ اللہ تعالےٰ کا رزق ہے اسکا احترام کرو اگر کہیں روٹی کا ٹکڑا نظر آتا تو اسکو چوم کر ادب کے ساتھ اونچی جگہ پر رکھدیتے۔ لیکن جوں جوں مغربی تہذیب کا غلبہ ہمارے معاشرہ

پھیلتا جا رہا ہے، رفتہ رفتہ اسلامی آداب رخصت ہو رہے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ کھانا پسند آئے تو کھا لو اور اگر نہ پسند آئے تو کم از کم اس میں عیب مت نکالو۔ اسکی ناقدری اور بیحرمتی مت کرو۔ اس سنت کو دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ سب باتیں کوئی قصہ کہانی یا کوئی افسانہ نہیں ہیں بلکہ یہ سب باتیں عمل کرنے کے لئے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رزق کا ادب اور اسکی تعظیم کریں اور ان آداب کو اپنائیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائے اور جو ہمارے دین کا حصہ ہیں، جو ہمارے دین کا طرۂ امتیاز ہیں۔ اور یہ مغرب نے جو بلائیں ہم پر نازل کی ہیں ان سے چھٹکارہ حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عمل عطا فرمائے۔

سرکہ بھی ایک سالن ہے

عن جابر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل اھلہ الادم فقالوا: ما عندنا الا خل، فدعا بہ، فجعل یاکل۔ ویقول: نعم الادم الخل، نعم الادم الخل

(صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ۔ باب فضیلۃ الخل والتادم بہ۔ حدیث نمبر ۲۰۵۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے اور گھر والوں سے فرمایا کہ کچھ سالن ہو تو لے آؤ (روٹی موجود تھی)، گھر والوں نے کہا کہ ہمارے پاس تو سرکہ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ سرکہ رکھا ہوا ہے، آپ نے فرمایا وہی لے آؤ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سرکہ کو روٹی کے ساتھ تناول فرمانا شروع کیا اور ساتھ میں بار بار یہ فرماتے جاتے کہ سرکہ بڑا اچھا سالن ہے۔ سرکہ بڑا اچھا سالن ہے۔

آپ کے گھر کی حالت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا یہ حال تھا کہ کوئی سالن موجود نہیں، حالانکہ روایات میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سال کے شروع میں تمام ازواج مطہرات کے پاس پورے سال کا نان نفقہ اور خرچہ بھیجدیا کرتے تھے لیکن وہ ازواج بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج تھیں انکے یہاں صدقات خیرات اور دوسرے مصارف کی اتنی کثرت تھی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بسا اوقات تین تین مہینے تک ہمارے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی، دو چیزوں پر ہمارا گزارا ہوتا تھا کھجور کھالی اور پانی پی لیا۔ (صحیح بخاری کتاب الھبة باب ۱ ۔ حدیث نمبر ۲۵۶۷)

نعمت کی قدر فرماتے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نعمت میسر آجاتی اسکی قدر فرماتے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرماتے، حالانکہ عام معاشرے میں سرکہ کو بطور سالن کے نہیں استعمال کیا جاتا بلکہ زبان کا ذائقہ بدلنے کے لئے لوگ سرکے کو سالن کے ساتھ ملاکر کھاتے ہیں لیکن حضور اقدس صلی علیہ وسلم نے اسی ایک سرکے سے روٹی تناول فرمائی اور ساتھ ساتھ اسکی اتنی تعریف فرمائی کہ بار بار آپ نے فرمایا کہ یہ بڑا اچھا سالن ہے، یہ بڑا اچھا سالن ہے۔

کھانے کی تعریف کرنی چاہئے

اسی حدیث کے تحت حضرات محدثین

نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس نیت سے سرکہ استعمال کرے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو تناول فرمایا اور اس کی تعریف فرمائی تو انشاء اللہ اس نیت کی وجہ سے اسکو سرکہ کھانے پر بھی ثواب ملے گا — اس حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ نکلتا ہے کہ جو کھانا آدمی کو پسند آئے اسکو چاہیئے کہ وہ اس کھانے کی کچھ تعریف بھی کرے ۔ تعریف کرنے کا ایک مقصد تو اس کھانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ کھانا عنایت فرمایا، دوسرے یہ کہ جس نے یہ کھانا تیار کیا ہے اس تعریف کے ذریعہ اسکا دل خوش ہو جائے ۔ یہ بھی کھانے کے آداب میں سے سے ہے ۔ یہ نہ ہو کہ کھانے کے ذریعہ پیٹ کی بھوک مٹائی اور زبان کا چٹخارہ بھی پورا کیا اور کھانا کھا کے اٹھ گئے لیکن زبان پر ایک کلمہ بھی شکر اور تعریف کا نہ آیا ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے کہ آپ نے سرکہ کی اتنی تعریف فرمائی ۔ لہٰذا جب کھانا پکانے والے نے محنت کی اور اپنے آپ کو آگ اور چولہے کے سامنے پیش کر کے تمہارے لئے کھانا تیار کیا اسکا اتنا تو حق ادا کرو کہ دو کلمے بول کر اسکی تعریف کردو ۔ اور اسکی ہمت افزائی کردو ۔ جو شخص تعریف کے دو کلمے بھی ادا نہ کرے وہ بڑا بخیل ہے ۔ (جاری)

شیخ المحدثین حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

مقاصد بعثت

(۲)

اور اب تو ان لوگوں کی جرأت اور گستاخی اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ یوں کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ ڈاکیہ کے ہیں۔ گویا ان کے خیال میں آپ کا کام صرف یہ تھا کہ قرآن کریم کو صرف بندوں تک پہونچا دیا اب بندے اس کو خود سمجھیں اور عمل کریں آپ کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ سو خوب سمجھ لیجئے کہ نبی کا مرتبہ ہرگز ہرگز ڈاکیہ کا نہیں بلکہ نبی کا مرتبہ سفیر اور وزیر کا سا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ:۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ بناؤنگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جو نبی ہیں اپنا خلیفہ اور نائب مقرر کر کے بھیجا نہ کہ ڈاکیہ اور ہرکارہ بنا کر۔

اور جو لوگ اس قسم کے گستاخانہ کلمات زبان سے نکالتے ان سے یہ سوال کیا جائے کہ آپ کون ہیں تا بڑا الرتبہ مقام خدا تعالیٰ کے ہاں سمجھے کہ خدا تعالیٰ آپ کو خط لکھیں گے اور اس خط کو بھیجنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کو نعوذ باللہ ڈاکیہ بنائیں گے۔ خدا تعالیٰ کے یہاں تو آپ کا کیا مقام و مرتبہ ہوتا آپ کو تو صدر مملکت بلکہ ڈپٹی کمشنر بھی کوئی خط نہیں لکھتا بلکہ پولیس کا ایک جوان آپ کے نام وارنٹ

لے کر آجاتا ہے۔

غرض نہ معلوم ان لوگوں کو اپنے متعلق کیا کیا گمان ہے اور
کس بنا پر گمان ہے کہ خدا تعالیٰ سے انکی خط وکتابت ہے ان
لوگوں کا گمان ہے کہ یہ تو خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور مقبول ومقرب
بندے ہیں اور نعوذ باللہ، نعوذ باللہ انبیاء کرام ان سے کم درجہ
رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے انکے نام خط لکھکر ڈاکئے کے ذریعہ
بھیجدیا۔ کیا یہ خدا اور رسول کی سخت توہین نہیں ہے؟
کلام ان پر اترا، جبرائیل انکے پاس آئے، انکا سینہ
آفتاب کی طرح روشن ہے اگر تم نے انکا اتباع کیا تو نجات
ورنہ خدا کے غضب کے مستحق۔ اور اس قسم کے گستاخانہ کلمات
قابل استغفار اور قابل لاحول ہیں۔ ان سے توبہ کرنا چاہیئے

اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو توفیق دے کہ ہم انبیاء
علیہم السلام کا مقام سمجھیں اور ان تمام فتنوں سے خدا تعالیٰ
ہمکو بچائے جو آجکل پھیل رہے ہیں، خدا تعالےٰ ہم سب کو
ایمان پر قائم رکھے اور ایمان ہی پر خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ
تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد
وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

عصمت انبیاء علیہم السلام

الحمد للہ نحمدہ نستعینہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

امابعد۔ فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ
وَمَا غَوٰی وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی
اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ
الْقُوٰی ذُوْ مِرَّۃٍ فَاسْتَوٰی وَھُوَ
بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی
فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی
فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی
مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ۰
اَفَتُمٰرُوْنَہٗ عَلٰی مَا یَرٰی وَلَقَدْ
رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَۃِ
الْمُنْتَھٰی عِنْدَھَا جَنَّۃُ الْمَاْوٰی

قسم ہے ستارے کی جب وہ غروب ہونے لگے
یہ تمہارا ساتھی نہ راہ سے بھٹکا اور نہ غلط راستہ پر ہولیا اور
نہ وہ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتا ہے انکا
ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے کیونکہ انکو
ایک فرشتہ تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقتور ہے۔ پیدائشی
قوت والا ہے پھر وہ فرشتہ اپنی اصلی صورت پر
نمودار ہوا ایسی حالت میں کہ وہ بلند کنارے پر تھا پھر وہ
نزدیک آیا اور نزدیک آیا سو دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا
بلکہ اور بھی کم پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر وحی نازل کی
جو کچھ نازل کی تھی کوئی غلطی نہیں کی قلب نے دیکھی ہوئی
چیز میں تو کیا تم ان سے انکی دیکھی ہوئی چیز میں نزاع کرتے ہو

اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ اور انھوں نے اس فرشتہ کو ایک دفعہ کبھی دیکھا ہے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس
مَا یَغْشٰی مَا زَاغَ اسکے قریب جنت الماویٰ ہے جبوقت کہ ڈھانک رہی تھی اس سدرۃ المنتہیٰ
الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی کو وہ چیز جو کہ ڈھانک رہی تھی نگاہ نہ ہٹی اور نہ بڑھی۔

گزشتہ سال اسی جلسہ کے موقع پر میں نے عصمت انبیاء علیہم السلام کا مضمون بیان کیا تھا اسوقت جو آیتیں میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں اس سے بھی میرا مقصود عصمت انبیاء ہی کا بیان کرنا ہے یہ آیتیں سورۂ نجم کی ابتدائی آیتیں ہیں جو میرے مضمون کے لحاظ سے تو مناسب ہیں ہی ویسے بھی باعتبار نظم قرآنی کے مشکل ہیں اور تفسیر کے لحاظ سے مشکلات قرآن میں سے ہیں۔ آج سے کئی سال قبل بھی میں نے ان آیتوں سے . . . حجیت حدیث کا مضمون بیان کیا تھا اور اسی سے آج انشاء اللہ عصمت انبیاء کا مضمون بیان کرنے کا ارادہ ہے تاکہ گزشتہ سال کے مضمون کا تکملہ اور تتمہ ہو جائے۔ پہلے ان آیات کا ترجمہ بیان کردوں۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی قسم ہے ستارے کی جب وہ اوپر سے نیچے کی طرف اترے

"ہویٰ" کے دو معنی ہیں اوپر سے نیچے آنا اور نیچے سے اوپر چڑھنا۔ دونوں ہی معنی آتے ہیں اور بعض صحابہ سے اسکا ترجمہ اس طرح منقول ہے کہ "قسم ہے ستارہ کی جب وہ غروب ہو جائے" اور اسی معنی کو ترجیح ہے۔ عربی کا قاعدہ ہے ویسے بھی ہر زبان میں یہی ہے کہ ہر قسم کے بعد جواب قسم ضرور ہوتا ہے یعنی قسم کھا کر جو بات کہی جاتی ہے وہ جواب قسم کہلاتی ہے اس جگہ جواب قسم اگلی آیات ہیں۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰی تمہارے ساتھی گمراہ نہیں ہوئے نہ یہ بے راہ ہوئے

اس جگہ صاحبکم سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور

اور صاحبکم فرماکر دراصل مشرکین مکہ پر اللہ تعالےٰ نے تازیانہ مارا ہے کہ جو شخص ہر وقت اور ہر لحظہ تمہارے ساتھ رہے، اور تم ہر وقت اسکو دیکھتے ہو اور ہر ہر حالت اور ہر نقل وحرکت سے باخبر ہو پھر اسکے بارے میں اس طرح کی باتیں کرتے ہو، کبھی اسکو دیوانہ اور مجنون کہتے ہو اور کبھی اسکو بے راہ اور گمراہ گردانتے ہو حالانکہ اسکی ہر بات حکمت اور دانائی سے پُر ہے اور اس کا ہر فعل ونقل وحرکت عقل وفہم پر مبنی ہے۔

وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی۔ کوئی بات اپنی زبان سے نفسانی خواہش سے نہیں نکالتے۔ نہیں ہے انکا قول مگر وحی جو بھیجی جارہی ہے اسکو تعلیم دی ہے ایسے فرشتے نے جسکی قوتیں کمال کو پہنچی ہوئی ہیں۔

مراد اس سے جبریلؑ ہیں۔ مراد اس سے یہ ہے کہ انکی ہر قسم کی قوت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ قوتِ علم۔ قوت عقل۔ قوت حافظہ وغیرہ۔

ذُوْمِرَّۃٍ بڑے حسن وجمال والے ہیں فَاسْتَوٰی سیدھے کھڑے ہو گئے نبیؐ کے سامنے

اسکا مطلب سمجھنے کے لئے یہ سمجھ لیجئے کہ تمام انبیاء کرامؑ پر جو وحی الٰہی نازل ہوتی رہی وہ جبریلؑ ہی کی وساطت سے نازل ہوئی تھی مگر انکے پاس حضرت جبریل ہمیشہ آدمی کی صورت میں تشریف لاتے تھے مگر نبی کریمؐ نے جبریل کو دو دفعہ انکی اپنی شکل میں دیکھا ہے ایک دفعہ تو ابتدائی زمانہ بعثت میں۔ جب آپ غار حرا میں تشریف رکھتے تھے اور "اقراء" کی ابتدائی پانچ آیات نازل ہونے کچھ عرصہ گذرا تھا اور اسکے بعد وحی کا آنا بند ہوگیا تھا جسکی وجہ سے آپؐ کو بے حد رنج تھا اور آپ پر یہ وحی کا بند ہو جانا بیحد شاق تھا۔ حضرات! خدا جانے اللہ کے نبی پر اس وقت کیا گذری ہوگی؟ صحیح بخاری میں اسکا ذکر ہے کہ آپؐ درجہ پریشان ہوئے کہ ایک دفعہ

پہاڑ پر اس نیت سے چڑھ گئے کہ پہاڑ سے اپنے کو گرا دیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ اسی وقت حضرت جبرئیل ظاہر ہوئے اور آپکو تسلی دی اور اس آیت میں اسی کا بیان ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ؎

بر دل سالک ہزاراں غم بود — گر ز باغ دل خلالے کم بود

ہجر سے بڑھکر مصیبت کچھ نہیں — اس سے بہتر ہے کہ مر جاؤں کہیں

" یعنی اگر دل کے چمن میں سے ایک تنکا بھی کم ہو جائے تو سالک پر ہزاروں غم ٹوٹ پڑتے ہیں" — تو حضرات جب سالک کو اسقدر غم ہوتا ہے تو نبی کے غم اور قلق کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟

روح المعانی میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَفْضَلِ الْمَلَائِکَۃِ — کیا میں تمکو نہ بتا دوں کہ ملائکہ میں سب سے افضل کون سا فرشتہ ہے۔

صحابہ نے عرض کیا کہ بلیٰ یا رسول اللہ کہ کیوں نہیں ضرور بتائیے آپؐ نے فرمایا کہ جبریلؑ۔

غرض حضرت جبریل اپنی شکل میں ظاہر ہوئے جنکی تمام ظاہری و باطنی حافظہ وغیرہ کی قوتیں حد کمال کو پہنچی ہوئی ہیں۔

وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ثُمَّ دَنٰى — اور فرشتہ اس وقت افق اعلیٰ پر تھا پھر وہ نبی کریمؐ کے قریب ہو گئے۔

احادیث میں آتا ہے کہ جب آپؐ نے جبریلؑ کو انکی اصلی صورت میں دیکھا تو آپ بیہوش ہو گئے اور اس جگہ پر یہ شبہہ نہ کرنا چاہیئے کہ جب آپ فرشتوں سے افضل ہیں تو آپؐ بیہوش کیوں ہو گئے کیونکہ نبی کریمؐ کا مزاج روحانی تو بلا شبہہ ملائکہ سے بالاتر تھا مگر

بشری مزاج میں اتنی قوت نہیں اسلئے بے ہوش ہو گئے ۔ غرض
اب جبریل علیہ السلام قریب ہوئے

فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی ۔
اور قریب ہوئے اور اتنے قریب ہوئے کہ دو کمان کے برابر فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم پھر اللہ کا پیغام پہنچایا آپ کو۔

یہ ان آیات کا اجمالی ذکر ہے ان آیات میں ایک تو ذکر حضرت جبریل کے اوصاف کا اور مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَ مَا غَوٰی اور وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی الخ میں ذکر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا ۔ (جاری)

دَرْبارِ رسالت

حاجی محمد فاروق صاحب سکھروی راوی ہیں کہ ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی قدس سرہٗ نے ایک روز اپنے مطب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمکو ایک طویل ویزا عطا فرمادیا ہے انشاءاللہ حرمین شریفین جاتے رہوگے ۔ دیکھو جب مواجہ شریفہ میں حاضر ہو تو یوں عرض کرنا ، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

غم بے مایگی، شرم گنہ، بیتابیٔ ہجراں
یہ سارا قافلہ منزل بمنزل لے کے آیا ہوں (تسکین میرٹھی)

پھر فرمایا کہ عالم امکان میں اتنا بڑا کوئی شرف نہیں کہ ایک بندۂ گنہگار بارگاہ عزت وجلال اور بارگاہِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو جائے ۔ اللّٰھُمَّ وفقنا لھذہ النعمۃ العظیمہ

خبریں

برطانیہ کے مسلم نوجوانوں کا مستقبل روشن

لندن: برطانیہ کے ولی عہد شہزادہ چارلس نے یہ امید ظاہر کی ہے کہ برطانیہ کے مستقبل کو سنوارنے میں مسلم نوجوان اہم کردار ادا کریں گے۔ شمالی لندن میں ایک اسلامی اسکول کا معائنہ کرنے کے بعد طلبا سے خطاب کرتے ہوئے شہزادہ چارلس نے کہا کہ انھیں اس اسکول کے اعلیٰ سائنسی اور تعلیمی معیار کو دیکھکر بڑی مسرت ہوئی، انھوں نے اسکول کے نصاب کی بھی بہت تعریف کی۔ شہزادہ چارلس نے کہا کہ میں جن طلبا سے مل چکا ہوں انکو دیکھکر اور انکی باتیں سنکر مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ طلبا اسلام کے روشن پہلو کے بہترین نمائندے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اسلام میں اتنی اچھی باتیں ہیں کہ برطانوی معاشرہ بھی اس مذہب سے بہت کچھ سیکھ سکتا ہے اور بہت کچھ حاصل کرسکتا ہے مجھے امید ہے کہ مسلم طلبا برطانوی معاشرے میں اہم مقامات پر فائز ہوں گے اور معاشرہ کے وقار میں اضافہ کا ذریعہ بنیں گے مذکورہ اسلامی اسکول ان اسلامی اسکولوں میں سے ہے جنھیں برطانوی حکومت سے بھی مدد ملتی ہے

رومانیہ میں اسلامی مراکز کا قیام

رومانیہ: دس سال قبل رومانیہ میں پہلا اسلامی ثقافتی مرکز قائم ہوا تھا پچھلے دس برسوں میں اس مرکز نے مختلف شعبوں میں اہم پیش رفت حاصل کی ہے چنانچہ رومانیہ کے مختلف شہروں میں پانچ بڑے اسلامی مراکز قائم کر رہے ہیں ان مراکز کے تحت رومانوی زبان میں قرآن اسکی تفسیر اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تراجم شائع کئے گئے ہیں، جو مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم رومانوی باشندوں میں کافی مقبول ہوئے ہیں۔ مقامی لوگوں میں اسلام سے متعلق معلومات حاصل کرنے کا ذوق وشوق بڑھ رہا ہے۔

(بشکریہ نقیب۔ پٹنہ)

حاملِ مضامینِ تصوف و عرفان • افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت

مدیر:- احمد مکین

شمارہ نمبر ۱۰ اکتوبر سنہ ۲۰۰۰ء مطابق رجب سنہ ۱۴۲۱ھ جلد: ۲۳

قیمت فی پرچہ نو روپئے سالانہ زرِ تعاون نوے روپئے (۹۰) ششماہی پچاس روپئے (۵۰)

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان سو (۱۰۰) روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۵۶۱۸۳

پرنٹر - پبلشر - مولوی احمد متین سلمیٰ آفسیٹ پریس - بخشی بازار الہ آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ

ولایت کا حقیقی مفہوم

(۲)

ولی کی تعریف علماء عقائد نے ولی کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ:-

هو العارف بالله و صفاته حسب ما يمكن المواظب على الطاعات المجتنب عن المعاصي المعرض عن الانهماك في اللذات والشهوات۔

(ولی اس شخص کو کہتے ہیں جو بقدر امکان اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا عارف ہو اور طاعات کی پابندی کرنے والا گناہوں سے پرہیز کرنے والا ہو اور لذتوں اور شہوتوں میں مشغول اور منہمک ہونے سے اعراض کرتا اور بچتا ہو۔)

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ولی کیلئے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے عارف ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ طاعات کا پابند ہو اور معاصی سے مجتنب ہو۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ظاہری و باطنی اوامر و نواہی کا مطیع ہو اور جب خود اس درجہ پابند ہوگا تب ہی اسکے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں میں شریعت کی عظمت اور احترام پیدا ہوگا ورنہ یا تو لوگ شریعت ہی کی وقعت نہ کریں گے اور یا ایسے شخص سے بدعقیدہ

ہو جائیں گے۔ چنانچہ رسالہ قشیریہ میں ہے کہ ایک بزرگ نے کسی شخص کی ولایت کی شہرت سنی سفر کر کے ان سے ملنے گئے جب وہ اپنے حجرے سے نکل کر مسجد میں آئے تو وہاں ناک چھنک دی بس اسی سے انکا اعتقاد جاتا رہا اور انکو سلام تک نہیں کیا اور یہ کہکر واپس چلے آئے کہ

هٰذَا رَجُلٌ غَيْرُ مَامُوْنٍ عَلٰى اَدَبٍ مِنْ آدَابِ الشَّرِيْعَةِ فَكَيْفَ يَكُوْنُ اَمِيْنًا عَلٰى اَسْرَارِ الْحَقِّ۔

جب اس شخص نے شریعت کے ایک ادب کو چھوڑ دیا تو اس پر کیا اطمینان کہ دوسرا ادب نہ چھوڑ دے اور پھر اس پر اس کا اطمینان کیسے کیا جائے کہ جو کچھ وہ بیان کرتا ہے وہ واقعی اللہ تعالیٰ کے اسرار ہیں۔

دیکھئے علماء تو ولی کے یہ معنی بیان فرمارہے ہیں لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ ظاہر میں کوئی شخص صالح ہوتا ہے تو اس پر ولایت کا کسی کو احتمال بھی نہیں ہوتا یعنی یقیناً نہ سہی تو ظناً ہی سہی مگر ایک بے شرع اور آزاد شخص پر بزرگی کا یقین کر لیتے ہیں اور ان میں جہلاء اور عقلاء بلکہ اہل علم تک مبتلا ہیں۔ بمبئی میں ایک صاحب مدرس تھے ایک دن مجھے اپنے یہاں ایک شخص کو دکھلا کر کہنے لگے کہ دیکھکر بتلائیے یہ ہیں یا نہیں۔ ایک موٹا سا شخص تھا تخت پر پڑا رہتا تھا میں نے کہا کہ نہیں ہے اور میں نے یہ بھی ان سے کہا کہ جب اسکا ہونا یا نہونا میری تصدیق پر موقوف ہے کہ میں کہدوں کہ ہے تو وہ ہے اور کہدوں کہ نہیں تو وہ نہیں ہے تو پھر مجھ ہی کو کیوں نہیں مان لیتے ؟ یہ حال ہوگیا ہے جب گمراہی عام ہوتی ہے تو عوام کے ساتھ خواص بھی اس سے متاثر ہوجاتے ہیں۔

اور سنیئے صاحب رسالہ قشیریہ نے باب الولایت میں ولی کی یہ تعریف بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

الولی له معنیان احدهما فعیل بمعنی مفعول و هو من یتولی الله سبحانه امره قال الله تعالیٰ و هو یتولی الصالحین فلا یکله الی نفسه لحظة بل یتولی الحق سبحانه رعایته

ولی کے دو معنی آتے ہیں ایک تو یہ فعیل کا صیغہ ہے مفعول کے معنی میں یعنی ولی وہ شخص ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے امور کے متولی اور کفیل ہوں جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ وہی صالحین کا متولی ہے یعنی انکو ایک لحظ کیلئے بھی انکے نفس کے حوالے نہیں کرتا بلکہ ہمہ وقت انکی خبرگیری کرتا رہتا ہے۔

والثانی فعیل مبالغة من الفاعل وهو الذی یتولی عبادة الله تعالیٰ و طاعته فعبادته تجری علی التوالی من غیر ان یتخللها عصیان۔ وکلا الوصفین واجبٌ حتی یکون الولی ولیا یجب قیامه بحقوق الله تعالیٰ علی الاستقصاء والاستیفاء ودوام حفظ الله تعالیٰ ایاه فی السراء والضراء

(قشیریہ ص۱۲۸)

اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ یہ فعیل کا صیغہ ہو جو کہ فاعل کے مبالغہ میں استعمال کیا گیا ہو یعنی ولی وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا متولی ہو اور اسکی عبادت دائمی ہو اس میں عصیان کا فصل نہ پیش آتا ہو اور یہ دونوں ہی وصف ضروری ہیں یہاں تک جب کوئی ولی ہو جاتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کے جملہ حقوق کی ادائیگی محبوب ہو جاتی ہے اور ادھر سے ہر رنج و راحت میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت اس کے لئے دائمی ہو جاتی ہے

آگے فرماتے ہیں:۔

ومن شرط الولی ان یکون

اور ولی کی شرط یہ ہے کہ وہ محفوظ ہو جس طرح

محفوظاً کما ان من شرط النبی ان یکون معصوماً فکل من کان للشرع علیه اعتراض فهو مغرور مخدوع (رسالہ قشیریہ ص ۱۲۵)

نبی کے لئے شرط ہے کہ وہ معصوم ہو۔ پس ہر وہ شخص جس پر از روئے شرع کوئی اعتراض ہو یعنی خلاف شرع اسکا رویہ ہو وہ بڑے دھوکے میں پڑا ہے۔

والغرض من ذالک تحذیر الناس من الاغترار بجمال الافعال وحسن المقال وجریان خوارق العادات وانتشار الثناء وشیوع الذکر فی الخلق من غیر استقامة فلا یراعی فی الولی الا الاستقامة علی ما ثبت بالادلة الصحیحة۔

اور غرض اس سے یہ ہے کہ لوگوں کو اس امر سے ڈرایا جائے کہ کسی کے محض حسن کردار وحسن گفتار اور اس سے خوارق عادات کا صدور اور اسکی مدح کی شہرت اور مخلوق میں اسکے ذکر کے چرچے کی بنا پر اسکی جانب سے دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے جبتک اسکے اندر استقامت نہ ہو پس ولی کے اندر صرف اس امر کا لحاظ کیا جائیگا کہ جو چیزیں کہ صحیح دلائل سے ثابت ہیں ان پر وہ مستقیم ہو۔

وجریان خوارق العادات علی ید العبد لا یدل علی ولایته بل قد یکون ممکوراً به وکذابا علی ربه ویکفی فی ذالک دلیلا خروج الدجال فی اخر الزمان ومعه جنة ونار ویحیی ویمیت وهو عدو الله

باقی کسی بندے کے ہاتھ پر خوارق عادات کا جاری ہونا یہ اسکی ولایت کی دلیل نہیں بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ شخص اسکی وجہ سے مکر و خداع میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنے رب پر کذب بیانی کرنے لگتا ہے اور اس بات کے ثبوت کیلئے یہ دلیل کافی ہے کہ آخر زمانہ میں دجال نکلے گا اور اسکے ساتھ جنت ونار ہوگی اور وہ زندہ بھی کریگا اور موت بھی دیگا حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔

دیکھئے علماء کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ ولی کا مفہوم شرع میں یہ ہے کہ وہ عارف باللہ ہوتا ہے، مواظب علی الطاعات ہوتا ہے، مجتنب عن المعاصی ہوتا ہے، لذات و شہوات میں انہماک سے معرض ہوتا ہے، ادلہ صحیحہ سے جو چیزیں ثابت ہوں ان پر مستقیم ہوتا ہے، اتباع شریعت میں مبالغ ہوتا ہے، مقرب بارگاہ خدا ہوتا ہے، آداب شریعت کا محافظ ہوتا ہے، عالم میں اللہ تعالےٰ کا نائب ہوتا ہے اور اسکے ذمہ شریعت کی حفاظت، قلوب کی حفاظت اور آداب کی رعایت ہوتی ہے۔ اب اس میں ظاہر ہے کس قدر بیداری کی ضرورت ہوگی اور یہ شخص کتنا بیدار مغز ہوگا۔

اور عوام کے نزدیک ولایت کا جو معیار ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے اس میں عقل و حواس کے صحت کی بھی ضرورت نہیں۔ اسی وجہ سے لوگ اپنے خود ساختہ معیار کی رو سے ہر پاگل و مجنون کو یا جو شخص کبھی کچھ بہکی بہکی باتیں کرنے لگے اور کھانے پینے پہننے کا کچھ ہوش نہو ولی سمجھتے ہیں۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

(یعنی ولایت حقیقی اور عوام کی فرضی ولایت میں کوئی نسبت ہی نہیں) عوام الناس کبھی ولایت کو کہاں سے کہاں اتار لائے؟ کتنی عزیز چیز کو کیسا ذلیل کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ولایت کا معیار

اس وقت میں اسی پر کچھ کلام کرنا چاہتا ہوں کہ عوام الناس نے

ولایت کا جو معیار تجویز کر رکھا ہے آخر اسکی منشا رکیا ہے اور انکے اس غلطی کی ابتدا کہاں سے ہوئی؟ تو اسکے متعلق یہ سمجھئے کہ اتنی بات تو سب جانتے ہیں کہ اہل اللہ تارک الدنیا ہوتے ہیں اور کوئی شخص خدا تک پہونچتا نہیں جب تک کہ مخلوق سے اپنا تعلق ختم نہیں کر لیتا۔ حضرت جنیدؒ جو اس طائفہ کے امام گذرے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ:۔

اَلْاِتِّصَالُ بِالْحَقِّ بِقَدْرِ الْاِنْفِصَالِ عَنِ الْخَلْقِ — حق تعالیٰ کے ساتھ اتصال اسی قدر ہوتا ہے جسقدر کہ آدمی مخلوق سے منقطع ہو جاتا ہے

اسی طرح حضرت سعدیؒ شیرازی فرماتے ہیں کہ ؎

تعلق حجاب است و بیحاصلی — چو پیوند ہا بگسلی واصلی

(یعنی تعلق حجاب ہے اور بے حاصلی ہے جب ان سارے علائق کو تم توڑ لوگے تب جا کر واصل ہو گے)۔

غرض یہ اور اس قسم کے بہت سے مقولے بزرگوں کے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہونچنے کے لئے بس یہی تعلقات ہی حجاب ہیں اسلئے ولی کے لئے لازم ہے کہ وہ ان سب کو قطع کرے۔ ایک جانب تو لوگ اس بات کو سنے ہوئے ہیں اور دوسری جانب یہ دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص ہے جو نہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے بلکہ لباس کی قید سے بھی اس نے خود کو آزاد کر لیا ہے تو اس سے استدلال کرتے ہیں کہ جب دنیوی ہر علاقہ سے اس نے اپنے کو منقطع کر لیا ہے تو اسکے لئے گویا ضروری ہے کہ ادھر واصل ہو گیا ہو کیونکہ جب مخلوق سے بے تعلقی ہے تو اسکے لئے لازم ہے کہ خالق سے اسکا تعلق ہو اپنے جہل کی وجہ سے ان دونوں حالتوں کے درمیان تلازم سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ہو سکتا ہے کہ آدمی دنیا سے بھی بے تعلق ہو

اور خالق سے بھی اسکا تعلق صحیح نہو اسطرح سے کہ وہ مجنون ہو۔ پس یہ قاعدہ ہی صحیح نہیں کہ جب آدمی مخلوق سے منقطع ہو تو وہ خالق سے واصل بھی ہو۔

علاوہ ازیں یہ استنباط اسلئے بھی درست نہیں ہے کہ جن بزرگوں کے کلام سے آپنے یہ سمجھا ہے وہ خود ایسے نہیں تھے جیسے حضرت سعدیؒ جو یہ فرماتے ہیں کہ

تعلق حجاب است و بیحاصلی چو پیوند ہا بگسلی واصلی

خود انھوں نے باوجود اسکے کہ عالم فاضل اور ولیٔ کامل تھے مگر نہ کپڑے اتارے اور نہ بال بچوں کو ترک کر کے رہبانیت اختیار کی۔ اسیطرح حضرت جنیدؒ جو یہ فرماتے ہیں کہ اَلْاِتِّصَالُ بِالْحَقِّ بِقَدْرِ الْاِنْفِصَالِ عَنِ الْخَلْقِ (اللہ تعالےٰ سے قرب و تعلق مخلوق سے انقطاع اور یکسوئی کے بقدر ہی ہوتا ہے)۔ انھوں نے بھی اس قسم کا طریقہ اور حال اختیار نہیں کیا بلکہ امت کے نزدیک یہ امر مسلمہ ہے کہ آپ نہایت ہی متبع سنت بزرگ ہوئے ہیں چنانچہ "الروض الازہر" میں ہے کہ:۔

شیخ جلال الدین سیوطی کہ از اعاظم علماء متاخرین حدیث است در عقائد خود می نویسد کہ ونعتقد ان طریق الجنیدؒ وصحبہ مقوم و در تخصیص طریق جنید و اصحاب او اشارت بمقصود کردہ است چہ طریق جنید و اصحاب وے، یعنی امثال و اقران وے طریقہ جامعہ ایست کہ در وے

شیخ جلال الدین سیوطیؒ جو کہ متاخرین علماء حدیث میں ایک بلند پایہ کے شخص ہیں اپنے رسالہ "عقائد" میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت جنیدؒ اور انکے اصحاب کا طریقہ بالکل صحیح ہے اور حضرت جنیدؒ اور انکے اصحاب کے ساتھ تخصیص کرنے میں مقصود کی جانب اشارہ ہے اسلئے کہ حضرت جنیدؒ اور انکے اصحاب یعنی انکے ہمعصر اور ہم قرن لوگوں کا طریقہ جامع تھا اسلئے کہ اس میں ہر عمل میں قرآن و

تحکیم و تعظیم کتاب و سنت و تقدیم ظاہر بر باطن و جمع بین الشریعۃ والحقیقۃ بر وجہ اتم و اکمل است و در طریقۂ ایشان تہاون در رعایت ظاہر احکام و ترک رعایت فتویٰ شریعت قطعاً نیست

سنت ہی کو حکم بناتا ہے اور اسکی تعظیم ہے نیز ظاہر شرع کو باطن پر مقدم رکھا گیا ہے اور شریعت و حقیقت کو علی وجہ الاتم و اکمل جمع کر دیا گیا ہے ان حضرات کے طریق میں ظاہری احکام کے رعایت میں سستی اور فتوے شرعی کی رعایت کا ترک نہیں ہے۔

مشہور است کہ وے قدس سرہٗ فرمودہ است کہ بنائے طریقۂ ما بر کتاب و سنت است و ہر چہ مخالف کتاب و سنت است و خارج آں است مردود و باطل است۔

مشہور ہے کہ حضرت جنیدؒ نے خود فرمایا ہے کہ:- ہمارے طریق کا مبنیٰ کتاب سنت پر ہے اور جو کچھ کہ کتاب و سنت کے مخالف ہے اور اس سے خارج ہے وہ مردود و باطل ہے۔

دیکھا آپ نے جملہ اولیاء اللہ کے سردار اور اسی طائفہ کے سرگروہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا طریق وہی تھا جو کتاب و سنت کا طریقہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ ولایت کتاب و سنت ہی کے اتباع کا نام ہے اور مَنْ كَانَ لِلشَّرْعِ عَلَيْهِ اِعْتِرَاضٌ (جس شخص پر شریعت کو اعتراض ہو) وہ خدا کا دوست اور ولی اللہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ پس آپ نے بزرگی کا جو معیار بنا لیا ہے وہ بالکل غلط اور بے بنیاد ٹھہرا۔

فریبِ ولایت

اور سنیئے! جس شخص کو آپ دنیا سے بے تعلق سمجھ رہے ہیں اور اسکی وجہ سے آپ اسکو ولی قرار دے رہے ہیں تو وہاں بھی یہ ضروری نہیں کہ وہ حقیقۃً تارک الدنیا

ہو بھی۔ ہو سکتا ہے کہ پورا دنیادار اور مکار ہو اور محض ریاکاری کے طور پر اس نے اپنا ظاہر ایسا بنا رکھا ہے تاکہ لوگ پھنسیں۔ کیونکہ دیکھا جاتا ہے کہ اس قسم کے لوگ خوب خوب مکر و خداع سے کام لیتے ہیں۔

ایک شخص کی بابت لوگوں کا اسیطرح کا خیال تھا وہ جنگل سے دھتورا لاتا تھا اور ظاہر یہی کرتا تھا کہ اسکی یہی خورش ہے حالانکہ وہ زہر تھا مگر کچھ دنوں کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ گھر کے چولھے میں وہ سب جمع کئے ہوئے ہے تب سمجھے کہ یہ کھاتا وا تا نہیں ڈھونگ کا دیتا ہے پھر اس بات کی شہرت ہوگئی اور اسکو بھی معلوم ہوا کہ لوگوں نے مجھے پہچان لیا ہے بس اس جگہ سے بھاگ گیا۔ یہ حال ہے اور اسی طرح سے بہت سے واقعات سننے میں آئے ہیں ایسے لوگوں کے۔

عجب وقت ہے کہ شریعت کا اتباع ترک کرکے لوگ بزرگی تلاش کر رہے ہیں بلکہ ارتکاب معصیت کے ذریعہ قرب خدا وندی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب اگر شریعت کا حکم معلوم ہے اور پھر یہ عقیدہ رکھ رہے ہیں اور اس حکم کو تسلیم نہیں کرتے تب تو کفر ہے اور اگر حکم شرع سے انکار نہیں ہے مگر عمل اسکے خلاف ہے تو یہ فسق ہے۔ اور یہ سب جانتے ہیں کہ خدا کی ولایت اور اسکا قرب عبادت اور طاعت سے ملا کرتا ہے ارتکاب معصیت سے نہیں ملتا۔ اسکا ذریعہ فرمانبرداری ہے نہ کہ ریاکاری۔ زیادہ تر مقربین خدا بلکہ قریب قریب سب ہی اتباع شرع کی راہ سے کامیاب ہوئے ہیں اور اسکے مقابلے میں بہت کم لوگ ایسے ہوئے ہیں جنھوں نے اتباع نہ کیا ہو۔ پھر ظاہر شرع کی اتباع کرنے والوں میں سے بہت ہی اقل قلیل وہ لوگ ہوئے ہیں جنکو مجذوب کہا جاتا ہے ورنہ تو خلافِ شرع کام کرنے

اور بہکی بہکی باتیں کرنے والے زیادہ تر مجنون ہوئے ہیں۔

مجذوب کا حکم

اب جو لوگ کہ اتباع کرتے ہیں تو انکی ولایت کا معیار تو شرع ہے باقی جو عمل وغیرہ نہیں کرتے وہاں چونکہ دونوں احتمال ہے کہ مجذوب ہوں یا مجنون ہوں اور ایسا کوئی معیار نہیں کہ جس سے ہر عامی شخص ان میں باہم امتیاز کر سکے اس لئے کسی شخص کو مجذوب کہنے کے لئے کسی باشرع بزرگ کی تصدیق ضروری ہوگی چونکہ قاعدہ ہے کہ " ولی را ولی می شناسد" اس لئے جب اس قسم کا کوئی ولی ہی کہدے کہ ہاں یہ اس قسم کے ولی ہیں یعنی مجذوب ہیں تب ہی کہہ سکتے ہیں ورنہ اپنی جانب سے نہیں کہہ سکتے۔ اور جب نیک لوگ کسی ایسے کے متعلق فرمادیں کہ یہ خدا کا دوست ہے تو چونکہ وہ مرفوع القلم (غیر مکلف) ہے اسلئے ہم صرف یہ کریں گے کہ اسکے فعل پر اعتراض نہ کریں گے اور اسکو معذور قرار دینگے مگر اسکے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہے کہ تقلید اور اتباع بھی اس کی جائز نہیں ہے بلکہ اتباع اسکی کیجائے گی جو متبع شریعت ہو اسلئے کہ اصل پیروی شرع شریف کی ہے اور اسی کے واسطہ سے اس شخص کی کیجائے گی جو شرع کا عامل ہو۔

خوارق

(یعنی خلاف عادت امور)

ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ ولایت مستقل چیز نہیں ہے، بلکہ یہ فرع ہے نبوت کی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع سے ملا کرتی ہے اور جس طرح سے حضرات انبیاء

علیہم السلام کی صداقت کی دلیل انکا معجزہ ہوتا تھا اسی طرح ولی کی کرامات اور انکے خوارق (یعنی خلاف عادت امور) ان حضرات کی مقبولیت اور انکی صداقت کی دلیل ہیں اسلئے کرامت بھی فرع ہے معجزہ کی چنانچہ "الیواقیت والجواہر" میں ہے

ان کرامات الاولیاء ثابتۃ شائعۃ بین اھل السنۃ والجماعۃ و انما انکرھا اکثر المعتزلہ لعدمھا فی مابینھم و ذالک من ادلّ دلیل علی انھم اھل بدعۃ۔

(اولیائے کرام کی کرامات ثابت اور برحق ہیں اور اہل سنت والجماعت میں مشہور و معروف ہیں اکثر معتزلہ نے انکار کیا ہے اس لئے کہ وہ اس سے محروم اور خالی تھے یہی سب سے بڑی دلیل ہے اس بات کی کہ وہ لوگ اہل بدعت ہیں)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ معتزلہ نے کرامت کا انکار کیا ہے اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ولایت کی بحث میں کرامت کی بھی کچھ تشریح کر دی جائے کیونکہ جس طرح سے عوام بلکہ خواص تک کو بھی ولی کے باب میں اشتباہ ہو رہا ہے کہ وہ شرعی معیار کو ترک کر کے اپنے خود ساختہ معیار کے مطابق ولی کو غیر ولی اور غیر ولی کو ولی سمجھ بیٹھے ہیں اسی طرح سے جہل کے غلبہ کی وجہ سے آج لوگ کرامت کا مفہوم بھی نہیں سمجھتے اسلئے اسکو بیان کرنا چاہتا ہوں سنئے! عقائد کا مسئلہ ہے کہ متبع نبی سے جو خوارق صادر ہوں اسی کو کرامت کہا جاتا ہے یہ نہیں کہ ہر خارق کرامت ہے شرح عقائد میں ہے:۔

وَكَرَامَتُهٗ ظُهُوْرُ اَمْرٍ خَارِقٍ لِلْعَادَةِ مِنْ قِبَلِهٖ
غَيْرُ مُقَارِنٍ لِدَعْوَى النُّبُوَّةِ

یعنی ولی کی کرامت یہ ہے کہ اسکے ہاتھوں پر کوئی امر خارق ظاہر ہو اور وہ شخص مدعی نبوت بھی نہو اور اس آخری قید سے مقصود منکرین کرامت کے اس شبہہ کو دور کرنا ہے کہ کرامت کوئی شے نہیں کیونکہ اس سے نبی اور ولی میں اشتباہ ہوتا ہے۔

کرامت اور استدراج میں فرق

آگے فرماتے ہیں کہ:۔

فَمَا لَا يَكُوْنُ مَقْرُوْنًا بِالْاِيْمَانِ وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ يَكُوْنُ
اِسْتِدْرَاجًا سَوَاءٌ صَدَرَ عَنْ كَافِرٍ اَوْ عَنْ فَاسِقٍ

یعنی کرامت وہ ہے جو ایسے شخص کے ہاتھ پر صادر ہو جو ایمان والا ہو اور عمل صالح رکھتا ہو اور اس میں احتمال استدراج کا نہیں ہے کیونکہ اگر ایمان اور عمل صالح نہو اور پھر ایسے شخص سے اس نوع کی کوئی چیز صادر ہو تو اسکا نام استدراج ہے خواہ وہ کسی فاسق سے صادر ہو یا کسی کافر سے۔ اسی کی کچھ توضیح کرتا ہوں کہ کرامت کیوں مقبول ہے اور استدراج کیوں مقبول نہیں۔ اصل میں جو چیز مقبول عنداللہ ہے وہ مومن کا ایمان ہے اور اسی ایمان کی وجہ سے عمل صالح بھی مقبول ہے اور کرامت بھی چونکہ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ مقرون ہوتی ہے اسلئے وہ بھی مقبول ہے

اب اگر کہیں ایمان ہی ندارد ہو مثلاً کوئی کافر ہو تو اسکی وجہ سے اسکے اعمال بھی مقبول نہیں ہونگے جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ الخ

(یہی وہ لوگ ہیں جنکے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع اور اکارت گئے)

پس اسکے کفر کے ساتھ جو چیز مقرون (اور متصل) ہوگی وہ کیسے مقبول ہوگی ؛ یعنی کفر چونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ چیز نہیں ہے اسلئے کوئی اچھی چیز بھی جب اسکے ساتھ مقرون ہوگی تو وہ بھی پسندیدہ نہوگی یعنی غیر مقبول ہوگی اس لئے اسکے ہاتھ پر جو خوارق ہوں گے وہ کرامت نہ ہوں گے ۔

اسی طرح اگر کسی فاسق سے کسی اچھی چیز کا بھی صدور ہوگا تو چونکہ یہاں عمل صالح نہیں ہے اسلئے وہ بھی مقبول نہیں حاصل یہ کہ جس طرح کفر کے ساتھ مقبولیت نہیں ہے اسی طرح فسق کے ساتھ بھی مقبولیت نہیں ہے لہٰذا کافر و فاسق سے جو چیزیں صادر ہونگی وہ کرامت نہ ہوں گی اور یہ چیزیں انکے عنداللہ مقبول ہونے کی دلیل بھی نہیں بلکہ اسکا نام استدراج یعنی خدائی ڈھیل ہے

دیکھئے آپ کے علماء تو یہ فرماتے ہیں لیکن اب ہم دیکھتے ہیں کہ فاسق تو خیر مومن ہی ہے اگر کافر سے بھی اس قسم کی کوئی چیز صادر ہوتی ہے تو مسلمان اسکے گرد جمع ہو جاتے ہیں حالانکہ علماء نے اسی چیز کا امت پر خوف کیا تھا اور انکو اس سے ڈرایا تھا چنانچہ نبراس میں ہے کہ :۔

وممایجب ان یعلم ان من واظب علی الریاضات الشاقة ظهرت عنه الخوارق ولو کان کافرا وهٰذا امتحان شدید لضعفاء المسلمین وسبب لضلالهم وسوء اعتقادهم بالشر الخ فلیحفظ المؤمن ایمانه عن هٰذه الآفة ۔

(اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ جو شخص دشوار اور سخت ریاضتیں

اور مجاہدے برابر کرتا رہے گا اس سے خوارق اور خلاف عادت امور ظاہر ہوں گے اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہو۔ اور اس کا یہ استدراج ضعیف العقیدہ مسلمانوں کے لئے سخت امتحان اور آزمائش کی چیز ہے بلکہ انکی گمراہی اور احکام شرعیہ سے بداعتقادی کا سبب ہو سکتا ہے، لہٰذا اس آفت سے مومن کو اپنے ایمان کی حفاظت کرنا چاہیئے)۔

لیکن علمار جس چیز کا اندیشہ فرمار ہے تھے یعنی "ضعفار مسلمین" کی گمراہی اور شریعت کے ساتھ انکی بداعتقادی افسوس کہ آج ہم اپنی آنکھوں سے اسکا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

تصوف کو بدنام کرنے والے بہردپئے اسی قسم کے شعبدہ بازوں نے بزرگوں کا لباس پہنکر اور بزرگی کا دعویٰ کر کے تصوف کو بدنام کر دیا اور امر صحیح کو لوگوں پر مشتبہ کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ عوام ایسے ہی لوگوں کو بزرگ اور ولی سمجھنے لگے اور ان لوگوں نے اسکے پردے میں خوب دنیا کمائی چنانچہ اس زمانے میں ایسے لوگوں کی اسقدر بہتات اور کثرت ہوگئی ہے کہ اب اہل حق کو بھی اپنا اعتبار قائم کرنا مشکل ہوگیا اسی قسم کے دنیا داروں کو دیکھکر ایک طبقہ نے تو تصوف اور ولایت کا ہی انکار کر دیا حالانکہ ولایت کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ چنانچہ علمار نے اسکے اثبات کے دلائل بیان فرمائے ہیں۔ (جاری)

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

اسباب الغفلۃ

(۴)

شادی کے لئے موزوں رشتہ

اسی وجہ سے پہلے تو عقلاء کی یہ رائے تھی کہ غریب کی لڑکی سے شادی کرنا چاہیئے مگر ان واقعات کی وجہ سے اب بہت لوگوں کی رائے یہ ہے کہ غریب کی لڑکی ہرگز نہ لینی چاہیئے کیونکہ وہ اپنے ماں باپ کو غریب دیکھکر شوہر کا مال لٹا دیتی ہے۔ خیر میں تو یہ رائے نہیں دیتا لیکن مجھکو بتلانا یہ ہے کہ عورتوں کی بد احتیاطی کی وجہ سے یہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ اب بہت سے عقلاء غریب کی لڑکی لینے کو برا سمجھتے ہیں (میری رائے تو یہ ہے کہ آدمی اپنے برابر کی لڑکی سے شادی کرے) کیونکہ اگر اپنے سے زیادہ امیر کی لڑکی سے نکاح کیا تو گو وہ حریص نہ ہوگی نہ اپنے گھر والوں کو بھرے گی مگر بد دماغ ہوگی اور شوہر کی اسکی نگاہ میں کچھ قدر نہ ہوگی اور غریب کی لڑکی سے کیا تو وہ حریص کیلی ہوگی ہر ایک چیز کو دیکھکر اسکی رال ٹپکے گی اور اپنے عزیزوں کو کیلی بھرے گی۔

خیر یہ بات تو تجربہ کے متعلق ہے میرا مطلب یہ ہے کہ عورتیں مال کے صرف کرنے میں ایسی بے احتیاطیاں کرتی ہیں جنکی وجہ سے عقلاء کو یہ سوچ پیدا ہوگئی کہ امیر کی لڑکی لینا چاہیئے یا غریب کی یا برابر کی۔ اور بڑا اگر عورتوں کو فضول خرچی سے روکنے کا یہ ہے کہ مال اور

زیور پر انکو قبضہ نہ دیا جاسے بس ضرورت کے موافق تھوڑا سا روپیہ انکو دیدیا جائے باقی کو مرد اپنے قبضے میں رکھے اسی طرح یہ زیور اتنا دیا جائے جس سے اس کا ناک کان ڈھک جائے باقی سب شوہر کو اپنے پاس رکھنا چاہیئے (جب کبھی ضرورت پہننے کی ہوئے دیدیا جائے اسکے بعد پھر واپس لیکر رکھ لیا جائے اس طرح کرنے سے وہ فضول خرچی نہ کرسکیگی نہ چرا کر کسی کو دے سکے گی پھر چاہے غریب کی لڑکی سے شادی کر د یا امیر کی لڑکی سے شادی کرو کسی سے کچھ خطرہ نہوگا)

شادی بیاہ کا خرچ ایک بے جا خرچ جو عورتوں اور مردوں سب کی شرکت سے ہوتا ہے بیاہ شادی کا خرچ ہے گو یہ ہوتا ہے سب کی شرکت سے مگر اس میں بھی امام اور مقتدی عورتیں ہیں، مردوں کو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ شادی کے متعلق کیا کیا خرچ ہوتے ہیں بس عورتوں سے پوچھ پوچھ کر سب کچھ کیا جاتا ہے اسمیں یہی حاکم ہوتی ہیں بھلا کیا مجال جو انکی منشا رکے خلاف کچھ بھی ہوسکے

میں نے کانپور میں دیکھا ہے کہ ایک صاحب کے یہاں بارات آئی مگر جب تک بیوی نے اجازت نہ دی اس وقت تک بارات کو ٹھہرا نہیں سکے، مردوں میں تو ان حضرت کی بڑی ذلت ہوئی مگر وہ بی بی پھولی نہیں سماتی تھی کہ دیکھا ہماری اجازت کے بغیر بارات بھی نہیں ٹھہر سکی۔

پھر اسکے بعد شادی میں یہ عورتیں ایسے بے تکے خرچ نکالتی ہیں جن سے مرد کا پڑا ہو جاتا ہے اور اگر کسی وقت شوہر کہتا بھی ہے کہ ذرا سنبھل کر دیکھ بھال کر خرچ کرو تو بیوی صاحبہ کہتی ہیں کہ بہت اچھا میرا کیا حرج ہے میں کفایت شعاری ہی سے کام کرنے لگوں گی مگر پھر دیکھئے میں نہ جانوں کہیں برادری میں ناک کٹ جائے۔ بس ناک کٹنے کے

خوف سے مرد بھی خاموش ہو جاتے ہیں اور عورتیں اندھا دھند روپیہ برباد کرتی ہیں، حالانکہ یہ محض انکا ہی خیال ہے کہ سادگی کے ساتھ بیاہ کرنے سے ناک کٹتی ہے۔ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ سادگی میں کچھ بھی ناک نہیں کٹتی اور زیادہ دھوم دھام کرنے میں ہمیشہ کٹتی ہے۔

حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیوہ لڑکی کی شادی اس طرح کی تھی جیسے کنواری کی کرتے ہیں یہ وہ زمانہ تھا کہ بیوہ کی شادی کو ناک کٹی سمجھتے تھے۔ بعد نکاح کے مولاناؒ نے نائی کو حکم دیا کہ آئینہ تمام برادری کو دکھلا دے سب اپنی اپنی ناکوں کو دیکھ لیں کہ کٹی تو نہیں۔ تو اس رسم بد کی مخالفت سے مولانا کی عزت میں کیا فرق آیا، انکی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس دھوم دھام کو دیکھکر دوسرے مالداروں کے دل میں حسد پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو ہم سے بھی بڑھنے لگا اب وہ اسکی کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح انتظام میں کوئی عیب نکالیں اگر کچھ بھی انتظام میں کمی رہ گئی تو پھر کیا ٹھکانہ ہے ہر طرف اسکا چرچا سن لیجئے۔

کوئی کہتا ہے میاں کیا کہیں ہمیں تو حقہ بھی نصیب نہوا اور دوسرا کہتا ہے میاں ہمیں تو پان کے پتہ سے بھی کسی نے نہ پوچھا، تیسرا کہتا ہے میاں بھوکے مر گئے رات کے دو بجے کھانا نصیب ہوا جب انتظام نہیں ہو سکتا تھا تو اتنے آدمیوں کو بلایا کیوں تھا۔ غرض اس کمبخت کا تو روپیہ برباد ہوا اور انکی ناک بھی سیدھی نہوئی۔ بعض دفعہ حسد میں کوئی یہ حرکت کرتا ہے کہ پکتی دیگ میں کوئی ایسی چیز ڈال دیا ہے جس سے کھانا خراب ہو جائے پھر اسکا محفل میں چرچا ہوتا ہے اور اچھی طرح ناک کٹتی ہے اور اگر سارا انتظام عمدگی سے بھی ہوگیا تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی برا نہیں کہتا تو بھلا بھی نہیں کہتا۔

حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ نے ایک مہاجن کی حکایت بیان فرمائی تھی کہ اس نے اپنی لڑکی کی شادی میں بہت دھوم دھام کی تھی اور سارا انتظام بہت اچھا کیا اور جب بارات رخصت ہونے لگی تو ہر باراتی کو ایک ایک اشرفی دی اور اپنے دل میں خیال کیا کہ آج سارے بارات والے میری تعریف کرتے جائینگے چنانچہ وہ اپنی تعریف سننے کے لئے اس راستہ میں جس سے بارات گذرنے والی تھی ایک جھاڑ کی آڑ میں بیٹھا تھوڑی دیر میں بہلیاں گذرنی شروع ہوئیں پہلے ایک گذری پھر دوسری پھر تیسری مگر سب میں سناٹا تھا کسی نے بھی لالہ صاحب کی تعریف میں ایک لفظ نہ کہا آخر اسی طرح بہت سی بہلیاں خاموشی کے ساتھ نکل گئیں۔ لالہ جی کو بڑا غصہ آیا کہ یہ لوگ بھی عجب نمک حرام ہیں (بلکہ اشرفی حرام کہنا چاہیئے) کہ میں نے اتنا روپیہ ان پر خرچ کیا اور کسی کے منہ سے ایک لفظ بھی تعریف کا نہ نکلا۔ آخر اس نے تھک کر لوٹنے کا ارادہ کیا تو اخیر کی بہلیوں میں سے ایک شخص کی آواز آئی جو دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ بھائی لالہ جی نے تو بڑی ہمت اور حوصلہ کا کام کیا کہ ہر آدمی کو ایک ایک اشرفی دی، لالہ جی کی ذرا جان میں جان آئی کہ کچھ تو محنت وصول ہوئی۔ دوسرا بولا اونہہ سسرے نے کیا کیا! اسکے گھر میں تو اشرفیوں کے کوٹھے بھرے ہوئے تھے اگر وہ دو دو بانٹ دیتا تو اسکے یہاں کیا کمی آجاتی ؟ سسرے نے بانٹی بھی تو ایک ایک اشرفی بس لالہ جی یہ جواب سنکر اپنا سا منہ لیکر واپس چلے آئے۔

تو صاحب کتنا ہی خرچ کیجئے نام کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اول تو حسد کی وجہ سے لوگ الٹا بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جو یہ بھی نہوا تو یہ ہوتا ہے جو لالہ جی کے ساتھ ہوا کہ ایک ایک اشرفی بانٹی اور سسرے

ہی کہلائے۔ اور یہ کبھی نہ ہو تو یہ ہوتا ہے کہ جب کہیں تذکرہ ہوتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ میاں کیا کیا جن کے پاس روپیہ ہوتا ہے وہ کیا ہی کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ جب اس قصے سے نہ کچھ حاصل نہ وصول تو ان سب کو چھوڑ دینا چاہیئے اور یہ حال ہونا چاہیئے ؎

تَرَکْتُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰی جَمِیْعًا
کَذٰلِکَ یَفْعَلُ الرَّجُلُ الْبَصِیْرُ

(میں نے لات وعزیٰ سبھی معبودان باطل کو چھوڑ دیا اور ہر سمجھدار آدمی ایسا ہی کرتا ہے)

صرف مال کی خرابیاں عورتوں میں ایک مرض یہ ہے کہ جب یہ شادی بیاہ کے خرچ مردوں کو بتلاتی ہیں اور خاوند پوچھتا ہے اتنا خرچ میں کہاں سے کروں مجھ میں تو اتنی گنجائش نہیں ہے تو وہ کہتی ہیں قرضہ لے لو شادی کا قرضہ رہا نہیں کرتا سب ادا ہو جاتا ہے۔ خدا جانے یہ انھوں نے کہاں سے سمجھ رکھا ہے کہ شادی اور تعمیر کا قرضہ ادا ہو ہی جاتا ہے وہ چاہے سودی ہی قرضہ ہو اور چاہے خرچ بے تکا ہی ہو۔ صاحب ہم نے تو ان قرضوں میں جائدادیں نیلام ہوتے دیکھی ہیں جب یہ نوبت پہونچ گئی تو اب لوگ خود بھی انکی برائی کچھ سمجھ گئے ہیں مگر پھر بھی پوری عقل نہیں آئی ہنوز بہت کچھ رسوم باقی ہیں، یعنی گو آجکل شرک و بدعت کی رسمیں تو کم ہو گئیں ہیں لیکن تفاخر کی رسمیں بڑھ گئی ہیں چنانچہ زیور اور لباس میں آجکل پہلے سے زیادہ خرچ کیا جاتا ہے پہلے تو سب سے بڑھیا کپڑا مشروع کا سمجھا جاتا تھا اور اب اطلس کمخواب زری اور ٹسر اور مرج وغیرہ نہ معلوم کتنی قسم کے کپڑے بڑھیا بڑھیا ایجاد ہو گئے ہیں اسی طرح برتنوں اور فرش و فروش میں قسم قسم کے تکلف پیدا ہو گئے ہیں۔ پہلے تو یہ حالت تھی کہ اس قسم کی بڑھیا چیزیں کسی ایک دو شخص

کے یہاں ہوتی تھیں شادی بیاہ میں سب لوگ ان سے مانگ مانگ کر کام نکال لیا کرتے تھے۔

چنانچہ ہمارے یہاں ایک رئیس تھے انکے یہاں ایک مرادآبادی حقہ تھا اور ایک بڑا سا فرش تھا اور کسی کے ہاں یہ چیزیں نہ تھیں تو شادی کے موقع پر ساری برادری میں وہ حقہ اور فرش مانگا مانگا پھرتا تھا اور اب تو ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے یہاں یہ چیزیں موجود ہیں۔ تو آجکل ان تکلفات میں بہت کچھ روپیہ برباد ہو رہا ہے اور دیکھئے اگرچہ اس زمانہ میں بہت سے علماء نے ان رسوم کے مٹانے کی کوشش کی ہے اور بہت لوگ سمجھ بھی گئے ہیں لیکن اب بھی بہت سے بھدی عقل کے لوگ موجود ہیں۔

ایک صاحب نے اصلاح الرسوم سے یہ کام لیا وہ کہتے تھے کہ ہم تو بہت سی رسموں کو بھول گئے تھے خدا "اصلاح الرسوم" کے مصنف کا بھلا کرے کہ انھوں نے سب کو محفوظ کر دیا اب ہم اس کتاب کو دیکھ دیکھ کر سب رسمیں کر لیتے ہیں حالانکہ اس کتاب میں رسموں کی تردید کی گئی ہے اور سب کی خرابیاں دکھلائی گئی ہیں مگر ان حضرت نے اس سے یہ کام لیا۔ اسکی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص قرآن میں سے کفار کے اقوال چھانٹ لے مثلاً اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ اور اَلْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰہِ و عُزَیْرُنِ ابْنُ اللّٰہِ اِتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا اور مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْئٍ اور سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وغیرہ وغیرہ، اور ان اقوال کی تردید جو قرآن میں کی گئی ہے اسکو چھوڑ دے اور یوں کہے کہ ہم کو قرآن سے بہت نفع ہوا کہ پہلے کفار کے اقوال ہم کو معلوم نہ تھے اب معلوم ہو گئے اور ایسے اچھے وظائف کفریہ ہاتھ لگ گئے، تو بتلایئے

اس شخص کی حماقت میں کوئی شک ہو سکتا ہے؟ بس ایسا ہی نفع ان صاحب نے "اصلاح الرسوم" سے حاصل کیا۔

اسی لیئے میں کہتا ہوں کہ ابھی تک رسوم کی پوری اصلاح نہیں ہوئی بلکہ ایسے ایسے عقلمند ابھی موجود ہیں۔ یہ وہ خرابیاں تھیں جو صرف مال میں ہوتی ہیں۔ غرض مال میں ہمارے عمل کے تین درجے تھے ان میں جو خرابیاں مرد کرتے ہیں اور جو عورتیں کرتی ہیں وہ میں نے مختصراً بیان کر دی ہیں۔

زوجہ صالحہ کی شناخت

مگر اخیر میں اتنا اور کہتا ہوں کہ اگر عورتیں اس میں ہمت سے کام لیں تو بہت جلد یہ خرابیاں زائل ہو سکتی ہیں اور زائل نہوں تو کم ضرور ہو جائیں گی۔ کیونکہ میں نے بتلا دیا ہے کہ مرد زیادہ تر مال کے گناہ میں عورتوں ہی کی وجہ سے مبتلا ہوتے ہیں اگر یہ ذرا ہمت کر کے زیور اور لباس کی فرمائش کم کر دیں اور مردوں سے کہہ دیں کہ ہماری وجہ سے حرام کمائی میں مبتلا نہ ہونا تو پھر بہت کچھ اصلاح ہو جائے۔

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی کا جب نکاح ہوا تو انکے خاوند مولوی ابراہیم صاحب اسوقت ڈپٹی نہ تھے تنخواہ بھی زیادہ نہ تھی اسلیئے بالائی آمدنی کی بھی کچھ احتیاط نہ تھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی نے پہلے ہی دن ان سے صاف کہدیا کہ میں تمھارے گھر میں اسوقت تک کھانا نہ کھاؤنگی جب تک بالائی آمدنی سے تم توبہ نکروگے غرض اُن اللہ کی بندی نے جاتے ہی خاوند سے توبہ کرائی اور عہد لیا کہ آئندہ سے رشوت کبھی نہ لی جائے۔

صاحبزادی صاحبہ کے متعلق ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہٗ نے پیشین گوئی کی تھی کہ یہ لڑکی بہت زاہدہ ہوگی۔ حضرت

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایام غدر میں ایک مرتبہ گنگوہ تشریف لیگئے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اسوقت موجود نہ تھے حضرت حاجی صاحبؒ نے قیام مولاناؒ ہی کے یہاں فرمایا اور صاحبزادی صاحبہ کو بلاکر ایک روپیہ دیا انھوں نے لیکر اسے حاجی صاحبؒ کے پیروں میں ڈال دیا حضرتؒ نے پھر دیا انھوں نے پھر ایسا ہی کیا۔ کئی دفعہ ایسا ہی قصہ ہوا اور انھوں نے نہیں لیا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ لڑکی بہت زاہدہ ہوگی۔

چنانچہ واقعی بہت زاہدہ ہیں۔ انکا ایک زہد تو یہی ہے کہ پہلے ہی دن خاوند کو رشوت سے روک دیا حالانکہ اسوقت عورت کو روپیہ کا لالچ ہوا کرتا ہے۔ خصوصاً اسکو جسے ماں باپ کے یہاں سے کبھی زر، کا امیرانہ نہ دیا گیا ہو مگر باین ہمہ انکو دنیا کی مطلق حرص نہ ہو ین کا خیال غالب ہوا۔

ی طرح کاندھلہ میں ایک بی بی تھیں انکے خاوند تحصیلدار تھے جنکے متعلق آبکاری کا انتظام بھی تھا ان بی بی نے اپنے خاوند کی آمدنی کو ہاتھ تک لگایا نہ اس میں سے زیور بنایا نہ کپڑا اور کمال یہ کیا کہ مقام ملازمت پر رہنے کے زمانے میں غلہ اور نمک ہر چیز اپنے میکہ سے منگاتی تھیں اور شرافت یہ کہ شوہر کو اطلاع تک نہیں کی کہ انکو رنج نہ ہو۔

ہمارے ہاں ایک کاندھلہ کی بی بی تھیں انکے شوہر کے یہاں کچھ زمین رہن تھی جبکی آمدنی وہ اپنے صرف میں لاتے تھے مگر انکی بی بی نے رہن کی آمدنی میں سے ایک حبہ بھی نہیں کھایا۔

(جاری)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

مقاصدِ بعثت

(۲)

اس مقام پر سب سے اول محل اشکال یہ بات ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس جگہ ایک مخلوق یعنی ستارے کی قسم کھائی ہے اور اسکے علاوہ اور بھی کئی جگہ قرآن مجید میں مخلوقات کی قسم کھائی گئی ہے مثلاً یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اس جگہ قرآن مجید کی قسم کھا کر آپ کی رسالت کو بیان کیا گیا ہے اور سورۂ صٰفّٰت میں فرشتوں کی قسم کھا کر اپنی وحدانیت کو ذکر کیا ہے اور سورۂ والذاریات اور والمرسلات میں فرشتوں کی قسم کھا کر قیامت کو ذکر کیا ہے اور اس جگہ خدا تعالیٰ نے ستارے کی قسم کھائی ہے اور قسم کھا کر مشرکین کی اس بات کی تردید کی ہے کہ تم جو کہتے ہو کہ یہ دیوانہ ہو گیا ہے تو یہ بات نہیں نہ یہ دیوانہ ہوا نہ یہ بے راہ ہے بلکہ ٹھیک راہ پر جا رہا ہے۔

دوسرا اشکال اس جگہ یہ ہے کہ قسم اور جواب قسم میں کیا ربط ہے؟ سو امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اسکی تحقیق فرمائی اور فرمایا ہے قرآن مجید میں قسم سے تین باتیں مقصود ہوتی ہیں یا تو یہ کہ قسم کھا کر جو بات کہی جا رہی ہے وہ سچی ہے، کیونکہ عرب کا طریقہ یہ تھا کہ جب وہ قسم کھا کر کوئی بات کہتے تو جھوٹ نہ بولتے تھے کفار و مشرکین

سے نبی کریم کی نبوت کے انکار کے لیئے دلائل و براہین کا کوئی جواب نہ بن پڑتا تھا اسلئے کہتے تھے کہ یہ دیوانہ ہوگیا اور اپنے دین کو چھوڑ کر گمراہ ہوگیا ہے اسلئے حق تعالیٰ انکی اس بات کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ہم قسم کھا کر تم سے کہتے ہیں کہ یہ نہ دیوانہ ہوئے ہیں نہ بے راہ ہوئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قسم سے کبھی محض تاکید مقصود ہوتی ہے۔ تیسری بات امام رازیؒ نے یہ فرمائی کہ ایک وجہ قسم کھانے کی یہ ہوتی ہے کہ جس چیز کی خدا تعالیٰ قسم کھاتے ہیں وہ دلیل ہوتی ہے جواب قسم کیلئے مثلاً یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ میں قسم تو قرآن مجید کی کھائی ہے اور جواب قسم میں فرمایا اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ یعنی آپ رسول ہیں تو آپکی رسالت کی دلیل قرآن مجید ہے جو خدا تعالےٰ کا قانون ہے اور دستور ہے اور آپؐ کی نبوت و رسالت کی دلیل ہے۔

اب یہاں اسکو منطبق کیجیئے کہ اس جگہ جو خدا تعالیٰ نے ستارے کی قسم کھائی ہے کہ" قسم ہے ستارے کی جب وہ غروب ہو جائے" یہ کس طرح دلیل بنے گی مابعد کے لیئے؟ سو خدا نے قرآن مجید میں کواکب اور نجوم کا ذکر فرمایا ایک جگہ ذکر فرمایا

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ — لوگ ستاروں سے راہ پاتے ہیں۔

عرب کا طریقہ تھا کہ وہ دریا میں کشتیوں پر سفر کرتے تھے اور رات کے وقت جب راستہ نظر نہیں آتا تو ستاروں کو دیکھ دیکھ کر راستہ معلوم کرتے تھے اسیطرح شمس و قمر کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا کہ:۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا — اور سورج چلتا ہے اپنے مستقر پر

اس سے معلوم ہوکہ ہر ستارہ کے لئے خدا تعالیٰ نے ایک مدار کو مقرر کردیا ہے جس کے مطابق چلتا ہے کسی ستارے کی یہ مجال نہیں کہ اپنے مدار اور محور کے سوا کسی دوسری طرف کو گردش کرے تمام کواکب کے لئے حرکت کیفیت اوقات وغیرہ مقرر کردیئے ہیں جن میں کسی قسم کی تبدیلی ناممکن ہے کوئی نہ اپنے دائرے سے ہٹ سکتا ہے اور نہ وقت سے مقدم و موخر ہوسکتا ہے۔ جب سے یہ عالم پیدا ہوا یہ نظام جاری ہے۔ تو جس طرح ہم نے آسمان پر ایک ستارہ بنادیا ہے اسی طرح ایک ستارہ یہ ہے جو ہم نے زمین پر بھیجا ہے جو نبوت و رسالت کا ستارہ ہے جیسے آسمان کا ستارہ اپنے مدار پر جارہا ہے اسی طرح زمین کا یہ ستارہ بھی اسی راہ پر چلتا ہے جو ہم نے اس کو بتادی اور اسکے لئے مقرر کردی جیسے تم آسمان کے ستاروں کو دیکھکر راستہ معلوم کرتے ہو اسی طرح اس نجم نبوت و ہدایت سے ہدایت و رہبری حاصل کرو۔ وہاں دنیا کا راستہ معلوم کرتے ہو اس سے آخرت کا راستہ معلوم کرو۔

اس جگہ ایک اور اشکال ہے وہ یہ کہ خدا تعالےٰ نے صرف ستارے کی قسم کیوں نہ کھائی "اِذَا ھوٰی" یعنی جب وہ غروب ہوجائے یا اوپر سے نیچے کو آئے، اس قید کے ساتھ کیوں مقید فرمایا یعنی اِذَا ھوٰی کے ساتھ کیوں مقید کیا؟ سو بعض مفسرین نے تو یہ فرمایا کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج اور آسمانوں پر جانے اور اترنے کا ذکر ہے اور "ھوٰی" کا لفظ ذو معنیین ہے کہ اسکے معنی نیچے سے اوپر جانے کے بھی ہیں اور اوپر سے نیچے اترنے کے بھی ہیں۔ تو نبی کریم ہدایت کے ستارے

تھے جب چاہا اللہ تعالیٰ انکو اوپر لے گئے اور جب چاہا نیچے لے آئے
چنانچہ آگے آتا ہے کہ
وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى اور بیشک دیکھا ہے آپ نے جبریل کو دوبارہ
تو یہ آپ نے معراج کی شب نزول کے وقت دیکھا۔
اور بعض مفسرین نے اسکی وجہ یہ لکھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت اور طبیعت میں غایت درجہ
مناسبت ہے جیساکہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے
اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ حضرت ابراہیم سے زیادہ قریب وہ لوگ تھے جن
لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ لوگوں نے انکا اتباع کیا تھا اور یہ نبی ہیں۔
تو جب حضرت ابراہیمؑ کو مبعوث کیا گیا تو انکی قوم میں دو قسم کے اور
دو عقیدوں کے لوگ تھے ایک بت پرست اور دوسرے
کواکب پرست۔ ایک گروہ تو بتوں کو اپنا معبود بنائے ہوئے
تھا اور انکی پوجا کرتا تھا اور دوسرا گروہ کواکب و نجوم کی
پرستش کرتا تھا اور تمام تغیرات عالم کو انھیں کی گردشں کا نتیجہ
سمجھتا تھا جیساکہ آجکل بھی نجومیوں کا یہی اعتقاد ہے۔ حضرت
ابراہیمؑ نے پہلے مشرکین کا رد فرمایا پھر کواکب پرستوں کا رد فرمایا
چنانچہ اپنی قوم کو سمجھانے کے لئے آپ نے ایک دفعہ کواکب اور
نجوم اور چاند اور سورج کے بارے میں بطور فرض یہ کہا جس کا ذکر
قرآن مجید میں ہے
فَلَمَّا رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ جب انھوں نے ستارہ کو دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے
یعنی انھوں نے اپنی قوم کو ستارہ دکھا کر بطور فرض محال قوم کو
سمجھانے کے لئے یہ کہا کہ اچھا جیساکہ تم اس ستارہ کو ہر بات میں موثر
سمجھتے ہو اور اسکو اپنا معبود بنائے ہوئے ہو میں فرض کئے لیتا ہوں

یہی میرا رب ہے مگر جب وہ ستارہ غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ
لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ　　میں غروب ہوجانے والوں کو پسند نہیں کرتا
اسی طرح آپ نے چاند اور سورج کے بارے میں بھی فرمایا مطلب یہ کہ
جب سورج نکلتا ہے تو اسکا اور رنگ ہوتا ہے یعنی اس میں
روشنی اور چمک زیادہ ہوتی ہے اور جب غروب ہونے لگتا ہے
تو اور طرح کا ہوتا ہے کہ اسکی روشنی مضمحل ہو جاتی ہے تو اسمیں
یہ تغیرات ہوتے ہیں اور جس میں تغیرات ہوں وہ خدا کیسے ہو سکتا
ہے؟ نیز یہ کہ ان کواکب پرستوں کا عقیدہ یہ تھا کہ جب ستارہ
طلوع ہوتا ہے تو اسکی تاثیر قوی ہوتی ہے اور جب غروب ہونے
لگے تو اسکی تاثیر کمزور ہو جاتی ہے تو حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم
کو تبلایا کہ جب تمھارے ہی عقیدہ کے مطابق اسکی تاثیر میں ضعف
و تغیر آگیا تو تم نے اسکو کیسے رب بنا لیا؟ خدا کی صفت میں ضعف
اور کمزوری نہیں آسکتی۔

ایک معنی اسکے بعض اولیاء نے اور لکھے ہیں جو بیضاوی
کے حواشی میں نظر سے گذرے اور بیضاوی بھی اس جگہ کچھ اشارے
کر گئے ہیں کہ " بوجہ احتجاب کے اسکو محبوب نہیں رکھتا " اسکے
معنی یہ سمجھ میں آئے کہ جب سورج غروب ہوگیا تو اسکے نور میں
وہ پھیلاؤ نہیں رہا معلوم ہوا کہ اس پر بندشیں عائد ہیں اور جس پر
بندشیں عائد ہوسکیں وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

بعض عارفین نے ایک اور توجیہہ کی ہے کہ جب آفتاب
غروب ہوگیا تو وہ حجاب اور پردے میں چلا گیا اور جو پردے میں
چلا گیا وہ محجوب ہوگیا اور جو محجوب ہوگیا وہ مقہور ہوگیا اور جو مقہور
ہوگیا وہ مغلوب ہوگیا اور جو مغلوب ہوگیا وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ

تو چونکہ مکہ معظمہ میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی بت پرست اور کواکب پرست دونوں قسم کے لوگ تھے تو اس جگہ "ھَوٰی" سے مراد وہی ہے جو لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ میں مراد ہے کہ بتوں کیطرح یہ ستارے بھی قابل پرستش نہیں اسلئے کہ جو چیز اوپر سے نیچے گرے وہ خدا نہیں۔ پس لفظ "اِذَا ھَوٰی" میں کواکب پرستوں کے رد کی طرف اشارہ ہے۔ اور ایک اور بھی اشارہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک جگہ ہے

اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ الْکَوَاکِبِ وَ حِفْظًا مِّنْ کُلِّ شَیْطَانٍ مَّارِدٍ

ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی سجاوٹ سے مزین کیا اور کوکب کو ہر شیطان مردود سے حفاظت کا ذریعہ بنایا۔

اس جگہ ستاروں کے دو کام ذکر فرمائے گئے ایک آسمان کی زینت اور دوسرے شیاطین سے حفاظت۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو امور انتظامیہ فرشتوں کے سپرد کئے جاتے ہیں تو بادلوں میں فرشتے انکا مکالمہ اور مذاکرہ کرتے ہیں تو دنیا کیطرف سے کچھ شیاطین آسمان کی طرف جاکر کان لگاتے ہیں کہ فرشتوں کی ان باتوں کو سن لیں انکو دفع کرنے کیلئے ستاروں سے ان پر شعلے پھینکے جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ وہاں سے بھاگتے ہیں۔ اگر اتفاقیہ کسی نے تھوڑی بہت آدھی تہائی بات سن لی تو وہ اسمیں حاشیہ آرائی کر کے کاہنوں تک پہنچاتے ہیں تو اس جگہ ستارہ کی قسم کھانے سے یہ مطلب ہوا کہ نبی پر جو وحی آرہی ہے وہ ہر طرح محفوظ ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس میں کوئی خلل انداز ہو سکے۔

اب ستارے کی قسم کھانے کے تین فائدے معلوم ہوئے۔ ایک اشارہ ہوا حالت نزول کی طرف کیونکہ اگر ستارہ بیچ آسمان کے ہو

تب اس سے راستہ نہیں معلوم ہوتا جب تک وہ اِدھر اُدھر کو حرکت نہ کرے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کی ہر ہر حرکات و سکنات ہدایت کا باعث ہیں۔ دوسرا فائدہ کواکب پرستوں کا رد۔ تیسرا یہ کہ یہ معلوم ہو گیا کہ وحی الٰہی محفوظاً آرہی ہے اور پہروں اور حفاظتوں میں اسکو بھیجا جا رہا ہے

فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا — پس بیشک اللہ تعالیٰ اس پیغمبر کے آگے اور پیچھے محافظ دستے بھیج دیتا ہے یعنی ہر طرف پہرے قائم کر دیئے ہیں۔

یہاں تک قسم کی تفصیل ہوئی آگے جواب قسم ہے

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰی — تمھارا ساتھی نہ گمراہ ہوا اور نہ بے راہ ہوا

ضَلَّ ضَلَالٌ اور غَوٰی غَوَایَتٌ سے مشتق ہے۔ اب ضلالت اور غوایت میں فرق سمجھ لیجئے، ضلال کہتے ہیں علم میں غلطی کو یعنی اگر کسی کا علم غلط ہے تو اسکو ضال کہا جائیگا۔ اور غوایت نیت اور عمل میں جو غلطی ہو اسکو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نبی کریم کا نہ علم غلط ہے اور نہ نیت اور عمل۔ علم بھی اعلیٰ درجہ کا صحیح اور نیت اور عمل بھی صحیح۔ آگے تیسرا لفظ ہے

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی — خواہش نفسانی سے کلام نہیں کرتا

اس جگہ آپؐ کا کلام اور نطق مراد ہے یعنی آپ کے دہن مبارک سے جو کچھ بھی نکلتا ہے اس میں ذرہ برابر بھی ہوائے نفسانی کا شائبہ نہیں ہوتا۔

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے عَنِ الْهَوٰی فرمایا ہے۔ تین احتمال ہو سکتے ہیں کہ بالہوٰی یا من الہوٰی فرماتے یا جیسا کہ فرمایا

ہے "عن الہویٰ" اول کا مطلب تو یہ ہوتا کہ ہواسئے نفسانی کا تلفظ نہیں فرماتے اس صورت میں بظاہر یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ ہوائے نفسانی کا وجود تو ہے مگر تلفظ نہیں فرماتے اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوتے کہ آپؐ کے کلام کا مبدا اور منشا رہوائے نفس نہیں ہوتا اور موجودہ صورت میں جبکہ "عن" کا استعمال ہوا ہے تو عن مجاوزت کے لئے آتا ہے جیسے مَرَرْتُ عَنْ یَمِیْنِہٖ یا مَرَرْتُ عَنْ شِمَالِہٖ یعنی میں اسکے دائیں یا بائیں جانب سے ہو کر گذرا، تو اس جگہ مطلب یہ ہوگا کہ آپؐ کے کلام کا خواہش نفسانی کی طرف سے گذر بھی نہیں ہوا، اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حق بات کہے خواہ وہ کسی نفسانی خواہش سے کہے تو وہ بھی قابل قبول ہوتی ہے کیونکہ حق ہے مگر آپؐ کی شان یہ ہے کہ کوئی حق بات بھی ایسی نہیں فرماتے جسکا نفسانی خواہش سے گذر بھی ہوا ہو کیونکہ اس جگہ مفعول بہ مقدر ہے اور وہ "بِالْحَقِّ" ہے۔ اور اسکی مثال ایسی ہے جیسے کہ ہوا ہے کہ فی نفسہ ایک لطیف اور عمدہ چیز ہے لیکن اگر گلاب کے پھولوں کے پاس سے ہو کر آئیگی تو معطر ہو گی اور اگر کسی گندگی کے ڈھیر اور تعفن کی کوڑی کی طرف سے ہو کر آئے گی تو اس میں تعفن اور بدبو پیدا ہو جائے گی اسیطرح حق بات کہ اپنی ذات میں عمدہ ہے مگر نفسانی خواہش سے گذر کر آئے تو احتمال ہے کہ اس میں کوئی عفونت اور کدورت مل جائے جس کا احساس اور ادراک کسی لطیف المزاج (یعنی ولی و عارف) ہی کو ہو سکتا ہے۔

(جاری)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

کھانے کے آداب

(۶)

پکانے والے کی تعریف کرنی چاہئے

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک مرتبہ اپنا یہ واقعہ سنایا کہ ایک صاحب میرے پاس آیا کرتے تھے اور انکی بیوی دونوں نے اصلاحی تعلق بھی قائم کیا ہوا تھا۔ ایک دن انھوں نے اپنے گھر پر میری دعوت کی میں چلا گیا اور جاکر کھانا کھا لیا، کھانا بہت لذیذ اور بڑا اچھا بنا ہوا تھا، (حضرت والا قدس سرہ کی ہمیشہ کی یہ عادت تھی کہ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو اس کھانے کی اور کھانا بنانے والی خاتون کی تعریف ضرور کرتے، تاکہ اس پر اللہ کا شکر بھی ادا ہو جائے اور اس خاتون کا دل بڑھ جائے) چنانچہ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو وہ خاتون پردے کے پیچھے آئیں اور آکر حضرت والاؒ کو سلام کیا تو حضرت والا نے فرمایا تم نے بڑا لذیذ اور بہت اچھا کھانا پکایا، کھانے میں بڑا مزہ آیا۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ کہا تو پردے کے پیچھے سے اس خاتون کے رونے اور سسکیاں لینے کی آواز آئی، میں حیران ہوگیا کہ معلوم نہیں میری کس بات سے انکو تکلیف ہوئی اور ان کا دل ٹوٹا! میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ آپ کیوں رو رہی ہیں؟ ان خاتون نے بمشکل اپنے رونے پر قابو

پاتے ہوئے کہا کہ حضرت مجھے ان (شوہر) کے ساتھ رہتے ہوئے چالیس سال ہو گئے، لیکن اس پورے عرصہ میں انکی زبان سے میں نے یہ جملہ نہیں سنا کہ "آج کھانا بڑا اچھا پکا ہے" آج جب آپ کی زبان سے یہ جملہ سنا تو مجھے رونا آگیا ۔ چونکہ وہ صاحب حضرت والا کی زیر تربیت تھے اسلئے حضرت والا نے ان سے فرمایا کہ خدا کے بندے ایسا بھی کیا بخل کرنا کہ آدمی کسی کی تعریف میں دو لفظ نہ کہے، جس سے اسکے دل کو خوشی ہو جائے ۔ لہٰذا کھانے کے بعد اس کھانے کی تعریف اور اسکے پکانے والے کی تعریف کرنی چاہیئے تاکہ اس کھانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا ہو جائے اور کھانا بنانے والے کا دل بھی خوش ہو جائے ۔

ہدیہ کی تعریف

عام طور پر تو لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب انکو ہدیہ پیش کیا جائے تو وہ تکلفاً کہتے ہیں کہ بھائی اس ہدیہ کی کیا ضرورت تھی آپ نے بیکار میں تکلف کیا، لیکن ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہٗ کو دیکھا کہ جب حضرت کے بے تکلف احباب میں سے کوئی محبت کے ساتھ انکی خدمت میں ہدیہ پیش کرتا تو حضرت والا تکلف نہیں فرماتے تھے بلکہ اس ہدیہ کی طرف بہت اشتیاق کا اظہار فرماتے اور یہ کہتے کہ بھائی تم تو ایسی چیز لے آئے جسکی ہمیں ضرورت تھی ۔

ایک مرتبہ میں حضرت والا کی خدمت میں ایک کپڑا لے گیا اور مجھے اسکا تصور بھی نہیں تھا کہ حضرت والا اس پر اسقدر خوشی کا اظہار فرمائیں گے ۔ چنانچہ جب میں نے وہ پیش کیا تو حضرتؒ نے فرمایا ہمیں ایسے کپڑے کی ضرورت تھی ہم تو اسکی تلاش میں تھے اور فرمایا کہ جس رنگ کا کپڑا لائے ہو یہ رنگ تو ہمیں بہت پسند ہے اور یہ کپڑا بھی

بہت اچھا ہے۔ بار بار اسکی تعریف کرتے اور فرماتے کہ جب ایک شخص محبت سے ہدیہ لیکر آیا ہے تو کم از کم اتنی تعریف تو اسکی کرو کہ اسکی محبت کی قدر دانی ہو جائے اور اسکا دل خوش ہو جائے کہ جو چیز میں نے ہدیہ میں پیش کی وہ پسند آگئی۔ اور یہ جو حدیث شریف میں ہے تَهَادَوْا تَحَابُّوْا یعنی آپس میں ہدیہ دیا کرو اور اسکے ذریعہ محبت میں اضافہ کرو، تو محبت میں اضافہ اس وقت ہوگا جب تم ہدیہ وصول کرکے اس پر پسندیدگی اور محبت کا اظہار کرو۔

بندوں کا شکریہ ادا کرو

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ

(ترمذی کتاب البر والصلۃ باب ما جاء فی الشکر لمن احسن الیک حدیث نمبر ۱۹۵۴)

یعنی جو شخص انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص بھی تمہارے ساتھ محبت و اخلاص کا معاملہ کرے اور اسکے ذریعہ سے تمہیں کوئی فائدہ پہونچے تو کم از کم زبان سے اسکا شکریہ ادا کردو اور اسکی تعریف میں دو کلمے تو کہدو، یہ سنت ہے اسلئے کہ یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہیں اگر ہم ان طریقوں کو اپنالیں تو دیکھو کتنی محبتیں پیدا ہوتی ہیں اور تعلقات میں کتنی خوشگواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور یہ عداوتیں یہ نفرتیں یہ بغض اور یہ سب دشمنیاں ختم ہو جائیں گی بشرطیکہ انسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر ٹھیک ٹھیک عمل کرلے اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضورؐ کا سوتیلے بیٹے کو ادب سکھانا عن عمر بن ابی سلمۃ

رضی اللہ عنھما قال : کنت غلاما فی حجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت یدی تطیش فی الصحفۃ، قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا غلام سم اللہ وکل بیمینک وکل مما یلیک

(صحیح بخاری کتاب الاطعمہ باب التسمیۃ علی الطعام حدیث نمبر (۵۲۷۶)

یہ حدیث پیچھے گذر چکی ہے حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے (یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے بیٹے تھے حضرت ام سلمۃ رضی اللہ عنہا پہلے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں انکے انتقال کے بعد ——————

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمۃ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا اور یہ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو سلمہ کے بیٹے تھے، نکاح کے بعد یہ بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آگئے تھے اس طرح یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ کے سوتیلے بیٹے بن گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت رہے) وہ فرماتے ہیں کہ جب میں بچہ تھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت تھا ایک مرتبہ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کے ساتھ کھانے کے لئے بیٹھا تو کھانے کے دوران میرا ہاتھ کھانے کے برتن میں چاروں طرف حرکت کرتا تھا ایک نوالہ اس طرف سے کھالیا دوسرا نوالہ اس طرف سے کھالیا تیسرا نوالہ کسی اور طرف سے کھالیا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ حرکت دیکھی تو آپ نے فرمایا اے لڑکے! کھانا شروع کرنے سے پہلے اللہ کا نام لو، بسم اللہ پڑھلو اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ یعنی برتن کا جو حصہ تمہارے سامنے ہے اس سے کھاؤ

اپنے سامنے سے کھانا ادب ہے

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین آداب بیان فرمائے پہلا ادب یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھکر کھانا کھاؤ۔ اسکے بارے میں پیچھے تفصیل سے بیان ہوگیا۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے کھاؤ، اسکا بیان بھی پیچھے آچکا ہے۔ تیسرا ادب یہ بیان فرمایا کہ اپنے سامنے سے کھاؤ ادھر ادھر ہاتھ نہ لیجاؤ، اس ادب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی ہے۔ اسکی ایک وجہ تو بالکل ظاہر ہے وہ یہ کہ اگر انسان کھانا اپنے سامنے سے کھائے گا تو اس صورت میں اگر کھانے کا کچھ حصہ بچ جائے گا تو وہ بدنما اور برا نہیں معلوم ہوگا ورنہ اگر چاروں طرف سے کھائے گا تو اس صورت میں جو کھانا بچ جائے گا وہ بدنما ہو جائے گا اور دوسرا آدمی اسکو کھانا چاہے گا تو اسکو کراہیت ہوگی جس کے نتیجہ میں اس کھانے کو ضائع کرنا پڑے گا، اس لئے فرمایا کہ اپنے سامنے سے کھاؤ۔

کھانے کے وسط میں برکت نازل ہوتی ہے

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کھانا سامنے رکھا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کھانے کے وسط اور درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے اب اگر اس کھانے کے درمیان ہی کھا لیا تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اس کھانے کی برکت ختم ہوگئی اسلئے اگر ایک طرف سے کھانا کھایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ کی برکت زیادہ دیر تک برقرار رہیگی۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ برکت کیا چیز ہے؟ درمیان میں کس طرح نازل ہوتی ہے؟ یہ ساری باتیں ایسی ہیں جن کو ہم اپنی محدود عقل سے نہیں سمجھ سکتے یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں وہ جانیں اور انکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانیں۔ ہمیں

اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں بس ہمیں تو یہ ادب سکھادیا کہ اپنے سامنے سے کھاؤ ادہر ادہر سے مت کھاؤ۔

(ترمذی کتاب الاطعمہ باب ما جاء فی کراھیۃ الاکل من وسط الطعام حدیث نمبر ۱۸۰۶)

اگر مختلف اشیاء ہوں تو آگے ہاتھ بڑھا سکتے ہیں

لیکن یہ ادب اسوقت ہے جب کھانا ایک قسم کا ہو، اگر برتن کے اندر مختلف انواع کی چیزیں رکھی ہیں تو اس صورت میں اپنی پسند اور اپنی مطلب کی چیز لینے کے لئے ہاتھ ادہر ادہر دائیں بائیں جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

چنانچہ حضرت عکراش بن ذئیب رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ دعوت میں تشریف لیجانے لگے تو آپ نے مجھے بھی ساتھ لے لیا جب ہم وہاں پہونچے تو ہمارے سامنے دسترخوان پر "ثرید" لایا گیا۔ "ثرید" اسے کہتے ہیں کہ روٹی کے ٹکڑے توڑ کر شوربے میں بھگو دیئے جاتے ہیں پھر اسکو کھایا جاتا ہے۔ یہ کھانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھا اور آپ نے اسکی فضیلت بھی بیان فرمائی ہے کہ "ثرید" بڑا اچھا کھانا ہے۔

بہر حال حضرت عکراش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے ثرید کھانا شروع کیا تو ایک کام تو یہ کیا کہ میں نے بسم اللہ نہیں پڑھی ویسے ہی کھانا شروع کر دیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ کھانے سے پہلے اللہ کا نام لو اور بسم اللہ پڑھو۔ اسکے بعد دوسرا کام یہ کیا کہ میں کھانے کے دوران ایک نوالہ یہاں سے لیتا دوسرا آگے سے لیتا کبھی ادہر سے کبھی ادہر سے نوالہ لیتا۔ جب حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ حرکت دیکھی تو آپ نے فرمایا

یَا عِکْرَاشُ کُلْ مِنْ مَوْضِعٍ وَاحِدٍ فَإِنَّهُ طَعَامٌ وَاحِدٌ

اے عکراش اپنے سامنے سے کھانا کھاؤ اس لئے کہ یہ ایک ہی قسم کا کھانا ہے۔ چنانچہ میں نے ایک ہی جگہ سے کھانا شروع کر دیا۔ جب کھانے سے فارغ ہو گئے تو ہمارے سامنے ایک تھال لایا گیا جس میں مختلف قسم کی کھجوریں تھیں کوئی کسی رنگ کی کوئی کسی رنگ کی، کوئی عمدہ کوئی درمیانی، کوئی تر کوئی خشک۔ مثل مشہور ہے کہ دودھ کا جلا چھاج بھی پھونک کر پیتا ہے۔ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تلقین فرمائی تھی کہ اپنے سامنے سے کھانا چاہئے اسلئے میں صرف اپنے سامنے کی کھجوریں کھاتا رہا اور میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کا ہاتھ کبھی یہاں جا رہا ہے کبھی وہاں جا رہا ہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ میں ایک ہی جگہ سے کھا رہا ہوں تو آپ نے فرمایا

یَا عِکْرَاشُ کُلْ مِنْ حَیْثُ شِئْتَ فَإِنَّهُ غَیْرُ لَوْنٍ وَاحِدٍ

اے عکراش اب جہاں سے چاہو کھاؤ اسلئے کہ یہ کھجوریں مختلف قسم کی ہیں اب مختلف جگہوں سے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بہرحال اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ادب سکھا دیا کہ جب ایک قسم کا کھانا ہو تو اپنے سامنے سے کھانا چاہیئے اور جب مختلف قسم کے کھانے دسترخوان پر چنے ہوئے ہوں تو ادھر ادھر ہاتھ بڑھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(ترمذی کتاب الاطعمہ باب ما جاء فی التسمیۃ علی الطعام حدیث نمبر ۱۸۴۹)

بائیں ہاتھ سے کھانا جائز نہیں

وعن سلمة بن الاكوع رضي الله عنه —

ان رجلا اکل عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشمالہ فقال کل بیمینک قال: لا استطیع قال لا استطعت ما منعہ الا الکبر فما رفعھا الی فیہ

(صحیح مسلم کتاب الاشربۃ، باب آداب الطعام والشراب، حدیث نمبر ۲۰۲۱)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھکر بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھانا کھاؤ۔ اس شخص نے جواب میں کہا کہ میں داہنے ہاتھ سے نہیں کھا سکتا (بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص منافق تھا اور اسکے دائیں ہاتھ میں کوئی خرابی اور عذر بھی نہیں تھا ویسے ہی اس نے جھوٹ بول دیا کہ میں نہیں کھا سکتا) اسلئے کہ بعض لوگوں کی طبیعت ایسی ہوتی ہے کہ وہ غلطی کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے بلکہ اپنی بات پر اڑے رہتے ہیں۔ اسی طرح یہ شخص بھی بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹوکا شاید اسکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹوکنا پسند نہیں آیا اسلئے اس نے صاف کہدیا کہ میں داہنے ہاتھ سے نہیں کھا سکتا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹ بول دیا۔ اور نبی کے سامنے جھوٹ بولنا یا غلط بات کہنا اور بلا وجہ اپنی غلطی کو چھپانا اللہ تعالے کو انتہائی ناپسند ہے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بددعا دیتے ہوئے فرمایا لَا اسْتَطَعْتَ یعنی تمھیں دائیں ہاتھ سے کھانے کی کبھی طاقت نہو۔ چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ اسکے بعد اس شخص کی یہ حالت ہوگئی کہ اگر کبھی اپنے دائیں ہاتھ کو منہ تک لیجانا بھی چاہتا تب بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین

از حضرت مولانا ظفر احمد صاحب صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

الدُّر المنضود ترجمۃ البحر المورُود
الملقب
وصیت مشائخ (حصہ دوم)

(۲)

(یہ عہد آب زر سے لکھنے قابل ہے ذرا اس زمانہ کے علماء اور سالکین غور سے دیکھیں کہ اسپر کہاں تک عمل کیا جاتا ہے؟ افسوس سخت افسوس ہے کہ اس مرض میں ہم سب مبتلا ہیں کسی ہمعصر کی یا اپنے شیخ کے سوا کسی دوسرے بزرگ کی تعریف سننا ہمکو گوارا نہیں اگر کسی کی تعریف سنتے ہیں تو اکثر یہی کوشش ہوتی ہے کہ اس میں کوئی اعتراض نکالا جائے اور اگر زبان سے کبھی کچھ نہ کہا تو دل سے تو ہرگز خوش نہیں ہوتے وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْم

ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ جس شخص کا علم (ابھی تک) اس کے نفس ہی میں رکھا ہوا ہو (اور دل تک اسکا اثر نہیں پہونچا) اس سے مجاہدہ اور تہذیب اخلاق کا مطالبہ نہ کریں (نہ اسکی اس سے امید رکھیں) کیونکہ (اس حالت میں تہذیب اخلاق اور مجاہدۂ نفس پر) وہ قادر نہیں ہو سکتا بلکہ ہمکو چاہیئے کہ چپکے چپکے اخلاق صالحہ اسکے اندر آہستہ آہستہ پہنچائیں (اول) دوسروں سے

حق میں مثالیں بیان کر کے اخلاق حمیدہ کی فضیلت اور خصائل ذمیمہ کی مضرت اس پر ظاہر کریں) یہانتک کہ علم (کا اثر) اسکے لطیفۂ قلب یا لطیفۂ روح یا لطیفۂ سر تک پہنچ جائے جب ان میں سے کسی ایک میں بھی (علم کا اثر) پہنچ جائے گا تو پھر اس سے اخلاق حسنہ خود بخود ظاہر ہونے لگیں گے۔ بخلاف پہلی حالت کے جبکہ علم کا اثر نفس ہی تک پہنچا ہو کہ اسوقت اخلاق حسنہ کا ظہور بہت دشوار رہے، جب تک علم کا اثر قلب یا روح یا سر تک نہ پہونچ جائے مجاہدات و ریاضات سب بیکار ہیں (اور یہی حالت طلب کی ہے کہ جب تک طلب کا اثر نفس سے گذر کر لطیفۂ قلب یا لطیفۂ روح و سر میں سے کسی میں نہ پہونچا ہو اسوقت تک سالک سے ریاضات و مجاہدات کی توقع بیکار ہے[عـه] بلکہ اول آہستہ آہستہ طلب کا اثر ان لطائف میں پہنچانا چاہیئے پھر خود بخود اسکی حالت درست ہوتی چلی جائے گی بخلاف علم نفس کے کیونکہ نفس سراپا ظلمت ہے اور ظلمت میں تلبیس ہوتی ہے (اسلئے نفسانی علم سے نور نہیں پیدا ہو سکتا ایسا علم ہمیشہ دھوکے میں ڈالے رکھتا ہے) اور قلب و روح و سر یہ لطائف سراپا نور ہیں (جب علم و طلب وغیرہ کا اثر ان میں سے کسی میں پہنچتا ہے تو علم میں نورانیت آجاتی ہے) اور نور علم کی پہچان یہ ہے کہ انسان کو حق و باطل کا (پورا) امتیاز ہونے لگے جس سے حق کا اتباع خود کرنے لگے اور باطل کو چھوڑ دے۔

ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ ہم کسی مؤذن یا کسی خادم مسجد سے خواہ وہ دربان ہو یا فرش بچھانے والا ہو یا روشنی کرنے والا یا

عـه اسی لئے طالب کو جلدی بیعت نہ کرنا چاہیئے جب تک کہ یہ نہ معلوم ہو جائے کہ طلب کا اثر نفس سے گذر کر قلب میں پہنچ گیا ہے جسکی علامت خود علامہ نے بیان کردی ہے۔ ۱۲ مترجم

یا پاخانوں اور غسلخانوں کا صاف کرنے والا ہو دشمنی کبھی پیدا نکریں خصوصاً اگر یہ لوگ محض اپنے فرض منصبی کو محض ثواب سمجھکر یا کسی اور اچھی نیت سے کرتے ہوں (تب تو اور زیادہ انکا احترام چاہیئے) البتہ کسی ضرورت شرعی سے اگر عداوت کی جائے تو مضائقہ نہیں مثلاً یہ کہ وہ لوگ حرام کاموں میں مبتلا ہوں بشرطیکہ شرعی ضرورت محقق بھی ہو جائے (اور محض بدگمانی سے کام نہ لیا جائے) اور یہ ادب اگرچہ انھیں لوگوں کے ساتھ خاص نہیں (بلکہ سب مسلمانوں کے ساتھ یہی برتاؤ رکھنا چاہیئے) مگر ان لوگوں کے ساتھ اس ادب کی رعایت کرنا بہت زیادہ ضروری ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسا کہ فقہا نے فرمایا کہ روزہ دار کو غیبت سے بچنا چاہیئے (حالانکہ غیبت سے بچنا سب کو ضروری ہے مگر روزہ دار کو خصوصیت کے ساتھ اس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ اسکی خاص حالت کا یہی تقاضا ہے کہ جب حلال کاموں کو اس نے چھوڑ دیا کھانا پینا بند کر دیا تو حرام کاموں سے اسکو بدرجۂ اولیٰ بچنا چاہیئے۔ اسی طرح دشمنی کرنا سب سے ناجائز ہے مگر خدام مسجد سے کرنا سخت ناجائز ہے) اسکو خوب سمجھ لو اور حق تعالیٰ کی عظمت کا خیال کر کے ان لوگوں سے عداوت نکرو کیونکہ وہ خدا کے دربار کے خادم ہیں جنہیں سے زیادہ موذن کا مرتبہ ہے کیونکہ وہ (اکثر اذان صبح کے لئے رات سے جاگ اٹھتا ہے اور) پچھلی راتوں کو خدائی لشکروں کے ساتھ دربار خاص میں حاضر ہوتا ہے (کیونکہ یہ وقت خاص تجلی الٰہی کا وقت ہے تمام عارفین کی روحیں اسوقت دربار الٰہی میں حاضر ہوتی ہیں جن میں اکثر اذان دینے والے بھی شریک ہو جاتے ہیں اگرچہ وہ بڑے عارف نہوں مگر اسوقت میں جو کوئی بھی جاگتا ہے اور خدا کو یاد کرتا ہے ضرور اس تجلی سے تھوڑا بہت حصہ ہی لیتا ہے) اور اسوقت یہ موذن سے

عداوت رکھنے والا اکثر جنابت کی حالت میں پڑا سوتا ہوگا کہ اس کے پاس کوئی فرشتہ بھی نہ پھٹکتا ہوگا (کیونکہ جنابت کی حالت میں ملائکہ رحمت پاس نہیں آتے) نیز اس بارگاہ الٰہی سے نکالا ہوا دور کیا ہوا محروم پڑا ہوگا تو جو شخص مؤذن سے عداوت رکھے اس نے یقیناً اپنے آپ کو غضب الٰہی کا نشانہ بنا دیا کیونکہ مؤذن کی بد دعا اس پر ناحق ظلم کرنے والے کے حق میں ضرور قبول ہوتی ہے اور میں نے اپنے بھائی افضل الدینؒ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک رات میں اپنے وظیفے وظائف چھوڑ کر پڑا سو رہا تھا پھر جو اٹھا تو میں نے دنیا بھر کے اولیاء اللہ کو دیکھا کہ مجھ سے پہلے ہی حق تعالیٰ کے سامنے صف باندھے کھڑے ہیں اسوقت کچھ نہ پوچھو کہ مجھ پر کیا گذری میں تو بیٹھا پیشاب پاخانہ کر رہا تھا گویا شیطان کے دربار میں حاضر تھا اور اولیاء اللہ دربار الٰہی میں حاضر اسوقت مجھے حق تعالیٰ سے ایسی شرم آئی کہ ہلاکت کے قریب ہوگیا اھ (یہ واقعہ شیخ رح نے کشف سے دیکھا جو ہر ایک کو ہونا کچھ ضرور نہیں مگر ہم جیسوں کو اگر کشف نہیں ہوتا تب بھی اس میں کیا شک ہے کہ رات کا آخری حصہ خاص تجلی کا وقت ہے حدیث شریف میں صراحۃً موجود ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ رات کے آخری تہائی حصہ میں آسمان اول کی طرف نزول فرماتے ہیں (یعنی عالم دنیا کی طرف خاص توجہ فرماتے ہیں) اس وقت پیشاب و پاخانہ و جنابت وغیرہ میں مشغول رہنا سالک کو مناسب نہیں یہ سب کام آخری تہائی حصہ سے پہلے کرنا چاہیئے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم)

اسکے بعد اس میں کچھ شبہہ نہیں کہ امام کا رتبہ سب خدام مسجد سے بڑھا ہوا ہے اسلئے اسکی محبت کرنا اور اسکی دشمنی سے پرہیز کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ امامت میں وہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا نائب ہے (اور تم خود سمجھ لو کہ نائب رسولؐ کا کیا حق ہونا چاہیے)
خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مسجد میں خدمت کرنے والوں کی مثال وہی ہے
جو ایوان شاہی کے دربانوں کی ہے اور جو شخص دربار شاہی میں
جانے کا قصد کیا کرتا ہے اسکو خدام شاہی و دربان خاص کے ساتھ
ادب سے پیش آنا (اور انکی عزت و مرتبہ کا پاس کرنا) نہایت
ضروری ہوتا ہے۔

کہ جو کوئی قرب خداوندی کا دعویٰ
<u>ہم سے عہد لیا گیا ہے</u> کرے ہم اسکے دعوے کو تسلیم
کرلیا کریں (انکار کے درپے نہوں) بشرطیکہ اس میں قرب الٰہی
کی علامات ظاہر کھلی ہوں، اور وہ علامات یہ ہیں کہ اس میں
خدا تعالیٰ سے خوف و خشیت ہو، خالق و مخلوق سے حیا کرتا ہو اور اپنے
آپ کو ہر اک ہمنشیں سے کم سمجھتا ہو اور عام مسلمانوں سے اس
طرح گفتگو کرتا ہو جیسے کسی بڑے عہ بادشاہ سے گفتگو کر رہا ہے

عہ - یہ علامت جو علامہ نے بیان فرمائی ہے یہ خاص آپ کا ذوق ہے آپکے اوپر مسکنت اور تواضع کا بہت زیادہ غلبہ معلوم ہوتا ہے عارف کیلئے متواضع ہونا تو ضروری ہے مگر یہ ضرور نہیں کہ تواضع کا اثر بات چیت میں کھلی ہر اک کو معلوم ہو جایا کرے۔ تواضع کا اصل محل قلب ہے یعنی دل میں اپنے آپ کو سب سے حقیر سمجھنا جب اسکا بہت غلبہ ہو جاتا ہے تو بات چیت سے کھلی معلوم ہونے لگتا ہے کہ یہ اپنے آپ کو بہت ہی ذلیل سمجھتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تواضع دل ہی میں رہتی ہے اقوال و افعال سے ہر ایک کو اسکا پتہ نہیں چلتا۔ چنانچہ صوفیہ کرام اہل ارشاد صاحب سیاست وانتظام ہوتے ہیں انکی حالت کا ہر ایک کو پتہ نہیں چلتا، عام لوگ انکی سیاست و انتظام کو دیکھکر تکبر کا شبہہ کرنے لگتے ہیں مگر حقیقت میں وہ تکبر سے پاک ہوتے ہیں اور طالب کی اصلاح کے لئے سیاست اور سختی اختیار کرتے ہیں۔

اور باتیں کرتے ہوئے مخاطب پر آواز بلند نہ کرتا ہو اور اسکے مثل بہت سی علامات ہیں پس اگر ہم اسکو ان علامات کے خلاف پائیں تو ظاہر میں اسکے دعوے کو رد کر دیں اور باطن میں (اب بھی) تسلیم کرتے رہیں (کیونکہ ممکن ہے کہ اسکی طبیعت میں اخفاء بہت زیادہ ہو اسلئے ہمکو علامات سے اسکی حالت کا پتہ نہ چلا ہو چنانچہ صوفیہ میں ایک فرقہ ملامتی کہلاتا ہے وہ اپنی حالت کو بہت چھپاتے ہیں ظاہری علامات سے انکو کوئی بزرگ نہیں کہہ سکتا مگر پاس رہنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ واقعی وہ کس درجہ اور کس مرتبہ پر پہونچا ہوا ہے)

اور میں نے سیدی علی خواصؒ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ مقربان الہٰی کے آداب میں ہزار ادب تو اصل الاصول ہیں اور انکی فروع بہت زیادہ ہیں۔ اور عزیز من! یہ بات جان لینی چاہیئے کہ صوفیۂ کرام جہاں کہیں قرب کا لفظ بولتے ہیں اس سے انکی مراد یہ ہوتی ہے کہ دل سے اس بات کا مشاہدہ ہو جائے کہ میں حق تعالیٰ شانہٗ کے سامنے ہوں (بس قرب خداوندی کے یہی معنی ہیں جب دل میں یہ مشاہدہ[عہ] پختہ ہو جاتا ہے تو

عہ۔ اور یہی مرتبہ حصول نسبت کے نام سے مشہور ہے جسکو اصطلاح میں درجۂ تکمیل کہتے ہیں سالکین اسی کیلئے کوششیں کرتے ہیں اسکے بعد احکام شرعیہ پر استقامت نصیب ہو جاتی ہے پھر وہ طبیعت ثانیہ بن جاتے ہیں جس سے رضاء الہٰی جو کہ اصل مقصود ہے حاصل ہو جاتی ہے۔ اسکے بعد اور بہت سے مراتب ہیں جنکی کوئی حد و انتہا نہیں۔ کثرت ذکر اور اجتناب معاصی سے نسبت کو قوت اور دن بدن ترقی ہوتی رہتی ہے ؎

اے برادر بے نہایت درگہیست ہرچہ بروے می رسی بروے مایست

حق تعالیٰ نے اس بندہ کو اپنا بنا لیتے ہیں) اور جس وقت کوئی دل اس مشاہدہ سے خالی ہوتا ہے وہ اس وقت شیاطین کے دربار میں ہوتا ہے، کیونکہ اس عالم میں دو ہی دربار ہیں (ایک دربار خدا دوسرا دربار شیطان) جب ان میں سے کسی ایک میں داخل ہوگا دوسرے سے نکل جائے گا۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسا کہ نماز اور خارج نماز (کہ انسان ان دو حالتوں سے کبھی خالی نہیں ہو سکتا یا تو نماز میں ہوگا یا نماز سے باہر ہوگا، نماز پڑھتے ہوئے نماز سے خارج نہیں ہوتا اور نماز سے باہر ہو کر نماز میں نہیں ہوتا۔ اسی طرح دربار خدا میں رہتے ہوئے شیطان کے دربار میں نہیں ہوتا اور شیطان کے دربار میں ہوتے ہوئے خدا کے دربار میں نہیں ہوتا۔ اور خدا کے دربار میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دل سے اس بات کا مشاہدہ کرتا رہے کہ میں خدا کے سامنے ہوں جب اس مشاہدہ سے غافل ہوگا وہ اس وقت خدا کے دربار میں نہیں بلکہ شیطان کے دربار میں ہے۔ اسی لئے حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امت محمدیہ کے گناہوں میں غور کیا تو غفلت سے بڑا کوئی گناہ نہیں اھ۔ کیونکہ غفلت کے وقت انسان شیاطین کے دربار میں داخل ہو جاتا ہے پھر اس سے جو گناہ بھی سرزد ہو جائے کچھ بعید نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جب غفلت سے بڑا کوئی گناہ نہیں تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضور حق سے بڑی کوئی طاعت نہیں حضور حق نصیب ہو جائے تو ساری طاعات اور تمام اعمال آئینہ کی طرح سامنے ہو جاتے اور سہل ہو جاتے ہیں)

(جاری)

خبریں

اسلام کی جانب عورتوں کا میلان

متحدہ عرب امارات میں مقیم غیر ملکی خواتین اسلام کے نظام عدل سے متاثر ہو کر بڑی تعداد میں اسلام کے آغوش میں پناہ لے رہی ہیں۔ ان نومسلم خواتین میں سب سے زیادہ تعداد برصغیر ھند و پاک، نیپال و بنگلہ دیش اور سری لنکا و فلپائن سے آنے والی خواتین کی ہے۔ یہ خواتین یہاں پر تلاش معاش یا اپنے شوہروں کے ساتھ آتی ہیں اور اسلام کے مثالی معاشرہ سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو جاتی ہیں۔ صرف پچھلے سال تقریباً چار سو خواتین حلقہ بگوش اسلام ہوئیں۔

وزارت اوقاف بڑی تعداد میں دعوتی لٹریچر بھی تیار کروا کر عورتوں میں تقسیم کراتا ہے۔ وزارت کو اپنی کوششوں کے خاطر خواہ نتائج بھی حاصل ہو رہے ہیں اس نے اپنی تحریک کا آغاز ۱۹۹۶ء میں کیا تھا، شروع میں دس بارہ خواتین نے اسلام قبول کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا بعد میں یہ تعداد بڑھتی گئی، جیل میں بند خواتین کو اسلام کی دعوت دی گئی، ایک تازہ واقعہ میں شارجہ جیل میں مقید سو خواتین دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئیں۔

ان اسلام قبول کرنے والی خواتین سے اسلام پر حقوق نسواں کی پامالی کا الزام عائد کرنے والوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ سے باز رہنا چاہیئے کیونکہ حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اسلام ہی نے سب سے پہلے عورتوں کو ان کے حقوق دیئے۔ وراثت میں حصہ دار بنایا، سماجی انصاف و تحفظ فراہم کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی عورتیں تمام تر پروپیگنڈہ کے باوجود جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہو رہی ہیں۔

حامل مضامین تصوف و عرفان ☆ افادات وصی اللٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصية العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

جانشین حضرت مصلح الأمة قدس سرہٗ

مدیر

احمد مکین

شمارہ ۱۱ / ۱۲، شعبان المعظم، رمضان المبارک، ۱۴۲۱ھ جلد نمبر ۲۳

مطابق نومبر دسمبر ۲۰۰۰ء

سالانہ زرتعاون سو روپیہ، ششماہی پچپن روپیہ،

سالانہ بدل اشتراک پاکستان ایک سو پچاس روپیہ،

غیر ممالک ۱۰ پونڈ

قیمت فی پرچہ ۱۰ روپئے

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۵ / ۲۳ - بخشی بازار الہ آباد ۲۱۱۰۰۳

فون : 656183

S.T.D.Code No 0532

پرنٹر - پبلشر - مولوی احمد متین سٹی آفسیٹ پریس بخشی بازار الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترتیب

اعلان ضروری

جنوری ۲۰۰۱ء سے رسالہ وصیۃ العرفان کا زرِ تعاون حسب ذیل ہوگا

سالانہ........................ ۱۰۰ سو روپیہ

ششماہی........................ ۵۵ پچپن روپیہ

فی پرچہ........................ ۱۰ دس روپیہ

پاکستان کا زر تعاون........................ ۱۵۰ ایک سو پچاس روپیہ

مصلح الامت محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ

ولایت کا حقیقی مفہوم

(۳)

ولایتِ حقیقی اور تصوف کا ثبوت :

اس وقت یہاں آپ کے سامنے اسکی صرف ایک دلیل بیان کرتا ہوں اور اس کو اس باب میں کافی اور وافی سمجھتا ہوں کیونکہ یہ اس قدر محکم دلیل ہے کہ بجز معاند (ہٹ دھرم اور ضدی) کے اور کسی کو مجال انکار نہیں۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ اپنی کتاب ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں کہ :

دلیل چہارم آنکہ جماعتے بے نہایت کہ اتفاق شاں بر کذب عقل محال می داند و آں جماعتے بقسمے ست کہ ہر ہر فرد شاں بتقویٰ و علم بقسمے ست کہ تہمت کذب بروے رونما شد بزبان قلم و قلم زبان خبر می دھند کہ ما را بسبب صحبت مشائخ کہ سلسلۂ صحبت شاں برسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم می رسد در باطن حالتے پیدا آمدہ سوای عقائد و فقہ کہ قبل از صحبت شاں بداں متحلی بودند و ازیں حالت کہ حاصل شد محبت با خدا و دوستان خدا و اعمال صالح و توفیقات حسنات و رسوخ در اعتقادات حقہ زائد شد و ایں حالت کہ البتہ کمال است و موجب کمالات ست۔

اثبات ولایت کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ بیشمار لوگوں کی جماعت جن کا کذب پر جمع ہونا عقل کے نزدیک محال ہے (اسلئے کہ وہ سب لوگ مختلف اطراف و اکناف میں پھیلے ہوئے ہیں) نیز وہ جماعت ایسی شان کی ہے کہ ان میں کا ہر ہر فرد اپنے علم و تقویٰ کی وجہ سے ایسا ہے کہ اس پر کذب کی تہمت ہی جائز نہیں ہے (ظاہر ہے کہ جب کسی جماعت کا ہر فرد اس قسم کا ہوگا تو اس جماعت کا کیا کہنا) ایسی جماعت نے تحریراً و تقریراً یہ

بیان کیا ہے کہ ہم کو مشائخ کی صحبت سے (جنکا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتا ہے) اپنے باطن میں ایک نئی حالت حاصل ہوتی محسوس ہوئی جو کہ عقائد و فقہ کے علم کے علاوہ ہے کیونکہ یہ سب علوم ہمیں مشائخ کی صحبت میں حاضری سے پہلے ہی حاصل تھے اور اس حالت کا اثر ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کی وجہ سے حق تعالیٰ کی محبت اور اللہ والوں کی محبت نیز اعمال صالحہ کی محبت اور حسنات اور نیکیوں کی توفیق اور سچے اعتقادات میں رسوخ پہلے سے زیادہ ہمارے اندر ہوا اور یہ حالت بلا شبہ خود بھی کمال ہے اور دوسرے کمالات کی تحصیل کا ذریعہ بھی ہے۔

قاضی صاحبؒ نے یہاں یہ جو فرمایا کہ "مارا بسبب صحبتِ مشائخ در باطن حالتے پید آمدہ سوائے عقائد و فقہ" یعنی مشائخ کی صحبت کے سبب سے ہمارے باطن میں علاوہ عقائد و فقہ کے ایک حالت پیدا ہوئی اس میں غور فرمایئے کہ قاضی صاحب فرما رہے ہیں کہ بزرگوں کی صحبت سے باطن میں ایک حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اب جو علاوہ عقائد و فقہ کے ہوتی ہے۔ اب جو لوگ کہ صرف اسی کو دین سمجھتے ہیں ان پر یہ حجت ہے وجہ یہ ہے کہ عقائد و فقہ کی تحصیل جس طرح ضروری ہے نسبت احسان بھی ضروری ہے (جس کا ذکر حدیث جبریل میں آیا ہے) اہل دین کو دین کے ساتھ نسبت ہوتی ہے پھر یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ کسی چیز سے نسبت ہو اور وہ صرف اس کے بعض اجزاء کے ساتھ منحصر رہے۔

انسانوں کی دو قسمیں اور ان کے اوصاف :

اصل یہ ہے کہ انسان دو طرح کے ہوتے ہیں بعض عالی ہمت ہوتے ہیں بعض قاصر الہمت ہوتے ہیں۔ جو لوگ قوی الہمۃ "بلند حوصلہ" ہوتے ہیں وہ سب چیزوں کے جامع ہوتے ہیں یعنی جس طرح عقائد و فقہ کے حامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے نسبت احسان کے بھی حامل ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ قاصر الہمۃ "پست حوصلہ" ہوتے ہیں وہ ظاہری چیزوں کو تو لے لیتے ہیں اور باطن کی جانب توجہ نہیں کرتے چنانچہ عقائد و فقہ سیکھتے ہیں لیکن احسان کی جانب توجہ نہیں کرنا چاہتے اس کی وجہ یہ ہے کہ نسبت احسان یعنی اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق پیدا کرنے کے لئے مخلوق کا تعلق مانع ہوتا ہے چنانچہ کم ہمت لوگ اللہ تعالیٰ سے صبر کر لیتے ہیں مگر مخلوق سے تعلق ختم کر لینا ان کے لئے

موت ہے اور جو لوگ عالی ہمت ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کے لئے مخلوق کے تعلق کو ختم کر لینا گوارا کر لیتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اس دار دنیا میں بڑے پیمانے پر محض دنیا حاصل کر لینا یہ کچھ عالی ہمتی کی بات نہیں ہے عالی ہمتی یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرے اور اپنے نفس کو چھوڑے مگر اس کے لئے بڑا جہاد کرنا پڑتا ہے جو کہ اہل نفس اور کم ہمت لوگوں کیلئے آسان نہیں ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ ؎

ہر حریصے ناسزائے ترک دنیا کے کند　　　شیر مردے بایدو دریادلے مردانۂ

ہر حریص، نااہل اور پست حوصلہ آدمی کب دنیا چھوڑ سکتا ہے ایسے کام کے لئے تو کوئی شیر مرد دریادل اور جوان مرد "یعنی بڑے جگر گردے والا" آدمی ہی چاہیے۔

اور بزرگوں کا یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسے حج کے متعلق یہ حضرات فرماتے ہیں۔

حج زیارت کردن خانہ بود　　　حج رب البیت مردانہ بود

یعنی یوں تو حج نام ہے خانۂ کعبہ کی زیارت کرنے کا لیکن رب البیت کا حج اور کعبہ کی تجلیات ربانی کا مشاہدہ کرنا یہ مردانہ حج ہے۔

یعنی ایک تو ہوتا ہے بیت اللہ کا حج اور ایک ہوتا ہے رب البیت کا حج تو اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ مردانہ حج یہ ہے کہ آدمی رب البیت کا حج کرے اور صرف بیت کا حج کرنا یہ زنانہ حج ہے اور قاصر الہمت لوگوں کا کام ہے۔ پس دیکھئے حج دو نہیں ہوا کرتا مگر انسانوں کے اعتبار سے دو ہو گیا اسی طرح سے دین بھی ایک ہی ہے مگر جو عالی ہمت لوگ ہوتے ہیں وہ اس کے تمام شعبوں کو لیتے ہیں اور جو قاصر الہمۃ ہوتے ہیں وہ سہل اور آسان کو لے لیتے ہیں اور مشکل کو چھوڑ دیتے ہیں۔ گویا جو عالی ہمت ہوتا ہے وہ تو دین اختیار کرتا ہے اور جو لوگ اپنے کو اس سے قاصر پاتے ہیں وہ دنیا میں لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی سمجھئے کہ دین میں عقائد و فقہ کی تحصیل ضروری تھی اور نسبت احسان کا حاصل کرنا بھی ضروری تھا مگر دیکھا جاتا ہے کہ آج علماء عقائد و فقہ کی تحصیل کرتے ہیں لیکن احسان ترک کئے ہوئے ہیں۔

اہل اللہ کامل الاستعداد ہوتے ہیں :

تھانہ بھون میں ایک مرتبہ ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ اجی یہ کیا بات ہے کہ جو لوگ ذی استعداد ہوتے ہیں وہ دوسری طرف چلے جاتے ہیں اور جو ذی استعداد نہیں ہوتے وہی اس راستے میں آتے ہیں۔ مجھے ان کی یہ بات پسند نہ ہوئی۔ میں نے کہا اور یہ جو بڑے میاں بیٹھے ہیں (یعنی حضرت حکیم الامت قدس سرہ) کیا یہ بھی ذی استعداد نہیں ہیں اور یہ بھی کہا کہ جن لوگوں کو آپ سمجھتے ہیں کہ بہت ذہین اور ذی استعداد ہیں اور طریق کی جانب ان کی توجہ نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں ادھر کی استعداد نہیں ہے اور جن کو ظاہر میں بد استعداد سمجھتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ وہ دین کی طرف متوجہ ہیں تو اسکی وجہ ہے کہ ان میں ادھر کی (دین اور طریق کی) استعداد موجود ہے دوسرے لفظوں میں اس کو یوں سمجھئے کہ اُدھر کی استعداد ان کو طریق کی جانب توجہ کرنے سے مانع نہیں ہوئی بلکہ اِدھر کی بد استعدادی مانع بنی اسی طرح سے جو لوگ دین کے کام میں لگے ہیں تو اس کا منشا اُدھر کی سوء استعدادی نہیں ہے بلکہ اِدھر کی استعداد ان میں موجود ہے۔ میرا یہ جواب سنکر وہ بالکل چپ ہی تو ہو گئے اور کہنے لگے کہ تم نے تو بڑی ہی عمدہ بات کہی۔

آخر میں بطور خلاصہ کے کہتا ہوں کہ علماء کے ذمہ دو فریضے عائد ہوتے ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ سے محبت حاصل کرنا اور دوسرے نفس کو مارنا یہ علم کے فرائض میں سے ہے۔

کامل اور مکمل کی تعریف :

اور قاضی صاحب نے یہ جو فرمایا۔ "وایں حالت البتہ کمال است و موجب کمالات ست" اس میں قاضی صاحب نے اسی نسبت احسان اور باطنی دولت کو کمال فرمایا اور ظاہر ہے کہ جس شخص کے اندر یہ کمال پایا جائیگا اسی کو کامل کہا جائیگا۔ اب اگر وہ شخص س کمال کا دوسروں میں بھی تعدیہ کرتا ہے تو اس کو مُکمّل کہا جائیگا پس شیخ کے متعلق آپ نے یہ جو سنا ہو گا کہ کامل و مکمل ہوتا ہے تو اسکی تعریف یہیں سے معلوم ہوئی۔

اور یہ جو فرمایا کہ دیگر کمالات کا موجب تو ان کمالات سے مراد وہی ہے جو اوپر

مذکور ہوا یعنی حق تعالیٰ سے محبت اور دوستان خدا اور اعمال صالحہ سے محبت حسنات کی توفیق اور عقائد حقہ کا رسوخ ان تمام چیزوں میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر کمال ہے جس کا منشاء ایک دوسرا کمال یعنی (نسبت) ہے اور اس نسبت کا تعدیہ دوسرے لوگوں میں جو ہوتا ہے اسے یہ حضرات تاثیر صحبت کہتے ہیں جو کہ مشائخ کی خاص چیز ہے چنانچہ اسی تاثیر کو علماء نے ولایت کی قوی ترین دلیل قرار دیا ہے۔

قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :- اقویٰ براہین (ولایت) ہماں است کہ از حدیث ثابت شد کہ از صحبت اووازدیدن او خدا یاد آید ودل از ماسواسرد می شود" یعنی ولایت کی قوی ترین دلیل جو کہ حدیث شریف سے بھی ثابت ہے یہ ہے کہ اس کی صحبت سے اور اس کی زیارت سے خدا یاد آئے اور دل دنیا سے سرد ہو جائے۔

خدا یاد آنے کی تحقیق :

اور کسی کی صحبت میں خدا کے یاد آنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی شریعت یاد آوے خدا کے احکام یاد آویں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یاد آوے اور آپ کے اخلاق یاد آویں اور دنیا سے دل سرد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کا شوق پیدا ہو اور معاصی اور دوزخ کا خوف قلب میں آجائے۔ یہ توضیح میں نے اسلئے کی ہے کہ ولی کی پہچان میں یہ کہدینا کہ اس کی صحبت میں خدا یاد آئے ذرا ڈھکی چھپی بات ہے عوام الناس کے لئے اس کا سمجھنا اور فیصلہ کرنا مشکل ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ولی ہو اور اس کی صحبت میں بیٹھنے والا یہ کہدے کہ ہمارے قلب میں تو ان کی صحبت سے خدا کی یاد نہیں پیدا ہوئی یا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کسی نیک شخص کو اسکی طلب اور صدق نیت کی وجہ سے کسی مدعی ولایت کی صحبت میں خدا کی یاد پیدا ہو جائے اور وہ اسے اسکی ولایت کی علامت سمجھے حالانکہ وہ عنداللہ ولی نہ ہو۔ پس محض یاد خدا کہنے میں بات ذرا واضح نہیں ہوئی تھی اس لئے یہ کہنا چاہئے کہ جس کا ظاہر شریعت کے موافق ہو اور جس کا عمل سنت کے مطابق ہو اور اسکے پاس بیٹھنے والوں پر یہ اثر پڑے کہ ان کے قلب میں بھی شریعت کی عظمت اور اس کا احترام پیدا ہو۔ نیز احکام خداوندی کا اہتمام قلب میں آجائے اور اتباعِ کتاب وسنت کا شوق پیدا ہو جائے تو بلا شبہ یہ دلیل ہو گی اس بات کی کہ وہ شخص جس کی صحبت کی وجہ

سے یہ سب چیزیں اس کو حاصل ہوئی ہیں خدا کا ولی اور دوست ہے

کرامت مجاہدۂ نفس کا صلہ ہے :

پھر جب کوئی مومن خدا کا دوست ہو جاتا ہے تو اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو ان کے اخلاص اور مجاہدہ کے صلہ میں خوارق بھی مرحمت فرماتے ہیں یعنی چونکہ یہ لوگ اپنے نفس کو مار کر اسکو اسکی خواہشات اور مرغوبات عادات اور مالوفات کے خلاف چلنے پر راضی کر لیتے ہیں جو کہ ایک قسم کا خرق عادت ہی ہے اسلئے اس خرق عادت کا صلہ وبدلہ اللہ تعالیٰ دوسرے خرق عادت کے ساتھ عطا فرماتے ہیں پس ولایت تو ان کو ان کی استقامت علی الشرع کی وجہ سے حاصل ہو چکی ہوتی ہے اور یہ خوارق بطور صلات اور ثمرات کے ہوتے ہیں لیکن شیطان نے طریق کے اس مقام سے بھی فائدہ اٹھایا اور مختلف قسم کی گمراہی لوگوں میں اس راہ سے داخل کرنے کی کوشش کی یعنی ایک تو یہ کہ عام لوگوں کے ذہن میں یہ ڈالا کہ اگر کسی شخص سے خوارق (کشف و کرامات) کا ظہور نہ ہو تو وہ ولی ہی نہیں ہے دوسرے یہ کہ استدراج کو جو خوارق کی ایک قسم تھی اور کافر کے ہاتھوں پر ہوتی تھی اسکو کرامت کے ساتھ ملتبس "خلط ملط" کر دیا اور اس کے ذریعہ سے فاسق و فاجر حتی کہ کافر تک کو مسند ولایت پر لا اٹھایا چنانچہ اس راستہ سے بھی امت میں بہت گمراہی پھیلی۔ ایسی کہ لوگوں کو اپنا ایمان محفوظ رکھنا دشوار ہو گیا۔ جیسا کہ اس فتنہ کی جانب صاحب نبراس کی تنبیہ ابھی گذری ہے۔

تلبیس ابلیس :

اور وہ گمراہی یہی کہ اس نے لوگوں کو یہ سمجھایا کہ تم کشف و کرامت والے کو ولی کہتے ہو تو دیکھو اس (فاسق یا کافر) سے بھی تو خوارق ظاہر ہو رہے ہیں لہذا یہ بھی ولی یعنی عند اللہ مقبول ہے۔ مشائخ محققین نے اس چور دروازے کو معلوم کیا۔ چنانچہ خوارق پر مفصل کلام فرمایا اور یہ ثابت کر دیا کہ یہ ولایت کا ثمرہ تو ہے مگر بدون اتباع شرع اور استقامت کے تنہا یہی علامت ولایت نہیں چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ سے تو یہ منقول ہے کہ "بعضے اولیاء کہ از آنہا کرامت بسیار ظاہر شدہ وقت رحلت آرزو کردند

کہ کاش کے ازما ایں قدر کرامات ظاہر نمی شد" یعنی بعض اولیاء اللہ نے جن سے بہت کرامتیں صادر ہوتی تھیں بوقت انتقال یہ تمنا کی کہ کاش ہم سے اتنی کرامتیں نہ صادر ہوئی ہوتیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ولایت اس پر موقوف نہیں تھی ورنہ یہ بزرگ اس کے زوال کی تمنا کیوں کرتے نیز صاحب عوارف نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض مقبولین کو خوارق سے نوازتے ہیں اور بعضوں کو ایک خرق عادت بھی نہیں عطا فرمایا مگر وہ صاحب خوارق سے کہیں افضل ہوئے ہیں۔

اصل دولت شریعت پر استقامت ہے :

غرض ایک جانب تو ان حضرات نے خوارق (کشف و کرامت) کی حقیقت لوگوں کے سامنے واضح کی اور دوسری جانب بہانگ دہل اس امر کا اعلان فرمایا کہ ولی کے لئے خوارق کا ہونا ضروری نہیں اور نہ یہ چیزیں ولایت کی علامات ہی ہیں بلکہ ولی کی علامت ظاہری یہ ہے کہ اس کے اندر استقامت علی الشرع پائی جائے اور ان حضرات کے یہاں یہ مقولہ مشہور ہی ہے کہ "الاستقامۃ فوق الکرامۃ" شریعت پر استقامت یعنی مضبوطی سے عمل پیرا ہونا کرامت اور خلاف عادت امور سے کہیں بڑی چیز ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بزرگوں سے سنا کہ آپ کی خدمت میں کوئی طالب کرامت پہونچا جیسا کہ لوگوں کا عام مذاق ہو گیا ہے کہ کسی بزرگ کے یہاں جا کر سب سے پہلے کرامت ہی کے طالب ہوتے ہیں یہ شخص بھی اسی نیت سے گیا اور غالباً دس سال حضرت کی خدمت میں رہا اس کے بعد ایک دن واپسی کی اجازت چاہی شیخ کو یہ اندیشہ ہوا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مجھ سے کوئی لغزش ہوئی جس پر یہ مطلع ہو گیا ہے اور بد عقیدہ ہو کر جا رہا ہے اسلئے اس سے فرمایا کہ کیسے آئے تھے اور کیسے چلے اس نے عرض کیا کہ آپ کی بہت شہرت سنی تھی اسلئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا لیکن اس دس سال کے قیام کے زمانہ میں میں نے آپ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی اسلئے بصد حسرت ویاس بے نیل مرام اب گھر واپس جا رہا ہوں حضرت نے یہ سنکر فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے اتنے عرصہ میں عبد القادر سے کوئی کام

خلاف سنت بھی ہوتے دیکھا ہے یا کوئی معصیت دیکھی ہے۔ اس نے عرض کیا کہ نہیں فرمایا کہ عبدالقادر کی یہ کچھ کم کرامت ہے کہ اس نے دس سال سے اپنے خدا کو ایک لمحہ کے لئے بھی ناراض نہیں کیا؟

سبحان اللہ اس کا نام ہے استقامت جس پر ہزاروں کرامتیں قربان اسی استقامت کا امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی جانب سے ہوا تھا فلِذٰلِک فَادْعُ وَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ ایک اور مقام پر فرمایا گیا ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا اور اسی استقامت کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو دیا چنانچہ آپ نے حضرت سفیان ابن عبداللہ الثقفیؓ کی اس درخواست کے جواب میں کہ یا رسول اللہ مجھے اسلام کے متعلق ایک ایسا قول فرمادیجئے کہ پھر آپ کے علاوہ مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ آپ نے فرمایا کہ قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ یعنی یہ کہو کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور اس پر مستقیم رہو۔

بلاشبہ علمائے محققین کا امت پر یہ احسان عظیم ہے کہ انھوں نے شیطان کی آمیز شوں سے طریق کو بالکل صاف وشفاف کر دیا اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے دکھلا دیا۔

کرامت دلیل ولایت کب ہو سکتی ہے :

چنانچہ اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ لوگوں کو یہ سمجھا دیا کہ ولایت کی حقیقی اور صحیح و قوی دلیل استقامت ہے اور ظہور خوارق بھی دلیل ولایت بن سکتے ہیں مگر اسوقت جبکہ اتباع شرع اور استقامت کے ساتھ مقرون ہوں جیسا کہ قاضی صاحبؒ ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں کہ :

"کسے کہ مستقیم الاحوال باشد و دعویٰ ولایت کند برائے نفس خود نہ آنکہ نظر بہ کمالات پدر و جد خود مرید بگیرد چنانچہ رسم پیر زادگان ست پس دعویٰ او صحیح ست لیکن بر دعوای او بینہ و برہان می باید۔"

جو شخص کہ مستقیم الاحوال ہو اور پھر اپنے نفس کے لئے ولایت کا دعویٰ کرتا ہو، محض اپنے باپ دادا کے کمالات پر نظر کر کے مرید نہ کرتا ہو جیسا کہ عام طور پر

پیرزادوں کا طریقہ ہو گیا ہے تو ایسے شخص کا دعویٰ ولایت صحیح ہے لیکن اس کو اپنے اس دعویٰ پر دلیل و برہان بھی قائم کرنا ضروری ہے۔

ظہور خرق عادات کہ مقرون باتباع شرع و استقامت باشد برہان بر ولایت تواند شد لیکن اقویٰ براہین ہماں است کہ از حدیث ثابت شد کہ در صحبت او وازدیدن او خدا یاد آید ودل از ماسوا سرد شود۔ (ارشاد الطالبین)

چنانچہ وہ خوارق جو اتباع شریعت اور استقامت علی الشرع سے مقرون ہوں البتہ اسکی ولایت پر دلیل بن سکتے ہیں لیکن قوی ترین دلیل وہی ہے جو حدیث شریف سے ثابت ہے کہ اس شخص کی صحبت میں اور اس کے دیدار سے خدا یاد آوے اور تمام ماسوا سے دل سرد ہو جائے۔

حضرت مصلح الامتؒ کی تحقیق:

حضرت قاضی صاحب نے نہایت عمدہ اور محققانہ بات فرمائی چنانچہ مجھے قاضی صاحب کی یہ کتاب بہت پسند ہے دیکھنے میں تو ایک مختصر سا رسالہ ہے لیکن تصوف شرعی کے اثبات وبیان میں ایک جامع کتاب ہے۔ قاضی صاحب نے یہاں یہ جو فرمایا کہ دعویٰ ولایت پر برہان ظہور خرق عادت بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ اتباع شرع اور استقامت کے ساتھ مقرون ہو اسکی کچھ توضیح کر دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اصل برہان کسی کی ولایت پر تو اس کی استقامت ہی ہے چنانچہ خواص کے نزدیک یہی چیز معتبر بھی ہے اور خوارق حسیہ کا برہان ہونا یہ عوام کے اعتبار سے ہے اور جس کا نام خوارق (یعنی کرامت ہے) در حقیقت وہ تو استقامت ہی کا ثمرہ ہے باقی وہ خوارق جو ریاضات پر مرتب ہوتے ہیں ان کو تو کرامت کہنا بھی صحیح نہیں اور نہ وہ کوئی کمال کی چیز ہے اسلئے کہ فاسق و فاجر بلکہ کافر بھی اس میں شریک ہے اور اس کا سبب امور طبعیہ ہوتے ہیں اور وہ کرامت ہے جس کا سبب محض حق تعالیٰ کا اکرام و عطاء ہو، امور طبعیہ کو ان میں دخل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ نے استقامت کا زیادہ اہتمام کیا ہے اور کشف و خرق عادت اور عالم کون و فساد کے تصرف وغیرہ کو اپنی نظر سے ساقط الاعتبار کر دیا ہے جیسا کہ یہی قاضی صاحب ارشاد الطالبین میں ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ :-

اگر کسے گوید کہ من بریاضات شاقہ ترقیات می بینم و مکاشفات و صفائی باطن می یابم کہ انکار نمی توانم کرد گفتہ شود کہ کشف و خرق عادات و تصرف در عالم کون و فساد از ریاضت ست می دہد و لہذا حکمائے اشراقیین و جوگیان ہند بداں متمتع می شدند و ایں کمالات از نظر اعتبار اہل اللہ ساقط ست بجوز و مویز نمی خرند۔
(ارشاد الطالبین) ص ۲۴

ترجمہ : اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے تو اپنے اندر ریاضات شاقہ سے ترقی محسوس ہوتی ہے اور اپنے اندر کشف کی صلاحیت اور باطن کی ایسی صفائی پاتا ہوں جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا تو اسکے جواب میں کہا جائیگا کہ اس میں شک نہیں کہ کشف و خوارق اور تکوینات میں تصرف وغیرہ یہ سب چیز ریاضت و مجاہدہ سے حاصل ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ حکماء اشراقیہ و ہندوستان کے جوگی وغیرہ اس سے متمتع ہوئے تھے مگر ان کمالات کو اہل اللہ نے اپنی نظر اعتبار سے ساقط کر دیا ہے ایسا کہ ایک اخروٹ اور ایک منقیٰ بھی دیکر اسکی تحصیل ان حضرات پر شاق ہے۔
اسی کو ان حضرات نے کبھی اس عنوان سے فرمایا ہے۔

چو چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد ۔۔۔ در دل بود اگر ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب ۔۔۔ من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

سلطان سنجر کے چتر کی طرح میری قسمت سیاہ ہو جائے اگر میرے دل میں ملک سنجر کی ذرا سی ہوس پیدا ہو جس وقت سے میں نے سلطنت نیم شب "یعنی نماز تہجد اور آہ سحر گاہی" کا سراغ پالیا ہے ملک نیم روز کو ایک جو کے عوض میں بھی خریدنے کو تیار نہیں ہوں۔

اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ یہ سب دنیا ہے اور دنیا فانی ہے اور یہ حضرات اپنا تعلق باقی سے قائم کر چکے ہوتے ہیں اس لئے اس کے مقابلہ میں ہر چیز ان کی نظروں میں ہیچ معلوم ہوتی ہے اور ساقط الاعتبار ہو جاتی ہے۔

☆☆☆

فراست ایمانی

ولایت کا ثبوت تو خود کتاب وسنت سے ہے قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ناک واقعہ پڑنے والا ہے اور نہ وہ کسی مطلوب کے فوت ہونے پر مغموم ہوتے ہیں۔

وقال تعالیٰ واللہ ولی المتقین اور اللہ تعالیٰ دوست ہے اہل تقویٰ کا۔ لیکن یہ کہ اس کے مصداق کون لوگ ہیں؟ اور کون سی جماعت اس صفت کے ساتھ متصف ہے؟ اسکو بھی معلوم کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ولایت تو ایک باطنی چیز ہے اور جب باطنی چیز ہے تو اس کا مصداق متعین ہونا چاہئے ورنہ یا تو عام مومنین کو اس کا مصداق سمجھ لیا جائیگا یا کوئی مصداق ہی اس کا ذہن میں نہیں رہے گا۔

قاضی ثناء اللہ صاحب قدس سرہٗ کا ارشاد گرامی:

اس کے متعلق اسوقت آپ کے سامنے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ کے رسالہ ارشاد الطالبین سے ایک مضمون نقل کرتا ہوں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے مصداق حضرات صوفیہ ہیں (حضرت قاضی صاحب کی ہستی مشہور و معروف ہے آپ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ کے تلمیذ رشید اور حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے خلیفہ ہیں۔ محدث۔ مفسر متکلم اور صوفی گذرے ہیں حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ آپ کو بیہقی وقت فرمایا کرتے تھے) آپ فرماتے ہیں کہ:-

پس معلوم شد کہ سوائے کمالات ظاہری کمال است باطنی کہ آں تفاوت درجات بسیار دارد۔ چنانچہ حدیث قدسی برآں دلالت میکند کہ حق تعالیٰ می فرماید۔ ہر کہ من یک وجب نزدیکی جوید من بوے یک گز نزدیکی جویم وہر کہ بمن یک گز نزدیکی جوید من بوے یک باع کہ سہ ونیم گز باشد نزدیکی جویم۔

وفرماید کہ بندہ ہمیشہ بمن نزدیکی می جوید بہ عبادت نافلہ تا آنکہ من اورا دوست میدارم وچوں اورا دوست میدارم بینائی

شنوائی و قدرت او من می شوم۔

معلوم ہوا کہ کمالات ظاہری کے علاوہ ایک کمال باطنی بھی ہوتا ہے اور اس کے درجات مختلف ہیں جیسا کہ حدیث قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو بندہ میری جانب ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں اس کی جانب ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔ اور جو شخص میری طرف ایک گز قریب ہوتا ہے میں اس کی جانب ایک باع قریب ہوتا ہوں اور ایک باع ساڑھے تین گز کا ہوتا ہے۔

اور فرمایا کہ بندہ ہمیشہ میری جانب عبادات نافلہ کے ذریعہ قرب تلاش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں بھی اسکو محبوب بنالیتا ہوں اور جب اسکو محبوب بنالیتا ہوں تو اسکی آنکھ کان اور ہاتھ بنجاتا ہوں کہ میرے ہی ذریعے اس کے سب کام انجام پاتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت قاضی صاحب نہایت محکم دلیل اس پر قائم فرماتے ہیں کہ حضرات مشائخ اس کمال باطنی کے حامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ :-

جماعتے بے نہایت کہ اتفاق شاں بر کذب عقل محال می داند۔

بیشمار لوگوں کی ایک جماعت جس کے جھوٹ پر متفق ہونیکو عقل محال سمجھتی ہے (بسبب ان کے بے نہایت ہونے کے اور بسبب ان کے تمام اکناف عالم میں منتشر ہونے کے یہ تواتر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ تواتر ہے اور بوجہ تواتر کے اس کا علم قطعی ہے)

وآں جماعتے بقسمے است کہ ہر ہر فروشاں بسبب تقویٰ و علم بقسمے است کہ تہمت کذب بروے روا نباشد۔

اور وہ جماعت اس قسم کی ہے کہ اس کا ہر ہر فرد بسبب اپنے تقویٰ اور علم کے ایسا درجہ رکھتا ہے کہ اس پر جھوٹ کی تہمت لگانا جائز نہیں ہے۔

(ف) یہ دلیل نقلی ہے کہ شرعاً ایسوں پر اتہام جائز نہیں۔ غرض ان دونوں دلیلوں سے یہ مضمون جس کو ہم بیان کرنا چاہتے ہیں ثابت ہے۔

بزبان قلم و قلم زبان خبر می دہند کہ مار السبب صحبت مشائخ کہ سلسلہٗ صحبت شاں برسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرسد درباطن حالتے پیدآمدہ سوائے عقائد وفقہ کے کہ قبل از صحبت شاں بداں متحلّی بودند وازیں حالت کہ حاصل شدہ محبت ب اخدا و دوستان خدا و اعمال صالحہ و توفیقات حسنات و رسوخ در اعتقادات حقہ زائد شدہ۔

ایسی جماعت زبان قلم اور قلم زبان سے یعنی تحریراً تقریراً خبر دیتی ہے کہ ہم کو مشائخ کی صحبت سے جن کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتا ہے عقائد وفقہ کے سوا جن سے وہ ان کی صحبت سے پیشتر بھی بہرہ یاب تھے۔ باطن میں ایک نئی حالت پیدا ہو گئی ہے۔ جس سے وہ پہلے آشنا بھی نہ تھے اور جس چیز سے آدمی آشنا تک نہو تو ہو سکتا ہے کہ اس کا انکار کر دے۔ چنانچہ آجکل بکثرت طریق باطن کا جس کا ذکر ہم کر رہے ہیں انکار ہو رہا ہے اور انکار کے بعد اسکے برکات سے کیا حصہ نصیب ہو سکتا ہے اور اسی حالت کے انکار سے جو حضرات اسکے حامل ہیں انکا بھی انکار ہو رہا ہے اور اس حاصل شدہ حالت سے ان کے دل میں خدا اور خدا کے دوستوں سے محبت اور اعمال صالحہ کا شوق اور نیکیوں کی توفیق اور سچے اعتقادات اور زیادہ راسخ ہو گئے ہیں۔

اس حالت کے یہ ثمرات وبرکات ہیں۔ خدا کی محبت دوستان خدا کی محبت۔ اعمال صالحہ کی محبت اور توفیق اور سابق اعتقادات میں رسوخ کہ جس سے شکوک اور وساوس واہیہ کا جو درباب اعتقادات آیا کرتے ہیں قلع قمع ہو جاتا ہے۔

چنانچہ یہ حضرات اکابر ان لوگوں کو جو اس حالت سے متصف نہیں ہیں خشک کہتے ہیں جیسا کہ کتب تصوف سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ آگے قاضی صاحب فرماتے ہیں۔

وایں حالت کہ البتہ کمال است موجب کمالات است۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ حالت خود بھی کمال ہے اور دیگر کمالات کے (جن کا ابھی ہم نے ذکر کیا ہے) حصول کا ذریعہ بھی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص اس حالت سے متصف ہو وہ کامل ہے اور اس کا فیض چونکہ دوسروں تک متعدی بھی ہوتا ہے۔ لہذا وہ مکمل بھی کہلاتا ہے۔

قاضی صاحبؒ نے اس طرح سے جو اس مضمون کو بیان فرمایا ہے اور اس سے ولایت کا اثبات فرمایا ہے تو یقیناً یہ الہامی مضمون ہے اور بلاشبہ اس سے ولایت کا اثبات ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہم سب کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین۔

جناب قاضی صاحب کا امت پر یہ احسان عظیم ہے کہ اتنی بڑی چیز جو مسلسل چلی آرہی تھی وہ مفقود ہو رہی تھی۔ اور صرف فقہ اور اعتقادات کو لوگ دین سمجھتے تھے جیسا کہ مشاہدہ ہو رہا ہے۔ آپ نے اس کی جانب امت کو متوجہ فرمایا۔ یہ احیاء اور تجدید ہے قاضی صاحب کو دربار رسالت سے اسی خدمت کیو جہ سے کیا کچھ ملا ہوگا۔ میں حضرات علماء کی توجہ اس طرف منعطف کرانا چاہتا ہوں اور آج صوفیہ کی اسی نسبت مسلسلہ کی جانب توجہ نہ کرنے کی وجہ سے ہم ایک بڑی دولت سے محروم ہیں اور ایک بڑی سنت کے تارک ہو رہے ہیں۔

قاضی صاحبؒ نے اپنے اس بیان کے ذریعہ علماء اور صوفیہ کے ایک قدیمی نزاع ہی کو ختم کر دیا۔ ورنہ تو بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے باہم ان دونوں جماعتوں کے مابین ایک خلیج نزاع کی حائل ہو گئی تھی۔ قاضی صاحبؒ نے تواترا اسکو ثابت فرمایا کہ علماء ربانی نے اس امر کی شہادت دی ہے کہ مشائخ کے صحبت سے ہم نے اپنے باطن میں ایک نئی کیفیت محسوس کی ہے جس نے ہمارے سابق علوم و اعمال میں ایک روح ڈالدی ورنہ اس سے پہلے ہمارے اعمال حال سے اور ہمارے جملہ مشاغل کیف سے خالی تھے اس سے معلوم ہوا

کہ مشائخ کے پاس کوئی دولت ہے جس سے علماء بھی مستغنی نہیں ہیں اور ہر زمانہ میں اس کے طالب ہوئے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ علماء اگر رسول اللہ ﷺ کے علوم ظاہری کے حامل ہیں تو صوفیائے کرام بھی پیغمبر ﷺ کے نور باطن کے وارث ہیں جیسا کہ یہی قاضی صاحبؒ اپنے ایک دوسرے رسالہ "مالابد منہ" میں فرماتے ہیں کہ :۔

بداں اسعدک اللہ تعالیٰ ایں ہمہ کہ گفتہ شد صورت ایمان و اسلام و شریعت است مغز و حقیقتش در خدمت درویشاں باید جست و خیال نباید کرد کہ حقیقت خلاف شریعت است کہ ایں سخن جہل و کفر است۔

جانو! اللہ تعالیٰ تم کو نیک بخت بنائے کہ یہ بیان جو گذرا یہ تو ایمان و اسلام اور شریعت کی ظاہری صورت تھی۔ باقی اسکا مغز اور حقیقت درویشوں کی خدمت میں تلاش کرنا چاہئے اور یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے کہ حقیقت، شریعت کے خلاف (یعنی مقابل) کوئی چیز ہے کیونکہ ایسی بات زبان سے نکالنا جہالت بلکہ کفر ہے۔

پھر ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں کہ :۔

نور باطن پیغمبر ﷺ را از سینۂ درویشاں باید جست وبداں نور سینۂ خود را روشن باید کرد تا ہر خیر و شر بفراست صحیحہ دریافت شود۔ (مالابد منہ)

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نور باطن کو بزرگوں کے سینہ سے حاصل کرنا چاہئے اور اس نور سے اپنے سینہ کو روشن اور منور کرنا چاہئے تاکہ ہر خیر اور شر فراست صحیحہ کے ذریعہ معلوم ہو سکے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نور باطن (یعنی نسبۃ اور سکینۃ) کے حامل یہی حضرات ہوئے ہیں۔ اور جیسا کہ قاضی صاحب نے فرمایا ہے اس کی وجہ سے ان کے اندر فراست اور بصیرت پیدا ہو جاتی ہے جس کے سبب سے بہت سی چیزیں جو دوسروں پر مخفی ہوتی ہیں ان حضرات پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔

یہی مطلب ہے اس حدیث شریف کا کہ اِتَّقُوا فِرَاسَۃَ الْمُؤمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ ۔ یعنی مومن کی فراست سے ڈرو اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

خواجہ عبدالحق غجدوانیؒ کی فراست ایمانی :

چنانچہ حاشیہ مالابد میں حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی کا اس پر ایک واقعہ لکھا ہے کہ :-

"ایک شخص دریشوں کا سا لباس جبہ و دستار پہنے ہوئے حضرت کی مجلس میں آکر ایک گوشہ میں بیٹھ گیا۔ جب حضرت خواجہ اپنے پند و نصائح سے فارغ ہوئے تو وہ شخص کھڑا ہو گیا اور کہا کہ حضرت اِتَّقُوا فِرَاسَۃَ الْمُؤمِنِ کا کیا مطلب ہے؟ اور اس فراست کا ذرا نمونہ دیکھنا چاہتا ہوں۔

فرمایا کہ وہ فراست یہی ہے کہ تم اپنی زُنار توڑ دو۔ یہ سنکر وہ چلایا کہ معاذ اللہ زُنار سے مجھے کیا سروکار حضرت کا اشارہ پا کر ایک مرید نے بڑھ کر اس کی ریائی گدڑی کو الٹ دیا تو اس کے نیچے زنار نکلی۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔

خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یارو! آؤ ہم سب بھی اپنے باطنی زنار کو توڑ کر اللہ تعالیٰ سے نیا عہد باندھیں۔ اس پر مجمع سے ایک شور اٹھا اور سب نے تجدید بیعت کی سبحان اللہ (حاشیہ مالابد منہ)

دیکھا آپ نے یہ تھا نور جو اللہ تعالیٰ اپنے مقبولین کو عطا فرماتے ہیں۔
بزرگوں نے اس نور اور نسبت سے کیا کیا کام لئے ہیں اس سلسلہ کے واقعات سے کتابیں پُر ہیں۔

حضرت شاہ فضل رحمٰنؒ قدس سرہٗ کا واقعہ :

چنانچہ مجھے اس موقع پر حضرت مولانا شاہ فضل رحمان صاحب گنج مرادآبادیؒ کا ایک واقعہ نہیں بھولتا اور اس میں شک نہیں کہ عجیب و غریب واقعہ

ہے اسی نور باطن سے متعلق۔ اس واقعہ کے سننے کے بعد حضرت شاہ صاحب سے عقیدت اور محبت بہت زیادہ ہو گئی۔ آپ بھی سنئے اور ایمان تازہ کیجئے۔

(۱) ایک شخص نے کسی آریہ کی کتاب دیکھی جس میں اس نے اسلام پر اعتراضات کئے تھے اس کے قلب میں بھی اس کے اعتراض کرنے سے شبہ پیدا ہو گیا اسلام سے بد عقیدہ ہو گیا۔ رمضان شریف کا زمانہ تھا روزہ رکھے ہوئے تھا مگر خیال کیا کہ جب اسلام ہی ٹھیک نہیں ہے (معاذ اللہ) تو پھر اس کے احکام پر عمل کیسا؟ یہ کہہ کر روزہ بھی توڑ دیا۔ شام کو اپنے ایک دوست کے گھر اس سے ملنے گیا افطار کا وقت قریب تھا وہ افطاری وغیرہ سامنے رکھے ہوئے تیار ہی بیٹھا تھا اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور کہا کہ آؤ بھائی، خوب آئے آؤ آج ہمارے ساتھ افطار کرو۔

اس نے جواب دیا کہ افطار کیا کریں۔ اگر میرا حال تم کو معلوم ہو جائے تو تم مجھ سے بات کرنا اور مجھ کو پاس بٹھانا تک گوارا نہ کرو۔ وہ شخص سمجھدار تھا سمجھ گیا کہ کسی بد عقیدگی میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اس نے کہا کہ بیش از بیش یہی نا کہ تم کافر ہو گئے ہو گے تو بھائی ایمان اور کفر کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ ہماری تمہاری تو دوستی ہے اس لئے آؤ ہمارے ساتھ افطار میں تو شریک ہی ہو جاؤ۔ اور دوسرا کام یہ کرو کہ صبح ہی حضرت مولانا شاہ فضل رحمان صاحب کی خدمت میں گنج مراد آباد جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں اسکی ہدایت کا وقت آگیا تھا بات سمجھ میں آگئی چنانچہ اگلے روز سویرے ہی گنج مراد آباد روانہ ہوا۔ خانقاہ میں پہونچا حضرت کی نظر جیسے ہی اس پر پڑی بس اپنی جگہ سے کود کر اسکی جانب جھپٹے (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منکشف ہو گیا تھا کہ ایک شخص بگڑ گیا ہے اور آپ کے پاس جا رہا ہے اس کو ٹھیک کیجئے اور اس کے سینہ پر بڑی زور سے ہاتھ مار مار کر فرمانے لگے کہ بتلا تجھ کو اسلام میں کیا شبہہ ہے۔ بتلا تجھ کو اسلام میں کیا شبہہ ہے یعنی اسکو کچھ کہنے اور سوال کرنے کا موقع ہی نہیں دیا بلکہ از خود اس سے پوچھنے لگے

اب جو وہ اپنے اندر غور کرتا ہے تو شبہہ کے ساتھ ساتھ قلب میں اس کا جواب بھی موجود۔ چنانچہ اسلام کی جانب سے سینہ بالکل صاف ہو گیا اور اس کی حقانیت پر شرح صدر ہو گیا۔ پھر حضرت ہی کے ہاتھ پر اس نے توبہ کی اور نہایت پاک و صاف سینہ والا ہو گیا۔ اور اسکے بعد سے تاحیات کبھی اس کے قلب میں اسلام کے کسی مسئلہ کے متعلق ذرا بھی وسوسہ نہیں پیدا ہوا"

سبحان اللہ کیسا سینہ تھا اور کیا نور تھا۔ یہ ہے بزرگوں کا فیض اور ان کی تاثیر صحبت جس سے یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے تعلق اور ان سے نسبۃ صحیحہ پیدا کرنے کی بدولت نوازے جاتے ہیں۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کی فراست کا واقعہ :-

اسی قلبی نور اور فراست پر ایک اور واقعہ سنئے :- رسالہ قشیریہ میں ہے کہ حضرت ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بغداد کی جامع مسجد میں تھا وہاں میرے پاس فقراء کی ایک جماعت موجود تھی اتنے میں ایک نوجوان نہایت ہی حسین و جمیل صاف و ستھرا اور باوقار میری جانب آیا۔ میں نے اپنے رفقاء سے کہا کہ یہ شخص تو یہودی ہے حضرت ابراہیم خواصؒ خود فرماتے ہیں کہ میرے اس کہنے کو میرے سب احباب نے ناپسند کیا (یعنی تصدیق نہیں کی۔ انکار کر دیا۔) میں درمیان سے اٹھا اور ایک طرف کو چلدیا۔ وہ نوجوان بھی باہر نکلا مگر جلد ہی پھر ان لوگوں کے پاس لوٹ گیا اور ان سے پوچھا کہ شیخ ابھی میرے متعلق کیا فرما رہے تھے (میں دور تھا سن نہ سکا) اب شیخ کا ارشاد ایک تو ان کے ضمیر کے خلاف دوسرے جوان کی ظاہری وجاہت کا رعب بھی پڑ رہا تھا اس لئے کسی کی ہمت نہ پڑی کہ شیخ کا مقولہ اس سے نقل کرتا) سب کے سب خاموش رہے۔ اس نے اصرار کیا۔ بالآخر لوگوں نے کہا کہ شیخ نے تو یہ فرمایا ہے کہ تم یہودی ہو حضرت ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں، یہ سن کر

وہ مجمع سے اٹھا اور جہاں میں تھا میرے پاس آیا اور میرے ہاتھوں پر سر رکھ دیا۔ اور مسلمان ہو گیا۔

لوگوں نے اس سے اسکے اسلام لانے کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا کہ ہماری کتاب میں لکھا ہے کہ "صدیق" کی فراست کبھی خطا نہیں کر سکتی تو میں نے خیال کیا کہ یہ "صدیق" لوگ کس جماعت میں ہوں گے۔ اسلئے سوچا کہ مسلمانوں کا امتحان کروں ۔ ہو نہو انھیں میں یہ لوگ ہوں گے ۔ پھر یہ خیال ہوا کہ اگر یہ لوگ اس جماعت میں ہوں گے تو اسی گروہ میں ہوں گے جن کو صوفی کہا جاتا ہے، اسلئے کہ انھیں کے یہاں خدا تعالیٰ کی باتیں ہوتی ہیں چنانچہ میں نے تم لوگوں پر اپنا حال چھپایا اور خود کو ایک مسلمان ظاہر کر کے تمہاری صحبت میں آیا۔ لیکن شیخ نے فوراً تاڑ لیا اور دور ہی سے مجھے بھانپ لیا کہ میں یہودی ہوں اس سے میں نے یقین کر لیا کہ یہی لوگ صدیق ہیں۔ (اسلئے مسلمان ہو گیا)

چنانچہ یہ جوان بعد میں کبار صوفیہ میں سے ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ رسالہ قشیریہ۔ ص ۱۱۹)

حضرت چاند شاہؒ کا واقعہ :

اسی فراست پر ایک اور واقعہ سنئے :

(۴) ایک بزرگ گذرے ہیں حضرت چاند شاہ صاحبؒ بڑے صاحب کشف اور روشن ضمیر بزرگ ہوئے ہیں۔ ایک شخص ان کی خدمت میں مرید ہونے کے لئے آیا۔ اپنے باغ سے کچھ کچے آم ہدیہ کے لئے ہمراہ لایا راستہ میں ایک درخت کے نیچے ایک بڑا سا آم پڑا تھا اس نے اس کو بھی اٹھا کر جھولے میں ڈال لیا۔ شاہ صاحب کی خدمت میں پہونچ کر وہ ہدیہ پیش کیا حضرت نے اسی وقت جھولے کو الٹا اور اس بڑے والے آم کو لیکر اس سے کہا کہ بھیا! ہی ہو تم

ہی کا دے کے رہا (اس قسم کے حرام مال کے لئے ہمارا ہی انتخاب تم نے کیا) ۔ یہ کہہ کر اس کے سب آم واپس کر دیئے اور فرمایا جاؤ تمہارا ہدیہ نہ لیں گے۔

انہیں بزرگ کا ایک اور واقعہ ہے کہ اسی طرح سے ایک شخص مرید ہونے کی نیت سے آیا اور جیسا کہ دیہاتیوں کی عادت ہوتی ہے دوسرے کے کھیت سے گنا توڑ کر چوستا ہوا چلا آیا۔ حضرت کی خدمت میں جب ملاقات کے لئے آیا تو فرمایا کہ بھیا کیسے آئیو ؟ اس نے عرض کیا کہ مرید ہونے کے لئے، فرمایا کہ اور راستہ میں لوکھیا کا ہے توڑے رہیو ؟ یہ کہہ کر فرمایا کہ جاؤ تم کو مرید نہ کریں گے۔

یہ سب واقعات مشائخ کے ہیں اس پر سنا رہا ہوں کہ ان حضرات کے خلوص کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کو کوئی دولت بخشتا ہے اور ان کے قلوب میں نور ہوتا ہے اور یہی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی سلطنت کے وارث ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر زمانہ میں علماء ربانی نے ان کی قدر کی اور جب کسی کو پہچان لیا ہے تو پھر اس کے آگے اپنے کو فنا ہی کر دیا ہے۔

یہ ضرور ہوا کہ طریق کا اور مشائخ کا لوگوں نے انکار بھی کیا ہے لیکن علماء نے جب کسی کو مانا ہے تو اس میں شک نہیں کہ پھر ان سے زیادہ بزرگوں کو کسی نے مانا بھی نہیں ہے۔

سید احمد کبیر رفاعیؒ قدس سرہٗ کا ارشاد گرامی :-

حضرت سید احمد رفاعیؒ نے بھی اپنے زمانہ میں علماءِ ظاہر کو جماعت صوفیہ کی جانب نہایت موثر عنوان سے متوجہ کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ :-

عزیز من ! ان غریب علماء سے بھی جو حجاب میں پڑے ہوئے ہیں پوچھو ! کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ تمہارے شہروں میں کوئی ایسا شخص رہے جو زبردست کرامتوں سے منکروں گمراہوں (اسلام کے مخالفوں) معاندوں کو

دبادے اور مغلوب کر دے جن کو دیکھ کر مخالفین اسلام خود ہی بول اٹھیں کہ واقعی اسلام سچا مذہب ہے بحث و تکرار کی نوبت ہی نہ آئے۔

کیا تمہارا دل یہ چاہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی زبان کا سلسلہ بند ہو جائے۔ تمہارے نفس یہ خواہش کرتے ہیں کہ معجزات نبویہ کی سلطنت جاتی رہے (اگر تمہاری یہی تمنا ہے تو اپنے ایمان کی خیر مناؤ) اگر نہیں تو بتلاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی ترجمان کون ہے؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا نمونہ کس کے پاس ہے؟ تمہارے پاس ہے یا صوفیہ کے؟ اگر یہ لوگ نہ رہے تو حضور کے روحانی اور باطنی کمالات کا نمونہ دنیا کو کون دکھلائے گا؟ ص ۶۰ البنیان المشید)

حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور ان کا تعلق ایسا نہیں ہے کہ مومن اس سے صبر کر سکے۔

اَلصَّبْرُ یُحْمَدُ فِی الْمَوَاطِنِ کُلِّھَا　　اِلا عَلَیْکَ فَاِنَّہٗ مَذْمُوْمٌ

صبر کرنا تو ہر موقع پر محمود اور پسندیدہ ہے مگر آپ سے صبر کر لینا یہ نا محمود اور برا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ سے نسبت صحیحہ ہر زمانہ میں ایک جماعت نے پیدا کیا ہے اور بعد والوں کو ترغیب دے گئے ہیں۔ چنانچہ یہ نسبت وہ ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے لیتک مسلسل چلی آرہی ہے۔

انبیاء علیہم السلام سے لے کر اولیاء کرام تک سب اس کے حامل رہے ہیں۔ یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے اور نہ اس سے لوگ مستغنی ہی ہو سکتے ہیں۔ اسی کو کسی نے خوب ہی کہا ہے۔

؎ میں جو اس پر مر مٹا ناصح تو کیا بیجا کیا
اک مجھے سودا تھا دنیا بھر تو سودائی نہ تھی

اور اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور ان کے عشق کو قلب میں پیوست کر دینے والا یہ مضمون ہے۔ ☆☆☆

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

اسباب الغفلۃ

(۵)

میں سچ کہتا ہوں کہ بعض عورتیں مردوں سے بھی زیادہ مضبوط ہوتی ہیں اس لئے جو عورتیں یہ کہتی ہیں کہ ہم مجبور ہیں جو خاوند لاتا ہے وہی کھانا پڑتا ہے یہ محض ان کے لچر بہانے ہیں۔ اگر یہ زیور اور کپڑوں کی فرمائش نہ کیا کریں تو بہت سے مرد تو خود ہی رشوت سے توبہ کرلیں اور اگر جو کوئی پھر بھی لے تو عورتیں ہمت کر کے ان سے کہہ دیں کہ ہمارے پاس رشوت کا مال نہ لانا صرف حلال تنخواہ کا روپیہ لانا ورنہ آخرت میں ہم تمھارے دامن گیر ہوں گے۔ دیکھئے پھر مردوں کی کتنی جلدی اصلاح ہوتی ہے۔

میں نے اپنے خاندان کے بزرگوں سے سنا ہے کہ میری (والدہ صاحبہ محترمہ) نے سارا زیور اتار کر والد صاحب کے سامنے پھینک دیا تھا اور فرمایا کہ یا تو اس کی زکوٰۃ دو، ورنہ اس کو اپنے پاس رکھو، میں نہ پہنوں گی، آخر مجبور ہو کر والد صاحب نے سب کی زکوٰۃ دی جب وہ زیور پہنا گیا۔

ذرا عورتیں اس طرح کر کے تو دیکھیں انشاء اللہ خود بخود مردوں کی اصلاح ہو جائے گی کیونکہ جس طرح بعض دفعہ مرد سے عورت کی اصلاح ہوتی ہے اسی طرح عورت سے بھی مرد کی اصلاح ہوتی ہے اور زوجہ صالحہ تو وہی ہے جو مرد کو دین میں محتاط بنادے نہ یہ کہ پہلے سے بھی زیادہ اور بے احتیاط بنادے۔

اولاد کا وبال یہ گفتگو تو مال کے متعلق تھی۔ اب دوسرا جزو قابل بیان رہ گیا۔ یعنی اولاد کے متعلق۔ سو اولاد میں بھی تین درجے ہیں اور ان میں بھی ہر درجہ میں ہم سے مختلف گناہ ہوتے ہیں۔ مختصر طور پر ان کو بھی سن لیجئے۔

سب سے پہلے اولاد کے پیدا ہونے میں اکثر لوگوں کی اور خصوصاً عورتوں کی یہ عادت ہے کہ کہیں منتر کراتی ہیں' کہیں گنڈے۔ اور اس کی بھی پروا نہیں کرتیں کہ یہ شریعت کے موافق ہے یا نہیں۔ اس میں بعض عورتیں یہاں تک بے باک ہیں کہ اگر کوئی ان سے یہ کہہ دے کہ تم فلاں کے بچہ کو مار ڈالو تو تمھارے اولاد ہو جائے گی تو وہ اس سے بھی دریغ نہیں کرتیں۔ بعض دفعہ کسی کے بچہ پر (ہولی دیوالی کے دنوں میں) جادو کرا دیتی ہیں یا خود کر دیتی ہیں۔ بعضی جاہل عورتیں سیتلا پوجتی ہیں۔ کہیں چوراہے پر کچھ رکھ دیتی ہیں محض اس غرض سے کہ اولاد پیدا ہو۔ پھر وہ اولاد بعض دفعہ ایسی خبیث پیدا ہوتی ہے کہ بڑے ہو کر باپ ماں کو اتنا ستاتی ہے کہ وہ بھی یاد ہی کرتے ہیں۔ اس وقت وہ ایسی اولاد کو جس کی تمنا میں سینکڑوں گناہ کئے تھے ہزاروں کوسنے دیتے ہیں۔

زیادہ وجہ اولاد کے خبیث اٹھنے کی یہ بھی ہے کہ تمنا کی اولاد کے لاڈ پیار بہت کئے جاتے ہیں۔ بچپن میں ان کے اخلاق خراب کر دیئے جاتے ہیں کہ چاہے وہ کسی کو گالی دے لے یا کسی کو مار پیٹ لے لاڈ کی وجہ سے کوئی اسے کچھ نہیں کہتا اور کہنا سننا کیسا بعض عورتیں تو اس کی تمنا کرتی ہیں کہ ہمارا بچہ گالی دینے کے قابل ہو جاوے۔

چنانچہ ایک عورت نے منت مانی تھی کہ اگر میرے لڑکا ہو اور وہ ماں کی

گالی دے کر گھر میں آئے تو میں اللہ واسطے پانچ روپیہ کی مٹھائی تقسیم کروں گی۔ ایسی ہی اولاد بڑے ہو کر ان کو بھی گالیوں سے یاد کرتی ہے اور بعضے لڑکے تو ایسے جلاد ہوتے ہیں کہ بیوی کے مقابلہ میں ماں کو لاٹھیوں سے کوٹتے ہیں۔ اس وقت یہ ساری تمنائیں خاک کے رستہ سے نکل جاتی ہیں۔ خیر یہ گناہ تو بچہ کے پیدا ہونے میں کیے جاتے ہیں۔

اب وہ پیدا ہو گیا تو یہ حالت ہے کہ آج کان دکھ رہا ہے' آج ناک میں تکلیف ہے' آج کھانسی ہے آج بخار ہے۔ گو ان امراض میں سب ہی مبتلا ہوتے ہیں مگر بچوں کی زیادہ نگہداشت کی جاتی ہے ان کیلئے حکیم کو بلایا جاتا ہے کہیں عامل کو اور بات بات کے لئے ٹونے ٹوٹکے کیے جاتے ہیں اور یہ بھی کسی نے نہ کیا تو اس گناہ میں تو قریب قریب سبھی عورتیں مبتلا ہیں کہ بچہ ہونے کے بعد اکثر نماز نہیں پڑھتیں اور جو کوئی نماز کو کہتا ہے تو جواب دیتی ہیں کہ بچوں کے ساتھ نماز پڑھنا کہاں ممکن ہے۔ ہر وقت تو کپڑے ناپاک رہتے ہیں۔ کبھی پاخانہ کر دیا' کبھی پیشاب کر دیا' پھر کپڑے بھی بدل لیں تو بچے گود سے نہیں اترتے۔ نماز کے لئے ان کو الگ کریں تو روتے دھوتے ہیں' چیختے چلاتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مولویوں کے تو بچے ہوتے نہیں' انہیں اس مصیبت کی کیا خبر' ان کو تو بس نماز کے لئے تاکید کرنا آتا ہے۔

میں کہتا ہوں مولویوں کے بچے نہیں ہوتے تو مولوینوں کے تو ہوتے ہیں۔ پھر ذرا جا کر دیکھ لو کہ وہ کس پابندی سے پانچوں وقت کی نمازیں پڑھتی ہیں اور بعضی اللہ کی بندیاں نماز کے بعد تلاوت قرآن اور مناجات مقبول اور اشراق تک کی بھی

پابند ہیں۔ کیا ان کے اولاد نہیں؟ ایسی انوکھی اولاد صرف تمھاری ہی ہے جس کے ساتھ نماز پڑھنا محال ہے۔

پھر میں کہتا ہوں کہ جس وقت تمھارا بچہ روتا ہو اور گود سے ہرگز نہ اترتا ہو اگر اس وقت تم کو پیشاب یا پاخانہ کا تقاضا لگے تو بتلاؤ تم کیا کرو گی۔ کیا اس کو پلنگ پر روتا ہوا ڈال کر پاخانہ میں نہ جاؤ گی۔ یقیناً سب جاتی ہیں اور وہاں جا کر بعض دفعہ خوب دیر لگتی ہے۔ اور بچہ کے رونے کی کچھ پروا نہیں کی جاتی تو کیا نماز کے لئے تم سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا جتنا پیشاب پاخانہ کے لئے کرتی ہو؟ افسوس!۔۔۔۔۔۔۔ بس معلوم ہوا کہ یہ سب مہمل عذر ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ آدمی جس کام کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں ضرور مدد فرماتے ہیں۔ تو جو عورتیں ایسے بہانے کرتی ہیں' وہ ذرا نماز شروع کر کے دیکھیں انشاء اللہ پھولوں کی طرح ہلکی ہو جائیں گی' مگر اب تو ارادہ ہی نہیں کرتیں' اس لئے نہ کرنے کے سو بہانے ہیں' ورنہ ارادہ وہ چیز ہے کہ ایک وہ شخص جس سے بارش یا سردی میں خود اٹھ کر پانی بھی نہیں پیا جاتا اگر صاحب کلکٹر کا حکم اسی حالت میں اس کے پاس پہنچ جائے کہ فلاں مقام میں ہم سے آکر ملو تو وہ دو میل پیادہ چلا جاتا ہے لوگ حیرت کرتے ہیں کہ اس میں یہ قوت کہاں سے آگئی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ارادہ کی قوت ہے جس پر حق تعالیٰ نے امداد کا وعدہ فرمایا ہے۔

قضا کا کفارہ تو جناب یہ عورتیں نماز کا ارادہ ہی نہیں کرتیں ورنہ کچھ مشکل بات نہ تھی۔ لیجئے میں ایک تدبیر بتلاتا ہوں جس سے بہت جلد نماز کی پابندی حاصل ہو جائے گی۔ وہ یہ کہ جب ایک وقت کی نماز قضا ہو تو ایک وقت کا فاقہ کرو۔ پھر

دیکھیں نماز کیسے قضاء ہوتی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ نماز کی پابندی تو فاقہ سے ہوگی مگر فاقہ کی پابندی کیوں کر ہوگی' اس کی بھی تو کوئی ترتیب تجویز بتلاؤ کیونکہ یہ تو نماز سے بھی زیادہ مشکل ہے' فاقہ کس سے ہو سکتا ہے' تو میں کہتا ہوں کہ فاقہ میں تو کچھ کرنا ہی نہیں پڑتا بلکہ چند کاموں سے اپنے کو روکنا پڑتا ہے۔ اور یہ اختیاری بات ہے کہ ایک کام مت کرو۔ کسی کام کا کرنا تو مشکل ہوتا ہے مگر نہ کرنا کیا مشکل ہے۔

اگر کسی سے یہ نہ ہو سکے تو وہ اپنے ذمہ کچھ جرمانہ مالی مقرر کر لے کہ اتنے پیسے فی نماز خیرات کیا کروں گی یا کچھ نمازیں مقرر کر لیں کہ ایک نماز قضا ہوئی تو مثلاً دس رکعتیں نفل جرمانہ کی پڑھا کروں گی اس طرح چند روز میں نفس ٹھیک ہو جائے گا انشاءاللہ تعالیٰ' ذرا عمل کر کے تو دیکھو۔

مستقبل کی غلط فکر تیسری غلطی اولاد کی آئندہ کے لئے فکر کرنے میں کی جاتی ہے اس میں لوگ بڑی خرابیاں کرتے ہیں اول تو مسلمان تمام جائداد لڑکوں کے نام کر دیتے ہیں اور لڑکیوں کو محروم کر دیتے ہیں اس کا سخت وبال ہے۔ (عن ابی ہریرةؓ عن رسول اللہ ﷺ قال ان الرجل یعمل و المرأة بطاعة اللہ ستین سنة ثم یحضر ھما الموت فیضار ان فی الوصیة فتجب لھما النار. مشکوٰۃ صفحہ (۲۶۵)

یعنی حضرت ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بعض مرد اور عورت ساٹھ سال تک "یعنی ساری عمر" اطاعت خداوندی میں مشغول رہتے ہیں لیکن موت کے وقت وصیت "اور میراث" میں بعض وارثوں کو ضرر پہنچاتے ہیں (یعنی بلاوجہ شرعی کسی کو حصہ سے محروم کر دیتے ہیں

یا حصہ کم کر دیتے ہیں) ایسے لوگوں کے لئے جہنم واجب ہو جاتی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ انکو سیدھا دوزخ میں پہونچا دیتے ہیں۔

وعن انس قا ل قال رسول الله ﷺ من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیٰمة. مشکوٰۃ صفحہ (۲۶۶)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے کسی وارث کو میراث سے کاٹے گا اور محروم کریگا رب ذوالجلال اس کو جنت کی میراث سے کاٹ کر جنت سے محروم کر دیگا۔ **اعاذ نا الله من غضبه و عقابه)**

پھر مزا یہ کہ وہ جائداد حرام طریقے سے حاصل کی جاتی ہے کہیں رشوت سے کہیں سود سے' یہ وبال الگ رہا' پھر زندگی ہی میں اولاد کے نام داخل خارج کرا دیتے ہیں اس کا نتیجہ وہ دنیا ہی میں دیکھ لیتے ہیں کہ بعض دفعہ اولاد جائداد کی مالک بن کر ماں باپ کو ایک دانہ بھی نہیں دیتی اور پیچھے تو ان کو ثواب کون پہنچاتا ہے کوئی بھول کر نام بھی نہیں لیتا۔ ہاں دو چار دن برادری کے دکھانے کو کچھ کر دیتے ہیں۔ سو اس سے والدین کو کچھ نفع نہیں ہوتا کیونکہ نیت ریاء کی ہے۔ اوپنے اوپر سے الزام وطعن کا دفع کرنا مقصود ہوتا ہے۔

پھر اس بے اعتنائی کے ساتھ یہ بھی تو نہیں کرتے کہ ماں باپ کو بھلا کر ان کے جمع ذخیرہ جائداد سے خود ہی راحت اٹھالیں۔ اگر اتنا بھی کریں تو خیر والدین کا کچھ مقصود تو حاصل ہو جائے۔ مگر وہاں یہ ہوتا ہے کہ ماں باپ کی رقم اور جائداد کو دل کھول کر اڑایا جاتا ہے اور کہاں؟ رنڈی بھڑووں میں' یار دوستوں

میں۔ماں باپ نے تو مصیبت جھیل کر' پیٹ اور تن کاٹ کر اور نماز ایمان کھو کر' گناہ سر پر لاد کر مال و جائداد جمع کی تھی صاحب زادہ نے اس کی یہ قدر کی کہ سب رذیل لوگوں میں اڑا دی (کیوں نہ ہو مال حرام بود بجائے حرام رفت)

اسی لئے ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ اپنی اولاد کے لئے کچھ جمع نہ کرے اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ اولاد خدا کی دوست اور مطیع ہو گی یا دشمن و نافرمان۔ اگر دوست اور مطیع ہوئے تو خدا تعالیٰ اپنے دوستوں کو ضائع نہیں کرتے۔ اس صورت میں تم کو ان کی فکر کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر یہ خدا کے دشمن و نافرمان ہوئے تو خدا کی نافرمانی میں ان کو امداد دینا یہ کیا مناسب ہے۔

واقعی بات تو خوب فرمائی لیکن میرا یہ مطلب نہیں کہ سب لوگ ایسے ہی بن جائیں۔ یہ ان کی خاص حالت تھی جس میں سب کو اس حال کی تعلیم کی ہے۔ بلکہ حدیث شریف میں تو اس کی ترغیب ہے کہ اپنی عیال کو غنی چھوڑنا اس سے اچھا ہے کہ ان کو خالی ہاتھ چھوڑ جاؤ۔ تو اولاد کے لئے کچھ اندوختہ چھوڑ جانا برا نہیں' مگر یہ تو نہ ہو کہ دوسرے کا گلا کاٹ کر ان کا کرتا سیا جائے کہ رشوت اور سود سے ذخیرہ جمع کیا جائے' غریبوں کی زمین ناحق دبا کر اپنی جائداد کو بڑھایا جائے اور کسی نے اگر یہ ظلم بھی نہ کیا تو دوسرا یہ ظلم کیا کہ بیٹیوں کو محروم کر کے سب زمین بیٹوں کے نام کر دی۔

یہ ہیں وہ گناہ جو مال اور اولاد کی وجہ سے ہم کرتے ہیں جن کو میں نے مختصراً بیان کر دیا۔ اس سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ مال و اولاد اکثر معصیت کا

سبب ہو جاتے ہیں اس لئے حق تعالیٰ اس آیت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! یہ اموال و اولاد تم کو ذکر اللہ یعنی طاعت سے غافل کر کے معصیت کا سبب نہ بن جاویں اور جو ایسا کرے گا تو وہ زیاں کار ہے۔

اہل خسارہ یہاں کیا اچھا لفظ ارشاد فرمایا ہے فَاُولٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ جس میں جیسا کہ ابھی مذکور ہوتا ہے اس طرف اشارہ ہے کہ ایسا شخص نفع کی چیز میں ٹوٹا اٹھانے والا ہوگا جس سے یہ معلوم ہو گیا کہ مال و اولاد فی نفسہ ضرر کی چیز نہیں۔ بلکہ اگر معصیت کا سبب نہ بنے تو واقع میں نفع کی چیز ہے اور یہ اشارہ اس وجہ سے ہے کہ خسارہ مطلق نقصان کو نہیں کہتے بلکہ نفع کی چیز میں نقصان کو خسارہ کہا کرتے ہیں۔ بہر حال ایسے لوگ خسارہ میں ہیں اور زیاں کار ہیں۔

اطلاق خسارہ سے اس پر بھی دلالت ہے کہ صرف آخرت ہی میں نہیں بلکہ دنیا میں بھی یہ لوگ خسارہ ہی کے اندر ہیں۔ کیونکہ مال و اولاد کی ایسی محبت وبال جان ہو جاتی ہے۔ اور مال و اولاد ایسے ہی شخص کے لئے معصیت کا سبب ہو جاتے ہیں جس کو ان سے ایسی محبت ہو۔ سو محبت مال کا وبال جان ہونا تو ظاہر ہے کہ ہر آدمی کو اسی کی فکر رہتی ہے۔ کہ آج اتنے روپے ہیں تو کل کو اتنے ہو جائیں۔ چنانچہ اپنی جان پر مصیبت ڈال ڈال کر روپیہ جوڑا جاتا ہے پھر رات کو اسے بار بار دیکھا جاتا ہے کہ اپنی جگہ پر ہے بھی یا نہیں۔ چوروں کے کھٹکے سے راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔اور اولاد کا وبال جان ہونا آپ کو اس حکایت سے معلوم ہو جائے گا کہ میں نے ایک والی ملک کی بیٹی کو دیکھا ہے کہ ان کو اپنے بیٹوں سے اس قدر محبت تھی کہ رات کو وہ سب کو ساتھ لے کر لیٹتی تھیں۔

جدا کر کے ان کو چین ہی نہیں آتا تھا۔ پھر جب بچے زیادہ ہو گئے اور ایک پلنگ پر نہ آسکے تو انہوں نے پلنگ پر سونا چھوڑ دیا۔ سب کو لے کر نیچے زمین میں فرش پر سویا کرتی تھیں اور اس پر بھی اعتبار نہ آیا بلکہ کسی پر ہاتھ رکھ لیتیں اور کسی پر پیر اور رات کو بار بار آنکھ کھلتی اور بچوں کو ٹٹول کر دیکھ لیا کرتیں۔

واقعی یہ محبت تو عذاب ہی ہے پھر اگر ایمان بھی نہ ہو تو دونوں عالم میں معذب ہے۔ اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَا دُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُاللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ٥

(اور ان کے اموال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دنیا میں ان کو گرفتار عذاب رکھیں اور انکا دم حالت کفر ہی میں نکل جاوے) کیونکہ ان کو نہ دنیا میں چین ملا نہ آخرت میں اور اگر ایمان ہوا تو خیر دنیا ہی بے لذت ہوئی۔ آخرت انجام کار انشاءاللہ پر لطف ہو جائے گی۔ غرض ثابت ہو گیا کہ محبت مال و اولاد کبھی معصیت کا سبب ہو جاتی ہے اور اس سے دنیا و آخرت دونوں کا خسارہ ہو جاتا ہے خواہ خسارہ محدود ہو یا غیر محدود البتہ جو لوگ اعتدال کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور حقوق الٰہیہ کو غالب رکھتے ہیں ضائع نہیں کرتے وہ ہر وقت لطف میں ہیں۔ بس اب میں ختم کرتا ہوں دعا کیجئے کہ خدا تعالیٰ ہم کو اپنی یاد سے غافل نہ فرمائیں اور مال و اولاد کو ہمارے لئے سبب فتنہ نہ بنائیں۔ آمین۔ **و صلی اللّٰه تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا و مولانا محمد و علی اله و اصحابه اجمعین. و آخر دعوانا ان لحمد اللّٰه رب العالمین)**

پیش لفظ

الحمدللہ وکفی وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفے

اعتکاف اسلام کی اہم عبادتوں میں سے ہے، اور بفضلہٖ تعالیٰ ہر سال رمضان کے آخر عشرے میں ہر مسجد کے اندر مسلمانوں کی بڑی تعداد یہ عبادت انجام دیتی ہے، لیکن دیکھنے میں یہ آرہاہے کہ اعتکاف کے مسائل نہ جاننے کی بنا پر اس میں بہت سی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں ۱۴۰۰ھ کے رمضان میں احقر کو اللہ تعالیٰ نے اعتکاف کی توفیق بخشی تو برادر محترم جناب شاہ محمد سلیمان صاحب نے خواہش ظاہر فرمائی کہ اعتکاف کے فضائل ومسائل پر ایک عام فہم مختصر رسالہ عام مسلمانوں کے لئے لکھ دیا جائے۔ چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ اسی اعتکاف کی حالت میں اس رسالے کی تالیف شروع کردی گئی، اور بعد میں اسکو مکمل کیا گیا۔ اب یہ رسالہ شائع ہورہاہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو مسلمانوں کے لئے نافع اور مفید بنائیں، اور اس کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

معتکف حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اعتکاف میں بیٹھنے سے پہلے اس کا مطالعہ فرمالیں، اور اعتکاف میں بھی اس کو اپنے ساتھ رکھیں، اور اس ناکارہ کی اصلاح اعمال واخلاق اور اُخروی نجات کے لئے بحالت اعتکاف دعا فرمادیں تو احقر پر بڑا احسان ہوگا۔ وما توفیقی الا باللہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

خادم طلبہ دار العلوم کراچی ۱۴

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہٗ العالی

الحمدلله نحمدهٗ ونستعينهٗ ونستغفرهٗ ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذبالله من شرور انفسناومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلاهادى لهٗ ونشهد ان لااله الاالله ونشهدان محمد أعبدهٗ ورسولهٗ صلى الله تعالى عليه وعلى اٰله واصحابه وبارك وسلم تسليماكثيراكثيرًا

بســــــــم الله الرحمٰن الرحيم

احکامِ اعتکاف

فضائلِ اعتکاف:

اللہ تعالیٰ نے عبادت کے جو طریقے مقرر فرمائے ہیں ان میں سے بعض طریقے خاص عاشقانہ شان رکھتے ہیں، انہی میں سے ایک اعتکاف بھی ہے۔ اس عبادت میں انسان اپنے تمام دنیوی کام چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے گھر یعنی مسجد میں جا پڑتا ہے، اور ہر ماسوا سے اپنے آپ کو منقطع کر کے صرف اللہ تعالیٰ سے لو لگالیتا ہے، اور کچھ مدت تک کامل یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اسکے ساتھ مناجات میں مشغول رہنے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو خاص تعلق اور انابت الی اللہ کی جو خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ تمام عبادتوں میں ایک نرالی شان رکھتی ہے ؎

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے
دل چاہتا ہے در پہ کسی کے پڑے رہیں
سر زیر بارِ منت درباں کئے ہوئے

حضرت عطاء خراسانیؒ فرماتے ہیں کہ معتکف کی مثال اس شخص کی سی ہے جو

اللہ کے در پر آپڑا ہو اور یہ کہہ رہا ہو یا اللہ! جب تک آپ میری مغفرت نہیں فرمادیں گے میں یہاں سے نہیں ٹلوں گا(بدائع الصنائع ص ۱۰۸ ج ۲)

پھر اعتکاف کی خصوصیت یہ ہے کہ جب تک انسان حالت اعتکاف میں ہو، اس کا لمحہ لمحہ عبادت میں لکھا جاتا ہے، اس کا سونا، اسکا کھانا پینا اور اسکی ایک ایک نقل و حرکت عبادت میں داخل ہوتی ہے۔

اور رمضان شریف میں اعتکاف مسنون کی حکمت بھی یہی ہے کہ شب قدر کی فضیلت سے فائدہ اٹھانے کا یقینی طریقہ اعتکاف سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شب قدر کی تعیین کو پوشیدہ رکھا ہے، تاکہ مسلمان عشرۂ اخیرہ کی تمام طاق راتوں میں جاگ کر عبادت میں مشغول رہیں لیکن عام حالات میں انسان کے لئے یہ مشکل ہوتا ہے کہ رات کا ایک ایک لمحہ عبادت میں صرف کرے، بلکہ بشری ضروریات کے تحت رات کا کچھ حصہ دوسرے کاموں میں صرف کرنا ہی پڑتا ہے، لیکن اگر انسان اعتکاف کی حالت میں ہو تو خواہ وہ رات کے وقت سوتا ہی کیوں نہ رہا ہو، اسے عبادت گذاروں میں شامل کیا جائے گا، اور اس طرح اس کو شب قدر کا ایک ایک لمحہ عبادت میں صرف کرنے کی فضیلت حاصل ہوگی، اور یہ فضیلت اتنی عظیم الشان ہے کہ اس کے مقابلے میں دس دن کی یہ تھوڑی سی محنت کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

آنحضرت ﷺ کو اعتکاف کا خاص ذوق تھا، چنانچہ آپ ﷺ ہر سال رمضان کے مہینے میں اعتکاف کا نہایت اہتمام فرماتے تھے، آپؐ نے رمضان کے پورے مہینے کا اعتکاف بھی فرمایا ہے، اور بیس روز کا بھی اور دس روز کا اعتکاف تو ہر سال آپؐ کیا ہی کرتے تھے ایک مرتبہ ایک خاص وجہ سے آپؐ رمضان شریف میں اعتکاف نہ فرما سکے تو پھر شوال میں دس دن روزہ رکھ کر

اعتکاف فرمایا، (۱) اور ایک اور سال رمضان میں آپ ﷺ سفر کی وجہ سے اعتکاف نہ فرما سکے تو اگلے سال رمضان میں دس روز کے بجائے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔(۲)

جب شب قدر کے بارے میں یہ متعین نہیں ہوا تھا کہ وہ عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں ہوتی ہے اس وقت آنحضرت ﷺ سے پورے رمضان کا اعتکاف فرمانا ثابت ہے۔ اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے یکم رمضان سے ۲۰؍رمضان تک اعتکاف کرنے کے بعد فرمایا: "میں نے شب قدر کی تلاش کے لئے رمضان کے پہلے عشرے کا اعتکاف کیا، پھر درمیانی عشرے کا اعتکاف کیا، پھر مجھے بتایا گیا کہ شب قدر آخری عشرے میں ہے۔ لہذا تم میں سے جو شخص میرے ساتھ اعتکاف کرنا چاہے وہ کرلے (۳) اس کے بعد آپ ﷺ کا معمول یہ ہو گیا کہ ہر رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف فرماتے تھے۔

اعتکاف کی فضیلت واہمیت کے لئے یہ بات ہی کیا کم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ اس کی پابندی فرمائی، اور اسے کبھی بالکلیہ ترک نہیں فرمایا۔

اس کے علاوہ ایک حدیث میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی مروی ہے :-

من اعتكف يوماً ابتغاء وجه الله عزو جل جعل الله بينه و بين النار ثلاثة خنا دق ابعد مما بين الخافقين (٤)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ایک دن کا اعتکاف کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقوں کو آڑ بنادیں گے جن کی مسافت آسمان وزمین کی درمیانی مسافت

(۱) صحیح بخاری باب الاعتکاف فی شوال (۲) نیل الاوطار ص ۲۶۴ ج ۴ بحوالہ ترمذی و مسند احمد
(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۳۱۵ ج ۴۔ (۴) رواہ الحاکم و صححہ، والبیہقی، دیکھئے کنز العمال ص ۳۱۲ حدیث نمبر ۲۴۳۳۶۔ کنز العمال ص ۵۰۳ ج ۳ علیٰ مسند احمد بن حنبل عن حذیفہ

سے بھی زیادہ چوڑی ہوگی۔

نیز ایک حدیث میں حضرت حسین ابن علیؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

من اعتکف عشراً فی رمضان کان کحجتین و عمرتین۔(۱)

"جو شخص رمضان میں دس روز کا اعتکاف کرے تو اس کا یہ عمل دو حج اور دو عمروں جیسا ہوگا"

اور طبرانی کی روایت میں الفاظ یہ ہیں :-

اعتکاف عشر فی رمضان کحجتین و عمرتین (۲)

"رمضان کے دس دن کا اعتکاف دو حج اور دو عمروں جیسا ہے"

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے :-

ان للمسجدِ أوتاداً الملائکة جلسا ؤ هم إ ن غابوا یفقدوهم ، و ان مرضوا عا دوهم ، و إ ن کانو افی حاجةٍ أعانوهُمْ (۳)

"کچھ لوگ مسجدوں کے لئے میخ بن جاتے ہیں (یعنی وہ ہر وقت مسجد میں بیٹھے رہتے ہیں) ایسے لوگوں کے ہم نشین فرشتے ہوتے ہیں، اگر یہ لوگ کبھی مسجد سے غائب ہو جائیں تو فرشتے انہیں تلاش کرتے ہیں اور اگر یہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت کرتے ہیں اور اگر ان کو کوئی ضرورت پیش آجائے تو یہ فرشتے ان کی مدد کرتے ہیں۔

اعتکاف کرنے سے اس حدیث کی فضیلت بھی حاصل ہوتی ہیں جو بہت بڑی فضیلت ہے۔

---

(۲) کنز العمال ص ۳۱۱ج ٤ برمز البیهقی فی شعب الایمان

(۲) مجمع الزوائد ص ۱۷۳ ج ۳ و فیه عیینة بن عبد الرحمٰن القرشی وهو متروک

(۳) الفتح الربانی ص ۲٤۲ ج ۱۰ والحدیث صححه الحاکم عن عبد الله بن سلام وفی مسند احمد بن لهیعة عن ابی هریرة ، ورواه الحاکم وقال صحیح علیٰ شرطهما فتح الربانی ۲٤۲ج ۱۰

احادیث اعتکاف :

اب اعتکاف سے متعلق چند احادیث ذیل میں مختصر تشریح کے ساتھ ذکر کی جاتی ہیں :-

۱۔۔۔۔ عن عائشةؓ ان النبی ﷺ کان یعتکفُ العشرالأواخر من رمضانَ حتیٰ توفاهُ الله عزّو جلّ ثمّ اعتکفَ ازواجُهٗ بعد (بخاری ومسلم)

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وفات دے دی، پھر آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اعتکاف کرتی رہیں"

اس حدیث سے اعتکاف کی اہمیت معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ اس پر مداومت فرمائی ہے۔ اور ازواج مطہرات کے اعتکاف کا ذکر آگے آئے گا نیز عورت کے اعتکاف کرنے کی تفصیل بھی انشاء اللہ مسائل اعتکاف کے آخر میں تفصیل کے ساتھ آئے گی۔

۲۔۔۔۔ عن عبدِ اللّٰهِ بن عُمرَ رضی الله عنهما انَّ رسولَ اللّٰه ﷺ کان یعتکفُ العَشرَ الأواخِرَ من رمضانَ،قال نافع : وقد أرَانی ابن عمرَ المکانَ الَّذی کانَ یعتکفُ فیهِ رسولُ اللّٰه صلی الله علیه وسلمَ فی المسجدِ (صحیح مسلم)

"حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے، اور حضرت نافعؒ (جنہوں نے یہ حدیث ابن عمرؓ سے روایت کی ہے) فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے مسجد میں وہ جگہ دکھائی جہاں آپ اعتکاف فرماتے تھے"

۳۔۔۔۔ عن نافعٍ عن ابنِ عمر ان النبیَّ صلی الله علیه وسلم کان اذا اعتکفَ طُرِحَ لهٗ فِراشهٗ او یُوضَعُ لهٗ سریرُهٗ وراء

أسطوانة التوبة (ابن ماجه وقال الشوكاني رجال اسناده ثقات نيل الاوطار (ص٢٦٦ج ٤)

"حضرت نافعؒ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ اعتکاف فرماتے تو اسطوانۂ توبہ کے پیچھے یا تو آپ ﷺ کا بستر بچھا دیا جاتا یا چارپائی ڈال دی جاتی تھی"

اسطوانۂ توبہ مسجد نبوی ﷺ کے اس ستون کا نام ہے جسے اسطوانۂ ابو لبابہؓ بھی کہتے ہیں، اور اس ستون پر حضرت ابو لبابہؓ کی توبہ قبول ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے وہ جگہ ہے جہاں اعتکاف کے وقت آپ ﷺ کا بستر بچھایا جاتا یا چار پائی ڈالی جاتی، آج کل اس جگہ پر ایک ستون ہے جسے اسطوانۃ السّریر کہتے ہیں اور یہ نام اس ستون پر لکھا ہوا بھی ہے، یہ ستون روضۂ اقدس کی مغربی جالی سے متصل ہے۔

بہر کیف! اس حدیث سے ثابت ہوا کہ معتکف کے لئے مسجد میں بستر بچھانا بھی جائز ہے۔ اور اگر کسی شخص کو فرش پر سونے میں نیند نہ آئے تو چار پائی بھی ڈال سکتا ہے۔ لیکن اچھا یہی ہے کہ چند روز کے لئے اتنا زیادہ اہتمام نہ کیا جائے، بلکہ سادگی کے ساتھ فرش پر سوئیں، آنحضرت ﷺ چونکہ پیغمبر تھے اس لئے آپ ﷺ نے بہت سے کام اسلئے فرمائے ہیں تاکہ امت کو ان کا جائز ہونا معلوم ہو جائے، لہذا آپ ﷺ نے چارپائی ڈلوا کر اس کا جائز ہونا بھی بتادیا، لیکن عام مسلمانوں کے لئے بہتر یہی ہے کہ فرش پر سونے کا انتظام کریں الا یہ کہ کوئی عذر ہو۔

اسی حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص ہر سال مسجد کے کسی ایک ہی جگہ پر اعتکاف کرے تو اس میں کچھ حرج نہیں، البتہ ایک تو اس کا ایسا اہتمام نہیں کرنا چاہئے جیسے وہ جگہ لازمی طور پر اعتکاف کے لئے مخصوص ہوگئی ہو، اور وہیں پر اعتکاف کرنا ضروری ہو، دوسرے اس غرض کے لئے

کسی ایسے شخص کو اس جگہ سے ہٹانا جائز نہیں جو پہلے سے اس جگہ پر اعتکاف کا انتظام کر کے وہاں بیٹھ چکا ہو۔ اعتکاف چونکہ ایک عظیم عبادت ہے، اس لئے اس میں کسی خاص جگہ پر قبضہ کرنے کے لئے لڑائی جھگڑا کرنا یا کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا یا اس کا دل دکھانا ہرگز جائز نہیں ہے۔

عن عائشةَ قالت انَّ رَسولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كانَ يعتكفُ كُلَّ رمضان ، فاذا صلىٰ الغداة جاء مكانه الذى اعتكف فيه قال: فاستأذنته عائشةُ ان تعتكف فاذن لها فضربت فيه قبة فسمعت بها حفصة فضَرَبَتْ فيه قُبَّةً ، و سمعت زينبُ فضربت قُبَّةً اخرىٰ ، فلما انصرف رسول الله صلى الله عليه وسلم من الغداة ابصر اربع قباب، فقال : ماهٰذا ؟ فاخبر خبر هن ، فقال :.ما حملهن على هٰذا ؟ البر؟ انزعوها فلا ارا ها فَنُزِعَتْ ، فلم يعكتف فى رمضانَ حتىٰ اعتكف فى اٰخر العشر من شوال (بخاری و مسلم)

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہر رمضان میں اعتکاف فرماتے تھے، پس جب فجر کی نماز پڑھتے تو اپنی اس جگہ پر تشریف لاتے جہاں اعتکاف کرنا ہوتا، رلوی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے بھی آپ ﷺ سے اعتکاف کی اجازت مانگی، آپؐ نے اجازت دیدی، چنانچہ انہوں نے مسجد میں ایک خیمہ لگالیا، حضرت حفصہؓ نے سنا تو انہوں نے بھی ایک خیمہ لگالیا، حضرت زینبؓ نے سنا تو انہوں نے بھی ایک اور خیمہ لگالیا، پس جب آپ ﷺ فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ چار خیمے لگے ہوئے ہیں (ایک آپ ﷺ کا اور تین ازواج مطہرات کے) آپؐ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ آپؐ کو ازواج مطہرات کے بارے میں بتایا گیا (کہ یہ ان کے خیمے ہیں) آپؐ نے فرمایا انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ کیا نیکی (کی وجہ سے)؟ ان خیموں کو نکال دو، اب میں انہیں نہ

دیکھوں چنانچہ خیمے اٹھادئے گئے، اور آپؐ نے بھی اعتکاف نہیں فرمایا، یہاں تک کہ شوال کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا"

اس حدیث میں یہ بات قابل غور ہے کہ آپؐ نے شروع میں حضرت عائشہؓ کو اعتکاف کی اجازت دے دی تھی، لیکن جب دوسری ازواج مطہرات نے خیمے لگائے تو سب کو منع فرمادیا۔ اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے (واللہ اعلم) کہ حضرت عائشہؓ کا مکان مسجد سے اتنا متصل تھا کہ اس کا دروازہ مسجد میں کھلتا تھا اس لئے اگر وہ اپنے مکان کے دروازے کے ساتھ ہی مسجد میں پردہ لگا کر اعتکاف فرماتیں تو ضروریات کے لئے بار بار مسجد میں مردوں کے سامنے سے گذرنا نہ پڑتا بلکہ ایسا ہی ہو جاتا جیسے اپنے گھر میں اعتکاف کر رہی ہیں۔ اس کے بر خلاف دوسری ازواج مطہرات کے مکانات کچھ فاصلے پر تھے، اس لئے اگر وہ مسجد میں اعتکاف فرماتیں تو انہیں بار بار مسجد سے گذر کر اپنے مکان میں جانا پڑتا اور عورت کے لئے اس طرح مسجد میں اعتکاف کرنا آپ ﷺ نے پسند نہیں کیا اور فرمایا عورت کے لئے یہ کوئی نیکی نہیں ہے، لیکن جب آپ ﷺ نے دوسری ازواج مطہرات کے خیمے اٹھوائے تو حضرت عائشہؓ کا بھی اٹھوادیا، تا کہ دوسری ازواج مطہرات کو شکایت نہ ہو اور پھر خود بھی اعتکاف نہیں فرمایا، تا کہ حضرت عائشہؓ کی دل شکنی نہ ہو، اور پھر خود شوال میں اعتکاف کر کے اس ناغہ کی تلافی فرمادی، اس طرح اس عمل سے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حق سے لیکر ازواج مطہرات تک سب کے حقوق کی رعایت اس انداز سے فرمائی کہ سبحان اللہ!(۱)

بہر کیف! اس حدیث سے بہت سے فوائد حاصل ہوئے، ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ اعتکاف کے لئے پردہ وغیرہ لگا کر کوئی جگہ گھیر لینا جائز ہے

(۱) خیمے اٹھوانے کی اور بھی وجوہات علماء نے بیان کی ہیں لیکن احقر کو یہ وجہ راجح معلوم ہوتی ہے اور یہ وجہ امام ابو بکر رازی کے کلام سے ماخوذ ہے جو فتح الملہم ص ۱۹۸ ج ۳ میں منقول ہے۔

،اگلی حدیث جوآرہی ہے اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے لئے ایک ترکی خیمہ لگایا گیا البتہ یہ جگہ گھیرنا اس وقت جائز ہے جب دوسرے مصلیوں یا معتکفوں کو اس سے تکلیف نہ ہو، ورنہ کوئی جگہ گھیرے بغیر اعتکاف کرنا چاہئیے۔ چنانچہ بعض علماء نے ازواج مطہرات کے خیمے اٹھوانے کی ایک حکمت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ خیموں کی کثرت سے مسجد کے تنگ پڑنے کا اندیشہ بھی تھا۔

دوسری بات حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر اعتکاف نہیں کرنا چاہئے، اور اگر وہ ایسا کرلے تو شوہر کو اعتکاف ختم کرانے کا بھی حق ہے، نیز اگر شوہر اجازت دے چکا ہو پھر مصلحت اعتکاف نہ کرنے میں معلوم ہو تو سابقہ اجازت سے رجوع کرنا بھی جائز ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ اس طرح اعتکاف شروع کرنے کے بعد توڑنے سے اس دن کے اعتکاف کی قضا واجب ہوگی جس دن کا اعتکاف توڑا ہے، ہاں اگر اعتکاف شروع نہ کیا ہو تو پھر قضا واجب نہیں اور حدیث مذکور میں ظاہر یہی ہے کہ ازواج مطہرات نے ابھی اعتکاف شروع نہیں کیا تھا۔

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ خواتین کو مسجد میں اعتکاف نہیں کرنا چاہئے، لیکن اگر کوئی عورت جس کا مکان مسجد سے بالکل متصل ہو اس طرح پردے کے ساتھ مسجد میں اعتکاف کرے کہ اسے مسجد میں باہر نکلنے کی ضرورت نہو اور آس پاس بھی مرد نہ ہوں تو اپنے شوہر کے ساتھ اعتکاف کر سکتی ہے۔ لیکن افضل بہر صورت یہی ہے کہ گھر میں اعتکاف کرے۔
(فتح الملہم ص ۱۹۷، ۱۹۸ ج ۳)

۵ــــ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِي أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى الله عليه وَسَلَّم اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الاوّلَ مِنْ رَمَضَانَ ثُمَّ اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الاَوْسَطَ فِي قُبَّةٍ تُرْكِيَّةٍ ثُمَّ اطَّلَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ اِنِّي اَعْتَكِفُ الْعَشْرَ

الاوّل اَلْتَمِسُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ اعتكَفَ الْعشر الاوسَطَ ثُمَّ اُتِيتُ فَقِيلَ لِي اِنَّهَا فِى الْعَشرِ الْأَوَاخِرِ فَمَنْ كاَ نَ اعتكَفَ مَعِيَ فَلْيَعْتَكِفِ العَشرَ الأَوَاخِرَ فَقَدْ اُرِيتُ هٰذِهِ اللَّيلَةَ ثُمَّ اُنسِيتُهاَ و قَدرَ ائيتُنى اَسجُدُ فى ماَءٍ وَطِينٍ مِنْ صَبِيحَتِها فَالتَمِسُوهَا فِى الْعَشرِ الْأَوَاخِرِ وَالْتَمِسُوهَا فى كُلِّ و ترٍ قَالَ فَمَطَرَتِ السَّمَاءُ تِلكَ اللَّيلة وَكَانَ المَسْجِدُ عَلىٰ عَرِيش فوكف المَسْجِدُ فَبَصُرَتْ عَيْنَاىَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلى جَبهَتِهِ اَثَرُ المَاءِ وَ الطِّينِ مِنْ صَبِيحَةِ اِحْدَىٰ وَ عِشرِينَ (متفق عليه واللفظ لمسلم الى قوله فقيل لى انها فى العشر الأواخر والباقى للبخارى ۔ (مشكوة المصابيح)

"حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ترکی خیمے کے اندر رمضان کے پہلے عشرے کا اعتکاف فرمایا، پھر بیچ کے عشرے کا، پھر سر باہر نکالا اور فرمایا، میں نے پہلے عشرے کا اعتکاف شب قدر تلاش کرنے کے لئے کیا، پھر اسی مقصد سے دوسرے عشرے کا اعتکاف کیا، پھر میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیغام آیا کہ شب قدر آخری عشرے میں ہے، لہذا جو شخص میرے ساتھ اعتکاف کرنا چاہے وہ آخری عشرے کا اعتکاف کرے، اس لئے کہ مجھے پہلے شب قدر دکھادی گئی تھی، پھر اسے بھلا دیا گیا، اور اب میں نے یہ دیکھا ہے کہ میں شب قدر کی صبح کو پانی اور کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں گا، لہٰذا اب تم شب قدر کو آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو، حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ اسی شب بارش ہوئی، اور مسجد چھپر کی تھی اس لئے ٹپکنے لگی چنانچہ اکیس رمضان کی صبح کو میری آنکھوں نے آنحضرت ﷺ کو اس حالت میں دیکھا کہ آپؐ کی پیشانی مبارک پر پانی اور کیچڑ کا نشان تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان شریف میں اعتکاف کا اصلی

فائدہ شب قدر کی فضیلت کا حصول ہے، چنانچہ جب تک آپؐ کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ شب قدر آخری عشرے میں ہے، اس وقت تک آپؐ شب قدر کی تلاش میں پہلے اور دوسرے عشرے کا اعتکاف فرماتے رہے، اور جب آپؐ کو یہ بتا دیا گیا کہ شب قدر آخری عشرے میں آئے گی تو آپؐ نے آخری عشرے کا مزید اعتکاف خود بھی فرمایا اور دوسرے حضرات کو بھی اس کی ترغیب دی۔

اس سال آنحضرت ﷺ کو یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ شب قدر وہ رات ہوگی جس کی صبح کو آپ ﷺ پانی اور کیچڑ میں سجدہ فرمائیں گے، یعنی بارش کی وجہ سے زمین بھیگی ہوئی ہوگی، چنانچہ اکیسویں شب میں بارش ہوئی، اور صبح کی نماز میں آپ ﷺ نے اسی گیلی زمین پر سجدہ فرمایا۔ اس طرح یہ متعین ہوگیا کہ شب قدر اس سال اکیسویں شب میں آئی تھی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آئندہ بھی ہمیشہ اکیسویں شب ہی میں شب قدر ہوگی، بلکہ راجح قول یہی ہے کہ شب قدر عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں بدل بدل کر آتی رہتی ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سجدہ کرتے وقت پیشانی کو مٹی یا کیچڑ سے بچانے کا بہت زیادہ اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں، تھوڑی بہت مٹی یا کیچڑ اگر پیشانی کو لگ جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

اور حدیث میں اصل غور طلب بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اگرچہ گناہوں سے پاک تھے اور آپ ﷺ کے درجات انتہائی بلند تھے، اس کے باوجود شب قدر کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے آپ ﷺ نے اس قدر محنت اٹھائی کہ پورا مہینہ اعتکاف کی حالت میں گذار دیا، ہم لوگ تو اس فضیلت کے کہیں زیادہ محتاج ہیں، اس لئے ہمیں اس کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔

۲---عَنِ ابنِ عبَّاسٍ انَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وسلم قَالَ فِي الْمُعْتَكِفِ: هُوَ يَعْتَكِفُ الذُّنوبَ وَ يجرى لهٗ مِنَ الحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الحَسَنَاتِ كُلِّهَا (رواه ابن ماجة مشكوٰة المصابيح)

"حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعتکاف کرنے والا گناہوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کی تمام نیکیاں اسی طرح لکھی جاتی رہتی ہیں جیسے وہ ان کو خود کرتا رہا ہو"

مطلب یہ ہے کہ اعتکاف کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ جتنے دن انسان اعتکاف میں رہے گا گناہوں سے محفوظ رہے گا۔ اور جو گناہ وہ باہر رہ کر کرتا تھا اب ان سے رک جائیگا۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ باہر رہ کر جو نیکیاں وہ کیا کرتا تھا، اعتکاف کی حالت میں اگرچہ وہ ان کو انجام نہ دے سکا ہو، لیکن وہ اس کے نامۂ اعمال میں بدستور لکھی جاتی رہتی ہیں اور اسے ان کا ثواب دیا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص مریضوں کی عیادت یا تیمارداری کرتا تھا، یا غریبوں کی امداد کیا کرتا تھا، یا کسی عالم یا بزرگ کی مجلس میں جایا کرتا تھا، یا تعلیم و تبلیغ کے لئے کہیں جاتا تھا اور اعتکاف کی وجہ سے یہ کام نہیں کر سکا تو وہ ان نیکیوں کے ثواب سے محروم نہیں ہوگا، بلکہ اسکو بدستور ان نیکیوں کا ایسا ہی ثواب ملتا رہے گا جیسے وہ خود ان کو انجام دیتا رہا ہو۔

۷ــ عَنْ عائِشَةَ قالَتْ كانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّم اذا اعْتَكَفَ اَدْنٰى الىَّ رَأسَهُ وهُو فِي المَسْجِد فَأُرَجِّلُهُ وَكَانَ لاَيَدْخُلُ البَيْتَ اِلاَّ لِحَاجَةِ الاُنْسَانِ (متفق عليه) (مشكوٰة المصابيح)

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ اعتکاف میں ہوتے تو (مسجد میں بیٹھ کر) اپنا سر مبارک میری طرف جھکا دیتے، اور میں آپ ﷺ کے سر اقدس میں کنگھی کر دیتی تھی، اور آپؐ گھر میں قضائے حاجت کے سوا کسی اور کام کے لئے تشریف نہ لاتے تھے۔"

آنحضرت ﷺ خود تو مسجد میں ہوتے اور حضرت عائشہؓ اپنے گھر میں ہوتیں، آپؐ سر کو ذرا سا مسجد سے باہر نکال کر حضرت عائشہؓ سے کنگھی کروا لیتے ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ اس طرح سر بھی دھلوا لیتے تھے۔ اور ایک روایت میں

ہے کہ سر دھلواتے وقت آپؐ کے اور حضرت عائشہؓ کے درمیان صرف دروازے کی چوکھٹ حائل ہوتی تھی (مصنف ابن ابی شیبہ (ص ۹۴ ج ۳)

اور ابو داؤد اور ابن ابی شیبہؒ کی روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ سر دھونے یا کنگھی کرتے وقت حضرت عائشہؓ حیض کی حالت میں بھی ہوتی تھیں۔

اس طرح اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل معلوم ہوئے :-

۱- معتکف کے لئے کنگھی کرنا اور سر دھونا جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ خود مسجد میں رہے اور پانی مسجد سے باہر گرے۔

۲- دوسرے شخص سے بھی یہ کام کرائے جاسکتے ہیں اور ایسے شخص سے بھی جو مسجد سے باہر ہو، عورت سے بھی یہ کام کرایا جاسکتا ہے خواہ وہ حائضہ ہی کیوں نہ ہو۔

۳- معتکف کے بدن کا کچھ حصہ اگر مسجد سے باہر نکل جائے تو اس سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا، بشرطیکہ جسم کا صرف اتنا حصہ باہر ہو کہ دیکھنے والا پورے آدمی کو مسجد سے باہر نکلا ہوا نہ سمجھے۔

۴- قضاء حاجت کے لئے معتکف اپنے گھر میں جا سکتا ہے ان تمام مسائل کی تفصیل انشاء اللہ "مسائل اعتکاف" کے زیر عنوان آئیگی۔

۸— عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمُرُّ بِالْمَرِيْضِ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَيَمُرُّ وَلَا يُعَرِّجُ يَسْأَلُ عَنْهُ

(رواه ابو داؤد وابن ماجه) (مشكوة المصابيح)

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کی حالت میں کسی مریض کے پاس سے گذرتے تو ٹھہرے اور راستے سے ہٹے بغیر گذرتے ہوئے اس کا حال پوچھ لیتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ جب آپؐ قضائے حاجت کے لئے مسجد سے باہر

تشریف لاتے اور آپ کا گذر کسی بیمار کے پاس سے ہوتا تو آپ ﷺ نہ تو اس کی عیادت کے لئے اپنے راستے سے ہٹتے اور نہ مریض کے پاس ٹھہرتے۔ بلکہ چلتے چلتے اس کی مزاج پرسی فرما لیتے تھے۔ (مرقاۃ ص ۳۲۹ ج ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ معتکف جب کسی شرعی عذر سے مسجد سے باہر نکلے تو اسے ضرورت سے زائد ایک لمحہ بھی باہر نہ ٹھہرنا چاہئے، ہاں راستے میں چلتے چلتے کسی سے کوئی بات کر لے یا بیمار پرسی کر لے تو جائز ہے لیکن اس غرض کے لئے رکنا یا راستہ بدلنا جائز نہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ بھی اسی پر عمل فرماتی تھیں ایک روایت میں ہے کہ وہ اعتکاف کے دوران ضرورت کی وجہ سے گھر میں جاتیں وہاں کوئی مریض ہوتا تو اس کی مزاج پرسی چلتے چلتے کر لیتی تھیں، اس کے لئے ٹھہرتی نہیں تھیں (جامع الاصول ص ۳۴۱ ج امؤطا امام مالکؒ)

۹۔ عَنْ صَفِيَّةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ وَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا جَائَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزُوْرُهُ فِي اِعْتِكَافِهِ فِي الْمَسْجِدِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَتَحَدَّثَتْ عِنْدَهُ سَاعَةً ثُمَّ قَامَتْ تَنْقَلِبُ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهَا يُقَلِّبُهَا حَتّٰى اِذَا بَلَغَتْ بَابَ الْمَسْجِدِ عِنْدَ بَابِ أُمِّ سَلِمَةَ مَرَّ رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ فَسَلَّمَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رِسْلِكُمَا اِنَّمَا هِيَ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ فَقَالَا سُبْحَانَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ كَبُرَ عَلَيْهِمَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَبْلُغُ الْاِنْسَانَ مَبْلَغَ الدَّمِ وَاِنِّي خَشِيْتُ اَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوْبِكُمَا شَيْئًا (صحيح بخاری)

"ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے اعتکاف کی حالت میں مسجد آئیں، یہ رمضان کے عشرۂ اخیرہ کی بات ہے، اور کچھ دیر آپ کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتی رہیں

پھر واپس گھر جانے کے لئے کھڑی ہوئیں تو آپؐ بھی انہیں پہنچانے کے لئے کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ جب وہ مسجد کے دروازے پر حضرت ام سلمہؓ کے دروازے کے قریب پہنچیں تو دو انصاری صحابی پاس سے گذرے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کو سلام کیا۔ آپؐ نے ان سے فرمایا ذرا ٹھہرو، یہ عورت صفیہ بنت حیيی تھیں، کوئی اور نہیں۔ انہوں نے (تعجب سے) سبحان اللہ کہا اور یہ بات انہیں شاق گذری (کہ آپؐ نے ان کے بارے میں یہ خیال کیوں فرمایا کہ ان کے دل میں کوئی بدگمانی آئی ہوگی) اس پر آپؐ نے فرمایا کہ شیطان انسان سے اتنا قریب ہے جتنا انسان کا خون اس سے قریب ہوتا ہے اور مجھے خطرہ ہوا کہ وہ تمہارے دلوں میں کوئی بدگمانی نہ ڈال دے"

یہ حدیث بہت سے عظیم فوائد پر مشتمل ہے :-

۱- اول تو اس سے معلوم ہوا کہ حالت اعتکاف میں کوئی ملنے والا آجائے تو اس سے بات چیت کرنے میں حرج نہیں البتہ یہ خیال رہنا چاہئے کہ اعتکاف کی حالت میں فضول بات چیت سے پرہیز لازم ہے۔

۲- یہ بھی معلوم ہوا کہ معتکف سے ملنے کے لئے گھر کی کوئی عورت مسجد میں آئے تو اس کی بھی اجازت ہے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اول تو پردے کا مکمل اہتمام ہو، دوسرے ایسے وقت میں آئے جب مردوں کا سامنا ہونے کا امکان کم سے کم ہو۔ بے پردہ یا بے حیائی سے بے محابا مسجد میں آنے کا کوئی جواز حدیث سے نہیں نکلتا۔

۳- یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی شخص ملنے کے لئے آئے تو اسے دروازے تک پہنچانے کے لئے اس کے ساتھ جانا جائز ہے، لیکن مسجد سے باہر نکلا

۴- یہ بھی معلوم ہوا کہ معتکف اعتکاف کی حالت میں اپنی بیوی کے ساتھ خلوت میں بات کر سکتا ہے۔ لیکن جو کام میاں بیوی کے مخصوص کام ہیں

وہ کرنا جائز نہیں، جیسا کہ مسائل اعتکاف میں اس کی تفصیل آرہی ہے، اور حضرت عائشہؓ کی اگلی حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

۵- آنحضرت ﷺ کے پاس سے چونکہ حضرت صفیہؓ نکل کر گئی تھیں، اور پردے میں ہونے کی وجہ سے اجنبیوں کے لئے ان کی پہچان مشکل تھی اس لئے آپؐ نے انصاری صحابہؓ کو بتادیا کہ یہ نکل کر جانے والی حضرت صفیہؓ ہیں۔

ظاہر ہے کہ صحابۂ کرامؓ آنحضرت ﷺ کے بارے میں کسی بدگمانی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، لیکن اپنے اس عمل سے آپؐ نے یہ تعلیم دی کہ کوئی شخص خواہ کتنے ہی بڑے مرتبے کا ہو، اسے تہمت کے مقامات سے پرہیز کرنا چاہئے اور ہر اس موقع پر بات واضح کردینی چاہئے جہاں اس کے بارے میں کسی بدگمانی کا شائبہ ہو سکتا ہو،

ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی شخص اپنی طرف سے بدگمانی دور کرنے کے لئے کوئی بات کہے تو یہ نہ صرف جائز، بلکہ مستحسن ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ خاص طور سے علماء اور مقتدٰؤں کو اس کا اہتمام کرنا چاہئے، اس لئے کہ اگر عوام کے دل میں انکی طرف سے بداعتقادی یا بدگمانی پیدا ہوگی تو وہ ان سے دینی فائدہ حاصل نہیں کر سکیں گے۔

۶- اس حدیث سے ازواج مطہرات کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا حسن سلوک بھی واضح ہوتا ہے کہ اعتکاف جیسی حالت میں بھی آپؐ ان کی دلداری کے لئے دروازے تک انہیں پہنچانے تشریف لے گئے۔

۱۰ — عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ : السُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ اَنْ لاَ يَعُودَ مَرِيضاً وَ لاَ يَشْهَدَ جنازةً ولا يَمَسَّ الإمْرَأةَ وَلاَ يُبَاشِرَهاَ وَلاَ يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ اِلاَّ لِماَ لاَ بُدَّ مِنْهُ (رواه ابوداؤد (مشكوة المصابيح)

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں معتکف کے لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ نہ کسی کی

بیماری پرسی کو جائے نہ کسی جنازے میں شامل ہو نہ کسی عورت کو چھوئے، نہ اس کے ساتھ ملاپ کرے اور ناگزیر ضروریات کے سوا کسی بھی ضرورت کے لئے باہر نہ نکلے۔"

اس حدیث میں حضرت عائشہؓ نے ان بہت سے کاموں کی تفصیل بیان فرمادی ہے جو اعتکاف کی حالت میں ممنوع ہوتے ہیں۔ ان سب کے تفصیلی احکام انشاء اللہ مسائل اعتکاف کے زیر عنوان آئیں گے۔

۱۱ — عَنْ ابنِ عُمَرؓ اَنّ عُمَرَ سأ لَ رَسولَ اللّٰهِ صَلّی اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِالْجِعْرَانَةِ بَعْدَ اَنْ رَجِعَ مِنَ الطَّائِفِ ، فَقَالَ : يا رَسُولَ اللّٰهِ اِنّي نَذَرتُ فَي الْجَاهِلِيَّةِ اَن اعتَكِفَ يوماً فَي المَسجِدِ الْحَرامِ فَكَيفَ تَرَىٰ ؟ قال : اِذْهَبْ فَاعْتَكِفْ يَوماً ، قالَ وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلّی اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَعطَاهُ جارِيَةً مِنَ الخُمُسِ ، فَلَمَّا اعْتَقَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلّی اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّم سَبَايَا النَّاسِ سَمِعَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَصواتَهُمْ يَقُولُونَ: اَعتَقَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلّی اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ماهٰذَا ؟ قَالُو ا اعتَقَ رَسُولُ اللّٰهُ صَلّی اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَم سَبَايا النّاسِ فَقَالَ عُمَرُ : يا عَبدَ اللّٰه اِذْهَبْ إلىٰ تِلْكَ الْجارِيةِ فَخَلّ سَبِيلَهَا ۔ (رواه البخاری ومسلم ۔

(جامع الاصول ٣٤٦ ج ١)

"حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ طائف سے واپسی پر جعرانہ کے مقام پر تشریف فرما تھے تو حضرت عمرؓ نے آپؐ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! میں نے جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک دن کا اعتکاف کروں گا، اب آپ کی کیا رائے ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جاؤ اور ایک دن کا اعتکاف کر لو حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو مال غنیمت میں سے ایک کنیز عطا فرمائی تھی، تو جب آنحضرت ﷺ

نے (غزوہ حنین میں کنیز بنائی ہوئی عورتوں اور غلاموں کو آزاد کیا تو حضرت عمرؓ نے (اعتکاف کے دوران) ان کی آوازیں سنیں کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر دیا ہے؟ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کو آزاد کر دیا ہے، اس پر حضرت عمرؓ نے (مجھ سے) فرمایا کہ عبداللہ! اس کنیز کے پاس جاؤ اور اسے بھی آزاد کر دو۔"

عام اصول یہ ہے کہ کفر کی حالت میں کسی نے کوئی منت مانی ہو تو اسلام لانے کے بعد اُسے پورا کرنا واجب نہیں ہوتا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو نذر پوری کرنے کا حکم دیا، کیونکہ وہ ایک کار خیر تھا اور اگرچہ وہ واجب نہ ہو لیکن موجب ثواب ضرور تھا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب کفر کی حالت میں کی ہوئی نذر کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو اسلام کی حالت میں کوئی شخص اعتکاف کی نذر کر لے تو اس کا پورا کرنا اور زیادہ ضروری ہوگا چنانچہ اس حدیث سے نذر کے اعتکاف کی اصل نکلتی ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن کے اعتکاف کی نذر بھی درست ہے۔ جعرانہ مکہ مکرمہ سے کچھ فاصلے پر طائف کے راستے میں ایک جگہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے غزوے سے واپسی پر یہاں سے راتوں رات مکہ مکرمہ تشریف لے جاکر عمرہ کیا تھا، مسجد حرام چونکہ یہاں سے قریب تھی اس لئے حضرت عمرؓ نے یہ مسئلہ پوچھا اور پھر جاکر اعتکاف کیا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معتکف کے لئے مسجد سے باہر کے حالات لوگوں سے معلوم کرنا جائز ہے کیوں کہ حضرت عمرؓ نے آزاد شدہ قیدیوں کا شور سن کر حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ماجرا پوچھا تھا، صحیح بخاری کتاب الجہاد (باب ما كان يعطى المؤلفة قلوبهم الخ ص ۴۴۵ ج ۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ آزاد شدہ قیدی مکے کی گلیوں میں خوشی سے دوڑتے پھر

رہے تھے اس پر حضرت عمرؓ نے ان کا حال معلوم فرمایا۔
نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعتکاف کی حالت میں غلام آزاد کرنا یا اسی قسم کے دوسرے معاملات مثلاً نکاح و طلاق وغیرہ جائز ہیں۔

اعتکاف کی حقیقت

اعتکاف کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کچھ وقت کے لئے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں مقیم ہو جائے۔ اس کے لئے وقت کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے، بلکہ جتنا وقت بھی مسجد میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہر جائے، نفلی اعتکاف ہو جائے گا۔ البتہ رمضان المبارک میں جو اعتکاف مسنون ہے اس کے لئے دس روز کی مدت مقرر ہے، اس سے کم میں سنت ادا نہیں ہوگی اسی طرح اعتکاف واجب یعنی جس کی نذر مانی ہو وہ ایک دن ایک رات سے کم نہیں ہو سکتا۔ (بدائع)

کون اعتکاف کر سکتا ہے؟

اعتکاف کے لئے ضروری ہے کہ انسان مسلمان ہو اور عاقل ہو، لہٰذا کافر اور مجنون کا اعتکاف درست نہیں، البتہ نابالغ بچہ جس طرح نماز روزہ کر سکتا ہے، اسی طرح اعتکاف بھی کر سکتا ہے۔ (بدائع ص ۱۰۸ ج ۲)
عورت بھی اپنے گھر میں عبادت کی مخصوص جگہ مقرر کر کے وہاں اعتکاف کر سکتی ہے، البتہ اس کے لئے شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے، نیز یہ بھی لازم ہے کہ وہ حیض و نفاس سے پاک ہو۔
اعتکاف واجب اور اعتکاف مسنون میں یہ بھی شرط ہے کہ انسان روزہ دار ہو، لہٰذا جس شخص کا روزہ نہ ہو وہ اعتکاف نہیں کر سکتا، البتہ نفلی اعتکاف

کے لئے روزہ شرط نہیں۔

اعتکاف کی جگہ :

مردوں کے لئے اعتکاف صرف مسجد ہی میں ہو سکتا ہے، افضل ترین اعتکاف مکہ مکرمہ کی مسجد حرام میں ہے، دوسرے نمبر پر مسجد نبوی میں، تیسرے نمبر پر مسجد اقصیٰ میں، چوتھے نمبر پر کسی بھی جامع مسجد میں اور جامع مسجد میں اعتکاف کے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کے لئے کہیں اور نہیں جانا پڑیگا لیکن جامع مسجد میں اعتکاف کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ ہر اس مسجد میں اعتکاف ہو سکتا ہے جہاں پانچوں وقت جماعت ہوتی ہو، البتہ اگر مسجد ایسی ہے جہاں پانچوں وقت نماز نہیں ہوتی تو اس میں علماء کا اختلاف ہے، تاہم محققین کے نزدیک ایسی مسجد میں بھی اعتکاف ہو سکتا ہے، اگرچہ افضل نہیں ہے، (شامی ۱۲۹ ج ۲)

مسائل اعتکاف

اعتکاف کی تین قسمیں ہیں :-

(۱) **اعتکاف مسنون** : یہ وہ اعتکاف ہے جو صرف رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اکیسویں شب سے عید کا چاند دیکھنے تک کیا جاتا ہے، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ان دنوں میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، اس لئے اس کو اعتکاف مسنون کہتے ہیں۔

(۲) **اعتکاف نفل** : وہ اعتکاف ہے جو کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے،

(۳) **اعتکاف واجب** : وہ اعتکاف ہے جو نذر کرنے، یعنی منت ماننے سے واجب ہو گیا ہو، یا کسی مسنون اعتکاف کو فاسد کرنے سے اس کی قضا واجب ہو گئی ہو،

چونکہ ان تینوں قسموں کے احکام علیحدہ ہیں، اسلئے ہر ایک کے مسائل

ذیل میں جداگانہ تحریر کئے جاتے ہیں۔

اعتکاف مسنون:

رمضان المبارک کے آخری عشرے میں جو اعتکاف کیا جاتا ہے وہ اعتکاف مسنون ہے، اس اعتکاف کا وقت بیسواں روزہ پورا ہونے کے دن غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے۔ اور عید کا چاند ہونے تک باقی رہتا ہے، چونکہ اس اعتکاف کا آغاز اکیسویں شب سے ہوتا ہے، اور رات غروب آفتاب سے شروع ہو جاتی ہے، اس لئے اعتکاف کرنے والے کو چاہئے کہ بیسویں روزے کو مغرب سے اتنے پہلے مسجد کی حدود میں پہنچ جائے کہ غروب آفتاب مسجد میں ہو۔

رمضان شریف کے عشرۂ اخیرہ کا یہ اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے یعنی ایک بستی یا محلے میں کوئی ایک شخص بھی اعتکاف کرلے تو تمام اہل محلّہ کی طرف سے سنت ادا ہو جائے گی، لیکن اگر سارے محلے میں سے کسی ایک نے بھی اعتکاف نہ کیا تو سارے محلے والوں پر ترکِ سنت کا گناہ ہوگا۔ (شامی)

محلے والوں کی ذمہ داری:

(۱) اس سے واضح ہو گیا کہ یہ ہر محلے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ پہلے سے یہ تحقیق کریں کہ ہماری مسجد میں کوئی شخص اعتکاف میں بیٹھ رہا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی آدمی نہ بیٹھ رہا ہو تو فکر کر کے کسی کو بٹھائیں۔

(۲) لیکن کسی شخص کو اجرت دیکر اعتکاف میں بٹھانا جائز نہیں، کیونکہ عبادت کے لئے اجرت دینا اور لینا دونوں ناجائز ہیں۔ (شامی)

اگر محلے والوں میں سے کوئی شخص بھی کسی مجبوری کی وجہ سے اعتکاف میں بیٹھنے کے لئے تیار نہ ہو تو کسی دوسرے محلے کے آدمی کو اپنی مسجد میں اعتکاف کرنے کے لئے تیار کرلیں، دوسرے محلے کے آدمی کے بیٹھنے سے بھی

اس محلے والوں کی سنت انشاء اللہ ادا ہو جائیگی۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند مکمل ص ۵۱۲ ج ۶)

اعتکاف کا رکن اعظم یہ ہے کہ انسان اعتکاف کے دوران مسجد کی حدود میں رہے، اور حوائج ضروریہ کے سوا (جن کی تفصیل آگے آرہی ہے) ایک لمحے کے لئے بھی مسجد کی حدود سے باہر نہ نکلے، کیونکہ اگر معتکف ایک لمحے کے لئے بھی شرعی ضرورت کے بغیر حدود مسجد سے باہر چلا جائے تو اس سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔

حدود مسجد کا مطلب:

بہت سے لوگ حدود مسجد کا مطلب نہیں سمجھتے، اور اس بنا پر ان کا اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے، اس لئے خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ حدود مسجد کا کیا مطلب ہے؟ عام بول چال میں تو مسجد کے پورے احاطے کو مسجد ہی کہتے ہیں، لیکن شرعی اعتبار سے یہ پورا احاطہ مسجد ہونا ضروری نہیں، بلکہ شرعاً صرف وہ حصہ مسجد ہوتا ہے جسے بانیٔ مسجد نے مسجد قرار دیکر وقف کیا ہو۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ زمین کے کسی حصے کا مسجد ہونا اور چیز ہے اور مسجد کی ضروریات کے لئے وقف ہونا اور چیز۔ شرعاً مسجد صرف اتنے حصے کو کہا جائیگا جسے بنانے والے نے مسجد قرار دیا ہو یعنی نماز پڑھنے کے سوا اس سے کچھ اور مقصود نہو، لیکن تقریباً ہر مسجد میں کچھ حصہ ایسا ہوتا ہے جو شرعاً مسجد نہیں ہوتا، لیکن مسجد کی ضروریات کے لئے وقف ہوتا ہے، مثلاً وضو خانہ، غسل خانہ، استنجاء کی جگہ، نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ، امام کا حجرہ، گودام وغیرہ۔ اس حصے پر شرعاً مسجد کے احکام جاری نہیں ہوتے، چنانچہ ان حصوں میں جنابت کی حالت میں جانا بھی جائز ہے، جبکہ اصل مسجد میں جُنبی کا داخل ہونا جائز نہیں۔ اس ضروریات مسجد والے حصے میں معتکف کا جانا بالکل جائز نہیں ہے، بلکہ اگر معتکف اس حصے میں شرعی عذر کے بغیر ایک لمحے کے لئے بھی چلا

جائے تو اس سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔

پھر بعض مساجد میں تو ضروریات مسجد والا حصہ اصل مسجد سے بالکل الگ اور ممتاز ہوتا ہے جس کی پہچان مشکل نہیں ہوتی، لیکن بعض مساجد میں یہ حصہ اصل مسجد سے اس طرح متصل ہوتا ہے کہ ہر شخص اسے نہیں پہچان سکتا، اور جبتک بانئ مسجد صراحۃً نہ بتائے کہ یہ حصہ مسجد نہیں ہے اس وقت تک اس کا پتہ نہیں چلتا۔

لھٰذا جب کسی شخص کا کسی مسجد میں اعتکاف کرنے کا ارادہ ہو تو اسے سب سے پہلا کام یہ کرنا چاہئے کہ مسجد کے بانی یا اس کے متولی سے مسجد کی ٹھیک ٹھیک حدود معلوم کرے، مسجد والوں کو بھی چاہئے کہ وہ مسجد کی حدود کو حتی الامکان واضح اور ممتاز رکھیں۔ اور بہتر یہ ہے کہ ہر مسجد میں ایک نقشہ مرتب کر کے لٹکا دیا جائے، جس میں مسجد کی حدود واضح کر دی گئی ہوں، ورنہ کم از کم بیسویں روزے کو جب معتکفین مسجد میں جمع ہو جائیں تو انہیں زبانی طور پر سمجھا دیا جائے کہ مسجد کی حدود کہاں سے کہاں تک ہیں۔؟

جن مسجدوں میں وضو خانے اصل مسجد سے بالکل متصل ہوتے ہیں وہاں عام طور سے لوگ وضو خانوں کو بھی مسجد کا حصہ سمجھتے ہیں اور اعتکاف کی حالت میں بے کھٹکے وہاں آتے جاتے رہتے ہیں، خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اس طرح اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے، وضو خانے مسجد کا حصہ نہیں ہوتے، اور معتکف کے لئے وہاں شرعی ضرورت کے بغیر جانا جائز نہیں ہے۔لہذا اعتکاف میں بیٹھنے سے پہلے منتظمین مسجد کی مدد سے واضح طور پر یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ مسجد کی حدود کہاں ختم ہو گئی ہیں، اور وضو خانے کی حدود کہاں سے شروع ہوئی ہیں۔

اسی طرح مسجد کی سیڑھیاں جن پر چڑھ کر لوگ مسجد میں داخل ہوتے ہیں، وہ بھی عموماً مسجد سے خارج ہوتی ہیں، اس لئے معتکف کو شرعی

ضرورت کے بغیر وہاں جانا بھی جائز نہیں ہے۔

بعض مسجدوں کے صحن میں جو حوض بنا ہوتا ہے وہ بھی مسجد سے خارج ہوتا ہے، لہٰذا اس کے بارے میں بھی یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ حوض کے قریب مسجد کی حدود کہاں تک ہیں؟ اور حوض کی حدود کہاں سے شروع ہوئی ہیں؟

جن مسجدوں میں نمازِ جنازہ پڑھنے کی جگہ الگ بنی ہوتی ہے وہ بھی مسجد سے خارج ہوتی ہے، معتکف کو وہاں جانا بھی جائز نہیں ہے۔

بعض مساجد میں امام کی رہائش کے لئے مسجد کے ساتھ ہی کمرہ بنا ہوتا ہے یہ کمرہ بھی مسجد سے خارج ہوتا ہے، اور اس میں معتکف کا جانا جائز نہیں۔

بعض مسجدوں میں ایسا کمرہ امام کی رہائش کے لئے تو نہیں ہوتا، لیکن امام کی تنہائی کی ضروریات کے لئے بنایا جاتا ہے، اس کمرے کو بھی جب تک بانی مسجد نے مسجد قرار نہ دیا ہو اس وقت تک اسے مسجد نہیں سمجھا جائیگا۔ ، اور معتکف کو اس میں بھی جانا جائز نہیں، ہاں اگر بانی مسجد نے اس کے مسجد ہونے کی نیت کرلی ہو تو پھر معتکف اس میں جاسکتا ہے۔

بعض مساجد میں اصل مسجد کے بالکل ساتھ بچوں کو پڑھانے کے لئے جگہ بنائی جاتی ہے، اس جگہ کو بھی جب تک بانیٔ مسجد نے مسجد قرار نہ دیا ہو اس وقت تک معتکف کے لئے اس میں جانا جائز نہیں۔

بعض مساجد میں مسجد کی دریاں، صفیں، چٹائیاں اور دیگر سامان رکھنے کے لئے الگ کمرہ یا کوئی جگہ بنائی جاتی ہے، اس جگہ کا حکم بھی یہی ہے کہ جب تک بنانے والے نے اسے مسجد قرار نہ دیا ہو، یہ جگہ مسجد نہیں ہے، اور معتکف اس میں نہیں جاسکتا۔

اس تفصیل سے واضح ہوا ہوگا کہ اعتکاف کے لئے مسجد کی حدود کو معین کرنا کس قدر ضروری ہے، لہٰذا معتکف کو اعتکاف شروع کرنے سے پہلے

منتظمین مسجد سے حدود مسجد کو اچھی طرح متعین کرالینا چاہئے۔

پھر جب مسجد کی حدود معلوم ہو جائیں تو اس کے بعد اعتکاف کے دوران شرعی ضرورت کے بغیر ان حدود سے ایک لمحے کے لئے بھی باہر نہ نکلیں، ورنہ اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

شرعی ضرورت کے لئے نکلنا:

شرعی ضرورت سے ہماری مراد یہاں وہ ضروریات ہیں جن کی بنا پر مسجد سے نکلنا شریعت نے معتکف کے لئے جائز قرار دیا ہے، اور اس سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا، یہ ضروریات مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) پیشاب پاخانے کی ضرورت (۲) غسل جنابت جبکہ مسجد میں غسل کرنا ممکن نہو (۳) وضو، جبکہ مسجد میں رہتے ہوئے وضو کرنا ممکن نہ ہو (۴) کھانے پینے کی اشیاء باہر سے لانا، جبکہ کوئی اور شخص لانے والا موجود نہ ہو، (۵) مؤذن کے لئے اذان دینے کے مقصد سے باہر جانا (۶) جس مسجد میں اعتکاف کیا ہے، اگر اس میں جمعہ کی نماز نہ ہوتی ہو تو جمعہ کی نماز کے لئے دوسری مسجد میں جانا، (۷) مسجد کے گرنے وغیرہ کی صورت میں دوسری مسجد میں منتقل ہونا، ان ضروریات کے علاوہ کسی اور مقصد سے باہر جانا معتکف کے لئے جائز نہیں، اب ان تمام ضروریات کی کچھ تفصیل عرض کی جاتی ہے۔

قضائے حاجت:

۱ ــــ معتکف قضائے حاجت یعنی پیشاب پاخانے کی ضرورت سے مسجد سے باہر نکل سکتا ہے، جہاں تک پیشاب کا تعلق ہے، اس کے لئے مسجد کے قریب ترین جس جگہ پیشاب کرنا ممکن ہو وہاں جانا چاہئے، لیکن پاخانے کے لئے جانے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مسجد کے ساتھ کوئی بیت الخلاء بنا ہوا ہے، اور وہاں قضائے حاجت کرنا ممکن ہے تو اسی میں قضائے حاجت کرنا چاہئے کہیں

اور جانا درست نہیں، لیکن اگر کسی شخص کے لئے اپنے گھر کے سوا کسی اور جگہ قضائے حاجت طبعاً ممکن نہ ہو یا سخت دشوار ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس غرض کے لئے اپنے گھر چلا جائے خواہ مسجد کے قریب بیت الخلاء موجود ہو۔ (شامی)

لیکن جس شخص کو یہ مجبوری نہ ہو، اسے مسجد کا بیت الخلاء ہی استعمال کرنا چاہئے اگر ایسا شخص مسجد کا بیت الخلاء چھوڑ کر گھر چلا جائے تو بعض علماء کے نزدیک اس کا اعتکاف ٹوٹ جائیگا۔ (شامی)

(۲) لیکن اگر مسجد کا کوئی بیت الخلاء نہ ہو یا اس میں قضائے حاجت ممکن نہ ہو یا سخت دشوار ہو تو قضائے حاجت کے لئے اپنے گھر جانا جائز ہے، خواہ وہ گھر کتنی ہی دور ہو (ایضاً)

(۳) اگر مسجد کے قریب کسی دوست یا عزیز کا گھر موجود ہو تو قضائے حاجت کے لئے اس کے گھر جانا ضروری نہیں،، بلکہ اس کے باوجود اپنے گھر میں جانا جائز ہے، خواہ گھر اس دوست یا عزیز کے مکان کے مقابلے میں دور ہو (ایضاً)

(۴) اگر کسی شخص کے دو گھر ہوں تو اس کو چاہئے کہ قریب والے گھر میں جا کر قضائے حاجت کرے، دور والے گھر میں جانے سے بعض علماء کے نزدیک اعتکاف ٹوٹ جائے گا، (شامی و عالمگیری)

(۵) اگر بیت الخلاء مشغول ہو تو خالی ہونے کے انتظار میں ٹھہرنا جائز ہے، لیکن ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد ایک لمحے کے لئے بھی ٹھہرنا جائز نہیں، اگر ٹھہر گیا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ (برجندی ص ۲۲۳)

(۶) بیت الخلاء کو جاتے یا وہاں سے آتے وقت راستے میں یا گھر میں کسی کو سلام کرنا، سلام کا جواب دینا یا مختصر بات چیت کر لینا جائز ہے، بشرطیکہ اس

بات چیت کے لئے ٹھہرنا نہ پڑے۔(مرقاۃ)

(۷) بیت الخلاء کے لئے جاتے یا وہاں سے آتے وقت تیز چلنا ضروری نہیں، آہستہ آہستہ چلنا بھی جائز ہے(عالمگیریہ)

(۸) قضائے حاجت کے لئے جاتے وقت کسی شخص کے ٹھہرانے سے ٹھہرنا نہ چاہئے، بلکہ چلتے چلتے اسے بتادینا چاہئے کہ میں اعتکاف میں ہوں، اس لئے ٹھہر نہیں سکتا، اگر کسی کے ٹھہرانے سے کچھ دیر ٹھہر گیا تو اس سے اعتکاف ٹوٹ جائیگا، یہاں تک کہ اگر راستے میں کسی قرض خواہ نے روک لیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے بھی اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے اگرچہ صاحبین کے نزدیک ایسی مجبوری سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا، اور امام سرخسیؒ نے سہولت کی بنا پر صاحبین ہی کے قول کی طرف رجحان ظاہر کیا ہے(مبسوط سرخسیؒ ص ۱۲۲ ج ۳) لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ کسی بھی صورت میں راستے میں نہ ٹھہرے۔

(۹) جب بیت الخلاء جانے کے لئے نکلا ہو تو بیڑی سگریٹ پینا جائز ہے بشرطیکہ اس غرض سے ٹھہرنا نہ پڑے۔

(۱۰) جب کوئی شخص قضائے حاجت کے لئے اپنے گھر گیا ہو تو قضائے حاجت کے بعد وہاں وضو کرنا بھی جائز ہے۔(مجمع الانہر ص ۲۵۶ ج ۱)

(۱۱) قضائے حاجت میں استنجاء بھی داخل ہے، لہذا جن لوگوں کو قطرے کا مرض ہوتا ہے، وہ اگر صرف استنجاء کے لئے باہر جانا چاہیں تو جاسکتے ہیں، اسی لئے فقہاؒ نے استنجاء کو قضائے حاجت کے علاوہ خروج کا مستقل عذر قرار دیا ہے۔(دیکھئے شامی ص ۱۳۲ ج ۲)

معتکف کا غسل :

معتکف کو صرف احتلام ہو جانے کی صورت میں غسل جنابت کے لئے مسجد سے باہر جانا جائز ہے، اس میں بھی یہ تفصیل ہے کہ اگر مسجد کے اندر رہتے ہوئے غسل کرنا ممکن ہو، مثلاً کسی بڑے برتن میں بیٹھ کر اس طرح غسل کر سکتا ہو کہ پانی مسجد میں نہ گرے تو باہر جانا جائز نہیں، لیکن اگر یہ صورت ممکن نہ ہو یا سخت دشوار ہو تو غسل جنابت کے لئے باہر جا سکتا ہے، (فتح القدیر ص ۱۱۱ ج ۲) اور اس میں بھی یہی تفصیل ہے کہ اگر مسجد کا کوئی غسل خانہ موجود ہے تو اس میں جا کر غسل کریں، لیکن اگر مسجد کا کوئی غسل خانہ نہیں ہے یا اس میں غسل کرنا کسی وجہ سے ممکن نہیں یا سخت دشوار ہے تو اپنے گھر جا کر بھی غسل کر سکتے ہیں۔

غسل جنابت کے سوا کسی اور غسل کے لئے مسجد سے نکلنا جائز نہیں، جمعہ کے غسل یا ٹھنڈک کی غرض سے غسل کرنے کے لئے مسجد سے باہر جانا جائز نہیں اس غرض سے مسجد سے باہر نکلے گا تو اعتکاف ٹوٹ جائیگا۔ البتہ جمعہ کا غسل کرنا ہو یا ٹھنڈک کے لئے نہانا ہو تو اس کی ایسی صورت اختیار کی جا سکتی ہے جس سے پانی مسجد میں نہ گرے، مثلاً کسی ٹب میں بیٹھ کر نہالیں، یا مسجد کے کنارے پر اس طرح غسل کرنا ممکن ہو کہ پانی مسجد سے باہر گرے تو ایسا بھی کر سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مسنون اعتکاف میں جمعہ کے غسل یا ٹھنڈک کی خاطر غسل کے لئے مسجد سے باہر نہیں جانا چاہئے، ہاں نفلی اعتکاف میں ایسا کر سکتے ہیں، اس صورت میں جتنی دیر غسل کے لئے باہر رہیں گے اتنی دیر اعتکاف معتبر نہیں ہوگا، اس مسئلے کی مزید تفصیل اور فقہی تحقیق ضمیمے میں ملاحظہ فرمائیے۔

معتکف کا وضوء :

۱- اگر مسجد میں وضو کرنے کی ایسی جگہ موجود ہے کہ معتکف خود تو مسجد میں رہے لیکن وضو کا پانی مسجد سے باہر گرے، تو وضو کے لئے مسجد سے باہر جانا جائز نہیں، چنانچہ ایسی صورت میں معتکف کو وضو خانے تک جانا بھی جائز نہیں ہے۔

بعض مسجدوں میں معتکفین کے لئے الگ پانی کی ٹونٹیاں اس طرح لگائی جاتی ہیں کہ معتکف خود مسجد میں بیٹھتا ہے لیکن ٹونٹی کا پانی مسجد سے باہر گرتا ہے اگر مسجد میں ایسا انتظام موجود ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے، اور اگر ایسا انتظام نہیں ہے تو نل سے وضو کرنے کے بجائے کسی غیر معتکف سے لوٹے میں پانی منگوا کر مسجد کے کنارے پر اس طرح وضو کر لیں کہ پانی مسجد سے باہر گرے،

(۲) لیکن اگر کسی مسجد میں ایسی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو وضو کے لئے مسجد سے باہر وضو خانے یا وضو خانہ موجود نہ ہو تو کسی اور قریبی جگہ جانا جائز ہے (شامی) اور یہ حکم ہر قسم کے وضو کا ہے خواہ وہ فرض نماز کے لئے کیا جا رہا ہو یا نفلی عبادتوں کے لئے

(۳) جن صورتوں میں معتکف کے لئے وضوء کی غرض سے باہر نکلنا جائز ہے ان میں وضو کے ساتھ مسواک، منجن یا پیسٹ سے دانت مانجھنا، صابن لگانا اور تولیہ سے اعضا خشک کرنا بھی جائز ہے، لیکن وضو کے بعد ایک لمحے کے لئے بھی باہر ٹھہرنا جائز نہیں، اور نہ راستے میں رکنا جائز ہے۔

کھانے کی ضرورت :

اگر کسی شخص کو کوئی ایسا آدمی میسر ہے جو اس کے لئے مسجد میں کھانا

پانی لاسکے تو اس کے لئے کھانا لانے کی غرض سے مسجد سے باہر جانا جائز نہیں، لیکن اگر کسی شخص کو ایسا کوئی آدمی میسر نہیں ہے تو وہ کھانا لانے کے لئے مسجد سے باہر جاسکتا ہے۔ البحرالرائق ص ۳۲۶ ج ۲) لیکن کھانا مسجد میں لاکر ہی کھانا چاہئے (کفایہ المفتی ج ۴ ص ۲۳۲) نیز ایسے شخص کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ایسے وقت مسجد سے نکلے جب اسے کھانا تیار مل جائے، تاہم اگر کچھ دیر کھانے کے انتظار میں ٹھہرنا پڑے تو مضائقہ نہیں۔

اذان :

۱۔اگر کوئی مؤذن اعتکاف میں بیٹھا ہو اور اذان دینے کے لئے مسجد سے باہر جانا پڑے تو اس کے لئے بھی باہر نکلنا جائز ہے۔ مگر اذان کے بعد نہ ٹھہرے

۲۔اگر کوئی شخص باقاعدہ مؤذن تو نہیں ہے لیکن کسی وقت کی اذان دینا چاہتا ہے تو اس کے لئے بھی اذان کی غرض سے باہر نکلنا جائز ہے (مبسوط سرخسیؒ ص ۱۲۶ ج ۳)

۳۔مسجد کے مینار کا دروازہ اگر مسجد کے اندر ہو تو معتکف کے لئے مینار پر چڑھنا مطلقاً جائز ہے کیونکہ وہ مسجد ہی کا حصہ ہے، البتہ اگر دروازہ باہر ہو تو اذان کی ضرورت کے سوا اس پر چڑھنا معتکف کے لئے جائز نہیں (شامی ص ۱۳۲ ج ۲)

نماز جمعہ :

۱۔بہتر یہ ہے کہ اعتکاف ایسی مسجد میں کیا جائے جس میں نماز جمعہ ہوتی ہو، تاکہ جمعہ کے لئے باہر نہ جانا پڑے، لیکن اگر کسی مسجد میں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی، مگر پنج وقتہ نماز ہوتی ہے تو اس میں بھی اعتکاف کرنا جائز ہے (شامی وعالمگیری)

۲۔ایسی صورت میں نماز جمعہ پڑھنے کے لئے دوسری مسجد میں جانا

بھی جائز ہے، لیکن اس غرض کے لئے ایسے وقت اپنی مسجد سے نکلے جب اسے اندازہ ہو کہ جامع مسجد پہنچنے کے بعد وہ چار رکعت سنت ادا کرے گا تو اس کے فوراً بعد خطبہ شروع ہو جائیگا۔ (عالمگیر)

۳- جب کسی مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے کے لئے گیا ہو تو فرض پڑھنے کے بعد سنتیں بھی وہاں پڑھ سکتا ہے، لیکن اس کے بعد ٹھہرنا جائز نہیں (ایضاً) تاہم اگر ضرورت سے زیادہ ٹھہر گیا تو چونکہ مسجد میں ٹھہرا ہے اس لئے اعتکاف فاسد نہ ہوگا، (بدائع ص ۱۱۴ ج ۲)

۴- اگر کوئی شخص جامع مسجد میں جمعہ پڑھنے کے لئے گیا اور وہاں جاکر باقی ماندہ اعتکاف اسی مسجد میں پورا کرنے کے لئے وہیں ٹھہر گیا تو اس سے اعتکاف تو صحیح ہو جائے گا لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔ (عالمگیریہ)

مسجد سے منتقل ہونا:

ہر معتکف کے لئے ضروری ہے کہ اس نے جس مسجد میں اعتکاف شروع کیا ہے اسی میں پورا کرے۔ لیکن اگر کوئی ایسی شدید مجبوری پیش آجائے کہ وہاں اعتکاف پورا کرنا ممکن نہ رہے، مثلاً وہ مسجد منہدم ہو جائے، یا کوئی شخص زبردستی وہاں سے نکال دے یا وہاں رہنے میں جان ومال کا کوئی قوی خطرہ ہو تو دوسری مسجد میں منتقل ہو کر اعتکاف پورا کرنا جائز ہے، اور اس غرض کے لئے باہر نکلنے سے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا، بشرطیکہ وہاں سے نکلنے کے بعد راستے میں کہیں نہ ٹھہرے، بلکہ سیدھا دوسری مسجد میں چلا جائے۔ (فتح القدیر ص ۱۱۱ ج ۲ و عالمگیریہ)

نماز جنازہ، اور عیادت:

۱- عام حالات میں کسی معتکف کے لئے نماز جنازہ میں شرکت کے لئے یا کسی کی بیمار پرسی کے لئے مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں، لیکن اگر قضائے

حاجت کے لئے نکلا تھا اور ضمناً راستے میں کسی کی بیمار پرسی کرلی یا کسی کی نماز جنازہ میں شامل ہو گیا تو جائز ہے اس سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا (بدائع ص ۱۱۴ ج ۲) لیکن شرط یہ ہے کہ نماز جنازہ یا عیادت مریض کی نیت سے نہ نکلے، بلکہ نیت قضائے حاجت کی ہو اور بعد میں یہ کام بھی کرلے، کیونکہ اگر ان کاموں کی نیت سے نکلے گا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ (شامی) نیز یہ بھی شرط ہے کہ نماز جنازہ اور عیادت کے لئے راستے سے ہٹنا نہ پڑے، بلکہ یہ کام راستے ہی میں ہو جائیں پھر عیادت مریض تو چلتے چلتے کرنی چاہئے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چلتے چلتے بیمار پرسی کر لیتے تھے، اس غرض کے لئے رکتے نہ تھے (ابوداؤد) اور نماز جنازہ میں شرط یہ ہے کہ نماز کے بعد بالکل نہ ٹھہرے (مرقاۃ ص ۳۳۰ ج ۴)

اعتکاف مسنون اور استثناء :

۲- اس کے علاوہ اگر اعتکاف کی نیت کرتے وقت ہی یہ شرط کرلی تھی کہ میں اعتکاف کے دوران کسی مریض کی عیادت یا نماز جنازہ میں شرکت یا کسی علمی دینی مجلس میں شامل ہونے کے لئے جانا چاہوں گا تو چلا جاؤں گا تو اس صورت میں ان اغراض کے لئے مسجد سے باہر جانا جائز ہے، اور اس سے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا، لیکن اس طرح اعتکاف نفلی ہو جائیگا، مسنون نہ رہے گا اس مسئلے کی تفصیل ضمیمے میں ملاحظہ فرمائیے۔

اعتکاف کا ٹوٹ جانا :

مندرجہ ذیل چیزوں سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے :

۱- جن ضروریات کا پیچھے ذکر کیا گیا ہے، ان کے سوا کسی بھی مقصد سے اگر کوئی معتکف حدود مسجد سے باہر نکل جائے، خواہ یہ باہر نکلنا ایک ہی لمحے کے لئے ہو، تو اس سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔ (ہدایہ)

واضح رہے کہ مسجد سے نکلنا اس وقت کہا جائے گا جب پاؤں مسجد سے اس طرح باہر نکل جائیں کہ اسے عرفاً مسجد سے نکلنا کہا جا سکے، لہٰذا اگر صرف سر مسجد سے باہر نکال دیا تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا واراد بالخروج انفصال قدمیه (بحر ج۲ص ۳۲۶)

۲-اسی طرح اگر کوئی معتکف شرعی ضرورت سے باہر نکلے، لیکن ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد ایک لمحے کے لئے بھی باہر ٹھہر جائے تو اس سے بھی اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔ (شامی)

۳---- بلا ضرورت شرعی مسجد سے باہر نکلنا خواہ جان بوجھ کر ہو، یا بھول کر، یا غلطی سے، بہر صورت اس سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے، البتہ اگر بھول کر یا غلطی سے باہر نکلا ہے تو اس سے اعتکاف توڑنے کا گناہ نہیں ہوگا (شامی)

۴----- کوئی شخص احاطۂ مسجد کے کسی حصے کو مسجد سمجھ کر اس میں چلا گیا، حالانکہ در حقیقت وہ حصہ مسجد میں شامل نہیں تھا۔ تو اس سے بھی اعتکاف ٹوٹ گیا، اسی لئے شروع میں عرض کیا گیا ہے کہ اعتکاف میں بیٹھنے سے پہلے حدود مسجد اچھی طرح معلوم کر لینی چاہئیں۔

۵----اعتکاف کے لئے چونکہ روزہ شرط ہے، اس لئے روزہ توڑ دینے سے بھی اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے، خواہ یہ روزہ کسی عذر سے توڑا ہو، یا بلا عذر، جان بوجھ کر توڑا ہو یا غلطی سے ٹوٹا ہو۔ ہر صورت میں اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے، غلطی سے روزہ ٹوٹنے کا مطلب یہ ہے کہ روزہ تو یاد تھا، لیکن بے اختیار کوئی عمل ایسا ہو گیا جو روزے کے منافی تھا، مثلاً صبح صادق طلوع ہونے کے بعد تک کھاتے رہے یا غروب آفتاب سے پہلے یہ سمجھ کر روزہ افطار کر لیا کہ افطار کا وقت ہو چکا ہے، یا روزہ یاد ہونے کے باوجود کلی کرتے وقت غلطی سے پانی حلق میں چلا گیا، تو ان تمام صورتوں میں روزہ بھی جاتا رہا اور اعتکاف بھی ٹوٹ گیا۔

لیکن اگر روزہ ہی یاد نہ رہا، اور بھول کر کچھ کھا پی لیا تو اس سے روزہ بھی

نہیں ٹوٹا اور اعتکاف بھی فاسد نہیں ہوا (در مختار شامی ص ۱۳۶ ج ۲)

۶---جماع کرنے سے بھی اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے خواہ یہ جماع جان بوجھ کر کرے یا سہواً، دن میں کرے یا رات میں مسجد میں کرے یا مسجد سے باہر، اس سے انزال ہو یا نہ ہو، ہر صورت میں اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔ (ہدایہ)

۷---- بوس و کنار اعتکاف کی حالت میں ناجائز ہے، اور اگر اس سے انزال ہو جائے تو اس سے اعتکاف بھی ٹوٹ جاتا ہے، لیکن اگر انزال نہو تو ناجائز ہونے کے باجود اعتکاف نہیں ٹوٹتا۔ (ہدایہ)

کن صورتوں میں اعتکاف توڑنا جائز ہے؟

مندرجہ ذیل صورتوں میں اعتکاف توڑنا جائز ہے :-

۱---اعتکاف کے دوران کوئی ایسی بیماری پیدا ہو گئی جس کا علاج مسجد سے باہر نکلے بغیر ممکن نہیں تو اعتکاف توڑنا جائز ہے (شامی)

۲---کسی ڈوبتے یا جلتے ہوئے آدمی کو بچانے یا آگ بجھانے کے لئے بھی اعتکاف توڑ کر باہر نکل آنا جائز ہے۔ (ایضاً)

۳---ماں باپ یا بیوی بچوں میں سے کسی کی سخت بیماری کی وجہ سے اعتکاف توڑنا جائز ہے۔

۴---کوئی شخص زبردستی باہر نکال کر لے جائے مثلاً حکومت کی طرف سے گرفتاری کا وارنٹ آجائے تو بھی اعتکاف توڑنا جائز ہے۔ (شامی)

۵---اگر کوئی جنازہ آجائے اور نماز پڑھنے والا کوئی نہو تب بھی اعتکاف توڑنا جائز ہے (فتح القدیر ص ۱۱۱ ج ۲)

ان تمام صورتوں میں باہر نکلنے سے گناہ تو نہیں ہوگا، لیکن اعتکاف ٹوٹ جائیگا۔ (البحر الرائق ص ۳۲۶ ج ۲)

اعتکاف ٹوٹنے کا حکم :

۱---مذکورہ بالا وجوہ میں سے جس وجہ سے بھی اعتکاف مسنون ٹوٹا ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ جس دن میں اعتکاف ٹوٹا ہے صرف اس دن کی قضا واجب ہو گی، پورے دس دن کی قضا واجب نہیں (شامی) اور اس ایک دن کی قضا کا طریقہ یہ ہے کہ اگر اسی رمضان میں وقت باقی ہو تو اسی رمضان میں کسی دن غروب آفتاب سے اگلے دن غروب آفتاب تک قضا کی نیت سے اعتکاف کر لیں، اور اگر اس رمضان میں وقت باقی نہ ہو یا کسی وجہ سے اسمیں اعتکاف ممکن نہ ہو تو رمضان کے علاوہ کسی بھی دن روزہ رکھ کر ایک دن کے لئے اعتکاف کیا جا سکتا ہے، اور اگلے رمضان میں قضا کرے تو بھی قضا صحیح ہو جائے گی لیکن زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں، اس لئے جلد از جلد قضا کرنی چاہئے۔

۲---اعتکاف مسنون ٹوٹ جانے کے بعد مسجد سے باہر نکلنا ضروری نہیں بلکہ عشرہ اخیرہ کے باقی ماندہ ایام میں نفل کی نیت سے اعتکاف جاری رکھا جا سکتا ہے، اس طرح سنت مؤکدہ تو ادا نہیں ہو گی، لیکن نفلی اعتکاف کا ثواب ملے گا اور اگر اعتکاف کسی غیر اختیاری بھول چوک کی وجہ سے ٹوٹا ہے تو عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ عشرۂ اخیرہ کے مسنون اعتکاف کا ثواب بھی اپنی رحمت سے عطا فرما دیں۔ اس لئے اعتکاف ٹوٹنے کی صورت میں بہتر یہی ہے کہ عشرۂ اخیرہ ختم ہونے تک اعتکاف جاری رکھیں، لیکن اگر کوئی شخص اس کے بعد اعتکاف جاری نہ رکھے تو یہ بھی جائز ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ جس دن کا اعتکاف ٹوٹا ہے اس دن باہر چلا جائے اور اگلے دن سے بہ نیت نفل پھر اعتکاف شروع کر دے۔

۳---ایک دن کے اعتکاف کی قضا کا طریقہ اگرچہ فقہاؒ نے صاف صاف

نہیں لکھا، لیکن قواعد سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اگر اعتکاف دن میں ٹوٹا ہو تو صرف دن دن کی واجب ہو گی یعنی قضا کے لئے صبح صادق سے پہلے داخل ہو، روزہ رکھے، اور اسی روز شام کو غروب آفتاب کے وقت نکل آئے، اور اگر اعتکاف رات کو ٹوٹا ہے تو رات اور دن دونوں کی قضا کرے، یعنی شام کو غروب آفتاب سے پہلے مسجد میں داخل ہو، رات بھر وہاں رہے، روزہ رکھے اور اگلے دن غروب آفتاب کے بعد مسجد سے باہر نکلے (کیونکہ یہ اعتکاف واجب ہے اور اعتکاف منذور کا حکم یہی ہے)

آداب اعتکاف

اعتکاف کا مقصد چونکہ یہ ہے کہ انسان دوسرے تمام مشاغل سے کنارہ کش ہو کر اللہ تعالیٰ ہی کی یاد کی طرف اپنے آپ کو لگائے، اس لئے اعتکاف کے دوران غیر ضروری کاموں اور باتوں سے بچنا چاہئے، اور جس قدر وقت ملے نوافل پڑھنے، تلاوتِ قرآن اور دوسری عبادتوں اور اذکار و تسبیحات میں وقت گذارنا چاہئے۔ نیز علم دین کے پڑھنے پڑھانے، وعظ و نصیحت کرنے اور دینی کتابوں کے پڑھنے میں بھی نہ صرف یہ کہ کوئی حرج نہیں بلکہ موجب ثواب ہے۔

مباحات اعتکاف:

اعتکاف کی حالت میں مندرجہ ذیل کام بلا کراہت جائز ہیں:-

۱- کھانا پینا، ۲- سونا - ۳- ضروری خرید و فروخت کرنا بشرطیکہ سودا مسجد میں نہ لایا جائے، اور خرید و فروخت ضروریاتِ زندگی کے لئے ہو۔ لیکن مسجد کو باقاعدہ تجارت گاہ بنانا جائز نہیں (قاضی خاں)

۴- حجامت کرانا (لیکن بال مسجد میں نہ گریں)

۵- بات چیت کرنا (لیکن فضول گوئی سے پرہیز ضروری ہے) (شامی)

۶- نکاح یا کوئی اور عقد کرنا (بحر ص ۳۲۶ ج ۲)

۷- کپڑے بدلنا، خوشبو لگانا، سر میں تیل لگانا (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۶۹ ج ۱)
۸- مسجد میں کسی مریض کا معائنہ کرنا اور نسخہ لکھنا یا دوا تیاد دینا (فتاویٰ دار العلوم جدید ص ۵۰۱ ج ۶)
۹- قرآن کریم یا دینی علوم کی تعلیم دینا (شامی ص ۱۸۵ ج ۲)
۱۰- کپڑے دھونا اور کپڑے سینا (مصنف ابن ابی شیبہ عن عطاء ص ۹۴ ج ۳)
البتہ کپڑے دھوتے وقت پانی مسجد سے باہر گرے اور خود مسجد میں رہیں۔ یہی حکم برتن دھونے کا بھی ہے۔
۱۱- ضرورت کے وقت مسجد میں ریاح خارج کرنا (شامی) نیز جتنے اعمال اعتکاف کے لئے مفسد یا مکروہ نہیں ہیں اور فی نفسہ بھی حلال ہیں وہ سب اعتکاف کی حالت میں جائز ہیں۔

مکروہات اعتکاف

اعتکاف کی حالت میں مندرجہ ذیل امور مکروہ ہیں :-

۱- بالکل خاموشی اختیار کرنا، کیونکہ شریعت میں بالکل خاموش رہنا کوئی عبادت نہیں، اگر خاموشی کو عبادت سمجھ کر کرے گا تو بدعت کا گناہ ہوگا البتہ اگر اس کو عبادت نہ سمجھے، لیکن گناہ سے اجتناب کی خاطر حتی الامکان خاموشی کا اہتمام کرے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے (در مختار) البتہ جہاں ضرورت ہو وہاں بولنے سے پرہیز نہ کرنا چاہئے۔
۲- فضول اور بلا ضرورت باتیں کرنا بھی مکروہ ہے، ضرورت کے مطابق تھوڑی بہت گفتگو تو جائز ہے، لیکن مسجد کو فضول گوئی کی جگہ بنانے سے احتراز لازم ہے (منحۃ الخالق)
۳- سامان تجارت مسجد میں لا کر بیچنا بھی مکروہ ہے۔
۴- اعتکاف کے لئے مسجد کی اتنی جگہ گھیر لینا جس سے دوسرے معتکفین یا نمازیوں کو تکلیف پہنچے
۵- اجرت پر کتابت کرنا یا کپڑے سینا یا تعلیم دینا بھی معتکف کے لئے فقہاء نے مکروہ لکھا ہے (بحر ص ۳۲۷ ج ۲) البتہ جو شخص اس کے بغیر ایام اعتکاف کی روزی بھی کما نہ سکتا ہو، اس کے لئے بیع پر قیاس کرکے گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اعتکاف منذور :

اعتکاف کی دوسری قسم "اعتکاف منذور" ہے (۱) یعنی وہ اعتکاف جو کسی شخص نے نذر مان کر اپنے ذمے واجب کر لیا ہو۔ اس قسم کے اعتکاف کی ضرورت چونکہ بہت کم پیش آتی ہے، اس لئے اس کے صرف ضروری مسائل اختصار کے ساتھ ذیل میں لکھے جاتے ہیں، تفصیل کے لئے کتب فقہ کی طرف رجوع کیا جائے یا کسی مفتی سے پوچھ کر عمل کیا جائے۔

نذر کا طریقہ :

۱---صرف کسی عبادت کے انجام دینے کا دل دل میں ارادہ کر لینے سے نذر نہیں ہوتی، بلکہ نذر کے الفاظ کا زبان سے ادا کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے دل ہی دل میں ارادہ کر رکھا ہے کہ فلاں دن اعتکاف کروں گا تو صرف اس ارادے سے اعتکاف کرنا واجب نہیں ہوگا، نیز زبان سے بھی اگر صرف ارادے کا اظہار کیا، مثلاً یہ کہا کہ "میرا ارادہ ہے کہ فلاں دن اعتکاف کروں گا" تو اس سے بھی نذر منعقد نہیں ہوگی، (امداد الفتاویٰ ص ۵۴۸ ج ۲) بلکہ نذر کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا جملہ استعمال کرے جس کا مفہوم یہ نکلتا ہو کہ میں نے اعتکاف کو اپنے ذمے لازم کر لیا ہے، یا جو عرفاً نذر کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہو، مثلاً یہ کہے کہ "میں فلاں دن اعتکاف کرنے کی منت مانتا ہوں" یا "میں نے فلاں دن کا اعتکاف اپنے اوپر لازم کر لیا ہے،" یا "میں اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہوں کہ فلاں دن کا اعتکاف کروں گا، یا "اللہ تعالیٰ نے اگر فلاں بیمار کو تندرست کر دیا تو میں اتنے دن کا اعتکاف کروں گا" ان تمام صورتوں میں نذر صحیح ہو جائیگی اور اعتکاف واجب ہو جائے گا، اس کی علمی تحقیق ضمیمے میں ملاحظہ فرمائیں۔

۲---اگر کسی شخص نے کہا کہ "انشاء اللہ میں فلاں دن میں اعتکاف کروں گا" تو اس سے نذر منعقد نہیں ہوئی اور اعتکاف اس کے ذمے واجب نہیں، اب اعتکاف کرے تو اچھا

۱؎ نذر اعتکاف کی وجہ ضمیمے میں ملاحظہ فرمائیں۔

ہے، اور نہ کرے تو بھی جائز ہے۔

۳---اور اگر انشاء اللہ" کے بغیر یہ کہا کہ "میں فلاں دن اعتکاف کروں گا" اور "منت" "یا عہد" وغیرہ کا کوئی لفظ استعمال نہیں کیا، تو ظاہر یہ ہے کہ اس سے بھی نذر منعقد نہیں ہوئی۔ لیکن احتیاطاً اس کے مطابق عمل کرلے تو بہتر ہے۔

نذر کی قسمیں اور ان کا حکم :

۱---نذر کی دو قسمیں ہیں : نذر معین اور نذر غیر معین۔ نذر معین کا مطلب یہ ہے کہ کسی خاص مہینے یا دنوں میں اعتکاف کی نیت کرے، مثلاً یہ نذر مانے کہ شعبان کے آخری عشرے میں اعتکاف کروں گا، اس صورت میں انہی دنوں میں اعتکاف کرنا واجب ہو گا جن دنوں کی نذر مانی ہے، البتہ اگر کسی وجہ سے ان دنوں میں روزہ نہ رکھ سکے تو دوسری تاریخوں میں قضا کرلے (شامی ص ۱۳۱ ج ۲)

دوسری قسم نذر غیر معین ہے جس میں کوئی مہینہ یا تاریخ مقرر نہ کی ہو، مثلاً یہ نذر مانی کہ تین دن اعتکاف کروں گا، تو ان تمام دنوں میں اعتکاف کرنا جائز ہے جن میں روزہ رکھنا جائز ہوتا ہے، اور ان دنوں میں اعتکاف کرنے سے نذر پوری ہو جائے گی۔

نذر کی ادائیگی کا طریقہ :

۱---اعتکاف منذور کے لئے روزہ شرط ہے، لہذا خواہ یہ اعتکاف رمضان میں کر رہا ہو یا غیر رمضان میں ہر حالت میں روزہ کے ساتھ اعتکاف کرنا لازم ہو گا۔ ۲---اگر کسی شخص نے ایک دن اعتکاف کرنے کی نذر مانی تو اس پر صرف دن دن کا اعتکاف واجب ہو گا، چنانچہ اسے چاہئے کہ صبح صادق سے پہلے مسجد میں داخل ہو جائے، اور شام کو غروب آفتاب کے بعد باہر نکلے، ہاں اگر ایک دن اعتکاف کی نذر مانتے وقت دل میں یہ نیت کی تھی کہ چوبیس گھنٹے اعتکاف کروں گا یعنی رات بھی اعتکاف میں بسر کروں گا تو پھر چوبیس گھنٹہ کا اعتکاف لازم ہو گا، (بحر ص ۳۲۸ ج ۲) اس صورت میں اسے چاہئے کہ رمضان کے اعتکاف کی طرح غروب آفتاب سے پہلے مسجد میں داخل ہو، اور اگلے غروب آفتاب کے بعد باہر نکلے۔

۳---اگر صرف ایک رات اعتکاف کرنے کی نذر مانی تو یہ نذر صحیح نہیں ہوئی اور اس پر کچھ واجب نہ ہوگا، کیونکہ رات کے وقت روزہ نہیں ہو سکتا اور اعتکاف منذور روزے کے بغیر ممکن نہیں۔ اور اگر نذر مانتے وقت یہ نیت تھی کہ دن بھی نذر میں داخل ہے، تب بھی نذر درست نہ ہوگی، اور کچھ واجب نہ ہوگا۔

۴---اگر دو یا زیادہ دنوں کے اعتکاف کی نذر مانی تو دنوں اور راتوں دونوں کا اعتکاف لازم ہوگا۔

۵---اگر دو یا زیادہ راتوں کے اعتکاف کی نذر کی تب بھی دنوں اور راتوں دونوں کا اعتکاف کرنا ہوگا۔

۶---اگر دو یا زیادہ دنوں کے اعتکاف کی نذر کی اور نیت یہ تھی کہ صرف دن دن میں اعتکاف کروں گا اور رات کو مسجد سے باہر آجایا کروں گا تو یہ نیت شرعاً درست ہے، اس صورت میں صرف دنوں کا اعتکاف واجب ہوگا، چنانچہ ایسا شخص روزانہ صبح صادق سے پہلے مسجد میں جائے، اور غروب آفتاب کے بعد آجائے،

۷---اگر دو یا زیادہ راتوں کا اعتکاف کرنے کی نذر کی اور نیت صرف رات کے وقت اعتکاف کرنے کی تھی تو کچھ واجب نہ ہوگا۔

۸---جن صورتوں میں بھی اعتکاف کی نذر میں دن کے ساتھ رات شامل ہو، ان سب صورتوں میں طریقہ یہی ہوگا کہ غروب آفتاب سے پہلے مسجد میں داخل ہو، یعنی رات سے اعتکاف کی ابتداء کرے۔

۹---جب ایک سے زیادہ دنوں کے اعتکاف کی نذر مانی ہو تو ان دنوں میں پے در پے روزانہ اعتکاف کرنا واجب ہے بیچ میں وقفہ کرکے اعتکاف نہیں کر سکتا مثلاً کسی شخص نے نذر مانی کہ "ایک مہینہ اعتکاف کروں گا" تو مسلسل ایک مہینے تک بغیر وقفے کے روزے کے ساتھ اعتکاف کرنا واجب ہے، اگر کسی دن اعتکاف چھوٹ گیا تو از سر نو پورے مہینے کا اعتکاف کرنا ہوگا(۱)

ہاں اگر نذر کرتے وقت یہ صراحت کردے کہ "تیس متفرق دنوں میں اعتکاف کروں گا تب وقفے کے ساتھ بھی اعتکاف کر سکتا ہے۔

(۱) البتہ خلاصۃ الفتاویٰ صفحہ ۲۷۱ جلد ۱ میں اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔

(یہ تمام مسائل البحرالرائق ص ۳۲۸ و ۳۲۹ جلد ۲ سے ماخوذ ہیں)

اعتکاف منذور کا فدیہ:

۱---اگر کسی شخص نے اعتکاف کی نذر مانی، اور اسے نذر پوری کرنے کا وقت بھی ملا، لیکن وہ نذر ادا نہ کر سکا یہاں تک کہ موت کا وقت آگیا، تو اس پر واجب ہے کہ ورثاء کو اعتکاف کے بدلے فدیہ کی ادائیگی کی وصیت کرے، اور ایک دن کے اعتکاف کا فدیہ پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہے، (قاضیخاں علی الہندیہ ص ۲۲۵ ج ۱)

۲----لیکن اگر اسے نذر پوری کرنے کا وقت ہی نہیں ملا، مثلاً اس نے بیماری میں نذر مانی تھی، اور تندرست ہونے سے پہلے ہی مر گیا تو اس پر کچھ واجب نہیں (شرنبلالی اشرح الدرر الحکام ص ۲۱۵ ج ۱)

۳---اعتکاف مسنون کو توڑنے سے جو قضا واجب ہوتی ہے اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر قضا کا وقت ملنے کے باوجود قضا نہ کی تو فدیہ واجب ہوگا، ورنہ نہیں۔

اعتکاف منذور کی پابندیاں:

اعتکاف منذور میں وہ تمام پابندیاں ہیں جن کا مفصل بیان اعتکاف مسنون میں کیا گیا ہے، جن کاموں کے لئے وہاں نکلنا جائز ہے ان کے لئے یہاں بھی نکلنا جائز ہے۔ اور جن کاموں کے لئے وہاں جائز نہیں، یہاں بھی جائز نہیں۔

البتہ یہاں اتنا فرق ہے کہ اگر کوئی شخص نذر کرتے وقت زبان سے یہ بھی کہدے کہ میں نماز جنازہ یا عیادت مریض کے لئے یا کسی درس یا وعظ میں یا علمی و دینی مجلس میں شرکت کے لئے اعتکاف سے باہر آجایا کروں گا تو ان کاموں کے لئے باہر آنا جائز ہوگا، اور ان کاموں کے لئے باہر آنے سے اعتکاف منذور کی ادائیگی میں کوئی فرق نہ ہوگا، (عالمگیریہ ص ۲۱۲ ج ۱)

نفلی اعتکاف

۱---اعتکاف کی تیسری قسم نفلی اعتکاف ہے، اس قسم کے لئے نہ وقت کی شرط ہے، نہ

روزے کی، نہ دن کی، نہ رات کی، بلکہ انسان جب چاہے جتنے وقت کے لئے چاہے، اعتکاف کی نیت سے مسجد میں داخل ہو جائے، اسے اعتکاف کا ثواب ملے گا۔

۲۔۔۔ رمضان شریف کے آخری عشرے میں دس دن سے کم کی نیت سے اگر اعتکاف کریں تو وہ بھی نفلی اعتکاف ہوگا۔ نفلی اعتکاف یوں تو ہر زمانے میں ہو سکتا ہے، لیکن رمضان شریف میں زیادہ ثواب ہے۔

۳۔۔۔ اگر کوئی شخص نماز پڑھنے کے لئے مسجد جائے اور داخل ہوتے وقت نیت کر لے کہ جتنی دیر مسجد میں رہوں گا، اعتکاف میں رہوں گا، تو اس کو اعتکاف کا بھی ثواب ملے گا۔

یہ ایسا عمل ہے کہ اس کی انجام دہی میں نہ وقت زیادہ لگانا پڑتا ہے، نہ محنت زیادہ کرنی پڑتی ہے، اور ثواب مفت میں ملتا ہے صرف دھیان اور نیت کی بات ہے، اس کے باوجود اگر ہم اس ثواب سے محروم رہیں تو بڑے افسوس کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان یہ عادت ڈال لے کہ جب کبھی کسی بھی کام کے لئے مسجد میں جائے، اعتکاف کی نیت کر لے، تاکہ اس فضیلت سے محروم نہ رہے۔

۴۔۔۔ اعتکاف نفلی اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک آدمی مسجد میں رہے، اور باہر نکلنے سے ختم ہو جاتا ہے۔

۵۔۔۔ نفلی اعتکاف کرنے والے نے جتنی دیر یا جتنے دن اعتکاف کرنے کی نیت کی ہو اس کو پورا کرنا چاہئے، لیکن اگر کسی وجہ سے پہلے باہر نکلنا پڑے تو جتنی دیر اعتکاف میں رہا اتنی دیر کا ثواب مل گیا، اور باقی کی قضا واجب نہیں (شامی)

۶۔۔۔ اگر کسی شخص نے مثلاً تین دن کے اعتکاف کی نیت کی تھی، لیکن مسجد میں داخل ہونے کے بعد کوئی ایسا کام کر لیا جس سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے، تو اس کا اعتکاف پورا ہو گیا، یعنی اعتکاف ٹوٹنے سے پہلے جتنی دیر مسجد میں رہا اتنی دیر کا ثواب مل گیا اور کوئی قضا بھی واجب نہیں ہوئی، اب اگر چاہے تو مسجد سے نکل آئے، اور چاہے تو نئے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں ٹھہرا رہے اور بہتر یہ ہے کہ اس صورت میں بھی جتنے دن اعتکاف کی نیت کی تھی، اتنے دن پورے کر لے۔

۷۔۔۔ جن لوگوں کو رمضان شریف میں مسنون اعتکاف کرنے کا موقع نہ ملتا ہو، ان کو چاہئے کہ وہ اعتکاف سے بالکل محروم نہ رہیں بلکہ نفلی اعتکاف کی سہولت سے فائدہ اٹھا

تے ہوئے جتنے دن اعتکاف کر سکتے ہوں نفلی اعتکاف کر لیں، اگر زیادہ دن نہ کر سکیں تو چھٹی کے دن ایک ہی روز کا اعتکاف کر لیں، یہ بھی ممکن نہ ہو تو چند گھنٹے کا اعتکاف کر لیں، اور کم از کم مسجد میں جاتے ہوئے یہ نیت تو کر ہی لیا کریں کہ جتنی دیر مسجد میں رہیں گے۔ اعتکاف کی حالت میں رہیں گے۔

عورتوں کا اعتکاف

ا۔۔۔ اعتکاف کی فضیلت صرف مردوں کے لئے خاص نہیں، بلکہ عورتیں بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں، لیکن عورتوں کو مسجد کرنا نہیں چاہئے۔ بلکہ ان کا اعتکاف میں بیٹھ جائیں۔ اور اگر پہلے سے گھر میں ایسی کوئی جگہ مخصوص نہ ہو تو اعتکاف سے پہلے ایسی کوئی جگہ بنالیں، اور اس میں اعتکاف کر لیں، (شامی)

۲۔۔۔ اگر گھر میں نماز کے لئے کوئی مستقل جگہ بنی ہوئی نہ ہو، اور کسی وجہ سے اسی جگہ پر مستقل طور سے بنانا بھی ممکن نہ ہو، تو گھر کے کسی بھی حصے کو عارضی طور پر اعتکاف کے لئے مخصوص کر کے وہاں عورت اعتکاف کر سکتی ہے (عالمگیریہ ص ۲۱۱ ج ۱)

۳۔۔۔ اگر عورت شادی شدہ ہو تو اعتکاف کے لئے شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے، شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کے لئے اعتکاف کرنا جائز نہیں ہے (شامی) لیکن شوہروں کو چاہئے کہ وہ بلاوجہ عورتوں کو اعتکاف سے محروم نہ کریں، بلکہ اجازت دے دیا کریں۔

۴۔۔۔ اگر عورت نے شوہر کی اجازت سے اعتکاف شروع کر دیا، بعد میں شوہر منع کرنا چاہے تو اب منع نہیں کر سکتا، اور اگر منع کرے گا تو بیوی کے ذمہ اس کی تعمیل واجب نہیں (عالمگیریہ ص ۲۱۱ ج ۱)

۵۔۔۔ عورت کے اعتکاف کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حیض (ایام ماہواری اور نفاس سے پاک ہو۔

۶۔۔۔ لہٰذا عورت کو اعتکاف مسنون شروع کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ ان دنوں میں اس کی ماہواری کی تاریخیں آنے والی تو نہیں ہیں، اگر تاریخیں رمضان کے آخری عشرے میں آنے والی ہوں تو مسنون اعتکاف نہ کرے، ہاں تاریخیں شروع

ہونے سے پہلے پہلے تک نفلی اعتکاف کر سکتی ہے۔

۷۔۔۔۔اگر کسی عورت نے اعتکاف شروع کر دیا، پھر اعتکاف کے دوران ماہواری شروع ہو گئی تو اس پر واجب ہے کہ ماہواری شروع ہوتے ہی فوراً اعتکاف چھوڑ دے، اس صورت میں جس دن اعتکاف چھوڑا ہے، صرف اس دن کی قضا اس کے ذمے واجب ہوگی، جس کا طریقہ یہ ہے کہ ماہواری سے پاک ہونے کے بعد کسی دن روزہ رکھ کر اعتکاف کر لے، اگر رمضان کا روزہ ہی کافی ہو جائیگا۔ لیکن اگر پاک ہونے پر رمضان ختم ہو جائے تو رمضان کے بعد کسی دن خاص طور پر اعتکاف ہی کے لئے روزہ رکھ کر ایک دن اعتکاف کی قضا کر لے (حاشیہ بہشتی زیور ص ۱۶ ج ۳)

۸ ۔۔۔۔ عورت نے گھر کی جس جگہ اعتکاف کیا ہو وہ اس کے لئے اعتکاف کے دوران مسجد کے حکم میں ہے، وہاں سے شرعی ضرورت کے بغیر ہٹنا جائز نہیں، وہاں سے اٹھ کر گھر کے کسی اور حصے میں بھی نہیں جا سکتی۔ اگر جائے گی تو اعتکاف ٹوٹ جائیگا۔

۹۔۔۔۔ عورت کے لئے بھی اعتکاف کی جگہ سے ہٹنے کے وہی احکام ہیں جو مردوں کے ہیں، جن ضروریات کی وجہ سے مردوں کے لئے مسجد سے نکلنا جائز ہے، ان ضروریات کے لئے عورتوں کو بھی اپنی اعتکاف کی جگہ سے ہٹنا جائز ہے، اور جن کاموں کے لئے مردوں کو مسجد سے نکلنا جائز نہیں، ان کے لئے عورتوں کو بھی اپنی جگہ سے ہٹنا جائز نہیں، اس لئے عورتوں کو چاہئے کہ اعتکاف میں بیٹھنے سے پہلے ان تمام مسائل کو اچھی طرح سمجھ لیں جو "اعتکاف مسنون" کے عنوان کے تحت بیان کئے گئے ہیں۔

۱۰ ۔۔۔۔ عورتیں اعتکاف کے دوران اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے سینے پرونے کا کام کر سکتی ہیں گھر کے کاموں کے لئے دوسروں کو ہدایات بھی دے سکتی ہیں، مگر خود اٹھ کر نہ جائیں، نیز بہتر یہ ہے کہ اعتکاف کے دوران ساری توجہ تلاوت ذکر، تسبیحات اور عبادت کی طرف رہے، دوسرے کاموں میں زیادہ وقت صرف نہ کریں۔

ان ضروری احکام پر اس مختصر رسالے کو ختم کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی تمام مسلمانوں کے لئے مفید بنائیں۔ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں آمین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

ضـــــمیـــــمه

بعض مسائل کی علمی تحقیق

اس رسالے میں چونکہ اعتکاف کے احکام عام مسلمانوں کے لئے جمع کئے گئے ہیں جن کو دلائل کی ضرورت نہیں۔ اس لئے اس میں فقہی دلائل ذکر نہیں کئے گئے، البتہ بعض مسائل کے دلائل چونکہ اہل علم کے لئے ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو مختصراً ضمیمے کی شکل میں ذکر کیا جارہا ہے واللہ الموفق۔

اعتکاف میں غسل جمعہ کا مسئلہ :

اس رسالے میں مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اعتکاف مسنون (اور اعتکاف منذور میں غسل جمعہ کے لئے مسجد سے باہر جانا جائز نہیں احقر کو تحقیق سے یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے، اگرچہ بعض حضرات نے غسل جمعہ کے لئے نکلنے کی اجازت بھی دی ہے، مثلاً حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعّة اللمعات ص ۲۰اج ۲ میں جواز نقل کیا ہے، لیکن اس کے لئے کوئی فقہی دلیل یا فقہاء کا کوئی حوالہ ذکر نہیں فرمایا۔

نیز حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی قدس سرہٗ نے احکام القرآن ص ۱۹۰ج ا پر وَلاَ تُبَاَ شِرُوُهُنَّ وَ اَنْتُمْ عَا كِفُونَ فِى الْمَسَاجِدِ میں الاکلیل ص ۲۰اج ۲ حوالے سے جواز نقل کیا ہے، اور الاکلیل میں جواز کے لئے خزانة الروایات اور فتاوی الحجة کا حوالہ دیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیاض سے بحوالہ کنزالعباد بھی جواز نقل فرمایا گیا ہے۔ (منقول از رسالہ "اعتکاف" مؤلفہ سید محمود حسن صاحب کراچی ص ۸۰ مسئلہ ۲۶)

لیکن فقہی دلائل کی روشنی میں یہ قول نہایت مرجوح اور ضعیف معلوم ہوتا ہے، جس کے دلائل درج ذیل ہیں :-

۱---تمام فقہاء کرامؒ نے حاجاتِ طبعیہ میں صرف تین چیزیں ذکر فرمائی ہیں بول غائط، اور غسل احتلام، چنانچہ در مختار میں ہے الا لحاجة الانسان طبيعية كبول وغائط و غسل لوا حتلم(شامی ص ۱۳۲ ج ۲)

اس میں "لو احتلم" کی قید صراحۃً غسل جمعہ کو خارج کر رہی ہے، لأن مفاهيم كتب الفقه حجة، علامہ شامیؒ نے بھی اس قید کو برقرار رکھا ہے، اور اس پر کوئی مزید کلام نہیں فرمایا۔

۲----اعتکاف میں اصل یہ ہے کہ خروج بالکل جائز نہ ہو، البتہ جہاں جواز خروج کی کوئی دلیل شرعی آجائے گی صرف وہاں جواز کا حکم کیا جائیگا، اور جواز خروج کے باب میں اصل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے:

"وكان لايدخل البيت الا لحاجة الانسان" (متفق علیہ) اس "حاجة الانسان" کی جو تفسیر اصحاب للمذہب سے منقول ہے اس میں غسل جمعہ کی کوئی گنجائش نہیں، چنانچہ برجندی شرح وقایہ میں ہے وفسر حاجة الانسان بالبول والغائط، وقد صرح به فى الكافى (برجندی ص ۲۳۲ ج ۱) اس سے معلوم ہوا کہ یہ تفسیر الکافی میں کی گئی ہے، اور یہ معلوم ہے کہ الکافی امام محمدؒ کی ان چھ کتابوں کا مجموعہ ہے جن کی روایات کو ظاہر الروایہ کہتے ہیں۔ لہذا یہ تفسیر ظاہر الروایہ کی ہے، اور شاید اس میں غسل احتلام کو حاجت شرعیہ ہونے کی بنا پر شامل نہیں کیا گیا،

"حاجة الانسان" کی دوسری تفسیر مجمع الانہر میں کی گئی ہے الا لحاجة الانسان كالطهارة ومقد ماتها، وهذا التفسير احسن من أن يفسر بالبول و الغائط تدبر (مجمع الانہر ص ۲۵۶ ج ۱) اور علامہ شامیؒ نے بھی اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے (شامی ص ۱۳۲ ج ۲)

اس تفسیر میں بھی "طہارت" سے مراد "طہارت واجبہ" ہی ہو سکتی ہے کیونکہ وضو علی الوضوء کے لئے نکلنا کسی کے نزدیک جائز نہیں، اور غسل جمعہ طہارت واجبہ میں شامل نہیں۔

۳---- "حاجة الانسان" کا لفظ عرفاً بھی بول و براز وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا ہے، لیکن غسل جمعہ پر اس کا اطلاق عرفاً نہیں ہوتا۔

۴---- لفظ "حاجت" پر اگر غور کیا جائے تو اس سے مراد "حاجت لازمہ" ہی ہو سکتی ہے، ورنہ "حاجات غیر لازمہ" بیشمار ہیں، ان سب کو مستثنیٰ کرنا پڑے گا

۵---- آنحضرت ﷺ نے ہر سال مسجد نبویؐ میں اعتکاف فرمایا۔

اور ہر اعتکاف میں جمعہ بھی لازماً آتا تھا، لیکن کہیں ثابت نہیں ہے کہ آپؐ غسل جمعہ کے لئے اعتکاف سے باہر تشریف لے گئے ہوں، حضرت عائشہؓ نے یہاں تک تو بتادیا کہ آپؐ اپنا سر اقدس حجرے کی طرف جھکا دیتے، اور میں اندر بیٹھ کر کنگھی کر دیا کرتی تھی لیکن غسل جمعہ کے لئے نکلنے کا کہیں ذکر نہیں فرمایا، اگر آپؐ کبھی اس کے لئے نکلے ہوتے تو یہ خروج ضرور منقول ہوتا۔

ان وجوہ کی بنا پر "اعتکافِ مسنون" میں غسل جمعہ کے لئے خروج جائز نہیں معلوم ہوتا۔

جہاں تک ان اقوال کا تعلق ہے جو جواز پر دلالت کرتے ہیں، ان کے بارے میں عرض یہ کہ ان میں بعض کتب تو قطعاً ناقابل اعتبار ہیں، مثلاً "خزانۃ الراوایات" کے بارے میں حضرت مولانا عبد الحی صاحب لکھنویؒ تحریر فرماتے ہیں:

"خزانة الروایات کتاب غیر معتبر" آگے لکھتے ہیں:

"والحکم ان لایوخذ منها ماخالف الکتب المعتبرة وما وجد فیها ولم یوجد فی غیرها یتوقف فیه مالم ید خل ذالك فی اصل شرعی" (النافع الکبیر ص ۱۲)

اسی طرح کنز العباد کے بارے میں لکھا ہے:

"كتاب كنز العباد في شرح الأورادِ مملوّ من المسائل الواهية والأحاديث الضعيفة (ايضاً ۱۲)

اس کے علاوہ جن کتب کا حوالہ اس سلسلے میں ملتا ہے وہ بھی غیر معروف کتابیں ہیں جو نایاب بھی ہیں، لہذا ان کی مراجعت کر کے تحقیق بھی نہیں کی جاسکتی۔

حضرت شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صرف اتنا لکھا ہے کہ: اما غسل جمعہ، روایتے صریح دراں از اصول نمی یابم، جز آنکہ در شرح او گفتہ است کے بیرون می آمد برائے غسل فرض باشد یا نفل' اشعۃ اللمعات ص ۲۰ ا ج ۲) لیکن اس میں بھی یہ مذکور نہیں کہ شرح سے کون سی شرح مراد ہے؟ اور شرح کی اس بات کی بنیاد کیا ہے؟ لہٰذا اس پر ظاہر الروایۃ کے بر خلاف فتویٰ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔

بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بول وبراز کو مسجد سے باہر جائے تو ضمناً غسل بھی کر تا آئے، اس کی اجازت ہے، لیکن اس اجازت کی بھی کوئی بنیاد احقر کو فقہ وحدیث میں نہیں ملی، بلکہ حضرت عائشہؓ کا یہ ارشاد اس کے خلاف ہے کہ " كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يمر با لمريض وهو معتكف فيمرّ ولا يعرّج يسأل عنه "(ابو داؤد ابن ماجہ)

معلوم ہوا کہ آپؐ عیادت مریض کے لئے بھی نہیں ٹھہرتے تھے، اور ظاہر ہے کہ غسل جمعہ کے لئے ٹھہرنا پڑے گا جو اعتکاف کے منافی ہے۔

لہذا اعتکاف مسنون میں غسل جمعہ کے لئے خروج کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔

والله سبحانهٗ و تعالیٰ اعلم بالصواب و اليه المرجع والمآب۔

ابتداء اعتکاف کے وقت استثناء

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آجکل یہ بات کافی مشہور ہو گئی ہے کہ اگر اعتکاف

مسنون کے لئے بیٹھتے وقت شروع ہی میں یہ نیت کرلی جائے کہ میں عیادت مریض، شہود جنازہ یا علمی مجلس میں شرکت کے لئے باہر چلا جایا کروں گا تو پھر اعتکاف کے دوران ان اغراض کے لئے باہر جانا جائز ہو جاتا ہے۔

لیکن اس مسئلے میں دو غلط فہمیاں عموماً پائی جاتی ہیں:

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ مسئلہ اعتکاف منذور کے بارے میں تو درست ہے کہ نذر کے وقت ان اشیاء کا استثناء معتبر ہوتا ہے، لیکن اعتکاف مسنون کے بارے میں یہ استثناء کا جزئیہ صرف فتاویٰ عالمگیریہ میں ملتا ہے کسی اور متداول کتاب میں موجود نہیں ہے، اور فتاویٰ عالمگیریہ کی عبارت یہ ہے۔

ولو شرط وقت النذر والإلتزام أن يخرج الىٰ عيادة المريض وصلاة الجنازة وحضور مجلس العلم يجوز له ذالك ، كذا فى التتار خانية ناقلاً عن الحجة (عالمگيرية ص ٢١٢ ج ١)

اس عبارت میں "وقت النذر" کا لفظ بتا رہا ہے کہ مراد اعتکاف منذور ہے، نیز آگے دو تین مسائل بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

هذا كلهٗ فى الاعتكاف الواجب ، اما فى النفل فلا بأس بأن يخرج بعذر وغيره (ايضاً ص ٢١٣ ج ١)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ مسئلہ اعتکاف واجب سے متعلق ہے۔ اور اعتکاف مسنون کا حکم یہاں بیان نہیں کیا گیا۔

اور چونکہ آنحضرت ﷺ سے اس قسم کا کوئی استثناء ثابت نہیں ہے، اس لئے اعتکاف مسنون میں صحت استثناء کے لئے دلیل مستقل چاہئے جو مفقود ہے۔ لہٰذا اعتکاف کو علی الوجہ المسنون ادا کرنے کے لئے استثناء کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔ ظاہر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اعتکاف مسنون شروع کرتے وقت یہ نیت کرلے تو پھر اس کا اعتکاف مسنون نہ رہے گا، بلکہ نفلی بن جائے گا، اور جتنی دیر مسجد سے باہر رہے گا اتنی دیر اعتکاف شمار نہیں

ہو گا لیکن چونکہ شروع ہی میں نیت مسنون کے بجائے نفلی اعتکاف کی ہو گئی تھی۔ اس لئے نکلنے سے قضا بھی واجب نہیں ہو گی۔ البتہ فرق یہ پڑے گا کہ اگر مسجد کے تمام معتکفین اسی نیت کے ساتھ اعتکاف میں بیٹھیں گے تو سنت مؤکدہ علی الکفایہ ادا نہیں ہو گی۔ غور کرنے سے احقر کو اس مسئلے کی حقیقت یہ سمجھ میں آئی ہے، اور اسی کے مطابق رسالے کے متن میں مسئلہ لکھ دیا ہے، اس مسئلے میں دوسرے علماء سے بھی رجوع کر لیا جائے تو بہتر ہے، اور اگر کسی اہل علم کو اعتکافِ مسنون میں استثناء کی دلیل معلوم ہو تو احقر کو بھی مطلع فرما دیں ممنون ہوں گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ نذر میں بھی استثناء کی صحت کے لئے صرف دل دل میں نیت کر لینا کافی نہیں، جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ جس طرح نذر صرف ارادہ کرنے سے منعقد نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لئے الفاظ نذر کا زبان سے ادا کرنا لازمی ہے، اسی طرح استثناء بھی صرف نیت سے نہیں ہو گا، بلکہ نذر کرتے وقت زبان ہی سے استثناء کی ادائیگی بھی ضروری ہو گی، ورنہ خروج جائز نہیں ہو گا۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

صحتِ نذرِ اعتکاف کی وجہ :

فقہاء کرامؒ کی تصریح کے مطابق اعتکاف کی نذر صحیح ہو جاتی ہے، اور یہ بات حدیث سے ثابت ہے، لیکن اس پر ایک علمی اشکال یہ ہو سکتا ہے کہ نذر کی صحت کے لئے فقہاء کرامؒ نے یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ نذر صرف اس فعل کی صحیح ہوتی ہے جو عبادت مقصودہ ہو اور جس کی جنس سے کوئی واجب پایا جاتا ہو، لیکن اعتکاف کی جنس سے کوئی واجب موجود نہیں ہے، اس لئے مذکورہ قاعدے کی رو سے اعتکاف کی نذر منعقد نہ ہونی چاہیے۔

علامہ برجندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کا جواب واضح طور پر دیا ہے

، مناسب معلوم ہوا کہ اہل علم کے لئے اس کو انہی کے الفاظ میں نقل کر دیا جائے، فرماتے ہیں :-

قد تقرر ان النذر يقتضي كون المنذور فيه قربة و نفس اللبث فى المسجد ليس قربة ، اذ ليس لله تعالىٰ واجب من جنسه ، كما فى الصوم والصلاة ونحو هما، لكن لما كان الغرض الأصلى منه الصلاة للجماعة ، والصوم شرط له كان التزامه الجماعة او للصوم ، وهما من القرب ۔ (برجندی شرح الوقایہ ص ۲۲۵ ج ۱)

”یعنی اگر چہ نفس مسجد میں ٹھہرنا کوئی ایسی عبادت نہیں جس کی جنس سے کوئی واجب موجود ہو، لیکن چونکہ اس کا مقصد اصلی نماز باجماعت ہے، اور روزہ اس کے لئے شرط ہے، لہٰذا اعتکاف کی نذر نماز اور روزے کی نذر کو متضمن ہے، جو (قابل نذر) عبادت ہیں اس لئے اعتکاف کی نذر درست ہو جاتی ہے“

علامہ شامیؒ نے بھی اس مسئلے پر کتاب الأیمان میں بحث فرمائی ہے، اور اس کی مختلف وجوہ بیان کی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ ”لبث فی المسجد“ کی جنس سے قعدۂ اخیرہ فرض ہے، نیز ”وقوف بعرفۃ“ فرض ہے لیکن ان تمام وجوہ کو نقل کرنے کے بعد آخر میں لکھا ہے۔ :

ثم قد يقال : تحقق الاجماع علىٰ لزوم الاعتكاف بالنذر موجب إهدار اشتراط وجود واجب من جنسه (شامى ص ٦٧ ج ٣)

جس کا حاصل یہ ہے کہ اعتکاف کی نذر کی صحت عام قاعدے میں تو داخل نہیں ہوتی، لیکن چونکہ اس نذر کی صحت پر اجماع منعقد ہو گیا ہے، اس لئے اس کو معتبر مانا جائیگا۔ والله سبحانهٗ و تعالىٰ اعلم و علمه اتم واحكم۔

☆☆☆

حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہری مدظلہ العالی

استغفار کی کثرت کیجئے

چونکہ بندوں سے بکثرت چھوٹے بڑے گناہ صادر ہوتے رہتے ہیں اور جو نیکیاں کرتے ہیں وہ بھی صحیح طریقہ پر ادا نہیں ہوتی ہیں اور شروع سے آخر تک ہر عبادت میں کوتاہیاں ہوتی رہتی ہیں، نیز مکروہات کا ارتکاب ہوتا ہے اور فرائض وواجبات کی ادائیگی کماحقہٗ ادا نہیں ہو پاتی، اس لئے ضروری ہے کہ استغفار کی زیادہ کثرت کی جائے۔

استغفار گناہوں کی مغفرت طلب کرنے کو کہتے ہیں، جب کوئی شخص دنیا میں کثرت سے استغفار کرے گا تو قیامت کے دن اپنے اعمال نامہ میں بھی اس کا اثر پائے گا اور اس کی وجہ سے وہاں گناہوں کی معافی اور نیکیوں کے انبار دیکھے گا، اس وقت اس کی قدر ہوگی۔

بندہ ہماں بہ کہ زتقصیر خویش   عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش   کس نتواند کہ بجا آورد

ترجمہ: بندہ وہی بہتر ہے جو بارگاہِ خداوندی میں اپنے قصوروں کی معذرت پیش کرتا رہے ورنہ اس کی مقدس ذات کے لائق عمل کر کے کوئی بھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

حضرت عبداللہ ابن بسرؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کے لئے بہت عمدہ حالت ہے جو (قیامت کے دن) اپنے اعمال نامہ میں خوب زیادہ استغفار پائے (رواہ ابن ماجہ)

اول تو گناہوں سے بچنے کا بہت زیادہ اہتمام کرنے کی ضرورت ہے،

پھر اگر گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ و استغفار کرے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ یہ دعاء کرتے تھے۔

"اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ إذَا أحْسَنُوْا استَبْشَرُوا، وَإذَا اَسَاؤُا اسْتَغْفَرُوْا" یعنی اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں شامل فرمادے کہ جب وہ نیک کام کریں تو خوش ہوں، اور جب گناہ کر بیٹھیں تو استغفار کریں۔

در حقیقت حضور ﷺ نے اپنی امت کو تعلیم دینے کے لئے یہ دعاء اختیار فرمائی کیونکہ آپ ﷺ تو معصوم تھے، گناہوں سے پاک تھے۔

ایک صحابی نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ ایمان (کی علامت) کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: جب تیری نیکی تجھے خوش کرے اور تیری برائی تجھے بری لگے، تو (سمجھ لے کہ) تو مومن ہے۔ (مشکوٰۃ)

جس طرح نیکی کر کے خوش ہونا چاہئے کہ مجھ پر اللہ کا بڑا فضل و انعام ہے جس نے نیکی کی توفیق دی، اور اس کا احسان ہے کہ اس نے اپنی مرضی کے کام میں مجھے مشغول فرمادیا۔ اسی طرح گناہ سرزد ہو جانے پر بہت زیادہ رنجیدہ ہونے کی ضرورت ہے، کہ ہائے مجھ سے خالق و مالک کی نافرمانی ہوگئی اور مجھ جیسا حقیر و ذلیل مولائے کائنات جل مجدہ' کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھا، یا اللہ! مجھے معاف فرما، درگذر فرما، میری مغفرت فرما، بخش دے، رحمت کی آغوش میں چھپالے۔

......ایک حدیث میں ارشاد ہے "کل بنی آدم خطاء و خیر الخطائین التوابون (مشکوٰۃ)

تمام انسان خطاکار ہیں اور بہترین خطاکار وہ ہیں جو خوب توبہ کرنے والے ہیں۔

اور واضح ہو کہ اللہ کی بڑی شان ہے، اس کی رحمت سے مایوس کبھی نہ ہونا، جتنے بھی زیادہ گناہ ہو جائیں خواہ لاکھوں کڑوروں ہوں، اللہ کی مغفرت

کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے :

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ، اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ، اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (آپ ﷺ میری طرف سے) فرمادیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو، بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا، واقعی وہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔

استغفار جہاں گناہوں کی معافی کا سبب ہے اور نیکیوں کی خامی اور کوتاہی کی تلافی کا ذریعہ ہے وہاں اور دوسرے بہت سے فوائد کا بھی سبب ہے، بارش لانے اور دوسرے بہت سے فوائد حاصل کرنے کے لئے کثرت سے استغفار کرنا چاہئے ، قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کی نصیحت نقل فرمائی ہے جو انہوں نے اپنی قوم کو کی تھی :

﴿ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ، يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ، وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا﴾ اور میں نے کہا کہ تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ، وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا، اور تمہارے مالوں اور اولاد میں ترقی دے گا، اور تمہارے لئے نہریں بنائیگا۔

ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ توبہ و استغفار بارش کے آنے اور طاقت و قوت میں اضافہ ہونے اور مال و اولاد کے بڑھنے اور باغات اور نہریں نصیب ہونے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

لوگ بہت سی تدبیریں کرتے ہیں تاکہ طاقت میں اضافہ ہو، اور اموال میں ترقی ہو اور آل و اولاد میں اضافہ ہو، لیکن توبہ و استغفار کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، بلکہ اس کے برعکس گناہوں میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں، یہ بہت بڑی نادانی ہے۔

اعمال کی اصلاح میں بھی استغفار کا بڑا دخل ہے، حضرت حذیفہؓ نے بیان فرمایا کہ میں اپنے گھر والوں کے بارے میں تیز زبان واقع ہوا تھا، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے ڈر ہے کہ میری زبان کہیں دوزخ میں داخل نہ کرادے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم استغفار کو کیوں چھوڑے ہوئے ہو؟ بلاشبہ میں اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ روزانہ مغفرت طلب کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ (اخرجه الحاکم، وقال: صحیح علی شرط الشیخین، واقره الذهبی)

زبان کی تیزی کی اصلاح کے لئے اس حدیث میں استغفار کو علاج بتایا ہے۔ ہر طرح کی مشکلات اور تفکرات سے محفوظ رہنے اور دل کی صفائی کے لئے بھی استغفار بہت اکسیر ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"من لزم الاستغفار جعل الله له من کل ضیق مخرجا، و من کل هم فرجا، ورزقه من حیث لایحتسبه، جو شخص استغفار میں لگا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر دشواری سے نکلنے کا راستہ بنا دیں گے، اور ہر فکر کو ہٹا کر کشادگی عطا فرمادیں گے، اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیں گے جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ مومن بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ داغ لگ جاتا ہے، پس اگر توبہ و استغفار کرلیتا ہے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے، اور اگر (توبہ واستغفار نہ کیا بلکہ) اور زیادہ گناہ کرتا گیا تو یہ (سیاہ) داغ بھی بڑھتا رہے گا، یہاں تک کہ اس کے دل پر غالب آجائیگا، بس یہ داغ وہ "رائن" ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے یوں ذکر فرمایا ہے ﴿کلا بل ران علیٰ قلوبهم ما کانوا یکسبون﴾ یہ سورۂ تطفیف کی آیت ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے: ہرگز ایسا نہیں

،بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے"۔

ایک روایت میں ہے کہ دلوں میں زنگ لگ جاتا ہے، اور ان کی صفائی استغفار ہے۔ (کما فی الترغیب عن البیہقی)

یہ زنگ گناہوں کی وجہ سے دل پر سوار ہو جاتا ہے، جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا، گناہوں کی آلائش سے توبہ و استغفار کے ذریعہ سے دل کو صاف کرنا لازم ہے، جو لوگ توبہ واستغفار کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ان کے دل کا ناس ہو جاتا ہے، پھر نیکی بدی کا احساس تک نہیں رہتا اور اس احساس کا ختم ہو جانا بدبختی کا باعث ہو جاتا ہے۔ اپنے لئے اور والدین کے لئے اور آل اولاد کے لئے اور اساتذہ و مشائخ کے لئے، احباب واصحاب کے لئے مردہ ہوں یا زندہ، مرد ہوں یا عورت سب کے لئے استغفار کرتے رہنا چاہئے، خصوصاً ان لوگوں کے لئے برابر استغفار کرتے رہیں جن کا کبھی دل دکھایا ہو، یا کسی کی غیبت کی ہو، یا کسی کی غیبت سنی ہو، یا کسی پر تہمت لگائی ہو ان لوگوں کے لئے اتنا استغفار کریں کہ دل گواہی دے کہ ان کو اگر استغفار کا پتہ چلے تو وہ ضرور خوش ہو جائیں گے۔

اور یہ بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ توبہ واستغفار کر لینے کے گھمنڈ میں گناہ کرتے رہنا درست نہیں ہے، کیونکہ آئندہ کا حال معلوم نہیں، کیا پتہ توبہ سے پہلے موت آجائے پھر یہ بھی تجربہ ہے کہ توبہ واستغفار کی دولت انہیں کو نصیب ہوتی ہے جو گناہوں سے بچنے کا دھیان رکھتے ہیں، اور کبھی کبھار گناہ ہو جاتا ہے تو توبہ کر لیتے ہیں۔ اور جو لوگ مغفرت کی خوشخبریوں کو سامنے رکھ گناہ پر گناہ کرتے چلے جاتے ہیں ان کو توبہ واستغفار کا خیال تک نہیں آتا۔

گناہ تو بندہ سے ہو ہی جاتا ہے لیکن گناہ پر جرأت کرنا اور گناہوں میں ترقی کرتے چلے جانا شان عبدیت کے خلاف ہے جو فجور ہے، اور بڑا فسق ہے۔

(اعاذنا اللہ تعالیٰ من جمیع المعاصی و الآثام)

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی دعا سکھایئے جو میں اپنی نماز میں مانگا کروں، اس پر حضور اکرمؐ نے ان کو وہی مشہور دعا تعلیم فرمائی جسے عام طور پر نماز میں درود شریف کے بعد پڑھا کرتے ہیں، یعنی اللھم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیرا، ولا یغفر الذنوب الا انت، فاغفرلی مغفرة من عندک وارحمنی، انک انت الغفور الرحیم (بخاری و مسلم)

ترجمہ: اے اللہ! میں نے اپنے نفس پر بہت زیادہ ظلم کیا ہے اور نہیں بخش سکتا گناہوں کو مگر تو ہی پس مجھے بخش دے ایسی بخشش جو تیری طرف سے ہو، اور مجھ پر رحم فرما، بلاشبہ تو بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

غور کرنے کی بات ہے نماز پڑھی ہے جو سراسر خیر ہے اللہ تعالیٰ کا فریضہ ادا کیا ہے، جس کے نیکی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، اور فریضہ ادا بھی کس نے کیا ہے؟ صدیق اکبرؓ نے، یا پھر ان کو تعلیم دی جارہی ہے کہ نماز کے ختم پر مغفرت کی دعا کرو، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی بارگاہ کے شایان شان کسی سے بھی عبادت نہیں ہو سکتی، عبادت کئے جاؤ اور مغفرت مانگے جاؤ صالحین کا یہی طرز عمل رہا ہے اور اسی میں خیر ہے، گناہ ہو جانے پر تو سبھی توبہ واستغفار کرتے ہیں، مخلصین کاملین نیکی کر کے استغفار کرتے ہیں، اور یہ طرز زندگی ان کو حضور اکرم ﷺ کی اتباع میں نصیب ہوا ہے، حضور اقدس ﷺ سای مخلوق سے افضل ہیں، اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ مقرب بندے ہیں، اللہ نے آپ ﷺ کو وہ کچھ عطا فرمایا جو کسی کو نہیں دیا، آپ ﷺ راتوں رات نماز میں کھڑے رہتے تھے اور اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لئے بڑی بڑی محنتیں کرتے تھے، اللہ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ:

﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴾ پس آپ اپنے رب کی تسبیح اور تحمید کیجئے، اور اس سے مغفرت کی درخواست کیجئے بیشک

وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

آپ ﷺ فرض نماز کا سلام پھیر کر تین بار "استغفر اللہ" پڑھتے تھے، یعنی اللہ جل شانہ سے مغفرت کا سوال کرتے تھے۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ہم یہ شمار کرتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ مجلس میں سو مرتبہ یہ پڑھا کرتے تھے:

رَبِّ اغْفِرْلِیْ ، وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْر

یعنی اے اللہ! میری مغفرت فرمادے، اور میری توبہ قبول فرما۔ بیشک تو بہت توبہ قبول کرنے والا ہے اور بہت بخشش فرمانے والا ہے۔ (ترمذی، ابو داؤد)

پس جب سرور عالم ﷺ کا یہ حال تھا جو اللہ کے معصوم بندے تھے اور سید المعصومین تھے تو ہم گنہگاروں کو کس قدر استغفار کرنا چاہئے اس پر خود ہی غور کرلیں۔

آجکل جیسا ہر عبادت میں غفلت اور بے دھیانی اور کوتاہی نے جگہ پکڑ لی ہے توبہ و استغفار بھی غفلت کے ساتھ ہوتے ہیں اور سچی توبہ جس میں دل حاضر ہو اور جس میں آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد ہو اور جس کے بعد حقوق کی تلافی کی جاتی ہو، اس کا خیال بھی نہیں آتا، اسی غفلت والے استغفار کے بارے میں حضرت رابعہ بصریہؒ نے فرمایا:

"استغفار نا یحتاج الیٰ استغفار کثیر "یعنی ہمارا استغفار بھی ایک طرح کی معصیت ہے، اس کے لئے بھی استغفار کی ضرورت ہے۔

اور حضرت ربیع بن خیثمؒ نے فرمایا کہ تم لوگ "اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَ اَتُوبُ اِلَیْہِ" مت کہو، اس کے معنی یہ ہیں کہ "میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں" یہ ایک طرح کا دعویٰ ہے، زبان سے توبہ اور استغفار کا لفظ نکالا اور دل اس کی طرف متوجہ نہ تھا، اس لئے مذکورہ دعویٰ ایک طرح کا جھوٹ ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد حضرت ربیع بن خیثمؒ نے فرمایا کہ بجائے مذکورہ بالا الفاظ کے "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی وَتُبْ عَلَیَّ" کہتا رہے، کیونکہ اس میں کوئی دعویٰ نہیں ہے بلکہ سوال ہے اور گو سوال بھی غفلت کے ساتھ مناسب نہیں، کیونکہ یہ بھی بے ادبی ہے، لیکن اللہ جل شانہ کا کرم ہے کہ اس پر مواخذہ نہیں فرماتے، جب کوئی شخص برابر "رَبِّ اغْفِرْلِی وَ تُبْ عَلَیَّ" کہتا رہے گا تو کسی مقبولیت کی گھڑی میں انشاء اللہ دعاء قبول ہو ہی جائیگی کیونکہ جو شخص برابر دروازہ کھٹکھٹاتا رہے گا، کبھی اس کے لئے دروازہ کھل ہی جائیگا۔ اور داخل ہونے کا موقع مل ہی جائیگا۔

استغفار دل حاضر کر کے ہو تو بہت ہی عمدہ بات ہے، اگر حضور قلب نہ ہو تب بھی زبان پر تو استغفار جاری رہنا ہی چاہئے، یہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ بہت کام دے دیگا، استغفار میں کبھی کوتاہی نہ کیجائے، اور مواقع نکال کر حضور قلب اور پوری ندامت کے ساتھ توبہ بھی کرتے رہا کریں، تاکہ ہمیشہ غفلت والا ہی استغفار نہ رہے، ہر وقت حضور قلب نہیں ہو سکتا تو کبھی کبھی تو اس پر قابو پایا جا سکتا ہے مثلاً یہ کہ رات کو سوتے وقت خوب دل حاضر کر کے دو رکعت نماز نفل پڑھ کر خوب گڑگڑا کر توبہ و استغفار کر لیا کریں، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ بلاشبہ مؤمن بندہ اپنے گناہوں کو (خوف خدا کی وجہ سے) ایسا سمجھتا ہے جیسے کہ وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے اور ڈر رہا ہے کہ اس پر گر نہ پڑے، اور بدکار آدمی اپنے گناہوں کو ایسا سمجھتا ہے جیسے اس کی ناک پر کوئی مکھی گذرنے لگی اور اس نے ہاتھ ہلا کر ہٹادی۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

عن أم عصمة العوصيةؓ قالت: قال رسول الله ﷺ ما من مسلم يعمل ذنبا الا وقف الملک ثلث ساعات، فان استغفر من ذنبه لم يكتبه عليه، ولم يعذبه الله يوم القيٰمة۔

(رواه الحاكم، وقال صحيح الاسناد كما فى الترغيب، ج ٢ ص ٤٦٩)

"حضرت ام عصمتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو (جو) فرشتہ (اس کے لکھنے پر مامور ہے وہ) تین گھڑی (یعنی کچھ دیر) توقف کرتا ہے۔ پس اگر استغفار کر لیا تو وہ گناہ اس کے اعمالنامہ میں نہیں لکھتا، اور اس پر اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن عذاب نہ دیگا۔" (مستدرک حاکم)

اس حدیث پاک میں اللہ جل شانہ کی ایک بہت بڑی شان کریمی بیان فرمائی ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب کسی مسلمان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو گناہوں کا اندراج کرنے والا فرشتہ اس گناہ کو لکھنے سے توقف کرتا ہے اور انتظار کرتا ہے کہ یہ اس گناہ سے استغفار کرتا ہے یا نہیں؟ اگر اس نے استغفار کر لیا تو وہ فرشتہ اس گناہ کو نہیں لکھتا۔ نہ فرشتہ لکھے گا نہ قیامت میں اس گناہ کی پیشی ہوگی، نہ اس پر عذاب ہوگا، یہ اللہ جل شانہ کی کتنی بڑی مہربانی ہے، ایک نیکی کم از کم دس گنی لکھی جاتی ہے، اور گناہ ہو جائے تو اول تو فرشتہ لکھنے میں دیر لگاتا ہے بندہ کے استغفار کا انتظار کرتا ہے۔ اگر استغفار کر لیا تو اس کا لکھا جانا ہی ختم ہوا، اور اگر استغفار نہ کیا تو گناہ ایک ہی لکھا جاتا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے بیان فرمایا کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَستَغفِرُکَ لِمَا قَدَّمتُ وَمَا اَخَّرتُ وَمَا اَعلَنتُ وَمَا اَسرَرتُ اَنتَ المُقَدِّمُ واَنتَ المُؤَخِّرُ وَ اَنتَ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیرٌ۔

(اخرجه الحاکم ص ۵۱۱، ج ۱، وقال صحیح علیٰ شرط الشیخین، واقره الذهبی)

"اے اللہ! میں آپ سے ان سب گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں جو میں نے پہلے کئے اور بعد میں کئے اور جو ظاہر میں کئے اور جو پوشیدہ طریقے:

کئے، آپ آگے بڑھانے والے ہیں اور آپ پیچھے ہٹانے والے ہیں، اور آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔

حضرت شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سید الاستغفار یوں ہے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِی وَ أَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ أَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ وَاَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِی فَاغْفِرْلِی فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ۔

"اے اللہ! تو میرا رب ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے مجھ کو پیدا فرمایا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں، اور تیرے عہد پر اور تیرے وعدہ پر قائم ہوں جہاں تک مجھ سے ہو سکے، میں نے جو گناہ کئے ان کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، میں تیری نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں، اور اپنے گناہوں کا بھی اقرار کرتا ہوں لہذا مجھے بخش دے، کیونکہ تیرے علاوہ گناہوں کو کوئی نہیں بخش سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دن کو یقین کے ساتھ سید الاستغفار پڑھے اور شام سے پہلے مر جائے تو جنتی ہوگا، اور جو شخص رات کو یقین کے ساتھ سید الاستغفار پڑھے اور صبح سے پہلے مر جائے تو جنتی ہوگا۔
(مشکوٰۃ ص ۲۰۴ عن البخاری)

☆☆☆

خبریں

۴۰ ٹن وزنی قرآنی نسخہ ۔ ورق کمپیوٹر سے کھولے جائینگے

ابوظہبی کی ایک کمپنی قرآن پاک کا ایک ایسا انوکھا اور نایاب نسخہ شائع کر رہی ہے جسے سائز کے اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا نسخہ قرار دیا جاسکتا ہے اس لئے اس کا اندراج گنز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں ہوگا۔ توقع ہے کہ کلام پاک کے اس عظیم ترین نسخہ کا ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں اجراء ہو جائیگا صرف یہی نہیں کہ سائز کے اعتبار سے یہ نسخہ قابل ذکر ہے بلکہ جس انداز میں اسے شائع کیا جارہا ہے وہ بھی قابل توجہ ہے اس قرآنی نسخہ میں ۲۴ر قیراط سونے کا ملمع کیئے ہوئے تانبہ کے صفحات پر مشتمل اس قرآن شریف کا سرورق قیمتی پتھروں سے سجایا ہوا ہے ہر صفحہ کا سائز ۴۰ ابائی ۱۰۰ سینٹی میٹر ہے۔

رمضان کے آخری عشرہ میں شب قدر کے موقع پر کمپنی اس عظیم الشان قرآنی نسخے کو سب سے پہلے متحدہ عرب امارات کے صدر شیخ زائد بن سلطان النہیان کو پیش کریگی اس کے بعد ایک نسخہ ابوظہبی کی شیخ زائد مسجد میں عام دیدار کے لئے رکھا جائیگا۔ اس پورے روحانی اور مقدس پروجیکٹ کی نگرانی للادی پر موشنز اینڈ ایڈورٹائیزنگ کارپوریشن کر رہی ہے متحدہ عرب امارات کے وزیر خارجہ شیخ ہمدان بن زائد اس نسخہ کی اشاعت کی کفالت کر رہے ہیں۔

ابوظہبی میں مقیم ایک مصری فنکار عبدالعزیز بن حطب نے سب سے پہلے اس قرآنی نسخے کی اشاعت کا خیال پیش کیا۔ وہ گذشتہ ۱۸ر مہینوں سے کچھ دیگر مسلم آرٹسٹوں کے ساتھ اس آئیڈیے پر کام کر رہے تھے۔

انہوں نے کہا ۱۹۸۶ء میں جب وہ عمرہ کر رہے تھے تب ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ قرآن پاک کا ایسا نسخہ شائع کیا جائے جو سونے کا ملمع چڑھے تانبے کے ورق پر تحریر ہو، میں نے سوچا کہ کچھ ایسا کام کیا جائے جو بالکل انوکھا ہو جس کا ذکر اب تک گنز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں نہ ہوا ہو۔ حطب نے کہا قرآنی اوراق کے طور پر استعمال

کی جانے والی پلیٹ کا وزن ۲۰ کیلو گرام ہے اور پورے قرآنی نسخے کا وزن ۲۰ ٹن کے قریب ہوگا۔ اس قرآن پاک کی اشاعت کا مرحلہ بڑا طویل ہے اس میں اسکینگ کے علاوہ تانبہ کی پلیٹ پر سلک اسکرین فلم سے پرنٹنگ ہاتھ سے نقش نگاری سونے اور رنگوں کی ملمع کاری کے مراحل شامل ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وزنی کلام پاک کو کتنے آدمی مل کر کھولیں گے تو اس کے لئے کمپیوٹرائز آلہ تیار کیا گیا ہے جس سے یہ وزنی صفحات بہ آسانی کھولے جائیں گے۔

مزید یہ کہ ہر صفحہ کھلنے پر کمپیوٹرائز آلہ میں نصب ٹیپ ریکارڈ پر اس صفحہ کی آیات کی تلاوت ہوگی یہ تلاوت مشہور مصری قاری شیخ عبد الباسط عبد الصمد کی آواز میں ہوگی کچھ صفحات پر مشہور اسکالروں کی تحریر کردہ تفاسیر بھی لکھی ہوں گی، اس نسخہ کا جائزہ وزارت اوقاف و مذہبی امور وسط جنوری میں لے گی۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا قرآنی نسخہ ہوگا۔

فی الوقت گنز بک آف ورلڈ ریکارڈ کے مطابق قرآن پاک کا سب سے بڑا نسخہ "التھجد" ہے جس کا سائز ۶۰ بائی ۵۰ سنٹی میٹر ہے اسے ۹۴ء میں دار الصفوی اشاعت خانہ مصر نے شائع کیا تھا۔

(۲) آسٹریلیا میں اسلامی ریڈیو اسٹیشن

آسٹریلیا میں مقیم مسلمانوں نے وہاں کے مقامی باشندوں کو اسلام کی حقیقی تصویر دکھانے کے لئے میڈیا کا موثر سہارا لینا شروع کر دیا ہے۔ ایک اخباری اطلاعات کے مطابق اس مقصد کے لئے آسٹریلیا کے مسلمانوں نے امداد باہمی سے ریڈیو اسٹیشن قائم کیا ہے جس کا نام "آسٹریلین اسلامک ریڈیو" تجویز کیا گیا ہے جبکہ آسٹریلین مسلم ٹائمز کے نام سے ایک اخبار کا بھی اجراء کیا گیا ہے جس کو غیر مسلم حلقوں میں مقبولیت حاصل ہو رہی ہے۔ آسٹریلیا کے مسلم حلقوں کے مطابق آسٹریلیا کے باشندوں کی اسلام کے بارے میں معلومات گمراہ کن ہیں جو مغرب کے ذرائع ابلاغ کی مہیا کردہ ہیں تاہم اب لوگوں کو اسلام کے حقیقی تصورات سے روشناس کروانے کا کام شروع کر دیا گیا ہے اور اس کے مثبت اثرات سامنے آنے شروع ہو گئے ہیں۔